تُم کیا ملے

زُمر نعیم

تم کیا ملے

زُمر نعیم

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
فون: 042-37652546 , 042-37668958
www.alquraish.com E.mail:info@alquraish.com

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

خوب سے خوب تر کتابوں کی اشاعت
جدت اور معیار کے ساتھ

بااہتمام.....محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

باراوّل..... 2012ء
مطبع..... نیّر اسد پریس لاہور
کمپوزنگ..... کلائمکس گرافکس
قیمت ..... -/400روپے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

انتساب

میرے بھائیوں کے نام.....

فہرست

تم کیا ملے 7

نویدِ بہار 101

دستک ہوا کی 170

لمحوں کی بساط 227

مسافتیں کٹھن ہیں 339

Scanned by Iqbalmt@oneurdu.com

تم کیا ملے

''آج اماں جان کا چہلم بھی ہو گیا، عمرانہ پھر کیا سوچا ہے حنظلہ کے بارے میں؟ میں تو صبح گھر چلی جاؤں گی۔ تم نے قدیر کا موڈ تو دیکھا ہی ہے، خوامخواہ بگڑا ہوا تھا۔ بچے الگ پریشان ہیں فون پر فون کر رہے ہیں۔ نوکروں کے سر پر کب تک گھر کو چھوڑ سکتی ہوں۔'' شبانہ غمزدہ سی بولیں۔

''آ.....ہ آپی اماں جان کی اچانک موت نے تو ہمیں ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کہ اماں جان یوں اچانک اتنی جلدی ہمیں تنہا کر جائیں گی۔ ہماری تو میکے کی آس بھی ختم ہو گئی۔ آج کوئی بھائی ہوتا، تو ہمیں یہ امید تو رہتی کہ ہمارا میکہ سلامت ہے۔ کاش ہمارا ایک بھائی ہوتا، جس کی محبت ہمیں اس گھر تک کھینچ لاتی' اب نہ تو اماں جان رہی ہیں اور نہ ہی ہمارے یہاں آنے کا جواز' آئیں گے بھی کیا خالی گھر اور در و دیوار سے ملنے۔'' عمرانہ تو اماں جان کی بے حد لاڈلی تھیں، اسی لئے ان کی جدائی کے ساتھ ان کی محبتیں محسوس کرتے ہوئے ایک بار پھر سسک پڑیں۔ شاہانہ اپنے بستر سے اٹھ کر فوراً اس کے قریب آ گئیں اور انہیں گلے لگا کر خود بھی اشکبار ہو گئیں۔

''بس کرو عمرانہ صبر سے کام لو، ایک دن تو سبھی نے واپس جانا ہے، جب تک دنیا میں ہیں دنیاداری نبھانی ہی پڑے گی، خواہ غم سے جگر چھلنی ہو یا روح سلگتی ہو' سوچتی ہوں ہم تو اپنے اپنے گھروں کو چلی ہی جائیں گی، مگر حنظلہ بیچاری کہاں جائے گی۔ اماں جان کو اتنی بڑی ذمہ داری نہیں لینی چاہئے تھی، اب بتاؤ ہم کیا کریں؟''

''ہاں اس بات پر تو میں بھی ایک دو بار اماں جان سے الجھی تھی، مگر اماں اللہ کے خوف سے ڈرانے لگیں، اس کی مہربانی پر شکر گزاری کا اظہار کرنے لگیں، کہتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنہائی کو حنظلہ کی ذات سے بانٹ دیا ہے۔ اکثر اظہار کرتی تھیں کہ ہم دونوں کی رخصتی کے بعد تو وہ بالکل تنہا رہ گئی تھیں۔ مایوسیوں کا شکار رہنے لگی تھیں، کہ خدا نے غیب سے مدد فرما کر حنظلہ کو ان کا مونس و غم خوار بنا کر بھیج دیا۔ ان کی باتیں سوچتی تھی تو سچ لگتی تھیں۔'' عمرانہ نے اپنے آنسو دوپٹے کے پلو میں جذب کرتے ہوئے خود پر

قابو پا کر کہا۔

''واقعی ہمارے بعد اماں جان کے پاس رہ کون گیا تھا۔ ذرا سا ہوش آتے ہی اس معصوم نے تو ہم سے بڑھ کر اماں جان کی خدمت کی ہے۔'' شاہانہ نے کہتے ہوئے آہ بھی بھری اور پھر ایک نظر گردن موڑ کر اپنے بستر پر ڈالی، جہاں حنظلہ کسی معصوم بچے کی طرح دبکی پڑی تھی۔ اس کے گالوں پر ابھی تک آنسوؤں کے نشان تھے۔ کچھ دیر سوچ میں ڈوب کر شاہانہ اچانک بولیں۔

''عمرانہ تم حنظلہ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتیں، تم سے تو قریب بھی ہے۔''

''میں..... آپی یہ کیسے ہو سکتا ہے، آپ جانتی تو ہیں ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے، میرے جیٹھ اور دیور کے جوان بچے ہیں اور پھر نند بھی بالکل ساتھ ہی رہتی ہے اور اس کے علاوہ آپ اس جنگلی کو تو جانتی ہی ہیں، میں ایک جوان لڑکی کو کیسے رکھ سکتی ہوں، یہ بڑی ذمہ داری کی بات ہے آپی۔'' عمرانہ بہن کی بات پر ایک دم سٹپٹا گئیں۔

''رکھ تو میں بھی نہیں سکتی، دونوں بیٹے جوان ہیں' بیٹی شادی کی عمر کو پہنچ گئی، مگر قدرت کا رنگیلا پن ابھی ختم نہیں ہوا' کبھی کبھی اپنا رنگ دکھا جاتے ہیں۔ وہ تو میں پوری نظر رکھتی ہوں، ورنہ کوئی موقع ضائع نہ ہونے دیں۔'' شاہانہ دلگرفتہ انداز میں اپنی مجبوری بتانے لگیں۔

''پھر کیا کریں، میری تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا' حتیٰ کہ یہاں اکیلی بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ اماں جان کی روح بھی بے چین رہے گی۔ اماں جان نے تو بیٹی کی طرح ہی پالا ہے اسے۔''

''یہی تو ساری پریشانی ہے کہ کیا کریں، سگی بھتیجی ہوتی تو مسئلہ ہی نہ ہوتا، مگر حتیٰ کی حقیقت تو سبھی کو معلوم ہے کہ ابا کے شاگرد اور منہ بولے بیٹے کی نشانی ہے، جس کی ماں اس کے پیدا ہوتے ہی مر گئی اور باپ سرحد پر دشمن کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ اماں جان نے شوہر کا مان بڑھانے کو یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی۔''

''ہاں تو اماں جان ضمام بھائی کو بیٹے سے کم تو نہیں چاہتی تھیں اور اس نے بھی تو ہمیں بہنوں سے بڑھ کر مان دیا تھا۔ مجھے تو ہمیشہ وہ اپنا سگا بھائی ہی لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کیسا اچھا مقام دیا۔ شہادت تو خوش نصیبوں کا مقدر ہوتی ہے۔''

عمرانہ کی آنکھوں میں ماضی کے جگنو بھی ٹمٹما رہے تھے۔ رات کا دوسرا پہر چل رہا تھا، ساری دنیا خواب غفلت میں تھی اور یہ دونوں بہنیں سوچوں میں غلطاں تھیں۔ کچھ توقف کے بعد شاہانہ نے اصرار بھرے انداز میں چھوٹی بہن سے کہا۔

''عمرانہ حتیٰ کو تم ہی اپنے ساتھ لے جاؤ، تمہارے گھر میں ماشاء اللہ لڑکیاں بھی کافی ہیں، ان میں رہ لے گی۔ اپنی خصلہ ہے کسی نہ کسی کا ساتھ تو ہوگا، تم خود ہی تو کہتی تھیں کہ وہ دنوں گھر نہیں گھستا پھر حنظلہ کا اس سے واسطہ ہی کیا ہوگا، کوشش کرتے ہیں کوئی اچھا رشتہ مل جائے، تو سادگی سے رخصت کر دیں گے۔ اماں جان نے تو کافی کچھ بنا رکھا ہے اس کیلئے۔'' عمرانہ کو گومگو کی کیفیت میں دیکھ کر انہوں نے مزید تسلی آمیز انداز میں کہا۔

''تم ڈر کیوں رہی ہو اگر تم کہو تو میں خود حسنین سے بات کرتی ہوں، بلکہ حنظلہ کے رشتے کیلئے بھی کہوں گی، کہ کوئی نیک شریف لڑکا دیکھ کر بچی کو رخصت کر دیں' قدیر سے تو مجھے کوئی امید ہی نہیں ہے کہ وہ کسی قسم کا تعاون کریں گے، البتہ حسنین پر بھروسا ہے کہ وہ میری بات نہیں ٹالے گا۔''

''آپی حسنین تو میری بھی کوئی بات نہیں ٹالتے مگر؟'' وہ کشمکش میں تھیں۔

''کیا سسرال والے اعتراض نہیں کریں گے؟''

''واہ..... وہ کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے، میں نے ساری زندگی ان کا منہ دیکھتے ہوئے گزاری ہے، کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا، پھر وہ کیسے معترض ہو سکتے ہیں۔'' وہ یک دم چمک کر بولیں۔ اپنی ذات پر بھروسا جو بہت تھا۔

''پھر کیا مسئلہ ہے؟''

''آپی بتایا تو ہے مجھے صرف اس بدتمیز جنگلی سے ڈر ہے، یقین کریں گھر میں گھستا ہے تو طوفان لے کر۔ باپ کچھ کہتے نہیں اسی لئے شہ زور ہے، میں کہہ کہہ کر تھک گئی، جان بوجھ کر مجھے غصہ دلاتا ہے اور میں صرف حسنین کی وجہ سے ضبط کر جاتی ہوں، ماں تو اس نے مجھے کبھی مانا ہی نہیں، بہن بھائیوں کو کچھ نہیں سمجھتا، عجیب جنونی جذباتی قسم کا لڑکا ہے۔ توڑ پھوڑ تو اس کا معمول ہے۔ کئی بار تو اپنا ایکسیڈنٹ کر بیٹھا ہے۔ پھپھو نے' تایا نے سب نے سمجھا بجھا کر دیکھ لیا، مگر وہ سمجھتا ہی نہیں، گھر میں تو کسی سے قریب ہے ہی نہیں، پڑھنے کیلئے گھر سے نکلتا ہے پڑھتا بھی ہے یا نہیں کچھ خبر نہیں اور حلیہ الامان' ہمتوں ایک جنز میں نظر آتا ہے۔ دیکھنے والے تو مجھے ہی ظالم کہتے ہوں گے، میں تو اس لڑکے سے سخت عاجز آ چکی ہوں، حسنین کو پسند کرنے کی بہت بڑی سزا ملی ہے مجھے، کوئی عورت سوکن کی اولاد برداشت نہیں کرتی، مگر میرا حوصلہ ہے کہ اس کی پرورش بھی کی اور اب اس کی نفرت بھی برداشت کر رہی ہوں، پھر بھی لوگوں کی نظروں میں ظالم ہوں۔'' عمرانہ آبدیدہ سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

''شروع شروع میں تو وہ اچھا بھلا تھا، تمہیں ماما' ماما کہا کرتا تھا، تم سے مکمل مل گیا تھا۔''

''ہاں تب وہ معصوم تھا۔ دراصل میری ساس مجھ پر بڑا ظلم کر گئیں، مجھ سے زیادہ تو عفان پر۔ وہ تو مجھے ماں ہی سمجھتا تھا، مگر ان سے ہماری محبت دیکھی نہ گئی، اسے ساری حقیقت بتا دی کہ میں اس کی سوتیلی ماں ہوں اور پھر نجانے اس کے دل میں کیسی نفرت بھری کہ وہ آج تک مجھ سے متنفر ہے۔''

''پھر کیا کیا جائے حتیٰ کو بے یار و مددگار بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ اماں جان کی محبت باندھ رہی ہے وہ خود حنظلہ سے کس قدر محبت کرتی تھیں، اس کے لاڈ اٹھاتی تھیں۔ میرے ایک بار شکوہ کرنے پر مجھے ہی ڈانٹ دیا تھا۔ کہنے لگیں حتیٰ کو بالکل اپنے بھائی کی اولاد سمجھو، تمہیں خود بخود محبت ہو جائے گی۔ اماں کے حوالے سے کئی یادیں پھر سے تازہ ہو رہی تھیں۔ ماں اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے، جس کا کوئی بدل ہی نہیں ہے۔''

''تو ہم بھی کب فرق کرتے ہیں بھائی کی اولاد ہی سمجھتے ہیں اور سب یہی جانتے ہیں، مگر وہاں لے کر جانا، وہ بھی اس طرح پتا نہیں بعد میں حتیٰ کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہو، حتیٰ نے تو اماں جان کی محبتیں

دیکھی ہیں، لوگوں کے چہرے بدلتے ہوئے دیکھ پائے گی یا نہیں۔" عمرانہ بہت زیادہ کشمکش میں تھیں، ذہن میں بہت دور تک کی سوچیں تھیں اور دل میں حی کی محبت بھی موجزن تھی، جو یقیناً اماں جان کی نسبت سے ہی دگنی ہوگئی تھی۔ شاہانہ بھی سوچ بچار میں تھیں، پھر اچانک گویا ہوئیں بلکہ دور کی کوڑی لائیں۔

"عمرانہ!...... اگر برا نہ مانو تو ایک بات ذہن میں آئی ہے۔"

"آپی جھجک کیوں رہی ہیں، جو کہنا ہے کہہ دیں۔" عمرانہ نے ان کی جھجک محسوس کر کے انہیں حوصلہ دیا۔

"میں چاہ رہی تھی کہ گھر کی لڑکی گھر میں ہی رہ جائے تو ہمارے سارے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔ ہماری حی میں کمی ہی کیا ہے۔ اماں جان نے اس کی تربیت اعلیٰ خطوط پر کی ہے، ہر ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ شکل و صورت میں بھی ہزاروں میں ایک ہے۔ تعلیم بھی مناسب ہے۔ ابھی تو ایف اے کیا ہے، اماں جان زندہ رہتیں تو آگے بھی ضرور پڑھاتیں۔ اگر شوہر چاہے گا، تو آگے بھی پڑھنے دے گا۔ اس لئے۔" بہن کی باتوں پر عمرانہ کا ماتھا فوراً ٹھنکا۔

"آپی آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں کھل کر بات کریں۔" عمرانہ ایسی ناسمجھ تو نہ تھیں، پھر بھی ان کے منہ سے سننا چاہتی تھیں۔

"تم تو جانتی ہو میرا بیٹا تو اپنی پھپھو کی بیٹی شافع میں انٹرسٹڈ ہے اور اسفند پڑھائی کے جھمیلے میں پھنسا ہے اور سب سے بڑھ کر قدیر کی فطرت اپنی بہن بھائی کی بیٹی پر، وہ کسی اور کو فوقیت تو دیں گے نہیں ورنہ حی کو میں بے دھڑک اپنی بہو بنا کر لے جاتی۔ یہ کار خیر تم انجام دے لو تو۔" ان کی وضاحت پر عمرانہ بھونچکا رہ گئیں، پھر حیرت سے بولیں۔

"آپی میرے بیٹے کون سا اپنے پیروں پر کھڑے ہیں ابھی تو دونوں پڑھ رہے ہیں۔"

"بھئی میں عفان کیلئے کہہ رہی ہوں۔" بڑی آپا نے جلدی سے کہا۔

"آپ ہوش میں تو ہیں آپی عفان کے ساتھ حی کی شادی؟ یہ تو حی پر ظلم ہوگا، آپی اسے خونی رشتوں کا احساس نہیں وہ اس سماجی رشتے کو کیسے نبھائے گا۔ حی بہت معصوم ہے، وہ اس جنگلی کے روّیہ برداشت نہیں کر سکے گی، ایک نمبر کا بدتمیز اجڈ انسان ہے۔ آپ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں، آخر میں بھی بیٹی والی ہوں حی کی زندگی تباہ نہیں کر سکتی۔" عمرانہ تو سوچ کر ہی وحشت زدہ ہو گئیں۔

شاہانہ آپی کی سوچ پر انہیں کچھ دکھ بھی ہو رہا تھا۔ حی کیلئے اپنے کسی بیٹے کے بجائے وہ عفان جیسے غیر ذمہ دار اور اکھڑ انسان کو مناسب سمجھ رہی تھیں۔

"تم نے ہی اسے ہوا بنا کر پیش کیا ہے، ورنہ ہمیں تو معقول ہی لگتا ہے، ذرا سا اکھڑ ہے تو کیا ہوا اکثر مرد تو غصہ ور ہی ہوتے ہیں۔ قدیر کی اماں بتاتی ہیں شادی سے پہلے قدیر بھی تنتناتا پھرتا ہے، مگر شادی کے ہوتے ہی سب ٹھیک ہو گیا۔ بڑوں کا احترام بھی آ گیا اور مجھے بھی خوش ہی رکھا۔ عفان کی بھی شادی کر دوں گی، تو اس کے رویے اور وتیرے خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ بیوی کی ذمہ داری زندگی کی ضروریات' فکر معاش کی طرف خود بخود گھسیٹ لیں گی۔ حسنین کا اتنا بڑا کاروبار ہے، خود ہی باپ کے

ساتھ لگ جائے گا، تم بھی فکروں سے آزاد ہو جاؤ گی۔" شاہانہ نے ان کو موجودہ اور آئندہ فکروں سے آزادی کا راستہ دکھایا۔ عمرانہ ان کی باتیں سن کر کشمکش کا شکار ہو گئی تھیں۔

"آپی...... میرا دل نہیں مانتا عفان سے مجھے کسی اچھائی کی امید نہیں ہے۔ حی کو خوشی دینے کے بجائے آنسو مل جائیں گے اور وہ کوئی ایسا سیدھا نہیں ہے، کہ ایسی آسانی سے مان جائے گا۔" عمرانہ وسوسوں' اندیشوں میں گرفتار تھیں، مگر شاہانہ تو گویا اپنے ارادوں میں اٹل تھیں اور عمرانہ کو بھی اپنا ہمنوا بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔

"تم وہم دل سے نکال دو کچھ نہیں ہوتا، بسم اللہ کر کے حسنین سے بات کرو، مجھے یقین ہے وہ مان جائے گا اور عفان باپ کی بات تو رد نہیں کرتا ناں' دیکھو عمرانہ میں حی کی دشمن نہیں ہوں، میری دور تک نظر ہے، اگر ہم حی کا کہیں باہر رشتہ کریں گے تو بھی ساری ذمہ داری ہمیں ہی اٹھانی ہے۔ غیروں میں جائے گی لوگ سو سوال پوچھیں گے اور ضروری تو نہیں کہ ہمارے جواب سب کو مطمئن کر دیں۔ ہم نے ضرور اس الجھن میں پڑنا ہے، بس اللہ کا نام لے کر تم یہ کام کر دو دونوں طرف سے سرخرو ہو جاؤ گی۔"

"میری تو سوچ ہی کام نہیں کر رہی۔"

"تسلی سے سوچ لو اگر حسنین راضی ہو جاتے ہیں تو پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ جاتا، میں بھی پھر چند روز مزید حی کے پاس رک جاؤں گی، سادگی سے نکاح کر کے اپنی امانت لے جانا۔" شاہانہ نے بات ہی ختم کر دی اور پھر اطمینان سے اپنے بستر پر آ گئیں۔

عمرانہ بھی لیٹ کر ساری باتیں سوچنے لگیں۔ شاہانہ آپی کی باتیں معقول لگ رہی تھیں۔ حی کو تنہا چھوڑنا بھی نہیں چاہتی تھیں اور بنا کسی حیثیت کے اپنے گھر لے جانا بھی مناسب نہیں سمجھتی تھیں۔ حسنین پر تو انہیں پورا اعتبار تھا کہ وہ ان کی رائے سے پوری طرح متفق ہوں گے۔ انہیں عفان کی شادی سے اس کے سدھار کی امید نظر آ رہی تھی۔

شاہانہ آپی سے پہلے بھی کئی لوگوں نے عفان کے بارے میں یہی مشورہ دیا تھا کہ شادی کے بعد سدھر جائے گا۔ اسی امید کے سہارے وہ مطمئن سی ہو گئیں۔

***

"چھوٹی پھپھو...... چھوٹی پھپھو انکل حسنین آئے ہیں۔" حنظلہ تقریباً بھاگتی ہوئی انہیں جگانے آئی۔ رات دیر سے سونے کی وجہ سے ان کی اب تک آنکھ نہیں کھلی تھی، جبکہ حنظلہ اپنی عادت کے مطابق صبح ہی اٹھ گئی تھیں۔ عمرانہ کے ساتھ شاہانہ بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ عمرانہ فوراً بستر چھوڑ کر باہر آ گئیں۔ حسنین برآمدے میں بچھی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان تھے، وہ نخوت سے بولیں۔

"ارے آپ یہاں ہی بیٹھ گئے اندر آ جاتے نا۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں یہیں تم اپنا پروگرام بتاؤ گھر کب چلنا ہے بچے ڈسٹرب ہیں۔"

"بس آج چلی جاؤں گی مگر......؟" ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ حنظلہ ان کیلئے چائے لے کر آ گئی تھیں۔ اسے اپنی پھپھو کی عادت کا پتہ تھا، کہ وہ صبح سب سے پہلے چائے پئیں گی۔

''انکل میں ناشتہ بنا رہی ہوں، آپ ناشتہ کر کے جایئے گا۔''

''حمی بیٹے میں گھر سے ناشتہ کر کے نکلا ہوں، دس بج رہے ہیں تم اپنی پھپھو کو ناشتہ کراؤ۔''

''پلیز انکل تھوڑا سا چکھ ہی لیں ہمارے ساتھ، پھپھو آپ منہ ہاتھ دھولیں۔'' وہ فوراً اندر چلی گئی، حسنین احمد اسے جاتا دیکھتے رہے، پھر کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئے۔

''حمی کے بارے میں تم دونوں بہنوں نے کیا سوچا ہے؟''

''میں آپ سے اسی سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھی۔'' عمرانہ نے چائے کی پیالی خالی کر کے میز پر رکھ دی۔

''ہوں کیا بات ہے؟'' حسنین احمد نے سگریٹ سلگاتے ہوئے استفسار کیا۔

''آپی تو قدیر بھائی اور اپنی ساس کی وجہ سے حمی کو اپنے ساتھ رکھ نہیں سکتیں، اسی لئے وہ کہہ رہی تھیں کہ میں حمی کو اپنے ساتھ لے جاؤں مگر۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے تم اسے اپنے ساتھ لے جانا، ویسے بھی اب یہاں کیا رکھا ہے، پرسہ دینے والے بھی سبھی جا چکے ہیں، حمی کا یہاں اکیلا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''لیکن میں نے تو کچھ اور ہی سوچا ہے اور آپی کا مشورہ بھی ہے جو کہ مناسب بھی ہے۔''

''کیا.....؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے سگریٹ کا کش لیا۔ عمرانہ نے جھجکتے ہوئے بات کی۔

''میرا اور آپی کا خیال ہے کہ حمی کی شادی کر دیں، اس طرح اسے مستقل ٹھکانہ مل جائے، ورنہ میرے تیرے آسرے پر تو اس کی شخصیت بکھر جائے گی۔''

''یہ تو بہت اچھا خیال ہے کہ اماں جان کوئی فیصلہ کر کے گئی ہیں؟''

''نہیں اماں جان نے تو کبھی ایسا خیال بھی ظاہر نہیں کیا، وہ حمی کو اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتی تھیں، تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے مگر نصیب۔'' اماں جان کے ذکر پر وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ کچھ کشمکش میں بھی مبتلا تھیں، کہ کس طرح اپنا مدعا بیان کریں، حسنین سے ڈر بھی رہی تھیں کہ نجانے وہ اس کی بات کو کس رنگ میں لیں۔

''ٹھیک ہے فی الحال تو تم اسے ساتھ لے جاؤ، پھر کچھ کرتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی مناسب لڑکا نظروں سے گزرا تو بات آگے بڑھائیں گے۔'' حسنین احمد نے حوصلہ افزا انداز میں بات کی تو انہیں بھی حوصلہ ہوا۔

''میں تو ساتھ لے جانے پر تیار ہوں، مگر سوچتی ہوں وہاں حمی کو کس حیثیت سے لے کر جاؤں، سب لوگوں کا رویہ اس کے ساتھ نجانے کیسا ہوگا۔ حمی تو آج کل بہت حساس ہو رہی ہے، نجانے وہ کس کے رویے کو کس رنگ میں لے۔''

''تمہیں کسی سے کیا غرض ہے، وہ تمہارے تعلق سے ہمارے گھر میں رہے گی، یہ کافی نہیں ہے۔ ویسے بھی مجھے اپنے گھر والوں پر اعتماد ہے وہ کبھی حمی کی ذات پر اعتراض نہیں کریں گے اور نہ ہی حمی کو ڈس

ہارٹ کریں گے۔'' حسنین احمد نے سگریٹ کا ٹکڑا بوٹ تلے مسل دیا۔

''میں گھر والوں سے خوفزدہ نہیں ہوں، بس حمی کی عزت نفس کو ٹھیس لگنے کا ڈر ہے مجھے اماں جان نے اسے ہمیشہ اپنی جان سے عزیز رکھا۔ اپنے سگے بیٹے کی نشانی سمجھ کر پالا اب اگر ان کے بعد کوئی اٹھ کر حمی سے ہمارا رشتہ پوچھنے بیٹھ گیا، تو سوچیں حمی کے دل پر کیا بیتے گی۔ سب حقیقت جانتے ہیں، مگر بات کرتے کوئی نہیں سوچا کرتا اس لئے۔''

''پھر حمی کیلئے کیا کرو گے تم لوگ؟'' حسنین احمد کچھ زچ ہو کر بولے۔

''حسنین کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ..... کہ ہم حمی کو اپنی بہو بنا لیں۔'' انہوں نے گویا دھماکہ کر دیا تھا۔ حسنین احمد جیسے اپنی جگہ پر اچھل سے گئے۔

''عمرانہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تمہاری عقل پر پتھر تو نہیں پڑ گئے؟'' وہ شدید حیرت میں تھے۔ انہیں ایسی بات کی توقع ہی نہیں تھی۔

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا، اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' عمرانہ نے اس بار سارا خوف بالائے طاق رکھ دیا۔ بات کر دی تھی تو اب وہ میدان میں آ کھڑی ہوئیں۔

''تمہیں اپنے بیٹوں کے مزاجوں کا علم نہیں ہے؟ ان کی عمریں دیکھو سب ابھی پڑھ رہے ہیں۔'' ان کی آواز قدرے تیز اور اونچی تھی، جوان کے غصے کی غماز تھی۔

''آپ کے فیصلے کو وہ کیسے رد کر سکتے ہیں، آخر آپ کی اولاد ہیں اور عمر کی بات چھوڑیں آپ کی بھی تو پہلی شادی یونیورسٹی لائف میں ہو گئی تھی۔'' عمرانہ نے ذرا پروا نہ کی۔

''میری بات تو چھوڑو آج کل کے بچے پہلے کچھ بننا چاہتے ہیں، تمہیں ان کے کیریئر کا ذرا خیال نہیں ہے، سلیمان کا میڈیکل فائنل پروفیشنل ہے اس پر ذمہ داری ڈالنے کا مطلب ہے اسے ڈپریس کرنا اور میں نہیں چاہتا کہ کل کو وہ ہمیں کوئی الزام دے اور رہا عثمان تو اس کا تو ابھی ایف ایس سی کا رزلٹ بھی آؤٹ نہیں ہوا۔ تم نے یہ سوچا کیسے؟'' وہ تردیدی انداز میں سر ہلانے لگے۔ وہ عمرانہ سے متفق نہیں تھے۔

''کیوں تیسرے بیٹے کو کیوں بھول رہے ہیں عفان بھی تو ہے آخر۔''

''عفان..... دماغ تو ٹھیک ہے عمرانہ تمہارا، عفان کھلنڈرا اور لاپروا انسان ہے، میں نہیں سمجھتا کہ وہ کوئی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھا سکتا ہے۔ جب تک وہ خود کمانے کے قابل نہ ہو جائے میں تو اس کیلئے ایسا کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا۔''

''بس آپ تو اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں' آخر یہ اتنا بڑا کاروبار کس لئے پھیلا رکھا ہے، اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لگاتے۔ آخر اسی نے سب کچھ سنبھالنا ہے، آپ اس پر کوئی ذمہ داری ڈالیں گے تو اسے عقل آئے گی، ورنہ تو پھرتا رہے گا یونہی اور بعد میں آپ پچھتاتے رہیں گے۔ اسے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے، حسنین آخر کب تک آپ اسے اس کے حال پر چھوڑے رکھیں گے۔''

وہ ہمیشہ حسنین کو اس کی طرف راغب کرنے کی کوشش کیا کرتی تھیں، اسی لئے تو انہیں یقین تھا کہ حسنین ان کی بات مان جائیں گے اور حسنین بھی جانتے تھے عمرانہ بظاہر منہ سے عفان کو کچھ بھی کہہ لیں،

ان کے دل میں عفان کیلئے برائی نہ تھی۔ وہ اسے بھی اپنے بچوں کی طرح ہونہار اور لائق دیکھنا چاہتی تھیں۔

''پھر بھی مجھے تو یہ کسی طرح مناسب نہیں لگ رہا۔ حنظلہ جیسی بچی کے ساتھ یہ ظلم ہوگا۔ دونوں ہی ابھی ناسمجھ ہیں۔'' حسنین احمد نیم رضامند نظر آنے لگے، تو عمرانہ کے لہجے میں لجاجت مچل گئی۔

''حنظلہ کی آپ فکر نہ کریں، ہماری حنظلہ کافی سمجھدار ہے۔ اماں جان نے اس کی تربیت بہت اچھی کی ہے اور پھر اس سلسلے میں آپی اسے پوری طرح تیار کریں گی، آپ بس عفان سے بات کریں، زیادہ دھڑکا تو چاہئے نہیں سادگی سے چار لوگوں میں نکاح کر کے لے جائیں گے، کسی خاص حیثیت سے جائے گی، تو وہ احساس کمتری کا شکار نہیں ہوگی۔'' عمرانہ نے اپنے طور پر بنایا سارا پروگرام ان کے گوش گزار کیا۔ حسنین احمد خود گومگو کی سی کیفیت میں تھے۔ بیوی کی باتوں کے قائل بھی ہو رہے تھے، مگر مائل ہونے میں کچھ وقت درکار تھا۔

''ٹھیک ہے تم گھر آ کر سب سے مشورہ کرلو، میں بھی عفان سے بات کر کے دیکھتا ہوں، پھر کوئی بات بڑھائیں گے۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''حسنین دوسروں سے مشورہ تو میں تب کروں، جب آپ کی طرف سے مجھے تسلی بخش جواب ملے گا، ورنہ مجھے اپنی سبکی کروانے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس بار عمرانہ نے ناز و نخرے سے کہا، تو حسنین احمد جیسے بے بس ہوگئے۔

''ایک تو تم بھی عمرانہ..... مجھے عفان کو تو راضی کرنے دو۔''

''وہ بیٹا ہے ہمارا، ہم اس کی بھلائی چاہتے ہیں اور مجھے یقین ہے وہ آپ کی بات کبھی نہیں ٹالے گا پلیز۔'' عمرانہ نے دلبرانہ لجاجت سے کہا، تو حسنین احمد نے اثبات میں گردن ہلائی، ان کے کچھ بولنے سے پہلے یہ حمی ناشتے کیلئے بلانے آ گئی۔

***

''شکر ہے اپنی حمی کا مسئلہ تو حل ہوا، اب میں بھی اپنے گھر سکون سے جاؤں گی، ورنہ دل ادھر ہی پڑا رہتا۔'' حنظلہ کے اِدھر اُدھر ہوتے ہی موقع دیکھ کر عمرانہ نے شاہانہ آپی کو خوشخبری سنائی۔

''بس آپی اللہ تعالیٰ نے بہتر کر دیا۔ ورنہ میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی حسنین سے زیادہ مجھے عفان کا ڈر ہے، خیر حسنین اسے کسی طرح تیار کر ہی لیں گے۔'' عمرانہ نے ایسے سر جھٹکا، جیسے ساری فکریں اُلجھنیں جھٹک رہی ہوں۔ شاہانہ آپی بھی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگیں۔ کچھ توقف کے بعد عمرانہ نے انہیں مخاطب کیا۔

''آپی۔''

''ہاں کیا بات ہے؟''

''اب حمی کو آپ نے اس سارے معاملے کیلئے تیار کرنا ہے، بلکہ اسے عفان کے بارے میں بھی پوری طرح آگاہ کر دیں۔''

''عمرانہ کیا غضب کرتی ہو بچی جو ذرا اماں جان کی جدائی کے صدمے سے سنبھلی ہے اب اسے

عفان کی بدمزاجی کا بتا کر رنجیدہ کرنا ہے، وہ تو پھر یہ سمجھے گی کہ ہم اسے سر سے اتار رہے ہیں۔ اس پر کوئی ظلم کر رہے ہیں۔''

''آپی اسے عفان کے مزاج کا تو بتانا ہی پڑے گا، آخر اس نے اس کے ساتھ زندگی گزارنی ہے، کل کو وہ ہمیں الزام دے سکتی ہے۔'' عمرانہ کی فکریں پھر سے بیدار ہوگئی تھیں۔

''حمی کوئی ناسمجھ تو ہے نہیں، جب اسے علم ہوگا کہ تم اسے اپنی بہو بنا کر لے جا رہی ہو تو وہ بولے گی بھی نہیں۔ اسے اتنا احساس تو ہوگا کہ ہم اس کے تہارہ جانے کی وجہ سے یہ قدم اٹھا رہے ہیں اور عفان کے بارے میں بھی فکرمند نہ ہوں شادی کے بعد بڑے بڑے پھنے خاں سیدھے ہو جاتے ہیں۔''

''پھر بھی آپی۔''

''اچھا..... اچھا میں ابھی تمہارے سامنے ہی طریقے سے اسے سمجھا دیتی ہوں۔'' پھر وہ حمی کو آوازیں دینے لگیں، جو کچن میں ان کیلئے دوپہر کا کھانا پکا رہی تھی۔ اماں جان نے اسے چھوٹی عمر میں ہی ہر کام میں طاق کر دیا تھا۔ وہ تیسری آواز پر دوڑی چلی آئی۔ عمرانہ کی آنکھوں میں خود بخود محبت سمٹ آئی، جبکہ شاہانہ نے تو صلیبی نگاہوں سے پرکھا۔

حمی کو آج دونوں کے رویے پہلے سے زیادہ محبت آمیز لگ رہے تھے اور وہ سمجھ رہی تھی، کہ اماں جان کی جدائی کے غم نے انہیں اس کے قریب کر دیا ہے۔

''جی بڑی پھپھو آپ نے مجھے بلایا ہے؟''

''ہاں ادھر میرے پاس بیٹھو اور میری بات دھیان سے سننا۔'' انہوں نے اپنے پہلو میں اسے جگہ دی۔ وہ سعادت مندی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

وہ دونوں کی پریشانی سے اچھی طرح آگاہ تھی۔

''میں سن رہی ہوں پھپھو۔''

''سنو بیٹا اماں جان کے بعد تمہارا یہاں اکیلے رہنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں، مگر یہ ایک دو ہفتے یا مہینے دو مہینے کی بات تو نہیں ہے، زندگی بھر کی بات ہے اس لئے ہم نے سوچا ہے کہ تمہیں کسی ایسے گھر میں بھیجیں، جہاں تم سکون آرام اور آزادی سے رہ سکو۔ جسے تم بنا کسی ہچکچاہٹ کے اپنا کہہ سکو اور اپنا گھر تو لڑکی کا ایک ہی ہوتا ہے، اس کے شوہر کا گھر، ہم نے سوچا ہے کہ ہم تمہاری شادی کر دیں۔''

''جی..... پھپھو۔'' اس کی آواز گھٹ گئی، وہ گردن موڑ کر ہکا بکا سی انہیں دیکھنے لگی، اسے اس بات کی تو قطعی توقع نہ تھی۔ اسے تو یہی اندازہ تھا کہ دونوں میں سے کوئی ایک اسے اپنے ساتھ رکھنے کی پیشکش کرے گی۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا، اس کے آنسو ٹپ ٹپ بہنا شروع ہوگئے اس نے فوراً ہی گردن موڑ لی۔

''اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ اماں جان زندہ ہوتیں تو ہم شاید ابھی ایسا سوچ بھی نہ سکتے، مگر اب وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ ایسا فیصلہ کریں اور تم بالکل پریشان نہ ہو ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں

گئے تم کسی غیر کے گھر نہیں اپنی چھوٹی پھپھو کے گھر ہی جاؤ گی۔'' وہ شدت سے رو دی، وجہ ان کی محبت تھی۔ وہ اپنی حیثیت سے آگاہ تھی۔ اماں جان نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ غیر ہو کر بھی وہ اس کے کس قدر مشکر تھیں۔ حی کا دل ان کے احسان کے بارے سے مزید بوجھل ہو گیا۔ عمرانہ اس کے شدت سے رونے پر اٹھ کر اس کے قریب آئیں اور پھر اسے گلے لگا لیا۔

''بس بیٹی بس ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے، اگر تمہیں اعتراض ہے تو؟''

''نہ..... نہیں پھپھو نہیں۔'' وہ سسکتے ہوئے تڑپ کر تردیدی انداز میں بولی۔

''آپ نے جو فیصلہ کیا ہوگا، میری بھلائی کیلئے کیا ہوگا۔ آپ جو چاہے کریں آپ کو اختیار ہے۔'' وہ ہچکیوں کے دوران بمشکل بول پائی۔

''بس پھر اب اتنا رو نہیں اماں جان کی روح کو تکلیف ہوگی۔ جاؤ شاباش منہ ہاتھ دھو کر آؤ اور سنو آئندہ تمہیں روتے ہوئے نہ دیکھوں، چند دن بعد تمہیں اپنے سسرال میں ہونا ہے، کیا اتنا سامنہ لے کر جاؤ گی۔'' عمرانہ نے محبت کے بھرپور احساس سے اسے تھپتھپایا، تو وہ قدرے شرما گئی اور پھر باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی شاہانہ آپی حیرت سے گویا ہوئیں۔

''تو کیا تم نے حسنین سے دن بھی طے کر لیا ہے؟''

''نہیں لیکن مجھے یقین ہے میں جیسا کہوں گی، حسنین ویسا ہی کریں گے۔ میرا ارادہ جمعہ تک یہ سب نمٹانے کا ہے، اس مبارک کام کیلئے جمعہ مناسب دن ہے، زیادہ لوگ تو ہوں گے نہیں بس چائے پانی کا انتظام کرنا ہوگا، آپ بس اپنی فیملی کو بلوا لیجئے گا۔'' عمرانہ منٹوں میں پروگرام بنا چکی تھیں۔ شاہانہ نے بہن کو تو صلی نظروں سے دیکھا۔

''یہ تم نے اچھا سوچا ہے، زیادہ لوگوں کو جمع کرنے کا فائدہ بھی کیا، جتنے منہ اتنی باتیں۔''

''تو میں بے فکر ہو کر جاؤں نا آپی۔''

''ہاں..... ہاں تم بے فکر ہو کر جاؤ اب میں خود انتظام کر لوں گی، قدیر کو بھی آج ہی فون کر دوں گی۔'' شاہانہ آپی بھی بہت زیادہ مطمئن ہو گئی تھیں۔

***

''اپنی پرابلم ماما، آپ نے پہلے تو کبھی اس طرح نہیں بلایا۔'' سلیمان نے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنی ماں سے پوچھا۔ عثمان اور حفصہ بھی آ کر بیٹھ گئے۔ گھر میں آتے ہی عمرانہ نے اپنے تینوں بچوں کو فوراً اپنے کمرے میں بلا بھیجا تھا۔

''عفان واپس آ گیا ہے؟'' عفان کیلئے ان کا لہجہ و انداز خاصا متشکر تھا، سلیمان نے ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ جبکہ حفصہ انہیں بتانے لگی۔

''ابھی لنچ سے کچھ دیر پہلے ہی آئے ہیں۔ اف ماما ان کا حلیہ آپ دیکھتیں تو رئیلی آج تو آپ ان سے جھگڑ پڑتیں، مجھے تو عفان بھائی کے دوستوں پر حیرت ہوتی ہے، وہ ان کا حلیہ کیسے برداشت کرتے

ہیں اور دوست بھی اکارڈ شیراڈ والے۔'' حفصہ نے کہتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں، گویا وہ پھر اپنی میلی چکٹ جینز میں اس کے مقابل آ کھڑا ہوا ہو۔

''ابھی گھر میں ہی موجود ہے یا پھر غائب ہو گیا ہے؟'' عمرانہ نے بیٹی کے تاثرات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

''اپنے روم میں ہی ہیں ابھی، آپ کے آنے سے پہلے پاپا کا فون ان کیلئے آیا تھا، میں نے میسج دے دیا تھا، نجانے اٹینڈ کیا ہے یا نہیں۔'' عثمان نے بتاتے ہوئے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

''ماما آج آپ عفان کے بارے میں کافی الرٹ ہو رہی ہیں، کیا پاپا نے کوئی نوٹس لیا ہے جو؟'' سلیمان کے مسکراتے لب جھنجلا گئے۔

''فضول باتیں نہ کرو، میں نے کبھی کوئی زیادتی کی ہے جو ان کے نوٹس میں آتی۔''

''تو پھر جب سے نانو کے گھر سے آئی ہیں، انہیں کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔ اتنے دن ہمیں اگنور کیا ہم سے دور رہیں، ہم سے تو ہمارا حال بھی نہیں پوچھا۔'' لاڈلی حفصہ کا موڈ کچھ خراب ہو گیا۔

''حفصہ ڈارلنگ میں نے تو تم سے کہا تھا کہ میرے ساتھ چلو، مگر تم ایگری نہیں ہوئیں۔'' عمرانہ نے اسے بچوں کی طرح پچکارا۔

''اکچوئلی ماما کی ڈیڈ باڈی دیکھ کر میں بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔ اس لئے میں وہاں رات کو رک نہیں سکی۔'' حفصہ کی فطرت سے وہ آگاہ تھیں، اس لئے اسے مزید پچکارا۔

''میری جان ڈرنے کی کیا بات ہے، ہم سب نے ایک دن ایسے ہی واپس جانا ہے۔ اچھا چھوڑو اور میری بات تم تینوں دھیان سے سنو اور ایک بات یاد رکھنا، جو بات میں تم سے کرنے لگی ہوں اس کی ہوا تک باہر نہیں نکلنی چاہئے، خصوصاً عفان کو بالکل معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ تمہارے پاپا پہلے اس سے بات کر لیں، پھر کوئی فکر کی بات نہیں۔'' عمرانہ نے اپنے بچوں کو سمجھاتے ہوئے خبردار کیا۔

''عفان کی کوئی نئی شکایت؟'' سلیمان نے ذرا سنجیدگی سے پوچھا۔

''کوئی مزیداری بات ہے جلدی سے بتائیں، ماما بڑے دن ہو گئے عفان بھائی کی شامت نہیں آئی۔'' عثمان نے بے ساختہ اپنے بچگانہ انداز میں پوچھا، تو عمرانہ نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''عثمان وہ تم سب کا بڑا بھائی ہے آئندہ تمہارا لہجہ ایسا نہ ہو۔''

''ماما اس نے ہمیں بھائی مانا ہے، جو ہم اسے بڑا بھائی سمجھیں۔'' سلیمان کو ماں کا چھوٹے بھائی کو ڈانٹنا وہ بھی عفان کیلئے اچھا نہیں لگا۔

''کچھ بھی ہو تم تینوں کو اپنا رویہ اچھا رکھنا ہے، ویسے بھی وہ تم سے کچھ نہیں کہتا، اس لئے تم لوگ بھی اپنی زبان بند رکھو۔''

''ہاں واقعی کچھ نہیں کہتا، اس روز عثمان سے کس طرح مس بی ہیو کیا ہے، اس نے اس کا عثمان نے صرف بیٹ لیا تھا اور وہ کس قدر بگڑ گیا تھا، میں صرف آپ کی وجہ سے چپ کر گیا تھا، ورنہ مزہ چکھا دیتا۔''

سلیمان بھی غصے میں تپ رہا تھا۔

''تو.....تم لوگ اس کی چیزوں کو کیوں چھیڑتے ہو، جانتے تو ہو وہ اپنی چیزوں کو کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا۔''

''تو ٹھیک ہے جب وہ ہم سے الگ ہے تو ہم بھی الگ ہی ہیں۔'' سلیمان عفان سے خاصا کبیدہ رہتا تھا۔

''افوہ میں تم لوگوں سے کیا بات کرنے لگی تھی اور تم لوگوں نے مجھے کس طرف اُلجھالیا ہے۔'' عمرانہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ ماں کی ناراضگی تینوں کو ہی کھل رہی تھی۔ حفصہ نے ہی ہمت کر کے ماما کو مخاطب کیا۔

''ماما پلیز بتائیں ناں آپ کیا ڈسکس کرنا چاہ رہی تھیں؟''

حفصہ کی منت پر انہوں نے ہاتھوں سے سر اٹھایا۔ پھر سلیمان کو خفگی سے دیکھتے ہوئے بولنے لگیں۔

''سنو ہم فرائیڈے کو عفان کا نکاح کر رہے ہیں اور تم تینوں یہ خبر ابھی کسی کو نہیں دو گے۔''

''کیا.....اوہ۔'' تینوں کی حیرت زدہ ملی جلی آوازیں کمرے میں گونج گئیں۔ حیرت کے دریا سے پہلے سلیمان ہی برآمد ہوا۔

''ماما.....اتنی جلدی کس سے؟''

''جلدی کی بھی مجبوری ہے، ہم حنظلہ سے کر رہے ہیں شادی۔''

''اپنی حمی سے ماما؟'' حفصہ بھی تقریباً چیخ اٹھی۔

''اپنی آوازوں کو کنٹرول کرو، کیوں کیا برائی ہے اس میں؟''

''برائی.....ماما آپ عفان کو جانتی نہیں وہ کس ٹائپ کا آدمی ہے، یہ تو زیادتی ہے ماما۔ آپ کم از کم اسے انسان تو بن جانے دیں۔'' سلیمان ہمیشہ اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھا کر اپنی ماما سے کھل کر ہر بات کر لیتا تھا۔

''اسے انسان بنانے کو ہی یہ تدبیر سوجھی ہے، شادی کے بعد بگڑے نواب بھی سدھر جاتے ہیں۔'' عمرانہ نے رسان سے کہا۔

''حمی تو ابھی چھوٹی ہے ماما بہت معصوم ہے وہ' میں نہیں مانتا اسے ٹریٹ کر سکے گی، آخر آپ نے یہ سوچا ہی کیسے؟''

''اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے سترہ اٹھارہ سال کی تو ہو گئی ہے اور پھر وہ باشعور ہے اور پھر یہ ہماری مجبوری بھی ہے، کہ ہم اسے وہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتے، مرتے ہوئے اماں جان اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھما گئی ہیں، پھر بتاؤ میں کیا کروں؟''

''تو کیا آپ اسے ویسے یہاں نہیں رکھ سکتیں، ضرور اس کی قسمت پھوڑنی ہے اور پھر آنٹی شاہانہ کی بھی تو فیملی ہے، وہ کیوں نہیں لے جاتیں اپنے ساتھ؟''

''آپی کی بھی معقول مجبوری ہے اور میں بھی نہیں چاہتی کہ حمی میرے میکے کے فرد کی حیثیت سے یہاں قیام پذیر ہو، میں اسے کسی نمایاں حیثیت سے یہاں لانا چاہتی ہوں، تاکہ وہ کسی کے دباؤ میں نہ

آئے۔''

''نمایاں حیثیت.....عفان اس کی کوئی حیثیت بننے دے گا، تو وہ نمایاں ہو گی۔'' سلیمان کے لہجے میں طنز تھا۔ عمرانہ نے ٹھٹک کر جانچتی نظروں سے سلیمان کو دیکھا، ان کے دل میں خیال سا آیا کہ کہیں سلیمان حنظلہ میں انٹرسٹیڈ تو نہیں، اس لئے ذرا فراخدلی سے بولی۔

''میں نے تو اسے بہو بنانا ہے عفان اگر اسے کوئی حیثیت نہیں دے سکتا تو ٹھیک ہے، تم اس سے شادی کر لو۔''

''میں.....میں کر لوں شادی؟'' وہ گڑبڑا گیا۔

''ہاں.....کیوں کیا ہوا؟''

''ماما.....آپ تو جانتی ہیں میرا فائنل پروفیشنل ہے اس کے بعد ہاؤس جاب اور پھر کلینک کا سیٹ اپ تو ان سے پہلے میں اس قسم کی اتنی بڑی ذمہ داری افورڈ نہیں کر سکتا۔'' عمرانہ اس کے پہلو تہی کرنے پر اطمینان سے مسکرا دیں۔

''بس بولنا ہی آتا ہے۔''

''ماما سچائی کو چیلنج تو نہیں کیا جا سکتا، میرا فیوچر بالکل برائٹ ہے میں پھر بھی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔ جبکہ عفان نے تو شاید اپنے فیوچر کو آئیڈیالائز بھی نہیں کیا اور آپ لوگ اس کے سر پر اتنی بڑی ذمہ داری ڈال رہے ہیں۔'' سلیمان کے رویے میں اُلجھن تھی۔

''اسی لئے تو ذمہ داری ڈال رہے ہیں کہ وہ سوچے کہ اس نے آگے کیا کرنا ہے، شادی ہو جائے گی تو وہ گھر سے غائب رہنا چھوڑ دے گا، بات بات پر چڑنا' جلنا چھوڑ دے گا اور پھر بیوی کا وجود اسے احساس دلانے کی کوشش کرے گا، کہ وہ اس کی ذمہ داری ہے، اسی لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی چاہئے۔ بیٹا میں اس کی یا حمی کی دشمن نہیں ہوں، میں دونوں کی بھلائی ہی چاہتی ہوں۔''

''پتا نہیں آپ لوگوں کی یہ کیا لاجک ہے، میری تو جو رائے تھی، وہ میں نے دے دی ہے، آپ تو ظاہر ہے وہ کریں گی جو آپ کو بہتر لگتا ہے۔'' سلیمان نے ماں کی متانت پر انہیں دیکھا اور پھر لاتعلقی کا اظہار کیا۔ عمرانہ نے بھی اس کی رائے کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ اس وقت ویسے بھی انہیں حفصہ کے چہرے پر اُلجھن و تردد نظر آ رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

''حفصہ تم کچھ کہنا چاہ رہی ہو؟''

''یس ماما مجھے بہت اُلجھن ہو رہی ہے۔''

''کیوں جانو مجھے بتاؤ تم کیوں ڈپریس ہو رہی ہو؟''

''ماما حنظلہ یہاں کیسے ایڈجسٹ ہو پائے گی، جبکہ وہ بھائی کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی، وہ تو شاید کبھی عفان بھائی سے ملی بھی نہیں ہے اور پھر معلوم نہیں عفان بھائی اسے قبول بھی کرتے ہیں یا نہیں۔'' حفصہ کو حمی سے دلی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ ویسے بھی وہ نرم دل کی مالک تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اسے بے چین کر دیتی تھیں۔ اب اس فیصلے پر وہ قدرے پریشان ہو کر بولی۔

''حی یہاں ایڈجسٹ ہو جائے گی سوئی اور عفان بھی اسے قبول کرلے گا تم فکر نہ کرو، تمہارے پاپا خود عفان کو راضی کریں گے۔''

''پھر بھی ماما یہ اتنی شادی کیلئے سوٹ ایبل تو نہیں ہوتی۔ آپ حی کو کوئی مقام دینے کی کوشش میں اسے بالکل ڈی گریڈ نہ کر دیجئے گا، عفان سے مجھے تو کوئی اچھی امید نہیں ہے۔'' سلیمان نے پھر سے مداخلت کی حفصہ بھائی کی تائید کرنے لگی۔

''ہاں ماما حی عفان بھائی کے رویے سے ڈس ہارٹ ہو گئی، تو پھر آپ کا کیا کریں گی، ماما حی بہت سویٹ اور معصوم ہے کم ازکم میں اسے دکھی نہیں دیکھ سکتی۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا جانو، انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا، ہماری نیت نیک ہے اس لئے انجام بھی اچھا ہی ہوگا۔ مجھے تم لوگوں کی فیور چاہئے، پھر ہی میں باقی فیملی ممبرز کو قائل کرسکوں گی۔ مجھے ہی نہیں حی کو بھی تم تینوں کے تعاون کی ضرورت ہوگی اس لئے ابھی سے اپنے مائنڈ میک اپ کرلو اور اپنے موڈ بھی درست رکھو۔'' عمرانہ نے پُر امید نظروں سے اپنے بچوں کو دیکھا، تو سلیمان ان کے قریب آ گیا اور پھر ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں محبت سے یقین دلایا۔

''ڈونٹ وری ماما آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' حفصہ اور عثمان نے بھی پُر اعتماد مسکراہٹ بکھیری۔

''ماما ہم حی کو کیا کہیں گے؟'' عثمان نے دلچسپی سے پوچھا، تو حفصہ مسکرا کر بولی۔

''بھابی کہیں گے اور کیا کہیں گے ہیں نا ماما؟'' عمرانہ تائیداً ہنس دی۔ تبھی سلیمان فاصلے پر کھڑا ہوتے ہوئے منہ بنا کر بولا۔

''نو...... نیور میں حی کو بھابی نہیں کہوں گا۔''

''کیوں تم کیوں نہیں کہو گے؟'' عمرانہ نے حیرت سے استفسار کیا، تو وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولا۔

''ماما حی مجھ سے کتنی چھوٹی ہے اور عفان کے ریفرنس سے تو بالکل بھی...... آئی ایم سوری۔''

''سلیمان تم سدھر جاؤ بڑا بھائی ہے وہ تمہارا، تم اس سے اپنا خون کا رشتہ ختم کر سکتے ہو؟'' عمرانہ نے بیٹے کو بری طرح جھڑکا۔ ماں کی ناراضگی پر وہ قدرے سنبھل کر لجاجت سے بولا۔

''ماما ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ می، پلیز اور اس سے فرق کیا پڑتا ہے، میں حی کو بھابی کہوں یا کزن سمجھ کر نام لوں۔ بچپن سے تو نام ہی لیتے آ رہے ہیں ہم اس کا۔'' عمرانہ نے بھی اس وقت بحث کرنا مناسب نہ سمجھا، بس سر ہلا کر اس کی بات سمجھنے کا اشارہ دیا، پھر تینوں کو مخاطب کیا۔

''اوکے تم لوگ جاؤ اپنا کام کرو، مجھے بھی کچھ کام نمٹانے میں اور حفصہ تم کل کچھ ٹائم نکال کر حی کیلئے ضروری شاپنگ کر لینا جان۔''

''اوکے ماما ایز یو لائیک۔'' حفصہ تو ایک دم خوشی سے کھل اٹھی، ماما اس پر بھروسہ کرتی ہیں، یہی بات اس کیلئے اہم تھی۔

شام تک وہ سارے گھر کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکی تھیں۔ جس نے بھی سنا پہلے تو حیرت سے انہیں دیکھا اور پھر سب کی طرح عفان کے مزاج کے بخئے ادھیڑ دیئے۔

عمرانہ کی اکلوتی نند معصومہ بھی خبر پاتے ہی چلی آئیں، یہ پہلی فرد تھیں، جنہوں نے عمرانہ کے اقدام کو سراہا، جبکہ شاداب' زین' عمرانہ کی جیٹھانی نائلہ رحمٰن نے نکتہ چینی کرتے ہوئے انہیں عفان کے حوالے سے کافی ڈس ہارٹ کیا تھا۔

***

''بی بی...... بی بی رحمتے...... بی بی کہاں چلی گئی ہو، میں نے کہا تھا ناں کہ مجھے کھانا نہیں کھانا۔''

ہمیشہ کی طرح رات کے کھانے پر وائیٹ ہاؤس کے تمام افراد خانہ ڈائننگ ہال میں موجود تھے، ماسوائے عفان کے۔ سبھی تقریباً کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، جب وہ تقریباً چیختا ہوا بی بی رحمتے کی آوازیں دیتا چلا آیا۔ بی بی رحمتے اس کے چلانے پر باورچی خانے سے فوراً نکل کر اس کے سامنے آئیں۔

''جب میں نے کہا تھا کہ نہیں کھانا تو نہیں کھانا' آئندہ اگر ایسا کیا تو میں سب کچھ اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔'' پورے ہال میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔

بی بی رحمتے دبی دبی زبان میں کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر وہ سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے کھانے کی ٹرے بی بی کو پکڑائی، جیسے ہی وہ مڑا حسنین احمد اس کے مقابل آ گئے۔ عمرانہ کے ہوش اڑ گئے اور سب دم بخود رہ گئے۔ سب ہی پریشان تھے کہ آج وہ حسنین احمد سے بدتمیزی نہ کر بیٹھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اس کی شادی کرنے کے سلسلے میں وہ سب کو کس قدر مان سے کہہ رہے تھے، وہ ان کی کوئی بات نہیں ٹالے گا، جبکہ سبھی کی رائے تھی کہ عفان نہیں مانے گا۔ اور اب دونوں باپ بیٹا مقابل آ کھڑے ہوئے تھے۔

''عفان یہ کیا حرکت ہے؟'' حسنین احمد کی آواز جیسے اسے حقیقت کی دنیا میں کھینچ لیا، اس نے بمشکل اپنے چہرے کے تناؤ کو کم کیا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے، پھر بھی میرے انکار کے باوجود۔''

''بھوک نہیں ہے تو مت کھاؤ، مگر تمہارا یہ بی ہیویئر تمہیں اچھی طرح علم ہے، بی بی کی حیثیت اس گھر میں کیا ہے۔'' حسنین احمد خاصے غصے میں تھے۔ وہ کبھی حسنین احمد کے سامنے نہیں بولا تھا، اس لئے لب بھینچ کر رہ گیا۔ اس نے خود پر جبر کرکے معذرت کی۔

''آئی ایم سوری۔'' باپ کا موڈ دیکھ کر وہ واپس جانے کیلئے پلٹنے لگا، تو انہوں نے اسے روکا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، میرے روم میں چلو، تم دن بہ دن بگڑتے جا رہے ہو، مجھے تمہارا کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔'' وہ حکم صادر کرکے واش بیسن کی طرف بڑھ گئے، جبکہ وہ سب پر سلگتی نگاہ ڈال کر پاؤں پٹختا واپس چلا گیا۔

''بی بی تمہیں پتہ تو ہے اس کی عادت کا، وہ خود مانگتا تو اسے کھانا دیتیں۔ فضول میں بدمزگی ہو گئی ہے۔'' عمرانہ بی بی رحمتے کے پیچھے چلی آئیں۔ جہاں وہ اپنی نگرانی میں ملازمہ سے سامان سمیٹوا رہی تھی۔

''کیا کرتی بیگم صاحبہ جب سے آیا ہے کمرے میں بند ہے، نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ گھر میں بھی تو چار دن بعد آیا ہے، پھر بخار بھی ہے میں نے سوچا کچھ کھالے گا تو دوا وغیرہ بھی اثر کرے گی۔'' بی بی رحمتے کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح اس کی محبت اور گھلی ہوئی تھی۔

''اسے بخار ہے بی بی تم پہلے بتا دیتیں ڈاکٹر کو بلوا لیتے۔'' عمرانہ بھی آج کچھ زیادہ ہی فکرمند ہو رہی تھیں۔

''میں نے کہا تھا، مگر آج تو وہ مجھ سے بھی ناراض ہے، میری کوئی بات نہ سن رہا ہے اور نہ مان رہا ہے۔''

''تم سے کیوں ناراض ہوا ہے۔''

''بس کیا بتاؤں پوچھ رہا تھا کہ آج سر جوڑ کر بھی اس کیلئے کیا سازش کر رہے ہیں۔ میں نے تو اسی لئے کچھ نہیں بتایا کہ کہیں سن کر گھر سے ہی نہ بھاگ جائے۔''

''آہ لڑکے کے دل سے جانے کب میری طرف بدگمانیاں ختم ہوں گی۔ میں اس کی دشمن تو نہیں ہوں، پھر بھی وہ مجھے دشمن ہی سمجھتا ہے۔ اماں جانی پتا نہیں کیا کچھ اس کے دل میں بھر گئی ہیں۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ وہ اس کے ذہن سے وہ سب کیسے نکالوں۔'' عمرانہ حقیقی طور پر متاسف تھیں۔ عفان کیلئے ان کے دل میں بڑی گنجائش تھی۔

''صبر کر دو بیٹی تمہیں تو تمہارے عمل کا اجر ملے گا ہی، تم اس کے ساتھ برائی تو نہیں کر رہی اللہ سے اچھی اُمید رکھو وہ سب ٹھیک کر دے۔''

بی بی رحمتے نے پیار سے تسلی دی، تو وہ سر ہلا کر وہاں سے چل پڑیں۔ انہیں حسنین احمد کے غصے سے ڈر تھا۔ عفان کی ناسازی طبع کا انہیں تو پتا نہیں تھا، اس لئے اب وہ نجانے کس انداز میں اس سے بات کرتے۔ وہ دل ہی دل میں فکرمند ہو رہی تھیں۔

***

''یہ..... میں آج کل تمہارے بارے میں کیا سن رہا ہوں۔'' حسنین احمد نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کڑے تیوروں سے پوچھا۔ وہ جو باپ کے آنے سے قبل ہی ان کے کمرے میں موجود تھا، انہیں دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

''میں نہیں جانتا کہ آپ کیا سن رہے ہیں یا آپ کو کیا سنایا جا رہا ہے۔'' عفان نے سلگتے ہوئے سوچا، مگر کہنے کی ہمت نہ پڑی، جبکہ حسنین اس کی خاموشی پر مزید غصے اور سنجیدگی سے بولے۔

''تم آج کل ہوتے کہاں ہو؟'' وہ جا کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''میں گھر پر ہی ہوتا ہوں پاپا۔'' اس نے باپ کے تاثرات نوٹ کر کے اپنی نظریں جھکا لیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا، کہ انہیں اس کے خلاف بھرا گیا ہے۔

''گھر..... کس کے گھر؟ میری اطلاع کے مطابق تو تم تین چار دن بعد گھر میں داخل ہوئے ہو اور وہ بھی احسان عظیم کرتے ہوئے۔ عفان خود کو سدھار لو، ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا۔ مجھے نہ آوارہ

لوگ پسند ہیں اور نہ ہی میں آوارہ گردیاں برداشت کر سکتا ہوں، اس گھر میں اور بھی لڑکے ہیں، وہ راتوں کو گھر سے باہر کیوں نہیں رہتے، تمہیں ایسی کیا مجبوری ہے جو تم؟'' وہ آج اگلے پچھلے حساب برابر کرنے کے موڈ میں تھے۔ عفان کو ان کا بے وقت اور بے موقع بیدار ہونا، احساس ذمہ داری مزید سلگا گیا تھا۔ آج سے پہلے انہوں نے کب اسے اتنی توجہ دی تھی یا اس کے آنے جانے کا نوٹس لیا تھا۔

''ہونہہ..... جیسے میں جانتا نہیں کیا کرتے ہیں اس گھر کے لڑکے۔ سب ماؤں کے آنچل میں چھپ کر اپنی من مانیاں کرتے ہیں، اس لئے کسی کو نظر نہیں آتیں اور میرے لئے سب کی دو دو آنکھیں بھی چار ہو جاتی ہیں شاید اس لئے کہ میری ماں نہیں ہے۔'' وہ محرومی کے شدید احساس تلے دب کر سوچ رہا تھا۔

''میں تم سے جواب مانگ رہا ہوں کہاں ہوتے ہو تم۔'' اس کی خاموشی انہیں زچ کر گئی۔

''دن میں تو ظاہر ہے میں یونیورسٹی ہی جاتا ہوں، اس کے بعد کبھی کبھی کسی دوست کی طرف کمبائن اسٹڈی کیلئے رک جاتا ہوں، یا پھر کبھی میرے نائٹ میچز ہوتے ہیں، تو میں گھر سے باہر رہتا ہوں، ورنہ تو گھر پر ہی ہوتا ہوں۔'' اس نے کبھی کسی کو صفائی پیش نہیں کی تھی۔ آج باپ کی سختی سے کی گئی باز پرس نے اسے اپنی روٹین بتانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''مجھے تمہاری کسی بہانے بازی پر اعتبار نہیں ہے اور یہ روز روز کے نائٹ میچز کیا تم کسی کلب سے منسلک ہو گئے، یا پھر قومی ہیرو بن گئے کہ کوئی بھی میچ تمہارے بنا نہیں ہو سکتا۔'' حسنین احمد کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا۔

''مجھے بہانے بنانے کی کیا ضرورت ہے پاپا، میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' باپ کے غصے سے وہ کچھ خائف ہو کر بولا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو باقی سب جھوٹ بولتے ہیں اور میں اندھا ہو گیا ہوں نا تمہاری روٹین نہیں دیکھتا۔ کتنے دن بعد گھر میں گھسے ہو صاحبزادے۔''

''میں بیمار تھا اور عاقب کے گھر پر تھا۔''

''مجھے تمہاری کسی بکواس پر یقین نہیں ہے، آج میری بات کان کھول کر سن لو میں تمہیں تمہارے اس رنگ ڈھنگ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ عفان آخر تم نے اپنے بارے میں سوچا کیا ہے، کیا یونہی آوارہ گردی کرتے زندگی گزار دو گے۔ میں تمہیں یہ لاسٹ چانس دے رہا ہوں، یہ سب چھوڑ کر میری آفس جوائن کر دو یا پھر یہاں سے اپنی شکل گم کر لو انڈر اسٹینڈ۔'' وہ باپ کے فیصلہ کن انداز پر ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''اوہ تو مجھے میرے باپ سے الگ کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ عمرانہ بیگم میں تمہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ تصور میں عمرانہ سے مخاطب تھا۔ حسنین احمد اور بھی بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ اس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے سنبھل کر جواب دیا۔

''ابھی میں آپ کا آفس کیسے جوائن کر سکتا ہوں میرا ایم بی اے کا فائنل ایئر ہے پاپا۔''

''تم سے یہ ایم بی اے وغیرہ ہونے سے رہا۔ کیا باپ کی کھیتی ہے، جب چاہو گے کاٹ لو گے۔ رات رات محنت کرنا پڑتی ہے، صاحبزادے تب یہ ڈگری ملتی ہے، تمہیں تو اپنی آوارہ گردیوں سے ہی فرصت نہیں ہے پڑھائی کیا خاک کرتے ہو گے۔''

''پاپا آپ میرا فائنل رزلٹ دیکھ کر ہی کوئی بات کیجئے گا، ویسے بھی ہم سب دوستوں نے ایک ساتھ بزنس کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' اب وہ بالکل نارمل ہو کر بات کر رہا تھا۔ مگر حسنین احمد مسلسل کمرے کے چکر کاٹتے ہوئے اسے گھور رہے تھے۔ اس کا حلیہ خاصا رف تھا۔

''اس مشترکہ بزنس کیلئے انویسٹ کہاں سے کرو گے ڈاکے ڈالو گے یا ہیروئن اسمگل کرو گے۔'' ان کی دھاڑ پر وہ قدرے سہم گیا، پھر دل میں پیچ و تاب کھانے لگا کہ باپ نے اس سے ایسی غلط توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ حسنین احمد کو بھی اپنے رویے کی سختی کا تھوڑا سا احساس ہوا، تو لہجے میں تھوڑی سی نرمی بھری۔

''بس میں نے کہہ دیا ہے کہ تم صبح سے میرے آفس میں آ جاؤ، میں تمہیں سب کچھ خود سکھاؤں گا۔ دوستوں کے ساتھ بزنس کا خیال دل سے نکال دو عفان، تمہیں میرے ساتھ کام کرنا ہے۔ بس اور ہاں اس بارے میں مجھے تمہاری کوئی تاویل نہیں سننی۔ اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو میرا حکم بھی ماننا پڑے گا۔'' انہیں بھی اندازہ تھا کہ وہ جوش میں بھی یہاں سے جانے کے بارے میں نہیں سوچے گا۔ اس لئے اسے بار بار کہہ رہے تھے۔

''سنو عفان دوستی دوستی تک محدود رہے تو اچھی لگتی ہے، اقتصادی اور دنیاوی اغراض کے ساتھ نبھانے کی کوشش کی جائے تو دوستی باقی نہیں رہتی اور جب ایک بزنس تمہارے لئے سیٹ ہے، تو تمہیں کہیں اور جانے کی یا کسی کے ساتھ کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب آخر تم ہی کو سنبھالنا ہے۔'' باپ کی نرمی سے اس کی روح پر پڑا بوجھ ذرا سرکا تھا۔ اس کے چہرے کا تناؤ بھی بالکل ختم ہو گیا۔

''میں ٹرائی کروں گا پاپا یونیورسٹی کے بعد کچھ ٹائم آپ کے آفس میں گزاروں۔'' حسنین احمد نے یہی جانتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ انہیں بیڈ پر بیٹھتے دیکھ کر اس نے جانے کی اجازت مانگی، تو انہوں نے کشمکش سے کھنچے ابروؤں کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا، پھر اسے مخاطب کیا۔

''ابھی بیٹھو میں نے تمہیں جس ضروری بات کیلئے یہاں بلایا تھا، وہ تو ابھی کی نہیں ہے۔'' وہ ان کے ایک دم بدل جانے والے لہجے پر حیرت زدہ ہوتا ہوا ان کے سامنے صوفہ چیئر پر بیٹھ گیا اور پھر ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

حسنین احمد گومگو کی کیفیت میں تھے کہ کس طرح عمرانہ کا کیا فیصلہ (جس پر ان کے ساتھ سارا گھر متفق ہو چکا تھا) اس پر صادر کریں۔ آخر وہ کشمکش سے نکل کر اپنے مخصوص انداز میں اس سے مخاطب ہوئے۔

''عفان تمہاری وجہ سے میں جس قدر پریشان رہتا ہوں، شاید ہی کوئی باپ رہتا ہو گا، تمہارے رویوں نے مجھے ہمیشہ سب کے سامنے شرمندہ کیا ہے۔''

''اب میں نے کیا کیا ہے پاپا آپ کو ہمیشہ مجھ سے شکایت رہی ہے۔'' (جبکہ شکایتیں تو مجھے ہیں آپ سے) اس نے اُلجھ کر پوچھا اور آدھی بات دل میں کہی۔

''یہ کیا کم ہے جوان لڑکے کا راتوں کو گھر سے غائب رہنا۔ تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس قدر انسلٹ فیل کرتا ہوں، جب گھر کا ہی کوئی فرد مجھے اطلاع دیتا ہے کہ تم چار راتوں سے یا تین راتوں سے گھر نہیں آئے اور کسی کے پوچھنے پر تم نے پوچھنے والے کی انسلٹ کر دی ہے۔ ایسا کب تک چلے گا عفان، میں نے تمہیں ایسا تو نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ تم نے خود کو کبھی اس گھر کے باقی لڑکوں کے ساتھ کمپیئر کیا ہے۔ کتنا فرق ہے تم میں اور ان سب میں؟''

حسنین احمد اپنی پدرانہ شفقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے بسی سے بول رہے تھے۔ عفان نے آنکھوں کو سکیڑ کر انہیں دیکھا۔ اسے ان سے شدید محبت تھی، اس لئے ان کے پریشان چہرے کو دیکھ کر وہ کڑھ کر رہ گیا۔

''پاپا میں نے آج تک ایسا کچھ نہیں کیا، جس پر آپ کو شرمندگی ہو اور جب میں کسی کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا، تو کوئی میرے معاملات میں دخل کیوں دیتا ہے اور پلیز مجھے اس گھر کے لڑکوں کے ساتھ کمپیئر مت کریں، یہ ڈفرنس ہمیشہ رہے گا، کیونکہ ان سب کی مائیں ہیں جبکہ میری ماں؟'' اس کے اندر مچلتی محرومی نے اس کی آواز کو نم کر دیا تھا۔

حسنین احمد نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ آج شدت سے انہیں اپنی لاپروائی کا احساس ہوا تھا۔ عفان کے وجود سے چشم پوشی برت کر انہوں نے کئی محرومیوں سے دوچار کر دیا تھا۔ انہیں آج اس کے دل میں مچلتی بدگمانیوں کا اندازہ ہو رہا تھا، جو کہ ان کے خیال میں بالکل غلط تھیں۔ عمرانہ پر انہیں بھرپور اعتماد تھا۔ عمرانہ کو انہوں نے کبھی روایتی سوتیلی ماں کے روپ میں نہیں دیکھا تھا۔ ان کا اندھا اعتماد بالکل صحیح تھا۔

''عفان! عمرانہ تمہاری بھی ماں ہے، اگر تم سمجھو تو وہ تمہارے لئے اپنے دل میں بہت محبت رکھتی ہے، اسی لئے تمہارے لئے پریشان رہتی ہے۔'' حسنین احمد نے قدرے توقف سے اس کی بدگمانی دور کرنا چاہی۔ جواباً وہ زخمی مسکراہٹ لئے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''اچھا ساری باتیں چھوڑو اور میری یہ بات غور سے سنو۔'' باپ کے نرم لہجے پر وہ چونک اٹھا۔ اسے کسی خطرے کا سگنل مل رہا تھا۔

''میں نے تمہارے لئے ایک اہم فیصلہ کیا اور تمہیں میرا فیصلہ ہر صورت میں ماننا ہے ورنہ۔''

''فیصلہ..... کیسا فیصلہ؟'' وہ فوراً پوچھ بیٹھا۔

''میں تمہاری شادی کر رہا ہوں، میرا خیال ہے تم اسی طرح سدھرو گے۔''

''شادی..... میری شادی؟'' عفان کی آواز حیرت کے مارے چیخ میں بدل گئی تھی۔ وہ بے اختیار ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں تمہاری شادی، اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟''

''پاپا آپ مذاق میں..... شادی آئی ایم سوری پاپا۔'' اس سے بات کرنا دشوار ہو رہی تھی۔ بے

ربط انداز میں بے بسی سے بمشکل اپنی بات کہہ پایا۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا، کہ پاپا جو کہہ رہے ہیں وہ اس نے ٹھیک سنا ہے۔

''میں تم سے مذاق کیوں کروں گا' آئی ایم سیریس سب کچھ طے ہو چکا ہے۔''

''وہاٹ..... میں شادی نہیں کروں گا۔'' اسے اپنی آزادی خطرے میں نظر آ رہی تھی۔ وہ جو من موجی آزاد پنچھی تھا، پاپا اس کے پر کاٹنا چاہتے تھے۔ اسے شادی کے پنجرے میں بند کرنا چاہتے تھے اور وہ بھی اتنی جلدی' دل میں کبیدگی مزید بڑھنے لگی۔

''میں تمہاری شادی کر رہا ہوں اور تمہیں شادی کرنی ہے، ہر حال میں ناؤ یو کین گو۔'' حسنین احمد نے قطعی لہجے میں کہتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

''پاپا آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں، میں ابھی شادی نہیں کروں گا۔ مجھے مجبور مت کریں پلیز۔'' وہ قدرے لجاجت سے بولا۔

''میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا، یہ میرا آخری فیصلہ ہے جو تمہیں ماننا ہے، اگر نہیں مانو گے تو زندگی بھر مجھے اپنی شکل نہیں دکھانا۔''

''پلیز پاپا لسن می۔'' وہ ڈھیٹ بنا کھڑا تھا۔ جس پر وہ ایک دم غصے میں آ گئے۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی، البتہ تم میری بات سن لو فرائیڈے کو تمہارا نکاح ہے، اگر تم نے اس موقع پر گھر سے غائب ہونے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں تمہیں بھی شوٹ کروں گا اور خود کو بھی اور یہ صرف دھمکی نہیں ہے میں ایسا کر گزروں گا انڈر سٹینڈ۔'' انہوں نے قریب آ کر اس کے کندھے پر زبردست دباؤ ڈال کر گویا اسے ہلاتے ہوئے اپنے ارادے کی پختگی کا احساس دلایا۔

باپ کے سنگین لہجے پر وہ اندر ہی اندر کانپ گیا تھا۔ ان کی دھاڑ پر عمرانہ دروازہ کھول کر اندر آ گئیں۔ عفان نے مڑ کر برہم نظروں سے انہیں دیکھا۔ اس کے نزدیک اس کے باپ کو اس سے بدظن کرنے والی یہ واحد ہستی تھیں۔

''حسنین آرام سے بات کریں، بچہ ہے، پیار سے سمجھائیں، غصے سے بچوں کو ٹریٹ نہیں کرتے۔'' عفان کو ان کی مداخلت بڑی بری لگی تھی۔ وہ فوراً ہی پاؤں پٹختا ہوا ان کے کمرے سے نکل گیا۔ جبکہ حسنین احمد دوبارہ اپنے بیڈ پر نڈھال سے ہو کر بیٹھ گئے، پھر مایوسی سے بولے۔

''عمرانہ مجھے یہ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔''

''انشاء اللہ سب ٹھیک ہی ہوگا، آپ فکر نہ کریں۔'' عمرانہ نے تسلی آمیز مسکراہٹ سے ان کے خیالات بدلنے کی کوشش کی، آخر وہ نکاح کے انتظامات کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

***

''وہ رب خیر کرے پتا نہیں عفان پتر کو کیا ہوا ہے، بالکل ادھ موا سا پڑا ہے۔'' پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ بی بی رحمتے دستک دیئے ہی کسی کے کمرے میں گھسی چلی آئی تھیں۔ عمرانہ تو باتھ روم کے دروازے میں

ہی ٹھٹک کر کھڑی رہ گئیں۔ حسنین احمد کے ہاتھ میں بھی چائے کا کپ جہاں تھا، وہاں رہ گیا، سن تو انہوں نے لیا تھا، پھر بھی دل کی تسلی کیلئے خود کو بہلانے کیلئے استفسار کیا۔

''کیا بات ہے بی بی تم اس طرح۔''

''وہ عفان کو پتا نہیں کیا ہوا ہے، بے سدھ پڑا ہے اور اپنے کمرے کا تو برا حشر کیا ہوا ہے اس نے۔'' بی بی رحمتے کے حواس بکھرے ہوئے تھے۔

''حسنین کہیں اس نے جذبات میں آ کر کچھ کر تو نہیں لیا۔'' عمرانہ کو پہلے جس خیال نے ڈنک مارا تھا، اس کا اظہار انہوں نے فوراً کر دیا۔ بالوں کو تولیے سے آزاد کرتے ہوئے وہ فوراً حسنین احمد کی طرف بڑھیں۔ حسنین احمد خود بھی کئی وسوسوں میں گھرے تھے، انہوں نے عمرانہ کو تقریباً جھڑک دیا۔

''اچھی بات منہ سے نکالو عمرانہ میں دیکھتا ہوں' چلو بی بی۔''

حسنین احمد اس کے کمرے میں گھستے ہی مزید پریشان ہو گئے۔ اس نے اپنی ہی پسندیدہ چیزوں کو بری طرح توڑ پھوڑ دیا تھا اور خود بھی ان چیزوں کا حصہ بنا میٹرس اور کارپٹ پر تقریباً بکھرا پڑا تھا۔ انہیں بھی لمحہ بھر کو عمرانہ کے اندیشے پر یقین سا ہوا۔ وہ بے اختیار ہو کر فوراً اس کی طرف بڑھے۔

بکھرے ہوئے سامان کو ٹھوکروں سے ہٹاتے ہوئے، اس کے قریب جھک گئے اور پھر اس کی کلائی تھام کر اس کی نبض ٹٹولی۔ اس کی نبض بہت تیزی سے چل رہی تھی۔ کلائی بھی سلگ رہی تھی۔ انہوں نے فوراً اسے سیدھا کیا اور پھر عمرانہ سے مخاطب ہوئے۔

''عمرانہ ڈاکٹر کو جلدی سے فون کرو اور سلیمان کو بھی بلواؤ۔ اسے دوسرے روم میں منتقل کرنا ہے، میرے خدا کسی قدر جنونی ہے یہ لڑکا۔'' عمرانہ کے جاتے ہی آخری جملہ انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ بی بی ہنوز دروازے میں فکرمندی سے کھڑی تھیں۔

''اندیشے کی بات تو نہیں ہے پتر۔''

''نہیں بی بی میرا خیال ہے بخار کی وجہ سے بے ہوشی ہے۔''

''بھوکا بھی تو نجانے کب سے ہے، کل سے گھر آ کر بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔'' حسنین احمد نے قدرے چونک کر انہیں دیکھا۔

''بی بی زہرا کو کہہ کر اس کے روم کی حالت درست کروا دیں، ہوش میں آتے ہی یہ ادھر ہی بھاگے گا۔'' حسنین احمد سے متاسف نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بی بی رحمتے فوراً زہرا کو لینے چلی گئیں۔

سلیمان کو بے وقت اٹھنے کا غصہ تھا۔ وہ بھی عفان کیلئے۔ سارا گھر سویا ہوا تھا اور ماں اسے جگانے آ گئی تھیں۔ باپ کو عفان کے کمرے میں موجود دیکھ کر سلیمان کے منہ کے بگڑے زاویے اپنی اصلی حالت میں آ گئے۔

''آؤ سلیمان بھائی کو اٹھانے میں میری مدد کرو۔''

''آپ رہنے دیں پاپا میں خود ہی اسے اٹھا لیتا ہوں۔'' سعادت مندی سے کہہ کر ماں کی طرف گردن گھما کر پوچھا۔

''ماما اسے کس کے روم میں لٹانا ہے فی الحال یہاں تو ایسا ممکن نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''ہمارے روم میں ہی لے چلو گیسٹ روم تو کافی فاصلے پر ہے۔'' عمرانہ نے بلا توقف کے کہا ، کیونکہ ان کا بیڈ روم ہی اس کے کمرے سے قریب تھا۔ سلیمان نے جھک کر اسے کندھے پر ڈالا اور پھر اسے حسنین احمد کے کمرے میں پہنچا دیا۔ اسے بستر پر لٹانے کے بعد باپ سے سنجیدگی سے مخاطب ہوا۔

''پاپا آخر عفان ایسا کیوں ہو گیا ہے، ہم سب کا گھر، ماحول سب کچھ مشترک ہے پھر یہ ہم سے ڈیفرنٹ کیوں ہو گیا ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں یہ اس طرح بی ہیو کیوں کرتا ہے، آخر یہ کب تک چلے گا پاپا۔''

''اس بات کو تو میں بھی سمجھ نہیں پایا کہ عمرانہ کے حسن سلوک کے باوجود یہ بگڑ کیسے گیا۔'' وہ بے بسی سے کرسی پر ڈھے گئے۔ اب عمرانہ کیا بتاتیں کہ ان کی مرحومہ ماں نے اس کے معصوم ذہن میں کیسا زہر بھرا تھا۔ انہوں نے عمرانہ کو کسی روایتی ساس بن کر دکھایا تھا۔

''پاپا میں جاؤں؟'' باپ اور ماں کو خاموش دیکھ کر سلیمان نے اجازت طلب کی، تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''او کے تم جاؤ ریسٹ کرو، ڈاکٹر صدیقی آتے ہی ہوں گے۔''

''اب کیا ریسٹ؟ اب تو میں جانے کی تیاری کروں گا۔'' وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ حسنین احمد کو آج پہلی بار عفان اور سلیمان کے درمیان فاصلوں کا احساس ہوا۔

ڈاکٹر صدیقی نے آ کر اس کا معائنہ کر کے اس کیلئے دوا تجویز کرنے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

''عفان تو خود سے لاپروا ہے ہی، حسنین احمد تم کیوں اس کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہو۔''

''کیا ہوا ہے صدیقی؟ کھل کے بات کرو اپنی پرابلم۔'' حسنین احمد کی پریشانی ان کے چہرے پر سمٹ آئی۔

''پرابلم تو اس کے ساتھ بچپن سے ہے، اس کا ذہنی انتشار دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے، کسی دن فرسٹریشن میں اس نے کچھ کر لیا تو روتے رہ جانا۔'' ڈاکٹر صدیقی حسنین احمد کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ گھر بھی دو تین بنگلے چھوڑ کر تھا، اس لئے بچپن سے عفان کو جانتے تھے اور وقتاً فوقتاً عفان ہی کی خاطر ایمرجنسی میں آنا پڑا تھا۔

''میں کیا کروں صدیقی مجھے تو خود اس لڑکے کی سمجھ نہیں آتی۔ آخر کس چیز کی کمی ہے اسے جو یہ محرومیوں کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔''

''زندگی میں اگر کوئی خلا پیدا ہو جائے، تو اسے محبتوں سے پُر کیا جاتا ہے چیزوں سے نہیں۔'' ڈاکٹر صدیقی کی سنجیدگی میں رتی بھر فرق نہیں آیا۔ عمرانہ ڈاکٹر صدیقی کی بات پر جز بز ہو گئیں۔ وہ عفان کیلئے اپنی جان بھی لٹا دیں، تب بھی ان پر سے سوتیلے پن کی چھاپ نہیں اتر سکتی تھی۔ لوگ کسی نہ کسی طرح بات جتا ہی دیتے تھے۔

''بہر حال میں نے تمہیں پہلے بھی مشورہ دیا تھا، کہ اسے یہاں سے دور بھیج دو۔ ماحول اور جگہ بدلنے سے طبیعت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عفان بھی گھر سے دور رہے تھے، تو کچھ عرصے میں نارمل ہو جائے گا۔''

''میں نے تو کوشش کی تھی کہ ایجوکیشن کیلئے ہی باہر چلا جائے، مگر وہ انٹرسٹڈ ہی نہیں تھا۔ اب ہم نے اس کیلئے ایک فیصلہ کیا، ہے مگر اب سوچتا ہوں شادی بیاہ کی وجہ سے ڈپریس ہو گیا ہے۔''

''کیسا فیصلہ؟'' ڈاکٹر صدیقی کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آ گئے۔ حسنین احمد اور عمرانہ بھی ہمراہ تھے۔

''ہم اس کی شادی کر رہے ہیں۔'' پھر حسنین احمد نے مختصراً انہیں جلد شادی کرنے کی وجہ بتائی اور پھر ان سے مشورہ بھی مانگا۔

''کیا ہمیں اپنا فیصلہ بدل لینا چاہئے۔''

''قطعی نہیں تم لوگوں کا فیصلہ بالکل درست ہے، بلکہ بہت اچھا ہے۔ سائیکولوجی پوائنٹ آف ویو کے تحت تو یہ بہت اچھا اور کامیاب علاج ہے۔ شادی کے بعد اس کے رجحانات بدل جائیں گے۔ یہ ذہنی انتشار سے بھی بچ جائے گا۔ ویری ویل۔'' ڈاکٹر صدیقی نے حسنین احمد کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے ان کے اقدام کو سراہا۔

''ڈاکٹر صاحب زیادہ فکر کی بات تو نہیں ہے' میرا مطلب ہے عفان کی بے ہوشی۔'' عمرانہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں..... نہیں ذرا بھی فکر کی بات نہیں ہے، زیادہ بخار کی وجہ سے یہ بے ہوش ہے، آپ فکر نہ کریں چند گھنٹوں میں یہ نارمل ہو جائے گا۔ آپ اس کیلئے میڈیسن منگوا لیں اور ہاں جب تک یہ خود ہوش میں نہ آئے، اسے جگانے کی کوشش نہ کریں۔ میں نے انجکشن تو لگا دیا ہے، اٹھے گا تو آپ اسے میڈیسن دیجئے گا۔''

''تھینکیو ڈاکٹر صاحب آپ کی مستند رائے نے مجھے پریشانی سے بچا لیا ہے۔'' عمرانہ بہت مشکور تھیں۔

''آیئے ناشتہ بالکل تیار ہے۔''

''سوری بھابی ناشتہ تو مجھے اپنی بیوی کے ساتھ ہی کرنا ہے، آپ اسے اچھی طرح جانتی ہیں مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے، انشاء اللہ آپ کے بیٹے کی دعوت ولیمہ ضرور کھاؤں گا۔'' ڈاکٹر صدیقی مسکراتے ہوئے ان سے رخصت ہو گئے۔

☆☆☆

ساڑھے دس بجے عفان کو ہوش آیا، تو اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کہاں ہے۔ اس کے حواس معطل تھے۔ جسم بھی بے جان تھا۔ ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ پیاس کی شدت سے اس نے لبوں پر زبان پھیری۔ اس کے پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ ہمت کر کے وہ خود ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس

اٹھا کر اس نے لبوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔ پانی پینے کے بعد اس کے حواس بحال ہوئے، تو اس نے اطراف کا جائزہ لیا تو چونک اٹھا۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں، بلکہ پاپا کے کمرے میں موجود تھا اور پھر اسے کل رات کا سارا واقعہ یاد آ گیا۔

درد کی تیز لہر اس کے پورے جسم میں گردش کر گئی۔ وہ ہمیشہ سے ان کے فیصلوں کا مطیع رہا تھا۔ ان کی خوشنودی کی خاطر کبھی اپنے حق کیلئے بھی احتجاج نہیں کیا تھا، حالانکہ اسے مواقع ملتے رہتے تھے، پھر بھی اس نے پاپا کو دکھ نہ ہو، اس خیال سے، کبھی کسی چیز پر اپنا حق جتانے کی کوشش نہیں کی تھی، وہ سلیمان اور عثمان کو دیکھتا تھا، کس دھڑلے سے وہ اپنی فرمائشیں بتاتے تھے اور حسنین احمد ان کے منہ سے نکلی بات فوراً پوری کرتے تھے، جبکہ انہوں نے کبھی عفان سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ تمہیں بھی کچھ چاہئے۔

اس کیلئے سب نے جو آراء دی تھیں، اس پر بھی اس نے کسی کی تردید نہیں کی تھی۔ اسے گھر میں رہنے کی سبھی تلقین کرتے تھے، لیکن کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ گھر سے باہر رہتا کیوں ہے۔ اس سے وابستہ رشتوں کو اس کی ذات سے جب کوئی دلچسپی ہی نہ تھی، تو وہ کیسے ان میں دلچسپیاں ڈھونڈتا، یا پھر ان سے کسی قسم کی لگاوٹ کا اظہار کرتا۔ وہ سب سے سنتا تھا کہ وہ بہت زیادہ بگڑ گیا ہے۔ بدتمیز و بدتہذیب ہو گیا ہے۔ کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی، کہ وہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ اس کے بگڑنے میں سب سے بڑا ہاتھ پاپا کی عدم توجہی کا تھا، اگر وہ چاہتے تو صرف اپنی محبت و توجہ سے اسے بگڑنے سے بچا سکتے تھے۔ اس کی محرومیوں کا ازالہ اپنی ذات کے قرب سے کر سکتے تھے۔ مگر وہ خود بھی دور کھڑے ہو کر اس پر جرم عائد کرتے رہے تھے۔ کبھی آگے بڑھ کر اس کے قدموں کو بڑھنے سے روکنے کی کوشش نہیں کی اور اب اس کی زندگی کا اہم فیصلہ بھی اس پر جس طرح سزا کے طور پر نافذ کر رہے تھے۔ اس نے عفان کو سچ مچ بکھیر دیا تھا۔ وہ اپنے پاپا سے جس قدر قریب ہونا چاہتا تھا، وہ اتنے ہی اس سے دور جا رہے تھے۔ دل میں ہزاروں شکایتوں کے باوجود وہ ان کے حکم سے سرتابی کی کوشش بھی نہیں کر سکتا تھا، اسی لئے تھک کر جیسے اس نے اپنے ذہن و دل کو سمجھاتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے۔

''ٹھیک ہے پاپا جو کرنا چاہتے ہیں کر لیں، بعد میں خود ہی پچھتائیں گے۔'' اپنے اندر ہوئی کشمکش سے تنگ آ کر دوبارہ لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ تبھی عمرانہ دروازہ آہستگی سے کھولتی ہوئیں اندر آ گئیں، اس نے آہٹ ہونے پر فوراً آنکھیں کھول کر دیکھا۔

''اب تمہاری کیسی طبیعت ہے بیٹا؟'' عمرانہ نے قریب آ کر اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ تو وہ انہیں سرد نگاہوں سے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کی نظریں بول رہی تھیں لب خاموش تھے۔

(''ابھی میں زندہ ہوں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔'') عمرانہ سے وہ کبھی کچھ نہیں کہتا تھا، البتہ انہیں جب بھی دیکھتا تھا، تو بہت سرد نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ بہت چبھتی ہوئی نظریں ہوتی تھیں اس کی، عمرانہ کو یہی قلق تھا کہ وہ ان سے نہ کچھ کہتا تھا۔ بالکل اجنبیوں والا رویہ ہوتا تھا اس کا، کبھی اگر اسے انہیں مخاطب کرنا پڑ جاتا تھا، تو باقی بچوں کی طرح ماما ہی کہتا تھا۔ مگر اس کے کہنے میں گرمجوشی نہیں ہوئی تھی، نہ ہی بچپن کے بعد انہوں نے اس کی زبان سے ادا ہوئے لفظوں میں اپنے لئے احترام و محبت محسوس کی تھی۔

انہوں نے کبھی روایتی سوتیلی ماں کا سا سلوک نہیں کیا تھا۔ پھر بھی نجانے کیوں وہ ان سے اس قدر بدظن ہو گیا تھا اور فاصلے اتنے بڑھا لئے تھے، انہوں نے بھی متاسف نظروں سے اسے دیکھا اور اس سے دور ہوتی ہوئیں نہایت نرمی سے مخاطب ہوئیں۔

''تمہارے لئے میں نے پورج بنوایا ہے، اگر کچھ اور کھانے کو جی چاہ رہا ہے تو بتاؤ۔'' جواب میں خاموشی تھی۔

''عفان ایسا کیسے چلے گا تم بیمار ہو تمہیں غذا کی ضرورت ہے، کل سے بھوکے ہو تم، ڈاکٹر صدیقی تمہارے لئے میڈیسن دے کر گئے۔ کچھ کھاؤ گے تو انہیں استعمال کر سکو گے۔'' ان کی نرمی و شفقت میں فرق نہیں آیا۔

اس کی خاموشی کو نیم رضامندی سمجھ کر وہ خود ہی اس کیلئے ناشتہ لینے چلی گئیں۔ اگر وہ کھانے پر رضامند نہ ہوتا، تو حسب سابق چلا اٹھتا۔ ان کیلئے یہی بہت تھا کہ وہ خاموش ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ملازمہ زہرا کے ہمراہ پھر اپنے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ زہرا نے ناشتے کی ٹرے درمیانی میز پر لا کر رکھ دی تھی۔ عمرانہ نے خود ہی پلیٹ میں اس کیلئے دودھ میں پکا پورج نکال کر اسے پیش کیا۔ کمزوری اور بھوک کی وجہ سے اس نے اس وقت کوئی حجت نہیں کی اور خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اونہہ ضرور کوئی نئی سازش ہوگی، بلکہ پاپا کو انہوں نے ہی اکسایا ہوگا، تاکہ میں انکار کروں اور یہ میرے خلاف نیا محاذ بنا کر پاپا کو مجھ سے مکمل طور پر بدظن کر دیں۔'' اس کے بدگمان ذہن و دل میں مزید نئے خیالات ابھرنے لگے۔ عمرانہ کی مشفق آواز نے ہی اسے چونکایا۔

''دودھ اور چاہئے بیٹا۔'' اس نے فوراً ہی نفی میں سر ہلا کر چمچ منہ میں ڈالا۔ عمرانہ نے پھر خود ہی اسے چائے بنا کر دی۔ تبھی حفصہ اندر آ گئی۔ اسے حیرت کے جھٹکا لگا، کیونکہ وہ پہلی بار دونوں کو اس طرح دیکھ رہی تھی۔

''آؤ حفصہ بھائی کو کمپنی دو، تھوڑی دیر میں یہ میڈیسن دے دینا۔'' انہوں نے حفصہ کو سائیڈ ٹیبل پر پڑی ادویات دکھائیں اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ حفصہ اس کے قریب آ گئی۔

''کیسے ہیں بھائی آپ؟'' حفصہ نے دوستانہ مسکراہٹ اس کی طرف پھینکی تو وہ مروت سے بولا۔

''ٹھیک ہوں۔'' عمرانہ مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

بھائیوں کی نسبت وہ بہن کا لحاظ کرتا تھا۔ دونوں میں دوستانہ تعلقات تو نہیں تھے، پھر بھی وہ کبھی کبھی اس سے بات چیت کر لیتا تھا۔ اب حفصہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے اس کی شادی کے حوالے سے بات چیت کرے، مگر ماں نے سختی سے منع کر رکھا تھا، کہ اس موضوع پر اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔ وہ اسے چھت کو گھورتا دیکھ کر خود بھی بور ہو رہی تھی۔ اس کی عادتوں اور فطرت سے خائف نہ ہوتی، تو اسے خود سے مخاطب کرتی۔ آخر حفصہ اسے دوا کھلانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میڈیسن لے لیں بھائی۔'' اس نے اٹھ کر اس کی ہتھیلی سے کیپسول اور گولیاں اٹھا کر پانی کے ساتھ حلق سے اتاریں۔ یہ سب وہ جبراً کر رہا تھا، ورنہ اس کا دل تو چاہ رہا تھا ایک بار پھر سارے گھر میں

طوفان اٹھادے۔

''تم بور ہو رہی ہو حفصہ' جاؤ اپنا کام کرو۔'' گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے سپاٹ لہجے میں کہا، تو حفصہ فوراً گڑبڑا کر بولی۔ عفان اس کی بوریت بھانپ گیا تھا۔

''نہیں تو میں بالکل بھی بور نہیں ہو رہی۔''

''تم آج کالج نہیں گئیں۔'' خلاف توقع عفان نے اسے سوال کیا، تو ایک بار پھر اسے جواب دینے کیلئے سوچنا پڑ گیا۔ اس سے جھوٹ بولنا دشوار تھا اور عفان تو ویسے بھی جھوٹ پکڑنے میں ماہر تھا۔

''ایسے ہی بس میرا مطلب ہے کہ بھابی کیلئے شاپنگ کرنی ہے، تو میں نے آج کالج سے چھٹی کر لی۔'' حفصہ نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ وہ بھی اس وقت ذرا الجھا ہوا تھا، اس لئے اس کی بات کا مطلب صحیح طرح نہ سمجھا اور اپنی دھن میں پوچھنے لگا۔

''کیا انکل زین فہد کی شادی کر رہے ہیں۔'' چند ماہ سے فہد کی شادی کا شہرہ تھا، لیکن اب تک اس کی شادی کا سلسلہ التواء میں پڑا تھا۔ وجہ فہد کے سسر کی لندن سے واپسی تھی، جو کہ ابھی تک ممکن نہ ہو سکی تھی۔ عفان چونکہ گھر اور گھر یلو معاملات سے لاتعلق رہتا تھا، اس لئے اسے گھر کے اہم معاملات تک خبر نہیں ہوتی تھی۔ حفصہ اس کی بے خبری پر چونک اٹھی۔

''نہیں ابھی تو فہد بھائی کی شادی نہیں ہو رہی۔ فہد بھائی تو خود کسی کورس کیلئے تین ماہ کیلئے لندن گئے ہوئے ہیں، اب ان کی شادی تو ان کے واپس آنے پر ہوگی، البتہ جمعہ کو آپ کی شادی ہو رہی اور اسی لئے مجھے بھابی میرا مطلب ہے کہ آپ کی ہونے والی مسز کیلئے شاپنگ کرنی ہے۔'' حفصہ نے جلدی سے اپنی بات مکمل کی۔ عفان کے تاثرات عجیب ہو رہے تھے۔

''میری شادی..... کس کے ساتھ مجھے کوئی شادی وادی نہیں کرنی ہے۔'' وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ رات کی ساری باتیں جو حسنین احمد نے اس سے کی تھیں، اسے یاد آنے لگیں۔ حفصہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جیسے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ حالانکہ اسے عفان کو سمجھانا نہیں آ رہا تھا۔

''بھائی حمی بہت اچھی لڑکی ہے اور پاپا تو فائنل کر چکے ہیں۔ آپ حمی کے ساتھ یقیناً خوش و خرم زندگی گزاریں گے کیونکہ وہ۔''

''نہیں چاہئے مجھے کوئی خوشی تم سب لوگ کیا سمجھتے ہو' میں پاگل ہوں یا بیوقوف جو تم لوگوں کی سازشوں کو سمجھ نہیں پاؤں گا۔ نہیں کرنی مجھے کسی سے بھی شادی، میں اپنے لئے فیصلہ اپنی مرضی سے کروں گا۔ جاؤ کہہ دو سب کو۔'' اس نے رات کا سارا غبار چیخ چیخ کر حفصہ پر نکال دیا۔ حفصہ اس کے لہجے پر سہم کر کھڑی ہو گئی۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ وہ دھماکا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ عمرانہ اس کی چیخ پکار پر دوڑی چلی آئی تھیں۔

''تم نے کیا کہہ دیا تھا اسے۔''

''میں نے تو صرف بھائی کو شادی کے بارے میں ہی بتایا تھا اور وہ تو سن کر ہی۔'' حفصہ روہانسی ہو گئی۔

''او میرے خدا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔ جانتی ہو وہ ڈپریس ہے۔ تمہارے پاپا نے اس سے بات کر لی تھی، تمہیں کچھ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔'' عمرانہ قدرے جھنجلا گئیں۔

''مجھے کیا پتا تھا کہ بھائی سنتے ہی آؤٹ آف کنٹرول ہو جائیں گے۔ ماما اگر بھائی نے عین ٹائم پر انکار کر دیا، تو بتائیں پھر کیا ہوگا۔ آپ ابھی بھی سوچ لیں۔ یا پھر حمی کے ساتھ الٹا سیدھا کیا تو وہ کیسے برداشت کرے گی۔ مجھے حمی کی بہت فکر ہو رہی ہے ماما۔'' حفصہ اپنا رونا بھول کر حنظلہ کیلئے فکرمند ہونے لگی۔ عمرانہ نے دل ہی دل میں بیٹی کی ہمدردانہ فطرت کو سراہا پھر اسے بہلاتے ہوئے بولیں۔

''وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا، جانو تمہارے پاپا خود ہی اسے ٹریٹ کریں گے فی الحال تم فوراً بازار جانے کی تیاری کرو جیہ اور مینا کو بھی ساتھ لے لینا۔ میں عفان کو تو دیکھوں اس حالت میں کہیں گھر سے تو نہیں نکل گیا۔'' ذہن میں تو ان کے بھی بہت سے خدشات تھے۔ بس اللہ کے بھروسے پر تھیں۔

''کیا ہم جیولر کے پاس بھی جائیں ماما۔''

''ہاں ٹھیک ہے ہو آنا ڈیزائن پسند کر لینا، پھر میں شام کو ہو آؤں گی۔ میں نے حکم داد (ڈرائیور) کو ہدایت کر دی ہے۔ اسے فضول نہیں تنگ کرنا۔''

''ٹھیک ہے ماما آپ فکر ہی نہ کریں۔'' حفصہ شاپنگ کے خیال سے ہی پرجوش ہو رہی تھی، اس کے ساتھ ہی عمرانہ کمرے سے نکل کر عفان کے کمرے کی طرف آئیں تو بی بی رحمتے نے عفان کی کمرے میں موجودگی کی اطلاع دی۔ عمرانہ نے بے اختیار تشکر بھری سانس لی۔

***

''حفصہ تم نے ساری چیزیں اپنی پسند کی خریدی ہیں۔ تمہیں پتا تو ہے کہ عفان بھائی مانیں گے نہیں پھر تمہارے ہی عیش ہوں گے۔'' ڈنر کے بعد حفصہ نے تمام کزنز کو جمع کر کے اپنی شاپنگ دکھا رہی تھی۔ اس نے حمی کیلئے سارے سوٹ ریڈی میڈ خریدے تھے جو کہ بہت نفیس اور دیدہ زیب تھے۔ سوٹوں کے ساتھ ہر چیز میچنگ کی تھی اور بھی ضرورت کی اشیاء تھیں، جنہیں دیکھ کر انکل زین کے چھوٹے بیٹے اسد نے اسے شرارت سے چھیڑا۔

''مجھے تمہاری طرح دوسروں کی چیزوں پر نیت خراب کرنے کی عادت نہیں ہے۔ مجھے بن مانگے ہی سب کچھ مل جاتا ہے۔ آگے پیچھے پھرنا نہیں پڑتا اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ عفان بھائی پاپا کو لیٹ ڈاؤن کریں۔ وہ انکار کریں گے ہی نہیں۔'' حفصہ نے اسد پر جوابی حملہ کرتے ہوئے بہت وثوق سے کہا۔ تو سب اسے دیکھ کر رہ گئے۔

''ایک بات ہے یار وہم ہونہاروں پر کسی کی نظر بھی نہیں پڑتی اور وہ بلا مقابلہ میدان مار چلے ہیں۔'' انکل رحمٰن کے بیٹے شایان نے بھی اظہار خیال کیا۔ شایان اور سلیمان دونوں ہم عمر ہونے کے علاوہ دونوں ہی ایم بی بی ایس کر رہے تھے۔ مزاج بھی دونوں کے ملتے تھے۔ سلیمان نے اس کے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے عفان کیلئے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ جس پر حفصہ نے برا مانا۔

''ہی از ویری لکی اس کیلئے تو یہ گولڈن چانس ہے۔ عفان تو شاید حمی جیسی لڑکی کے بارے میں سوچ

بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ سب ماما کی کوشش ہے، ورنہ تو بیچارہ ساری زندگی ہی۔'' سلیمان نے اپنی بات سے خود ہی حظ اٹھاتے ہوئے قہقہہ لگا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''سلیمان بھائی ماما نے یہ کوشش آپ کیلئے بھی کی تھی، آپ نے یہ گولڈن چانس مس کیوں کیا۔'' حفصہ ناراضگی سے بولی۔ تو وہ لاپروائی سے کہنے لگا۔

''میں مستقبل قریب کا ڈاکٹر اس مصیبت میں ابھی سے نہیں پڑنا چاہتا۔ ساری عمر پڑی ہے۔ ویسے بھی ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔'' آخری جملہ کہتے ہوئے اس نے نسوانی آواز کا تاثر دیا، تو سب ہی کھلکھلا اٹھے۔

''اور ڈیئر سسٹر جب تک تم اس گھر میں ہو میں شادی نہیں کروں گا' اب میری بیوی بے چاری حتی جیسی تھوڑی ہوگی۔''

''سلیمان بھائی۔'' وہ غصے سے چیختے چیختے رہ گئی۔ ان سب کا مقصد یہی تھا کہ حفصہ غصے میں آئے۔

''یو تائیں ذرا آپ کو حتی میں کیا خرابی نظر آ رہی ہے۔'' حفصہ نے تنک کر پوچھا۔

''میں نے کب کہا ہے کہ اس میں کوئی خرابی ہے۔ وہ بے چاری تو اللہ میاں کی گائے ہے۔ لیکن میری بیوی تو ایسی نہیں ہو سکتی ناں کہ تمہاری کی ہوئی شاپنگ پر خوش ہو جائے۔''

''سلیمان بھائی میں ماما سے جا کر آپ کی شکایت ابھی کرتی ہوں، آخر ان باتوں کا مقصد کیا ہے۔'' وہ غصے سے لال بھبھوکا چہرہ لئے سامان چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ سلیمان کے ساتھ سبھی اس کے چڑنے سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اسے جاتا دیکھ کر سلیمان نے بڑھ کر اسے روکا۔

''آج تو تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم عفان ہی کی بہن ہو۔ سینس آف ہیومر تو تم میں ہے ہی نہیں۔ اچھا اب بیٹھو بھی کر لینا ماما سے میری شکایت۔ لیکن پہلے وہ تو دکھاؤ جس کیلئے تم نے یہ مجمع اکٹھا کر رکھا ہے۔ ہم سب بے تاب ہیں تمہاری دریافت دیکھنے کو کیوں دوستو۔'' سب نے سلیمان کی ہاں میں ہاں ملائی جیہ بھی اصرار کرنے لگی۔

''حفصہ اب ویڈنگ ڈریس دکھا ہی دو، رئیلی دیکھتے ہی سب کے ہوش اڑ جائیں گے۔''

''کیوں؟ کیا اس پر کلورو فام اسپرے کیا ہے، رہنے دو رہنے دو، پلیز یہ نسخہ عفان بھائی کیلئے ٹھیک رہے گا۔ اس دن انہیں ضرورت بھی بہت ہوگی۔'' شایان نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اپنی ناک پر ہاتھ رکھا۔ کیونکہ حفصہ ان سنی کرتی ہوئی ڈبہ کھول چکی تھی۔ جس کے کھلتے ہی اسد نے دہائی دی۔

''اس میں سے تو واقعی کلورو فام کی اسمیل آ رہی ہے۔ میں چلا مجھے بچاؤ..... بچاؤ۔'' اور پھر وہ مینا تقریباً گر گیا۔ سب اس کی ایکٹنگ پر ہنس نہیں رہے تھے۔ ماسوائے لڑکیوں کے' مینا نے اسد کے خوبصورت گھنگریالے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر خوب زور سے کھینچا۔

''تمہیں تو میں ابھی سزا چکھاتی ہوں۔'' مینا نے دانت پیسے، تو وہ فوراً سیدھا ہو گیا۔

''معافی سائیں معافی مجھے نہیں پتا تھا کہ میں علاقہ غیر میں پھسل پڑا ہوا۔'' اسد کی آنکھوں

شرارت کم نہ ہوئی تھی۔ مینا نے ہاتھ جھٹک کر دفع ہونے کا اشارہ کیا۔ اسی دم معصومہ پھپھو کی دونوں بیٹیاں بھی چہرے پر ناراضگی سجائے اندر داخل ہوئیں۔

''حفصہ تم نے تیاری بھی مکمل کر لی اور ہمیں پوچھا تک نہیں۔'' دونوں کے لہجے شاکی تھے۔

''تو میں نے کہا تھا کہ کالج چلی جاؤ۔ ظاہر ہے مجھے تو جانا ہی تھا، اپنی بھابی کی شاپنگ کیلئے ٹائم بھی کتنا کم ہے، ابھی بھی کتنی چیزیں رہ گئی ہیں۔'' حفصہ کو ان کی خفگی کی ذرا پروا نہ تھی۔

''چلو نو جوانو یہاں سے کوچ کریں، جنگ نسواں میں ہم مرد بیچارے ویسے ہی مارے جائیں گے اور ہمارے لئے یہ شرم کی بات ہوگی۔'' سلیمان نے اٹھ کر پیش قدمی کی تو عثمان بے چینی سے بولا۔

''پلیز بھائی پہلے وہ ویڈنگ ڈریس تو دیکھ لیں، میں تو تب سے اب تک دیکھنے کے شوق میں خاموش بیٹھا ہوں کہ نجانے حفصہ باجی کی دریافت کا حدود اربعہ اور ناک نقشہ کیا ہوگا۔''

''عثمان کے بچے۔'' حفصہ نے خفگی سے دانت پیسے اور پھر اسے مارنے کو لپکی، ایک اسی پر اس کا بس چل سکتا تھا، کیونکہ وہ چھوٹا تھا، مگر اس نے بھی چالاکی دکھاتے ہوئے سلیمان کے پیچھے پناہ لی۔ جانتا تھا کہ سلیمان بھائی بہت بڑی ڈھال ہیں۔

''حفصہ دکھانا ہے تو دکھاؤ ورنہ ہم جائیں۔ ہمیں اور بھی بہت سے کام ہیں۔'' شایان نے اس ساری صورتحال سے اکتا کر کہا، تو وہ بھی ایک دم بگڑ گئی۔

''تو جائیں میں نے روکا ہے کسی کو' جائیں اپنے اپنے اہم کام کریں۔ مجھے کسی کو بھی حتی کا ویڈنگ ڈریس نہیں دکھانا۔'' اس نے بڑے سے ڈبے پر ڈھکنا رکھنا چاہا۔ جسے شایان نے فوراً جھپٹ لیا اور پھر خود ہی ڈبہ اٹھا لیا۔

''تم ایسے نہیں مانو گی ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتی ہو۔'' حفصہ کو ناراض دیکھنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر بھی لاپروائی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''مائی ڈیئر کزنز اب جو میں ورائٹی پیش کرنے جا رہا ہوں۔ اس سے پہلے آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی اور دیکھ بھی کیسے سکتے تھے۔ ہماری پیاری سی کزن حفصہ حسنین نے اسے اپنی ہونے والی بھابی کیلئے دریافت کیا ہے سو کزنز دل سنبھال لیں۔ آنکھیں بچا لیں۔ کیونکہ دل بند ہونے آنکھیں پھوٹ جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے کمزور دل اور نظر بد رکھنے والے خواتین و حضرات محفل سے کوچ کر جائیں تو اچھا ہے۔'' شایان سب کے درمیان کھڑا ہو کر کمنٹری کرنے والے انداز میں بول رہا تھا۔ حفصہ منہ پھلا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی اور پھر اس نے سلور ڈبے سے لائٹ پنک روز شیڈ کا جدید طرز کا عروسی لباس نکال کر لہرانے کی کوشش کی۔ بھاری کام پر شایان نے دانتوں تلے زبان دے کر کہا۔

''واقعی یہ تو دلہن کا ہی حوصلہ ہوگا آئی تھنک حتی کے وزن سے زیادہ تو اسی کا ویٹ ہوگا۔''

خوبصورت کام سے مزید عروسی ملبوس دیکھ کر سبھی چونک سے گئے۔ لڑکیاں بے اختیار اظہار کرنے لگیں۔

''واؤ..... فینٹاسٹک۔'' روما اور رشا بھی خفگی بھلا کر دوسرے سامان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ شایان ہنوز عروسی ملبوس کو لئے کھڑا عجیب و غریب شکلیں بنا رہا تھا۔ حفصہ نے اٹھ کر اس سے سوٹ جھپٹنے والے

انداز میں پکڑ کر جیا وغیرہ کے ساتھ مل کر تہہ کر کے رکھا۔

''حصہ باجی چائے وائے تو پلوائیں نا، آپ کی شاپنگ نے سب کو تھکا ڈالا ہے۔'' شایان کے اشارے پر عثمان کہتا ہوا حصہ کے قریب آ بیٹھا۔

''زہرا سے جا کر کہو وہ بنا دے گی۔ چائے آنے تک میں سامان سمیٹتی ہوں۔'' اس نے قصداً شایان کی طرف نہیں دیکھا، کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ وہی عثمان کو اکسا رہا ہے۔ اسی وقت عمرانہ لونگ روم میں داخل ہوئیں۔

''کیا ہو رہا ہے بچو؟''

''آنٹی فی الحال تو حصہ کی خشک ترین شاپنگ دیکھ کر فارغ ہوئے ہیں۔ رئیلی آنکھیں تھک گئی ہیں اور حلق خشک ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے حصہ جیسی میزبان کسی کو نہ دے۔'' حصہ شایان کی آنکھوں اور باتوں کی رینج میں تھی۔

''اور آپ جیسے مہمان بھی خدا کسی کو نہ دے۔''

''حصہ۔'' عمرانہ نے حصہ کو تنبیہی انداز میں ٹوکا۔

''میں نے کیا کہا ہے ماما۔ آپ سن رہی ہیں ناں شایان بھائی کی باتیں۔ شام سے ہی یہ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ آخر ان کا بھی تو یہ گھر ہے یہ خود زہرا سے کہہ کر چائے نہیں بنوا سکتے۔'' ماں کے ٹوکنے پر وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''شادی میرے نہیں تمہارے بھائی کی ہو رہی ہے، اس لئے یہ تمہاری ڈیوٹی ہے کہ تم ہماری میزبانی کے فرائض انجام دو۔'' شایان نے اسے تپانے کو شرارت سے دیکھا۔

''ٹھیک ہے فہد بھائی کی شادی ہونے دیں میں بھی بالکل مہمانوں کی طرح آؤں گی۔'' عمرانہ دونوں کی نوک جھوک پر مسکرا دیں۔

''یہ لڑائی جھگڑا بعد میں، ابھی مل جل کر کام کرو، صرف کل کا دن ہی رہ گیا ہے اور کام بہت ہے تم لڑکے تو یہاں بیٹھتے ہو، کسی کو احساس ذمہ داری ہی نہیں ہے۔''

''کیا کام ہے آنٹی مجھے بتائیں۔'' شایان نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔ سلیمان بھی ماں کے قریب آ گیا۔

''کیا کرنا ہے آپ بتائیں تو سہی۔''

''لگ رہا ہے کہ اس گھر میں پہلے لڑکے کی شادی ہے۔ عفان تم سب کا دشمن تو نہیں ہے۔ اس کی جلدی شادی کرنا میری مجبوری ہے، ورنہ کیا میں اس طرح کرتی۔'' عمرانہ نے شاکی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ سب کے موڈ دیکھ رہی تھیں، کوئی بھی عفان کی شادی کیلئے گرم جوش نظر نہیں آ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری ماما ہم نے اس طرح سوچا ہی نہیں، آپ نے کم از کم ایک ڈیڑھ ماہ کا عرصہ تو رکھنا تھا۔ ذہنی طور پر تیار تو ہونے دیتے ہمیں۔''

''جی آنٹی سلیمان صحیح کہہ رہا ہے ہم عفان کی شادی وہ بھی اتنی جلدی، ایکسپیکٹ ہی نہیں کر

پا رہے۔ ایکچوئلی ہم عفان بھائی کے ری ایکشن کی وجہ سے بھی ذرا کیئر فل ہیں، ان کے موڈ کا کچھ پتا نہیں ہوتا اس لئے۔'' شایان نے سلیمان کی تائید کرتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

''عفان کے موڈ کو تو بہانہ نہ بناؤ، تمہیں اگر ذرا بھی خوشی ہوتی، تو اس کی ناراضگی برداشت کرنے کا حوصلہ بھی پیدا ہو جاتا۔ مگر سبھی ایسے لاتعلق ہو رہے ہیں، جیسے وہ کوئی غیر ہو، یا پھر میں نے کوئی غلط فیصلہ کیا ہے۔'' عمرانہ کا موڈ خاندان کے باقی افراد کے رویے کی وجہ سے خراب ہو رہا تھا۔ آج سبھی کے دل میں عفان کی ہمدردی جاگ اٹھی تھی، مگر اس کی خوشیوں کو دائمی شکل دینے سے سبھی گریزاں تھے۔ کچھ لوگوں نے دبی دبی زبان میں ان کے فیصلے کو غلط قرار دیا تھا۔ اس سے قبل عفان کی فکر کسی کو نہ تھی۔ البتہ اس کے بگڑنے پر سب کا دھیان تھا۔

''کیا بات ہے ماما کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''کچھ نہیں ہوا چھوڑو، تم سب لڑکے میرے ساتھ آؤ۔'' ان کے نکلنے سے پہلے حصہ ان کے قریب آ کر پوچھنے لگی۔

''ماما جیہ، رشا وغیرہ پوچھ رہی ہیں۔ کل ہم حمی کو مہندی بھی لگانے جائیں گے ناں۔''

''ہوں ٹھیک ہے چلی جانا، لیکن صرف لڑکیاں اور وہ بھی شور و ہنگامے کے بغیر۔''

''کیوں ماما پھر مزا کیا آئے گا۔'' حصہ مچل گئی۔

''بے وقوف تمہاری نانو کی ڈیتھ کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ ان کے محلے والے کیا کہیں گے۔'' عمرانہ نے اسے متانت سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو پھر مہندی لے جانے کا فائدہ۔'' بھائی کی شادی سے متعلق اس کے جذبات اس سے سنبھالے نہیں جا رہے تھے۔

''اپنے دل کے ارمان یہاں پورے کر لینا جانو۔ وہاں تو صرف فارمیلٹی کیلئے جاؤ گی تم بس۔''

''لڑکے کیوں نہیں جائیں گے آنٹی۔'' شایان پھر سے اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تو وہ چڑانے والے انداز میں بولی۔

''اس لئے کہ یہ خالصتاً لڑکیوں کی رسم ہوتی ہے' آپ لوگوں میں سے کسی کو اتنا ہی شوق ہے تو ہمارے اسٹائل میں آ جایئے گا۔'' حصہ نے اسے سلگا کر رکھ دیا۔

''تمہیں تو میں بعد میں دیکھوں گا۔'' وہ منہ پر ہاتھ پھیرتا عمرانہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ لڑکوں کے جاتے ہی لڑکیاں کل کا پروگرام سیٹ کرنے لگیں۔

***

''میں نے کہہ دیا ہے نا بی بی مجھے کچھ نہیں چاہئے۔'' صبح کے بعد اب اس نے اپنے کمرے کا لاک کھولا تھا، وہ بھی بی بی کی منتوں پر۔ وہ مسلسل کچھ کھانے پر اکسا رہی تھیں اور یہ انکار کر رہا تھا۔

''بھوکا رہ کر مرنا ہے کیا؟'' بی بی نے اس کے سرہانے کھڑے ہو کر اس کے بال سنوارے۔

''بھوک سے مرنا ہوتا تو کب کا مر چکا ہوتا۔'' عفان کے لہجے میں تلخی تھی۔

''تو پھر پتر کیوں خود کو اذیت دیتے ہو۔ خدا کو اپنی نعمتوں کی ناشکری پسند نہیں۔ بھری تھالی کو ٹھوکر نہیں مارتے' رزق بھی نصیب والوں کو ملتا ہے۔ اٹھ کچھ کھالے۔ آخر تو یہ کس کیلئے چھوڑتا ہے۔ اس گھر پر اس کی ہر چیز ہر نعمت پر تیرا حق ہے اور یہ سب بھی تیرے اپنے ہیں کوئی غیر نہیں۔ جس سے تو ناراض رہتا ہے۔''

''کوئی نہیں ہے میرا' سب غیر ہیں پاپا بھی میرے نہیں ہیں۔ میری مما مر گئیں، اس لئے میرا بھی سب کچھ ختم ہو گیا ہے، کچھ بھی نہیں ہے میرے پاس۔''

آج وہ پھر بکھر گیا تھا۔ اسے کسی بھی رشتے پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ مضبوط کڑیل جوان اکثر اپنے اندر کی تنہائی سے گھبرا کر بلک بلک کر رو پڑتا تھا۔ اس کے اردگرد رشتوں کی بھیڑ لگی تھی، مگر وہ تنہا اور اکیلا تھا۔ کسی بھی رشتے کی محبت اس کے اندر نہیں جاگتی تھی۔ اسے سبھی مطلبی اور خودغرض لگتے تھے۔ اسے ہر رشتے کے درمیان دیواریں ہی دیواریں نظر آئی تھیں۔ وہ اس بات کو فراموش کر دیتا تھا، کہ آدمی دیواریں تو اس کی خود کی تعمیر کردہ ہیں۔ بی بی ہمیشہ سے اسے سمجھاتی سنبھالتی آئی تھیں۔ اب بھی اس کا دکھ محسوس کرتے ہوئے اسے سمجھانے لگیں۔

''تمہاری سوچ غلط ہے پتر، سب تیرے اپنے ہیں اور عمرانہ بیٹی تو ہے ہی بڑی اچھی عورت۔ وہ تجھ سے محبت کرتی ہیں، بالکل اپنی اولاد کی طرح۔ تو خود آگے نہیں بڑھتا اس لئے تجھ سے ڈرتی ہیں۔ تو ایک قدم تو بڑھا، پھر دیکھ وہ تیرے کتنی قریب آ جائیں گی۔''

''بی بی تم ہمیشہ ان کی طرف داریاں کرتی رہا کرو، انہوں نے ضرور تم پر کچھ پھونک رکھا ہے اس لئے۔'' وہ قدرے ناراضگی سے گویا ہوا۔

''تو تو سچی بات پر بھی ناراض ہو جاتا ہے، سوچ ذرا اگر انہیں تیرا خیال نہ ہوتا، تو اپنی بھتیجی سے تیری شادی کرنے کا سوچتیں۔''

''وہ جو سوچ رہی ہیں ناں مجھے سب خبر ہے، مجھ پاپا کی نظروں میں ذلیل کرانے کی یہ نئی سازش ہے ان کی۔'' وہ جوش میں ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''نہ..... نہ ایسا تو مت سوچ، وہ دل کی بری نہیں ہیں، تیرے بھلے کو ہی وہ یہ سب کر رہی ہیں۔ ورنہ ان کے گھر کی بیٹی کو رشتوں کیا کمی۔ سچ پوچھو تو وہ تمہارے ساتھ نیکی کر رہی ہیں۔ ایسی نیک سیرت' پیاری صورت کی بچی میں نے تو آج تک نہ دیکھی، اس پر نماز روزے کی پابند۔ بڑی اچھی تربیت ہوئی ہے اس بچی کی۔ سمجھو کہ تمہاری زندگی سنور گئی۔'' بی بی رحمتے اس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش میں تھیں۔

''تمہیں تو ہر کسی کی بات پر یقین ہو جاتا ہے، مگر مجھے کسی پر اعتماد نہیں ہے۔'' دل کا غبار کم ہو چکا تھا۔ اس لئے کھانے کی طرف طبیعت مائل ہو رہی تھی۔ اس نے غصہ جھٹکتے ہوئے اپنے بیڈ کے قریب کھڑی کھانے کی ٹرالی کو اپنے قریب کیا۔

''لو بھلا میں سنی سنائی باتوں پر کب یقین کرتی ہوں۔ کتنی بار مل چکی ہوں۔ کتنی بار وہ یہاں بھی آئی۔ ماشاءاللہ بڑی سعادت مند بچی ہے۔ ہر کسی سے پیار سے ملتی ہے۔''

''بی بی ماما کو سلیمان نظر نہیں آیا اپنی بھتیجی کیلئے۔'' اس نے بھتیجی پر زور دیتے ہوئے گویا چاولوں کے ساتھ اس لفظ کو بھی چبا ڈالا۔

''لو سن لو جب بڑا گھر میں موجود ہو تو چھوٹا کیسے نظر آتا ہے۔ اصولاً تو پہلے شادی کا نمبر تو تیرا ہی ہے ناں۔''

''یہ کہو کہ جب قربانی کا بکرا موجود ہے، تو اپنی اولاد کون قربان کرتا ہے۔'' بی بی رحمتے کے آگے ہی وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا تھا۔ باقی سب کے سامنے تو وہ بہت مضبوط اور اٹل رہتا تھا۔

''ارے کیا کہہ رہا ہے۔ تو بھی تو ان کی اولاد ہے۔ تجھ سے وہ کیسے فرق کریں گے، تو ان کی بڑی اولاد ہے۔ کم از کم تیرے پاپا تو تیرا بھلا ہی سوچیں گے نا، وہ تیرے ساتھ کوئی ناانصافی کر سکتے ہیں۔''

''پاپا..... بی بی پاپا کی تو بات ہی نہ کرو عرصہ ہوا وہ تمہاری عمرانہ بیگم کے عشق میں میری ذات کو فراموش کر چکے ہیں۔ اب انہیں سوائے اپنے عشق کے کچھ نظر نہیں آتا۔'' بی بی کو اس کا گستاخ لہجہ اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس لئے نرمی سے سرزنش کرتے ہوئے بولیں۔

''پتر اپنے بزرگوں کا ادب تو تجھ پر واجب ہے' تو پڑھا لکھا ہے تجھے یہ بات بھولنی نہیں چاہئے کہ تجھ پر ان کا بڑا حق ہے۔ انہوں نے تجھے پروان چڑھایا' پڑھایا لکھایا بدلے میں تو انہیں ایک خوشی نہیں دے سکتا۔ ان کے ساتھ ہنس بول' ان کے قریب جا' ان کے دکھ سکھ کا ساتھی بن۔ پھر دیکھ تجھے کتنا سکون ملتا ہے۔ اپنی جان کو جھوٹے گمانوں میں نہ رول۔ تنہا جینا بڑا اوکھا (مشکل) ہوتا ہے۔'' بی بی رحمتے آج پھر اسے سنجیدگی سے سمجھا رہی تھیں۔ وہ جیسے بے بس سا ہو گیا۔ نجانے کیوں عمرانہ کے بارے میں سوچ کر ہی اسے کے رگ وپے میں اضطراب دوڑنے لگا تھا۔ اس نے فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''بس بی بی مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب، ان کے رویے میرے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ ان کی نظروں کے طنز یہ تیر میرا وجود چھلنی کر دیتے ہیں۔ مجھے نفرت ہے سب لوگوں سے۔'' وہ تنفر سے بولنے لگا۔ اس کے اعصاب پھر تن رہے تھے۔

''وہ اس لئے یہ سازش کر رہی ہیں تاکہ میں جوش میں آ کر سب کچھ چھوڑ کر چلا جاؤں۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہوں گی۔ میں اگر جاؤں گا تو اپنا حق لے کر ایسے تو نہیں جاؤں گا۔'' عفان کی سوچیں پھر سے متنفر ہونے لگیں۔ بی بی رحمتے اس کے جانے کی بات پر پریشانی سے فوراً بولیں۔

''خبردار جو تم نے گھر چھوڑنے کی بات کی۔ یہ تیرا گھر ہے اور یہیں رہنا ہے تمہیں' حق ہے تیرا اس گھر پر۔''

''بی بی تم بہت بھولی ہو یہ جو ماما نے میری شادی کا شوشہ چھوڑا ہے، تو صرف اسی لئے کہ میرے انکار پر پاپا کو بھڑکا کر مجھے گھر سے نکلوا دیں گی اور پھر جائیداد سے عاق کروا دیں گی۔ جانتی ہیں ناکہ آدھی جائیداد تو صرف میرے اکیلے کے حصے میں آنی ہے' پھر ان کی اولادوں کو کیا ملے گا۔'' اس کی باتیں سن کر بی بی مزید تاسف سے دیکھنے لگیں۔ وہ کس قدر بدگمان ہو چکا تھا، حالانکہ حقیقت حال سے تو وہ اچھی طرح آگاہ تھیں کہ عمرانہ کس مجبوری کے تحت اس کی شادی کروا رہی تھیں۔

''تو جو سوچ رہا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ عمرانہ بیٹی بھی مجبور ہو کر یہ سب کر رہی ہیں ورنہ۔'' پھر بی بی رحیمے نے اسے ساری حقیقت بتائی۔ وہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا تھا۔

''کسی بے سہارا کو سہارا دینا بہت بڑی نیکی ہے اور یہ نیکی خدا نے تیرے نام لکھ دی ہے پتر تو ہمت اور حوصلے سے کام لے۔ دیکھ لینا اس کے نصیب سے سب اچھا ہوگا۔ مجھے تو صورت سے ہی بڑی نیک بخت لگتی ہے۔''

''مجھے تو اپنی بدبختی نظر آ رہی ہے۔'' وہ بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بی بی برتن ٹرالی میں رکھ کر جانے لگیں، تو اس نے انہیں پکارا۔

''بی بی میرے لئے چائے بھجوا دیں اور سنیں اگر میرا کوئی دوست آئے تو اسے یہیں بھجوا دینا۔'' وہ سی ڈی پلیئر کے پاس کھڑا انہیں ہدایت دے رہا تھا۔

***

''آپ نے مجھے بلوایا ہے پاپا اب کیا بات ہے۔'' وہ یونیورسٹی جانے کیلئے اپنی موٹر بائیک اسٹارٹ کر رہی تھا، جب اسے زہرا کے ذریعے پیغام ملا، تو وہ بمشکل خود پر قابو پاتا ہوا ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ جہاں سبھی ناشتے کرنے میں مشغول تھے۔

''ہاں بیٹھو۔'' حسنین احمد نے اپنے بائیں طرف خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا، تو حسنین احمد نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے پسندیدہ لباس جینز اور بلیو ٹی شرٹ میں تھا۔ جینز تو خاصی بدرنگ ہو چکی تھی۔ البتہ شرٹ اس نے صاف ستھری پہن رکھی تھی۔ بخار کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے گرد واضح سیاہ حلقے تھے۔ حسنین احمد کو اندر کہیں تکلیف ہوئی تھی۔

''ناشتہ کیوں نہیں کیا۔ چلو ناشتہ کرو۔'' اسے اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا دیکھ کر حسنین احمد نے حکمیہ انداز میں کہا۔ تینوں بہن بھائی لاتعلق بنے سر جھکائے مصروف تھے۔ عمرانہ البتہ دونوں کی طرف متوجہ تھیں۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا ہے۔''

''کیوں ٹمپریچر تو نہیں ہے ناں اب؟'' ان کا متفکر لہجہ عفان کو چونکا گیا۔

''جی نہیں۔''

''پھر کیا بات ہے کوئی اور وجہ ہے۔'' انہوں نے اپنے آگے پڑے چائے کا کپ اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگایا۔

''نہیں بس ایسے ہی۔'' وہ خود پر جبر کرتے وہاں بیٹھا تھا۔

''کچھ کھانا نہیں چاہتے تو کم از کم دودھ تو پیئو میڈیسن تو تمہیں تین دن تک استعمال کرنی ہیں۔'' پھر انہوں نے اس کا جواب سنے بنا ہی زہرا کو آواز دے کر اس کیلئے دودھ منگوایا۔ سلیمان حصہ کے برابر میں بیٹھا اس سے سرگوشی میں بولا۔

''آج پاپا اسے کتنی امپورٹنس دے رہے ہیں اور اسے دیکھو منہ ہی سیدھا نہیں ہو رہا۔''

''آپ کو کیا ہو رہا ہے آئی تھنک آپ جیلسی فیل کر رہے ہیں۔'' حصہ بھی سرگوشی کرتے ہوئے زیرلب مسکرائی۔

''مائی فٹ۔'' سلیمان نے بختی سے ہونٹ بھینچے۔

''پھر دھواں کیوں چھوڑ رہے ہیں، ریئلی میری سانس اٹکنے والی ہے آپ کو معلوم ہے ناں مجھے جلنے کی بو سے الرجی ہو جاتی ہے۔''

''حصہ کی بچی۔'' حصہ کی شرارت پر سلیمان بھنا کر ذرا اونچی آواز میں بولا، تو عمرانہ نے انہیں سرزنش کی۔

''حصہ سلیمان بی ہیو یور سیلف۔''

''سوری ماما۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہتے ہوئے ایک دوسرے کو شریر نظروں سے دیکھا۔ عفان کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ حسرت ناتمام دل سے روح تک میں پھیل گئی۔ کاش وہ بھی اس طرح ان سب کا حصہ بن سکتا۔ اس کا بھی کوئی اپنا ہوتا، جو اس طرح اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا۔ ہنسی مذاق کرتا۔ مگر یہ سب باتیں اس کیلئے خواب تھیں۔ زہرا اس کیلئے دودھ لے آئی تھی۔ جسے اس نے بے دلی سے ختم کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے یونیورسٹی جانا ہے پاپا میں چلتا ہوں۔'' اس نے قصداً صرف حسنین احمد کو مخاطب کیا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ ابھی بیٹھو۔''

''لیکن پاپا مجھے۔'' حسنین احمد نے اس کی بات پوری نہیں سنی۔

''صرف دس منٹ کی بات ہے بیٹھ جاؤ، بلکہ تمہیں تو آج کہیں نہیں جانا چاہئے ریسٹ کرو۔'' وہ ناچار اپنی چھوڑی جگہ پر براجمان ہو گیا۔ وہ ان کے کچھ کہنے کا منتظر تھا۔ تینوں ناشتے سے فارغ ہو گئے تھے۔ انہیں کوئی تجسس نہیں تھا کہ پاپا عفان سے کیا بات کہنے والے ہیں۔ اس لئے تینوں ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''خدا حافظ پاپا۔'' سلیمان سب سے پہلے وہاں سے نکل گیا۔ حصہ کے جانے سے پہلے عمرانہ نے اسے روکا۔

''حصہ تم آج بھی کالج نہیں جانا، مجھے تم سے بہت کام ہے۔''

''کالج تو میں پہلے ہی نہیں جا رہی البتہ میں اور عثمان حنظلہ سے ملنے جا رہے ہیں، واپس آ کر میں سارے کام کروا دوں گی ڈونٹ وری ماما۔'' حنظلہ کا نام لیتے ہوئے حصہ نے کن انکھیوں سے عفان کو دیکھا، مگر اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

''کیوں شام کو تو جانا ہی ہے، سب نے پھر اب کیا ضرورت ہے؟''

''میں نے تو کہا تھا، مگر عثمان بضد ہے کہ پہلے جا کر حمی سے ملے گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس بے چاری کو فضول میں تنگ کرو گے جا کر، کل تو وہ یہیں آ جائے گی۔'' عمرانہ نے قطعیت سے کہا، تو عثمان منت سے بولا۔

''پلیز ماما میرا بہت دل چاہ رہا ہے ابھی جانے دیں ناں، پھر تو پتا نہیں وہ ہمیں لفٹ کرائے گی یا نہیں۔'' عثمان کے معصوم و بے ساختہ لہجے پر عفان نے بھی اس پر نگاہ ڈالی۔ حسنین احمد مسکرا دیئے، جبکہ عمرانہ نے تنبیہی نظروں سے دیکھتے ہوئے ٹوکا۔

''تم بہت فضول بولتے ہو عثمان۔''

''عمرانہ کیوں روک رہی ہو بچوں کو جانے دو اپنی بھابی سے ملنے جا رہے ہیں، کسی غیر سے تو نہیں اور اگر یہ سے تھوڑا سا تانگ کر بھی لیں گے تو یہ ان کا حق ہے۔'' حسنین احمد بچوں کی حمایت میں بولے۔

''او یو آر گریٹ پاپا۔'' دونوں خوشی سے نعرہ مارتے ہوئے ان کے قریب آ کر ان سے لپٹ گئے۔

''تھینکیو پاپا او کے ماما ہم جا رہے ہیں اور میں باقی چیزوں کی لسٹ بھی لے جا رہی ہوں۔ واپسی پر لیتی آؤں گی ٹھیک ہے۔'' حفصہ نے گرمجوشی سے کہا، تو عمرانہ نے بھی ممتا بھری مسکراہٹ بکھیر کر اجازت دے دی۔ عفان کوفت و اذیت میں مبتلا نظریں جھکائے بیٹھا تھا، جبکہ حسنین احمد اپنی چیک بک پر سائن کرنے میں مصروف تھا، حفصہ اور سلیمان کے جانے کے بعد حسنین احمد نے اس کیلئے پچاس ہزار کا چیک کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا۔

''چیک کیش کروا کر اپنی ضروریات کی چیزیں خرید لینا۔'' اس نے حیرت و استعجاب سے پہلے اپنی طرف بڑھے چیک کی رقم کو پڑھا اور پھر اپنے باپ کو دیکھا۔ اس سے قبل انہوں نے کبھی اتنی بڑی رقم عنایت نہیں کی تھی۔ ہر ماہ بی بی کے ذریعے جیب خرچ کے نام پر مخصوص رقم اسے بھیجی جاتی تھی، جو اکثر اس کیلئے ناکافی ہوتی تھی۔ اسے مخصوص جیب خرچ دے کر وہ بھول جاتے تھے کہ ہو سکتا ہے وہ روپے اس کیلئے کم ہوں، اس کا اپنا خرچہ بھی تھا اور بائیک بھی تھی، جو ہوا بانی سے نہیں پٹرول سے چلتی تھی۔ دوست احباب بھی تھے، اسے چند ہزار ماہانہ دے کر گویا اس پر احسان عظیم کیا جاتا تھا۔ وہ اپنی زبان سے کبھی ایک پیسہ بھی مانگ کر لینے کا روادار نہیں تھا۔ اس وقت بھی اس کی کیفیت بڑی عجیب ہو رہی تھی۔ وہ شش و پنج میں مبتلا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر لے یا نہیں۔

''مجھے آپ نے چند روز پہلے جو پاکٹ منی دی تھی وہی کافی ہے مزید کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔'' وہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے شکوہ پھسل پڑا۔ حسنین احمد پر اس کا لہجہ بہت کچھ عیاں کر گیا، لمحہ بھر تو انہیں شدید شرمندگی نے اپنے حصار میں جکڑ لیا۔ واقعی انہیں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا، کہ عفان نے کبھی اپنی کسی ضرورت کا بہانہ بنا کر ان سے رقم کا مطالبہ نہیں کیا تھا، حالانکہ باقی بچوں کو بھی مناسب جیب خرچ ملتا تھا، لیکن پھر بھی وہ ضرور ایک دو بار اپنی بہت اہم ضرورت کو ظاہر کر کے رقم کا مطالبہ کرتے تھے۔ دل ہی دل میں خود کو ملامت کرتے ہوئے انہوں نے خود کو سنبھالا۔

''کیوں ضرورت نہیں ہے، پیسے تو سب کی ضرورت ہوتے ہیں اور وہ تو تمہاری پاکٹ منی تھی، یہ تمہاری شادی کی شاپنگ کیلئے ہیں، بلکہ کم ہوں تو اور لے لینا۔ تم نے کافی عرصے سے شاید ڈریس وغیرہ بھی نہیں بنائے۔'' انہوں نے خود پر سے شرمندگی و غفلت کا بوجھ اتارنے کیلئے مزید پچیس ہزار کا چیک اس کیلئے کاٹا اور دونوں چیک پھر اس کی طرف بڑھائے۔

''آپ سے کس نے کہا ہے؟'' وہ قدرے بگڑ گیا۔

''مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے۔''

''کسی نے بھی نہیں کہا یار کم آن لو پکڑو، کل تمہاری شادی ہے کیا اپنے فیورٹ ڈریس میں دلہن لینے جاؤ گے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی جینز کی طرف اشارہ کیا۔

''تو کیا فرق پڑتا ہے پاپا، آپ کی خوشی تو پوری ہو جائے گی۔'' وہ دونوں ہاتھ آپس میں ملائے بے چینی سے پہلو بدل کر سوچ کر رہ گیا۔

''سنو سنی ناراض ہو مجھ سے، یہ اچھی بات تو نہیں ہے، میں مانتا ہوں میں نے یہ فیصلہ مناسب وقت پر نہیں کیا۔ مگر تمہارا لائف اسٹائل چینج کرنے کیلئے یہ بہت ضروری تھا۔'' حسنین احمد نے پدرانہ شفقت و محبت سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ویل یہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے، اسے انجوائے کرنے کی کوشش کرو، یہ دن پھر لوٹ کر نہیں آئیں گے، بعد میں مس کرو گے ان باتوں کو، بلکہ شاید حمی کو بھی بلیم دو گے اس لئے۔'' وہ بڑے دوستانہ انداز میں اس کی طرف جھکے کہہ رہے تھے اور اسے بار بار حیرت میں ڈال رہے تھے۔ اس سے پہلے باپ کا یہ روپ اس نے نہیں دیکھا تھا۔

''آپ سب سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے فیصلوں سے لائف اسٹائل چینج ہو جاتا ہے اور خوشیاں اس طرح حاصل ہوتی ہیں اور انہیں انجوائے کرنے کیلئے روپے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے، تو یہ سب غلط ہے۔ دل خوش نہ ہو تو آپ دنیا کی کوئی بھی نعمت انجوائے نہیں کر سکتے۔'' عفان کے سنجیدہ لب و لہجے پر حسنین احمد بھی قائل ہو گئے۔

''تم جو کہہ رہے ہو سنی اس کی اپنی حقیقت ہے، مگر دل کے ناخوش ہونے کا کوئی جواز بھی تو ہو۔ حمی اچھی لڑکی ہے، وہ تمہاری اچھی لائف پارٹنر رہے گی، پھر بھی اگر تم انگری نہیں ہو تو میں اپنا فیصلہ بدل۔''

''نہیں پاپا مجھے آپ کی خوشی چاہئے میں انگری ہوں مگر؟'' عفان سے باپ کا ہارا ہوا لہجہ برداشت نہیں ہوا تو فوراً بولا۔ حسنین احمد کی بھی جان میں جان آئی۔

''میری خوشی چاہتے ہو تو یہ پکڑو اور سنو اپنے فرینڈز کو بھی انوائیٹ کر لو۔'' حسنین احمد نے زبردستی چیک اس کی مٹھی میں دبائے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں، تم کل شام کا پروگرام یاد رکھنا او کے۔'' انہوں نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔ عفان مٹھی میں چیک پکڑے انہیں جاتے ہوئے بے بسی سے دیکھنے لگا۔ خواہش کے باوجود وہ اس فیصلے کیلئے کوئی جارحانہ طرز عمل اپنا نہیں پا رہا تھا۔ پاپا اسے بے حد عزیز تھے اور ان کا کیا فیصلہ بحالت مجبوری اسے ماننا تھا۔

***

''حفصہ باجی یہ حمی..... بھابی کچھ زیادہ ہی نہیں شرما رہی ہیں ہم سے؟'' حفصہ اور عثمان جب سے آئے تھے، اسے اسی طرح بات بات پر چھیڑ رہے تھے۔ وہ شرمائی سی ان کی خاطر مدارت میں لگی ہوئی

تھی۔شاہانہ کے بھی سارے بچے یہیں موجود تھے۔مگر سب موڈی سے تھے،اس لئے اس وقت خود میں مگن تھے۔

''اپنے سسرال والوں سے شادی سے پہلے لڑکیاں اسی طرح شرماتی ہیں۔'' شاہانہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''اور شادی کے بعد کیا ان کی شرم ختم ہو جاتی ہے ہیں آنٹی جان؟'' عثمان نے حیرت کا اظہار کیا،تو ان کے جواب دینے سے پہلے حنظلہ خود ہی بے ساختگی سے بولی۔

''ایسے ہی ختم ہو جاتی ہے۔'' پھر اس نے دانتوں تلے زبان دبالی۔حفصہ اور عثمان نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔آج پہلی بار ہی انہیں اس کی خوبصورت خدوخال کا احساس ہوا۔آج سے پہلے وہ اسے سرسری نظروں سے دیکھتے اور عام انداز میں ملتے تھے۔آج غور کرنے پر عمل ہوا کہ اس کے گالوں کے ڈمپل کسی بھی دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے کافی ہیں۔حنظلہ نے خاموشی سے مٹھائی کی پلیٹ ان کی طرف بڑھائی۔

''اب بس کرو بھئی رئیلی ہمیں یقین ہے تم اچھی میزبان ہو،اب باقی میزبانی عفان بھائی کیلئے سنبھال لو ہم تو فل ہو گئے ہیں۔'' حفصہ نے مسکراتی نظروں سے چھیڑا۔

''سب کچھ تو ویسے ہی پڑا ہے،کیا لیا ہے صرف چائے اور سینڈوچز۔''

''حی بھابی ہم ناشتہ کر کے آئے تھے،ویسے آپ فکر نہ کریں وہاں اپنے گھر میں آپ سے فرمائشیں کر کے چیزیں بنوایا کروں گا،پھر آپ بھی عاجز آ جائیں گی،سنا ہے آپ اچھی کک ہیں۔'' عثمان نے مٹھائی کا چھوٹا سا ٹکڑا لیتے ہوئے اپنے ارادے ظاہر کئے تو حفصہ نے اسے چپت لگائی۔

''اسٹوپڈ ہم کیا حی کو کوکنگ کیلئے لے جا رہے ہیں گھر میں،بی بی ہیں کک ہے تم ان سے فرمائشیں کرنا خبردار تم نے اپنے دل میں ایسا ارادہ بھی رکھا۔''

''مجھے خوشی ہوگی اگر آپ مجھ سے فرمائش کریں گے۔'' اس نے سر سے سرکتے دوپٹے کو دوبارہ سر پر جمایا یہ اس کی پختہ عادت تھی۔ہر وقت دوپٹہ اوڑھے رکھتی تھی۔حالانکہ عمرانہ شاہانہ اور ان کی اولادیں اکثر و بیشتر اسے اس کی اس عادت پر ٹوکا کرتے تھے۔اس کا مذاق تک اڑاتے تھے۔اب بھی اپنی بات کہتے کہتے عثمان نے اسے ٹوکا۔

''آپ کو یہ خوشی عفان بھائی تو نہیں،البتہ میں ضرور دوں گا اور حی کبھی تو اس دوپٹے بے چارے کو تو بخش دیا کریں۔''

''آپ کو کیا کہتا ہے میرا دوپٹہ؟''

''مجھے تو خیر کچھ نہیں کہتا،البتہ عفان بھائی کو شاید آپ کا یہ اسٹائل پسند نہ آئے۔وہ ذرا اور ٹائپ کے بندے ہیں۔آپ خود کو تھوڑا سا چینج کریں،نئے ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کیلئے کچھ تبدیلی تو ضروری ہے نا۔'' عثمان نے ذرا سنجیدگی سے کہا،تو حفصہ اسے گھور کر رہ گئی۔کیونکہ حنظلہ بھی کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔

''انسان ماحول،وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا ہی رہتا ہے،مجھے بھی جہاں ضرورت محسوس ہوگی میں خود کو چینج کرنے کی کوشش کروں گی،مگر فی الوقت میرے لئے ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔'' حی نے صاف گوئی سے کہا،تو حفصہ نے عثمان کو بھی ٹوکا،جس پر وہ منہ بنا کر بیٹھ گیا۔حی کو محسوس ہوا وہ اس کی بات کا برا مان گیا ہے۔

''عثمان بھائی آپ شاید برا مان گئے ہو۔''

''نہیں تو میں آپ سے نہیں،باجی سے ناراض ہوں۔''

''ہاں یہ کیا بات ہوئی خود ہی الٹی سیدھی ہانک رہے ہو اور خود ہی ناراضگی۔''

''میں نے کیا الٹی سیدھی بات کی ہے،حی میری بھی بھابی ہوں گی تو کیا میں ان سے مذاق نہیں کر سکتا۔''

''یہ منہ اور مسور کی دال۔بھابی سے مذاق کریں گے،عفان بھائی کا غصہ بھول گئے ہو،وہ پاس بھی پھٹکنے دیں گے تو بات کرنا۔'' حفصہ نے اسے تاؤ دلایا۔

''دیور بھابی کے معاملے میں وہ کون ہوں گے بولنے والے اور حی تو ہماری کزن بھی ہے،اس لئے مجھ پر کوئی پابندی نہ لگائے انڈرسٹینڈ۔'' عثمان کے اپنائیت بھرے لہجے پر ہنسی مسکرا دی۔دل ہی دل میں دونوں کی باتوں پر الجھ سی گئی تھی۔کیونکہ دونوں ہی عفان کے بارے میں ذومعنی باتیں کر رہے تھے۔اس نے عفان کو کبھی نہیں دیکھا تھا،نہ ہی اس کے مزاج کے بارے میں وہ کچھ جانتی تھی۔اسی لئے ذہن میں گرہ سی پڑ گئی تھی۔

''اوئے عثمان کے بچے جلدی اٹھو۔ماما تو آج شامت لے آئیں گی۔ابھی بازار بھی جانا ہے اور پھر شام کو یہاں آنے کی تیاری کرنی ہے۔میں تو بالکل بھول ہی بیٹھی ہوں۔'' حفصہ وقت دیکھ کر گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور اپنا بیگ کندھے پر ڈالا۔عثمان بھی کھڑا ہو گیا۔

''حی بھابی اگر آپ کو کسی کے بارے میں کچھ انفارمیشن کی ضرورت ہے،تو میری خدمات حاضر ہیں۔'' عثمان کے شریر لہجے پر حنظلہ نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا۔

''حی کو کسی کی خدمات کی ضرورت نہیں ہے وہ کل سے خود ہی اپنے ''کسی'' کو واچ کر لے گی،تم یہ حسرت اپنے دل میں ہی رکھو اور فوراً نکلو۔''

''دوپہر تو ہو رہی ہے آپ دونوں کھانا کھا کر جاتے۔'' حی نے حق میزبانی ادا کیا۔

''ضرور کھانا کھاتے اگر ماما کی ڈانٹ کھانے کی فکر نہ ہوتی۔'' حفصہ نے معذرت کی تو عثمان نے بھی لقمہ دیا۔

''اور گھر پہنچنے سے پہلے آپ کیلئے حفصہ باجی نے کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے۔دعا کرنا کہ صحیح سلامت گھر پہنچ جاؤں۔حفصہ باجی کی شاپنگ تو ہائی گاڈ اچھے بھلے انسان کو مینٹل بنا دیتی ہے۔''

''عثمان تمہیں تو گھر جا کر ٹھیک کروں گی۔اچھا حی شام کیلئے تیار رہنا۔ساری شیطانوں کی ٹولی ہوگی میں تو تمہیں پہلے یہ خبردار کر رہی ہوں۔بالکل بھی نروس نہیں ہونا۔او کے خدا حافظ۔'' دونوں ہنستے مسکراتے

رخصت ہوگئے۔ان کے جاتے ہی وہ شاہانہ سے فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''بڑی پھپھو پلیز مجھے ٹھیک طرح بتائیں نا'' وہ'' کیسے ہیں آپ تو کہہ رہی تھیں کہ۔'' وہ جھجک گئی۔

''وہ کون؟سب کو تو تم جانتی ہو۔'' شاہانہ نے مسکراتے ہوئے ٹالا۔

''سب کو تو جانتی ہوں بڑی پھپھو مگر وہ......عفان انہیں تو میں نے دیکھا بھی نہیں' پتا نہیں میں ان کے معیار پر پورا بھی اتروں گیا یا نہیں۔حفصہ اور عثان تو عجیب عجیب باتیں کر رہے تھے' پلیز پھپھو اتنی جلدی میری شادی نہ کریں نا میں یہاں اکیلی رہ لوں گی،یا پھر مجھے کسی دارالامان میں چھوڑ دیں مگر۔'' وہ روہانسی ہوکررو پڑی۔

''پاگل ہوئی ہو ہم سے تمہیں یہ توقع ہے کہ ہم تمہیں کسی دارالامان میں چھوڑ دیں گے۔تمہاری بھلائی کی خاطر یہ فیصلہ کیا ہے اور تم۔'' شاہانہ قدرے ڈپٹ کر بولیں،اسے مزید شدت سے روتے دیکھ کر اسے بہلاتے ہوئے بولیں۔

''حفصہ اور عثان نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی جسے تم دل پر لے لو،عفان کی حقیقت تو تمہیں معلوم ہو ہی گئی ہے۔عمرانہ کی وہ سگی اولاد تو نہیں ہے،مگر عمرانہ اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہتی ہے،اسی لئے تو تمہیں اس سے وابستہ کرنے کا سوچ لیا اور عفان کے بارے میں تمہیں کیا بتاؤں اپنے باپ کی طرح ہے۔ہینڈسم ہے بس ذرا آج کل لڑکوں کی طرح لاابالی سا ہے۔خود ہی طبیعت میں ٹھہراؤ آ جائے گا۔بس تمہیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہے اور اماں جان کی تربیت کی لاج رکھنی ہے۔اپنے دل میں کسی قسم کا ملال نہ لاؤ،تم کسی سے کم تو نہیں ہو،ہم تمہارے ہیں ناں اور عمرانہ تو ہر وقت تمہارے ساتھ ہوگی۔'' شاہانہ نے بہت شفقت سے سمجھاتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لپٹایا تو حنظلہ کے دل سے بھی بوجھ سرک گیا۔

***

''عفان......پتر عفان خدا کیلئے اب اٹھ بھی جا۔'' بی بی رحمتے تیسری بار اس کے دروازے میں کھڑی ہوکر پکاریں۔عمرانہ بہت خوش اسلوبی سے اپنا فرض نبھا رہی تھیں۔عفان کیلئے ضروری ہدایات دے کر بی بی رحمتے کو اس کے پاس بھیجا تھا۔دوپہر کے کھانے کے بعد سبھی تیاری میں مصروف ہوگئے تھے۔مگر جس کیلئے یہ سب افراتفری پھیلی تھی،وہی سکون سے اوندھے منہ لیٹا پاپ سونگ سنتے ہوئے کسی انگلش رسالے کی ورق گردانی میں غرق تھا۔سر اور پیر تیز میوزک پر زبردست انداز میں مل رہے تھے۔بی بی کی آمد پر وہ ذرا سی محویت توڑ کر انہیں دیکھتا ضرور تھا،مگر ان کی سنتا نہیں تھا وہ اس کے سر پر پہنچ گئیں۔

''کوئی کام تھا بی بی مجھ سے؟'' اس نے انداز بے نیازی سے پوچھا،تو بی بی اسے دیکھ کر رہ گئیں،پھر قدرے چیخ کر بولیں۔

''یہ شور شرابہ بند کرو تو کوئی بات کروں۔'' بی بی کو عاجز دیکھ کر وہ سیدھا ہوگیا اور پھر بیڈ سے اتر کر اپنے سی ڈی پلیئر کو بند کر دیا اور پھر آ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''اب بتاؤ کیا بات ہے؟'' اس نے لاپروائی سے رسالہ دوبارہ اپنے آگے پھیلا لیا۔

''پتر تم تو ایسے بیٹھے ہو جیسے کوئی بات ہی نہ ہو تین بج رہے ہیں چار ساڑھے چار بجے تم لوگوں نے

نکلنا ہے،تمہارا تو کوئی یار دوست بھی ابھی تک نہیں آیا۔'' بی بی کے استفسار پر وہ بیزاری سے بولا۔

''میں نے کسی کو نہیں بلایا اور نہ ہی انہیں بتانا ہے۔''

''کیوں بعد میں تو انہیں پتہ لگ ہی جائے گا۔''

''کیسے پتہ لگ جائے گا میں کسی کو بتاؤں گا تو تب ناں،سب میرا جینا حرام کر دیں گے۔'' وہ زیرلب بڑبڑا کر رہ گیا۔

''تم نے کچھ تیاری شیاری بھی کی ہے یا آج بھی ایسے ہی جاؤ گے۔'' بی بی کو بھی ایک دم خیال آیا۔

''میری تیاری ہو ہی جائے گی،آپ کو کیا فکر ہے۔'' وہ پھر سے بددل ہونے لگا تھا۔حالانکہ رات سے خود کو کافی سمجھا رہا تھا۔سب کی ہنسی قہقہے ہلڑ بازی اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی،پھر بھی وہ ضبط سے کام لے رہا تھا۔ذہن و دل بار بار باغی ہوئے جا رہے تھے۔کبھی دل چاہتا گھر سے بھاگ جائے اور کبھی چاہتا کہ سب کے سامنے ڈٹ کے کھڑا ہو کر انکار کر دے اور آج ہی اندر ابلتا لاوا باہر نکال دے،مگر پھر پاپا کی محبت اس کا جوش کم کر دیتا تھا اور بے بسی کا شدید احساس اسے جکڑ لیتا تھا۔

''کیسے ہو جائے گی،چلو اٹھو غسل کرو حال دیکھو ذرا اپنا لگتا ہے کتنے دن سے شیو نہیں بنائی۔چل اٹھ نادلہے کی تیاری کوئی مخول ہوتا ہے۔''

''بی بی میرے ساتھ تو پاپا نے مذاق ہی کیا ہے۔میری زندگی کا اہم ترین فیصلہ اس طرح جلدی میں مجھ پر مسلط کر دیا ہے،کہ میری سمجھ ہی کام نہیں کر رہی کہ میں کیا کروں،میں نے ایسا کیا جرم کر دیا تھا،جو مجھے سزا دی جا رہی ہے۔''

''اس میں،میں تیرے پاپا کا کیا قصور،تیری قسمت میں یہی لکھا تھا،اس طرح ہی تیرا ویاہ ہونا تھا۔مرنا جینا' ویاہ شادی میل ملاپ بندے کے اپنے اختیار میں تھوڑی ہوتا ہے،وہ تو اوپر والا حکم دیتا ہے تو ہو جاتا ہے۔بس اب تو اپنا دل صاف کر لے یہ گھڑی مڑ کے تھوڑی آئے گی۔'' بی بی رحمتے نے اسے اپنے مخصوص انداز میں تسلی دی اور پھر زبردستی اٹھانے کی کوشش کی۔

''میں ہو جاؤں گا وقت پر تیار،کہہ تو رہا ہوں۔''

''میرے سامنے اٹھ اور چل تیاری کر اور سن باہر آنے سے پہلے مجھ سے اپنی نظر ضرور اتروانا،میں جانتی ہوں لاڑا (دولہا) بن کے میرا پتر بہت سوہنا لگے گا۔رب بدنظر سے بچائے۔'' بی بی کے چہرے سے اس کی محبت چھلک رہی تھی۔

''مجھے کس کی نظر لگے گی؟''

''کبھی کبھی اپنی بھی لگ جاتی ہے۔''

''لو اپنی نظر خود کو کیسے لگ سکتی ہے،ہاں وہ تمہاری سوہنی بی بی سولکھنی دھی نہ نظر لگا دے۔'' عفان نے پہلی بار حنی کا ذکر مسکرا کر کرتے ہوئے بی بی کو چھیڑا،کیونکہ بی بی حنی کی کئی صفات اسے گنوا چکی تھیں،جو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے کانوں میں پڑ چکی تھیں۔

''وہ تو شرم کے مارے ویسے ہی تجھے نہیں دیکھے گی۔بڑی بی بی نگی دھی ہے۔آج کل کی لڑکیوں

جیسی تیزی چالاکی نہیں ہے اس میں۔ اف تو مجھے بس باتوں میں لگالے، بڑا تیز ہے تو جلدی سے اٹھ تیار ہوجا۔"

"افوہ بی بی تم تو پیچھے ہی پڑ جاتی ہو، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ ابھی سب لوگوں نے ڈریسز بھی سلیکٹ نہیں کیے ہوں گے۔" وہ پھر جھنجلا اٹھا۔

"تجھے ان سے کیا سروکار، تو تیار ہوگا تو سب کو جلدی پڑ جائے گی۔" بی بی نے اس کی ایک نہ سنی، تو وہ بڑبڑاتا ہوا بستر سے اتر کر باتھ روم کی طرف بڑھا اور پھر فوراً ہی واپس آ گیا۔ بی بی مطمئن ہو کر اس کے بیڈ کی چادر ٹھیک کر رہی تھیں۔

"چھوڑو ناں بی بی یہ میں خود کرلوں گا جاؤ تمہیں اور بھی کام ہوں گے۔ میں بس تیار ہو رہا ہوں۔" اس کے اتنے میٹھے انداز پر بی بی رحمے ٹھٹک گئیں اور پھر اسے بے یقینی سے دیکھا۔ انہیں شک گزرا کہ وہ عین موقع پر گھر سے غائب ہو جائے گا۔

"عفان تو کوئی ہیرا پھیری تو نہیں کرنے لگا؟" بی بی کے شکی انداز پر وہ بگڑ اٹھا۔

"بی بی تم بھی مجھے غلط سمجھتی ہو؟"

"میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی، اصل میں مجھے اس بچی کا خیال آ گیا تھا، کہ وہ کتنے ارمانوں سے بیٹھی ہوگی تیری نال مٹول سے یہی لگا کہ تو اپنے باپ کے اس فیصلے کا بدلہ اس بے قصور سے تو نہیں لینے لگا۔" بی بی نے دل کی بات کہہ دی، وہ افسردہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بی بی میں نے بھاگنا ہوتا تو پہلے ہی بھاگ جاتا۔ اس ٹائم پر فرار ہونا میرے نزدیک بزدلی ہے اور پاپا کی زیادتی کا بدلہ میں کسی اور سے کیوں لوں گا، خود سے ہی کیوں نہیں لوں گا۔" اس کے سرد لہجے پر بی بی کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ وہ اس کی خود اذیت فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھیں۔

"اچھا اب تم اطمینان سے جاؤ میں بس تیار ہو رہا ہوں۔" اس نے خود پر جبر کر کے بی بی کو اطمینان دلایا اور پھر وہ واقعی وقت پر تیار ہو گیا۔ اس کی تیاری سے پہلے عمرانہ بھی اس کے پاس آئی تھیں، مگر وہ سرد و سپاٹ رویے کا مظاہرہ کر کے ان کی گرمجوش محبت و خاک میں ملا چکا تھا۔

اس کی تیاری کے بعد بی بی اس کے کمرے میں داخل ہوئی، تو ٹھٹک کر رک گئیں۔ وہ پہلے ہی دعویٰ کر چکی تھی کہ دولہا بن کر وہ بہت زبردست لگے گا اور اسی لئے اپنے ہمراہ نظر اتارنے کا سارا سامان لے کر آئی تھیں۔ ان کا دعویٰ سچ ثابت ہوا تھا۔ آج وہ نک سک سے تیار ہوا تھا، تو وائٹ ہاؤس کے تمام لڑکوں سے نمایاں اور منفرد لگ رہا تھا۔ بی بی نے آگے بڑھ کر فوراً اس کی بلائیں لیں، نظر اتاری۔ عمرانہ کے دیئے روپے اس پر سے وارے۔ نجانے کس کے کہنے سے اس کے بھائی اور سارے کزنز اس کے کمرے میں چلے آئے تھے اور آج خلاف عادت توقع وہ بھی خاموشی سے انہیں برداشت کر گیا تھا۔

"آج کچھ انسان لگ رہا ہے۔" سلیمان نے اس پر تبصرہ سرگوشی میں کیا، جسے حفصہ اور شایان نے سنا اور پھر حفظہ نے ہی اسے ٹوکا۔

"سلیمان بھائی آپ کو ماما کی باتیں بھولنی نہیں چاہئیں۔ کچھ بھی ہے وہ ہمارے بھائی ہیں اور

تاقیامت رہیں گے۔"

"آج کے دن کوئی بدمزگی نہ پھیلاؤ حفصہ۔" شایان نے سلیمان کا موڈ دیکھ کر اس سے کہا، تو وہ سر جھٹک کر باقی کزنز کی طرف بڑھ گئی۔ سبھی لڑکیاں اسے مختلف انداز میں دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ کیونکہ آج وہ اپنے فیورٹ ڈریس جینز شرٹ سے ہٹ کر آف وائٹ پینٹ اور شیروانی سٹائل کے کوٹ میں ملبوس تھا۔ جس کے بین کالر اور سامنے پٹی پر بہت نفیس کام ہوا تھا۔ حفصہ نے بے ساختہ اس کی تعریف کی۔

"عفان بھائی آج آپ بہت زیادہ ڈیشنگ لگ رہے ہیں۔ بی بی سے نظر اتروالیں اپنی۔" حفصہ کا دل اس وقت بھائی کی محبت سے معمور تھا۔ بی بی بھی ان کے درمیان کھڑی حفصہ کی باتوں پر خوش ہو رہی تھی۔ بی بی اس کے قریب کھڑے ہو کر سرگوشیانہ انداز میں سمجھانے لگیں۔

"دیکھو عفان سب کتنے خوش ہیں صرف تیری خاطر، یہ ان کا حق ہے جو وہ استعمال کر رہے ہیں۔ اب تو نے خود کو سنبھالنا ہے اور انہیں کچھ ایسا نہیں کہنا، جس سے ان کے چہروں کی ہنسی رس (ناراض) جائے۔" بی بی کی فکرمندی پر وہ مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ سے اس کا اپنا چہرہ جگمگا اٹھا تھا۔ سب کی نگاہ اس پر تھی۔ عثمان کے ہاتھ میں کیمرہ تھا، اس نے فوراً اس کی تصویر اتارتے ہوئے کہا۔

"بھائی آپ ایسے ہی ہنستے رہا کریں، بہت اچھے لگتے ہیں۔" عثمان کی بات پر سب کے لب بھنچ گئے تھے کہ نجانے عفان اب کیا کہے گا، مگر وہ بے نیازی دکھاتا حفصہ کو ساتھ لگائے کمرے سے باہر نکل گیا، نہ جانے بہن کی محبت کیسے اس کے دل میں تھی۔ حسنین احمد اس کی سج دھج دیکھ کر بے اختیارانہ ہی اس کی طرف بڑھے اور پھر محبت و گرمجوشی سے اسے گلے لگا کر چوما۔ ان کے بے اطمینان قلب میں سکون سا اترا تھا، جبکہ عفان وہ گرمجوشی نہیں دکھا سکا تھا۔ سب ہی حیرت سے اسے تک رہے تھے، وہ سب کی توقع کے برعکس جس طرح آیا تھا، وہ سبھی کیلئے حیران کن تھا۔ عمرانہ نے بھی بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ سبھی مطمئن ہو گئے تھے۔ مگر کوئی اس کی دلی کیفیات نہیں جانتا تھا، کہ وہ کس ضبط سے ان کے مصنوعی رویوں کو برداشت کر رہا ہے۔ اس کیلئے تو سب کی محبت، توجہ، پیار مصنوعی ہی تھا۔ آج سب اس لئے اس کے آگے پیچھے تھے، کہ وہ لوگوں میں انہیں تماشا بنوا دے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا قافلہ عمرانہ کے میکہ کی طرف چل پڑا۔

***

کل تک وہ اپنی زندگی میں کسی کو شریک کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور آج مجسم شریک اس کے کمرے میں موجود تھا۔ وہ پورے ہوش و حواس سے حنظلہ انضام کے جملہ حقوق اپنے نام کروا کر لایا تھا اور پھر اس کے اندر زبردست قسم کی ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی تھی۔

گھر آتے ہی وہ اپنی جان چھڑا کر کسی کو بتائے بغیر گھر سے فرار ہو گیا تھا۔ اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ہی سبھی اس کے کمرے میں موجود تھے اور حنظلہ کو گھیرے ہوئے تھے۔ حنظلہ سب کی اپنائیت پر بہت زیادہ مطمئن ہو گئی تھی اور ان کی باتوں پر مسکرا بھی رہی تھی۔ سبھی اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ سوائے سلیمان کے، جو گھر آنے کے بعد سے بالکل چپ تھا۔

حنظلہ کے حسن جہاں سوز کو دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔ دلہن بن کر اس پر جو روپ آیا تھا، سلیمان نے اس سے پہلے کسی لڑکی پر نہیں دیکھا۔ دل کے کسی کونے میں ذرا سی کسک جاگی تھی اور حنظلہ کی قسمت پر افسوس بھی ہو رہا تھا، کہ اس جیسی لڑکی اس کے خیال کے مطابق ایک وحشی کے ساتھ باندھ دی گئی ہے۔ حفصہ نے شاید اس کی چوری پکڑ لی تھی، اسی لئے اسے ذومعنی انداز میں چھیڑا۔

''سلیمان بھائی گولڈن چانس مس ہونے کا افسوس ہو رہا ہے۔'' حفصہ کی بات پر قدرے سنبھلتے ہوئے اسے ناراضگی سے دیکھا۔

''حفصہ کبھی موقع تو دیکھ لیا کرو، اسٹوپڈ مجھے کس بات کا افسوس ہوگا، جس کا جو نصیب ہوتا ہے، اسے وہی ملتا ہے البتہ۔'' حفصہ نے اس کی پوری بات نہیں سنی فوراً بولی۔

''اوہ تو منہ اس لئے لٹکائے بیٹھے ہیں کہ آپ کو کچھ دینا نہ پڑے۔ لیکن دینا تو پڑے گا، آخر آپ دیور نمبر ایک ہیں۔''

''میں اسٹوڈنٹ بندہ ہوں ادھار سے کام چلاؤ۔'' وہ بھی واپس اپنے موڈ میں آ گیا۔

''بھائی یہ چیٹنگ ہے، آپ نے وعدہ کیا تھا کہ حمی کو سب سے پہلے کچھ گفٹ کریں گے، اسپیشل اونر لیا ہے تو دل بھی ذرا بڑا کریں ناں۔''

''بھئی یہ گستاخی مجھ سے نہ کراؤ اسپیشل اونر تو ایک ہی بندے کیلئے محفوظ رہنے دو، ورنہ ہم سب کی خیر نہیں ہے۔'' سلیمان نے حفصہ کو چڑانے کیلئے قہقہے کے ساتھ عفان کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ نہیں چلے گا، بس فوراً نکالیں جو کچھ ہے۔''

''اچھا حمی سے پوچھ لیتے ہیں حمی تم مجھ سے کچھ لوگی، دیکھو میں تم سے چھوٹا ہوں، خواہ رشتے میں سہی بڑے چھوٹوں سے تو کچھ نہیں لیتے ناں۔''

''یہ فاؤل ہے سلیمان بھائی یہ بیچاری تو شرم سے ہی انکار کر دے گی۔'' حفصہ مینا وغیرہ یک زبان ہو کر بولیں۔ شایان بھی قریب آ گیا۔

''حمی بھابی آپ کا یہ دیور بہت کنجوس ہے پلیز مانگ لیں، کچھ راز کی بات بتاؤں آسامی بہت موٹی ہے۔''

''او یو چیٹر شایان کے بچے ٹھہرو ذرا۔'' سلیمان نے اسے پکڑنا چاہا، مگر وہ اس کی پہنچ سے دور ہو گیا۔ حمی نے ان کی نوک جھوک سنتے ہوئے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''آپ لوگوں کا خلوص آپ سب کی محبت ہی میرے لئے سب سے بڑا تحفہ ہے، آپ سب کی اپنائیت ہمیشہ ایسی ہی رہے تو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کی مترنم آواز اس کے مسکراتے گالوں کے ڈمپل، سب پر سحر پھونک گئے۔

''اور دل خوش کیتا ای بھابھو..... اوئے کنجوسو شرم کرو کچھ۔'' اسد نے پہلے تو آرام سے بات کی اور پھر بڑھک مار کر بولا، تو سبھی اس کے پیچھے پڑ گئے۔

''اسد یہاں ڈائیلاگ بازی نہیں چلے گی، اپنے خالی خولی ڈائیلاگ اپنے پاس رکھو۔'' مینا نے اس

کے انداز میں اسے لتاڑا۔ تو وہ معصومیت سے بولنے کی اداکاری کرنے لگا۔

''حمی بھابی یہاں نیک جذبوں کی کچھ قیمت نہیں ہے، لوگ میرے کھرے جذبوں کو ڈائیلاگ سمجھتے ہیں، یہاں ہے کوئی ایسا میں تو اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔'' اسد کی معنی خیز باتیں صرف مینا ہی سمجھ سکتی تھیں، اسی لئے وہی اسے گھور رہی تھی، باقی سب اس کی ڈائیلاگ بولنے کی عادت سے واقف تھے، اسی لئے ہنس رہے تھے۔

''یہ تم سب کس طرف چل پڑے ہو جلدی کرو بھئی۔'' حفصہ نے سب کو موضوع کی طرف لانے کی کوشش کی۔ شایان اس کے قریب ہو کر سرگوشی میں بولا۔

''ظاہر ہے سب تمہاری طرف تو نہیں آ سکتے سوائے میرے۔''

''شایان بھائی آپ بس مجھ سے الٹی سیدھی باتیں نہ کیا کریں، یہاں آنے کا مقصد پورا کریں، ورنہ رش کم کریں۔'' حفصہ نے ناراضگی کے ساتھ بے لحاظی کا مظاہرہ بھی کیا۔

''یار بڑی بے مروت ہو تم تو یعنی میری وجہ سے تمہیں رش لگ رہا ہے اور یہ جو لائیں بلائیں اکٹھی کر رکھی ہیں ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' شایان نے اس کی سہیلیوں کی طرف اشارہ کیا، تو وہ جھنجلا اٹھی اور عمرانہ کو قریب آتا دیکھ کر بسوری۔

''ماما دیکھیں شایان بھائی مجھے تنگ کر رہے ہیں سمجھالیں انہیں ورنہ؟''

''شانی مت تنگ کرو میری بیٹی کو ورنہ۔'' وہ بھی مسکرا دیں تو شایان مزید شیر ہو گیا۔ اندرون خانہ شایان اور حفصہ کے پروپوزل پر ڈسکس چل رہی تھی۔ حفصہ ابھی تک بے خبر تھی اس لئے شانی کی باتیں سمجھ نہ آنے پر چڑنے لگتی تھی۔

''پڑ گئی ٹھنڈک کلیجے میں آنٹی سے میری شکایت، کیا کہا ہے انہوں نے مجھے۔'' شایان نے پھر اسے چھیڑا۔

''لحاظ کر گئی ہیں آپ کا، ورنہ مجھے تنگ کرنے والے کو وہ کبھی نہیں بخشتیں۔'' حفصہ نے بے پروائی سے کہا۔

''سن رہی ہیں آپ آنٹی؟''

''افوہ بس کرو ناں پھر لڑ لینا سب نے کھانا کھا لیا ہے۔'' عمرانہ نے دونوں کو سنجیدگی سے ٹوکا۔ حفصہ کا منہ پھول گیا، کیونکہ ماما نے مخاطب اسے ہی کیا تھا۔

''جی کھا لیا، ہے مگر حمی بھابی نے اب تک نہیں کھایا۔''

''کیوں.....؟ تمہیں چاہئے تھا ساتھ کھانا میں نے بی بی سے کہا بھی تھا، عفان کا تو پتہ ہی ہے موڈ ہوگا تو کھانا کھائے گا، ورنہ ویسے وہ ہے کہاں؟''

''باہر لان میں تھے میں نے کافی دیر پہلے، بلکہ ڈنر سے بھی پہلے وہاں دیکھا تھا۔'' حفصہ نے معلومات دیں۔

''ٹھیک ہے بس اب تم لوگ بھی اٹھو اپنے اپنے کمروں میں چلو۔ اس نے بھی آرام کرنا ہوگا، اس

سے پہلے کہ وہ آ کر تم سب کو نکالے، شرافت سے خود ہی اٹھ جاؤ۔ حی کو بھی کچھ سکون لینے دو، شام سے اسی طرح بیٹھی ہے۔ تم جاتے ہوئے بی بی سے کہنا حی کیلئے کھانا بھجوائیں، گیارہ بج گئے ہیں کسی نے حی کو کھانے کا ہی نہیں پوچھا۔'' انہوں نے سب کو وارننگ دے کر اٹھایا۔ لڑکیاں اٹھ کر عفان کے کمرے کی سیٹنگ درست کرنے لگیں۔

''حی وہ سب مذاق تھا، تمہارا گفٹ ہمارے پاس امانت ہے صبح تمہیں دیں گے او کے گڈ نائٹ۔''

سلیمان نے قریب آ کر معذرت کی تو سب نے اس کی تائید کی اور پھر سبھی باری باری معذرت کرتے چلے گئے۔ عمرانہ بھی پیار و محبت کا احساس دلا کر اسے کھانا کھانے کی تاکید کر کے چلی گئیں۔

***

''عفان پتر کھانا کھاؤ گے؟'' بی بی ابھی کمرے میں حی کیلئے کھانا لے کر آئی تھیں کہ وہ ہوا کے جھونکے کی طرح آیا اور آ کر اپنے لاپروا انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ ایسا لگتا تھا وہ بیڈ پر بیٹھے وجود کو یکسر فراموش کر چکا ہے۔ اس لئے سر پیچھے ڈال کر آنکھیں موندھ کر اس نے رضامندی دی۔

''آف کورس۔'' حنظلہ کی دھڑکنوں میں نیا ارتعاش پھیلا تھا، جسے وہ کوئی نام نہ دے سکی۔ اپنے پیچھے سرک جانے والے دوپٹے کو اس نے گھبرا کر آگے سرکانے کی کوشش کی۔

''چلو آؤ پھر ادھر ہی آ جاؤ، تمہاری دلہن نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔'' عفان کو جیسے کرنٹ لگا ہو، وہ ہوش میں آ کر فوراً سیدھا ہو گیا۔

''کیا یہ ابھی تک یہیں ہیں؟''

***

عفان کی آواز برہم اور قدرے بلند تھی حی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''ہائے تو اور کہاں جائے گی یہیں رہنا ہے اب اسے..... اچھا آؤ پہلے کھانا کھا لو، پھر کوئی گل بات کرنا۔'' بی بی نے قریب آ کر پیار سے کہا۔

''بی بی میں کسی کو یہاں برداشت نہیں کر سکتا اور تم اچھی طرح جانتی ہو میں اپنی کسی بھی چیز میں شیئر کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''تو یہ تمہارا حصہ تھوڑی کھائے گی، اس کے نصیب کا اسے ملے گا اور تمہارے نصیب کا تمہیں۔''

''نصیب..... نصیب اس کا چکر دے کر تو تم سب مجھے پھنسا چکے ہو، اب اور کیا چاہتے ہو پلیز اس کا بندوبست کہیں اور کرو ورنہ۔'' اس کی آواز میں برہمی مزید بڑھ گئی تھی اور یقیناً ماتھے پر سلوٹیں بھی ابھر آئی تھیں۔

''اچھا..... اچھا پہلے کھانا تو کھا لو پھر کچھ سوچتے ہیں۔'' بی بی نے مصلحت آمیزی سے کہا، تو وہ اٹھ کر کمرے سے ملحق باتھ روم سے ہاتھ دھو کر آ گیا۔ بی بی نے پلیٹوں میں کھانا نکال کر میز پر رکھ دیا اور پھر حی سے کھانے کیلئے اصرار کرنے لگیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس کی مترنم آواز کمرے میں پھیل گئی۔

''کیوں بھوک نہیں ہے، رات کو خالی پیٹ سوؤ گی۔'' عفان نے اس کی آواز سن کر کھانے کی طرف بڑھتے ہاتھ کو روک کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ نیم گھونگھٹ میں چھپا تھا، اسے گمان گزرا تھا کہ شاید وہ رو رہی ہے، لیکن اسے رونے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اسے اس وقت احساس نہیں تھا، کہ اس کی باتوں نے اسے رونے پر مجبور کیا ہوگا۔

''اس کی باتوں پر نہ جاؤ، یہ تو ایسا ہی ہے میں ابھی اس کے کان کھینچتی ہوں۔'' بی بی نے حی کے قریب بیٹھ کر اس کا دوپٹہ پیچھے کیا، پھر اسے پلیٹ میں چاول اور سلاد وغیرہ ڈال کر دیئے۔ پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے حی کا مہندی اور کیوٹیکس سے سجا ہاتھ اس کے سامنے تھا۔ بلوریں گلاس اور اس کا حنائی ہاتھ عفان کی نظر میں آ ٹھہرا تھا۔ دل میں عجیب سے احساسات جاگے تھے۔ وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''بی بی مجھے کافی چاہئے۔'' کہنے کی خواہش کچھ اور تھی، مگر نجانے وہ کیا کہہ گیا۔ بی بی نے بھی اس کی فرمائش پر اسے چونک کر دیکھا، پھر حی سے پوچھا۔

''حی تم کیا لو گی چائے یا کافی ہی لاؤں؟''

''جی..... جی کچھ بھی نہیں۔'' حی نے پلیٹ میں چمچ رکھ کر اپنا کھانا بھی موقوف کیا۔ اس کی مترنم آواز چوڑیوں کی کھنک کے ساتھ ایک بار پھر کمرے میں جلترنگ بجا گئی۔

بی بی برتن سمیٹ کر چلی گئیں، تو وہ کافی کے انتظار میں میگزین لے کر اپنی ایزی چیئر پر بیٹھ گیا، جو کہ بیڈ سے کافی قریب تھی۔ حی نے ہمت کر کے دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ پلکوں کی چلمن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ میگزین دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس نے جیسا سنا تھا، وہ ویسا ہی خوبرو اور جاذب نظر تھا۔ کلین شیو سے چہرہ مزید جگمگایا سا لگ رہا تھا۔ اس پر اس کی شخصیت کو نمایاں کرتا اس کا چھ فٹ سے نکلتا قد اور متناسب جسم تھا۔ البتہ اس کا لہجہ اور انداز گفتگو اس کی شخصیت کے سحر کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکا تھا۔ وہ اس کے رویے سے ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ خود پر نظروں کا احساس کر کے عفان نے اس کی طرف دیکھا، تو وہ گھبرا کر سر جھکا گئی۔ زندگی کا یہ نیا موڑ اسے آزمائش میں ڈال چکا ہے، اس کا احساس اسے ہو گیا تھا۔ عفان اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے کچھ کہنے والا تھا، تبھی بی بی دونوں کیلئے کافی لے کر آ گئیں۔

''بی بی تم کیوں کام کرتی پھر رہی ہو زہرا کہاں ہے، سارا دن ہو گیا ہے تمہیں پھرتے ہوئے تھکی نہیں ہو۔'' عفان نے بی بی کے ہاتھ سے کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

''تیرے دیاہ کی خوشی نے مجھے تھکایا نہیں ہے، میں تو ساری رات بھی کام کرتی رہوں تو تھکن نہیں ہو گی۔'' بی بی کی خوشی حقیقی تھی، جو اظہار بن کر اس کے چہرے پر اور لہجے میں جھلک آئی تھی۔

''اچھا پھر اس خوشی کو کہیں سلانے کا انتظام کیا ہے یا؟''

''تجھے کہا تو ہے یہ یہیں رہے گی یہیں سوئے گی۔'' بی بی نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

''کیوں یہیں سوئے گی، تمہیں معلوم ہے ناں میں اپنے روم اور بیڈ کے علاوہ کہیں نہیں سو سکتا، پلیز تم اسے حفصہ وغیرہ کے روم میں چھوڑ آؤ یا، پھر اپنی عمرانہ صاحبہ سے کہو کہ اسے اپنے ساتھ رکھیں۔'' کافی

کا سپ لیتے ہوئے وہ بہت تلخ انداز میں بول رہا تھا۔ حی اس کا لہجہ سن کر توہین محسوس کرنے لگی۔

''ہائیں بے عقل تو جھلا تو نہیں ہو گیا، یہ تیری بیوی ہے کہیں اور کسی کے پاس کیسے رہ سکتی ہے، اب تیری ہر شے پر اس کا بھی حق ہے' تیرے اتنے بڑے بیڈ پر ایک پاسے (طرف) پڑی رہے گی تیرا کیا لے گی۔'' بی بی نے اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ وہ اب ایسا ناسمجھ اور بچہ بھی نہیں تھا، جسے اس رشتے کی نزاکتوں کا احساس واضح طور پر دلایا جاتا، وہ اس وقت ضد میں تھا، اسی لئے اسی انداز میں بولا۔

''بی بی تم سب کچھ اچھی طرح جانتی ہو، پھر بھی مجھ سے زیادتی کر رہی ہو۔''

''زیادتی میں نہیں تو کر رہا ہے اپنے ساتھ بھی اور بیوی کے ساتھ بھی، چپ کر کے کمرے میں رہ اور اسے بھی رکھ میں جا رہی ہوں' صبح آؤں گی۔''

بی بی اس کی مزید کوئی بات سنے بنا ہی دروازے کے لاک سے چابی نکال کر لے گئی اور پھر اسے باہر سے لاک لگنے کی آواز آئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ بی بی اس کے ساتھ یہ چالاکی کریں گی۔ اس نے جھنجلاتے ہوئے دو چار ہاتھ اِدھر اُدھر مارے، پھر بے بسی سے پلٹ کر کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ اگر آج کوئی جارحانہ طرز عمل اپنائے گا، تو شاید حسنین احمد کو جواب دینا پڑ جائے، کیونکہ گزشتہ شام وہ اس کو سمجھانے کے ساتھ تنبیہ بھی کر چکے تھے۔

اس ساری صورتحال میں حتللہ خود کو مجرم محسوس کر رہی تھی۔ اسے بالکل بھی توقع نہیں تھی کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ اس طرح کا رویہ رکھے گا۔ وہ بہت سے خواب سجا کر آئی تھی، جو پہلی ٹھوکر سے ہی چکنا چور ہو گئے تھے۔ وہ بہت ضبط اور حوصلے سے بیڈ سے اتر کر عفان کے قریب آئی اور پھر اسے مخاطب کیا۔

''سنئے آپ اپنے بیڈ پر سو جائیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں ادھر سو جاؤں۔'' اس نے بیڈ کے سامنے پڑے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ عفان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ سوگوار چہرے پر عجب سا نور تھا۔ اس کے حسن کی جگمگاہٹیں آنکھیں خیرہ کر گئی تھیں۔ آج سے پہلے اس نے حسن کو اتنا مکمل اور حیران کن روپ میں نہیں دیکھا تھا۔

یونیورسٹی میں ساتھ پڑھنے والی کئی لڑکیاں اس کی دوست تھیں، لیکن کسی میں بھی اتنی کشش اور جاذبیت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ عروسی لباس میں وہ نظریں جھکا کر مترنم آواز میں بات کرتے ہوئے آسمانی حور ہی لگ رہی تھی۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ یہ کشش نکاح کے بولوں کے بعد سب کو ہی اپنی طرف کھینچتی ہے، جسے وہ فی الحال سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے حسن کے سحر سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ خشک لہجے میں بولا۔

''آل رائٹ آج تم یہیں گزار لو، لیکن کل سے اپنا انتظام کہیں اور کر لینا۔ میں کسی قسم کی ڈسٹربنس پسند نہیں کرتا۔ میرے بارے میں تمہیں تمہاری پھپھو نے بتا ہی دیا ہوگا، باقی لوگ بھی موقع ملتے ہی آگاہ کر دیں گے اس لئے۔'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ اس کے پاس سے گزر کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا اور حی خود سے الجھتی ہوئی صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ کمرہ

اچھا خاصا کشادہ تھا، ضرورت کی ہر چیز اس کے کمرے میں موجود اور طریقے سے سجی تھی۔

لان میں کھلنے والی کھڑکی کے ساتھ بیڈ پڑا تھا اور اس کے مقابل صوفہ سیٹ' کارنر ٹیبل پر میوزک سسٹم کی ارینجمنٹ تھی۔ ٹی وی' ویڈیو کے ساتھ کمپیوٹر اور چھوٹا سا حصہ لائبریری کیلئے بھی مختص تھا، اس نے اماں جان کے ساتھ بہت سادہ زندگی گزاری تھی۔ یہاں طرز زندگی بہت مختلف تھی۔

عفان کے کمرے کی آرائش سے ہی اسے اندازہ ہو رہا تھا۔ وائٹ پینٹ کے ساتھ باقی ساری کلر اسکیم اسکائے بلیو کلر کی تھی۔ ہر طرف طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد وہ اپنے زیورات اتارنے لگی۔ جواب اسے بوجھ لگنے لگے تھے۔ اتنے میں عفان ڈریسنگ روم سے باہر نکل آیا، وہ جھک کر دوپٹہ اوڑھنے لگی، جو زیورات اتارتے ہوئے اس نے پیچھے ڈال دیا تھا، اس پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے اسی انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''اگر چینج کرنا چاہو تو ادھر ڈریسنگ روم ہے۔'' حمی اس کے یوں نرم انداز میں بات کرنے پر حیران ہی رہ گئی، پھر تمام زیورات سمیٹ کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ غیر ارادی طور پر عفان کی آنکھوں نے بھی اس کے ساتھ سفر کیا تھا۔ دل میں نئی کسک اٹھی تھی۔ ایک کشش سی اس کی طرف کھینچ رہی تھی۔ جذبات بار بار دہائی دے رہے تھے۔ اسے نظر انداز کرنے پر دل نے احتجاج کیا تھا۔

حمی کے چہرے کی معصومیت نے جو حصار سا کھینچا تھا، وہ مزید پھیلتا جا رہا تھا، مگر اسے کسی پر اعتبا رنہیں تھا۔ اسے یہ سب جھوٹ' فریب' دھوکا' بہلاوا لگ رہا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ عمرانہ اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہی ہیں۔

ادھر حمی لباس تبدیل کرتے ہوئے اشک بہا رہی تھی۔ عفان کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ عمرانہ اور شاہانہ پھپھو نے اسے جس محفوظ مستقبل کا خواب دکھایا تھا، اس کی تعبیر بالکل الٹ تھی۔ انہوں نے اس کی زندگی میں رنگینیاں شامل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کا ہلکا سا عکس بھی تو اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ بی بی نے اپنی باتوں سے اس کے اردگرد جتنی بہاریں بکھیری تھیں، ان میں سے ایک پھول کی مہکار بھی تو اسے نہیں ملی تھی۔

حصہ اور سکھیوں نے جتنے ستارے اس کی مانگ میں سجائے تھے، ان میں سے ایک ستارے کی روشنی بھی تو اس کے دامن دل کو خیرہ نہ کر سکی تھی۔ لیکن اب وہ کسی سے شکوہ بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔ اپنی بے وقعت ہستی کا اسے اچھی طرح احساس تھا۔ چھوٹی پھپھو نے جس کڑے وقت میں اسے اپنی ذات کا سہارا بخشا تھا، اس پر وہ ان کی ممنون تھی۔ کوئی اور ہوتا تو اس جیسی کو دھتکار دیتا۔ آخر ان کا اس سے رشتہ ہی کیا تھا۔ یہ تو ان لوگوں کی مہربانی تھی، جو غیر ہوتے ہوئے بھی پالنے کا حق ادا کر دیا تھا۔ حمی خود کو ان کا قرض دار سمجھتی تھی اور عفان کے ہر طرح کے رویے کو برداشت کرنے کا حوصلہ خود کو دینے کیلئے اس نے اپنے آنسو بے دردی سے پونچھے اور پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر مسکرانے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں وہ کامیاب بھی ہو گئی۔

''میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی' کوئی شکوہ نہیں کہوں گی عفان سے بھی نہیں، میں ان کی ہر بات

برداشت کروں گی، چاہے یہ مجھے کچھ بھی کہہ لیں۔ یا اللہ میری مدد کرنا۔'' وہ مصمم ارادہ کرتی دوپٹہ اوڑھتی باہر آ گئی۔ عفان اپنے بستر پر نیم دراز سگریٹ پینے کے ساتھ ساتھ میگزین کے مطالعے میں مصروف تھا۔ آہٹ پر نگاہیں اٹھائیں اور پھر پلٹنا بھول گئیں۔

''اف ماما نے یہ کیا کیا یہ تو بہت چھوٹی ہے، شاید فرسٹ ایئر یا میٹرک کی سٹوڈنٹ اور ماما نے اس کا فیوچر اپنی پلاننگ میں برباد کر دیا اور میں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟'' میک اپ اترنے کے بعد اس کا شفاف معصوم حسن اس کے احساسات کو جھنجوڑ گیا تھا۔

''میں اتنا کم ظرف ہوں کہ اس سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں کر سکا۔ اتنا بے حس و بے مہر ہوں کہ اپنی زندگی کے چند پل بھی اس کے نام نہیں کر سکا۔'' وہ جیسے جذبات کی گرفت میں تھا۔ حمی اس کی نظروں سے ٹھٹک کر کچھ لمحے رک کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی اور عفان کی نگاہ ابھی تک دروازے پر تھی۔ دل کی پکار پر نادم ہو کر اس نے حمی کو مخاطب کیا۔

''سنو ادھر آؤ۔'' وہ صوفے پر بیٹھ چکی تھی، اس کے حکم پر اٹھ کر اس کے بیڈ کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ عفان نے اسے ہاتھ مسلتے ہوئے دیکھا۔ میگزین ایک طرف رکھ کر اس نے سگریٹ بجھائی اور اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہاں بیٹھو۔'' حمی بیڈ کے سرے پر خاموشی سے ٹک گئی۔

''کس ایئر میں ہو؟'' حمی کو اس کا سوال سمجھ نہیں آیا، بس ہونق بنی اسے تکنے لگی۔

''میں نے لاطینی میں تو نہیں پوچھا کس ایئر میں پڑھتی ہو؟'' اس کے حکمیہ انداز پر وہ فوراً بولی۔

''ابھی سیکنڈ ایئر کے ایگزیم دیئے ہیں۔'' عفان کو ذرا اطمینان ہوا۔

''یہ شادی تمہاری مرضی سے ہوئی ہے؟''

''جی؟''

''میرے سوال اتنے مشکل تو نہیں جو تمہیں سمجھ نہیں آ رہے، کیا تمہیں اس شادی کیلئے ماما نے مجبور کیا تھا؟'' حمی کی خاموشی پر اس نے خود سے قیاس کیا۔ حمی نے نفی سر ہلایا۔

''پھر اتنا احمقانہ فیصلہ کیوں کیا' ماما نے بتایا ہوگا کہ اپنے پاپا کی ساری جائیداد میں سے آدھی میرے حصے میں آئے گی، بولو میں اکیلا آدھی جائیداد اور آدھے بزنس کا وارث ہوں۔ اس لئے تمہارے ذریعے وہ مجھے اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کریں گی' ہے ناں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں۔'' عفان کا لہجہ ایک بار پھر بدگمانی سے زہر خند ہو گیا۔ حمی نے سر اٹھا کر بڑی شاکی نظروں سے دیکھا۔ وہ اسے اس قسم کی لڑکی سمجھ رہا تھا، کہ وہ اسے پھانسنے آئی ہے، آنکھوں کے ساتھ لہجے میں بھی نمی گھل گئی۔ اس نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی۔

''مجھے تو اس کے بارے میں کچھ بھی علم بھی نہیں ہے، مجھے تو خبر بھی نہیں تھی کہ آپ کا اس گھر میں کیا مقام ہے، میری تو اپنی مجبوریاں؟'' حمی کی آواز گھٹنے لگی۔

''جس شخص کے بارے میں تم کچھ جانتی نہیں تھیں، اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیسے

کرلیا؟'' عفان بے یقینی سے بولا۔

''میں تو اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی تھی، میری دنیا تو صرف اماں جان تک محدود تھی یا پھر اس دنیا میں مہمان بن کر آنے والی بڑی پھپھو اور چھوٹی پھپھو سے میں آگاہ تھی۔ یہی ہستیاں میری خیر خواہ رہی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ میرے لئے اچھا سوچا ہے اور بہتر فیصلہ کیا ہے۔ اماں جان کی وفات کے بعد میں اس گھر میں اکیلی نہیں رہ سکتی تھی، اس لئے چھوٹی پھپھو اور بڑی پھپھو چاہتی تھیں میری شادی کردیں، تاکہ مجھے مستقل تحفظ مل جائے۔ شاید یہ ان کا خام خیال تھا کہ۔'' آنسوؤں نے اس کی آواز بوجھل کردی۔

''تمہیں مستقل تحفظ دینے کیلئے جانتی ہو انہوں نے میرے ساتھ کتنی زیادتی کی ہے، ان کی اپنی اولادیں بھی تو تھیں، مگر انہوں نے مجھے ہی قربانی کا بکرا سمجھا، جسے اپنے خاندان پر قربان کردیا۔ کان کھول کر سن لو تم یا تمہاری پھپھو صاحبہ اپنی کسی سازش میں کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔ انڈر سٹینڈ۔'' شعلے برساتا اس کا لہجہ اس کی روح تک کو سلگا گیا۔ اسے کیا خبر تھی کہ چھوٹی پھپھو نے اسے مقام دلاتے دلاتے بے حیثیت کردیا ہے۔ کاش وہ پہلے سے جانتی تو کسی طرح یہ سب ہونے سے روک دیتی۔

''میں نہیں جانتی تھی کہ چھوٹی پھپھو میری شادی آپ کے ساتھ جبراً کروا رہی ہیں، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی، میں آپ کے توسط سے اس گھر میں آئی ہوں، اس لئے آپ سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے اس چھت کے نیچے رہنے دیں۔'' وہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

عفان بھی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وقفے وقفے سے اپنے بالوں کو مٹھی میں پکڑ کر جھٹکے دے رہا تھا۔ وہ حی سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر نجانے کیوں اس سے یہ سب کہہ گیا تھا۔ شاید اندر سلگتے انگارے اس سے بھی برداشت نہیں ہو پائے تھے۔ فضا میں حی کی ہچکیوں کی آواز گونج رہی تھی اور اس کی سماعتوں کو زخمی کررہی تھی۔ وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

آج وہ اس کمرے میں اکیلا ہی مضطرب نہیں تھا، ایک اور وجود ہچکیوں سے ہلکورے لیتا ہوا اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچا رہا تھا۔ کوشش کے باوجود بھی وہ اس کے کندھے کو پیار بھری تھپکی نہ دے سکا۔ دونوں ہی نجانے کب خود سے لڑتے لڑتے نیند کی مہرباں آغوش میں دبک گئے تھے۔

***

مسلسل دستک پر صبح ان کی آنکھ ایک ساتھ کھلی تھی۔ وہ چت لیٹا تھا اور حنظلہ صوفے پر سکڑی سمٹی پڑی تھی۔ متواتر ہوتی دستک پر حی فوراً ہی صوفے پر ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ ناچار عفان ہی اٹھ کر دروازے کی طرف گیا۔

''کیا ہے بی بی لاک تو تم لگا کر گئی تھیں، دروازہ بجانے کی کیا ضرورت تھی، خود ہی آجاتیں اندر۔'' بی بی کو دیکھتے ہی وہ بولا، تو وہ ہنستی ہوئی اندر بڑھ آئیں۔

''لو خود کیسے آجاتی پہلے کی بات اور تھی اب تو۔'' بی بی نے صوفے پر بیٹھی حی کو حیرت سے دیکھا اور اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ ان کیلئے چائے لے کر آئی تھیں۔ عفان دوبارہ بستر پر دراز ہوگیا تھا۔

''میں تو نہ آتی مگر بیگم صاحبہ نے بھیجا ہے، وہ پوچھ رہی ہیں تم دونوں ناشتہ ان کے ساتھ کرو گے یا اپنے کمرے میں یہیں؟''

''میرے بارے میں کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اپنی بھتیجی سے لاڈ پیار جتائیں، میرا تو تمہیں پتا ہے ناں میں اپنے کمرے میں ہی ناشتہ وغیرہ کرتا ہوں۔''

ابھی تک اس کا لہجہ جلا بھنا تھا۔ حی نے بی بی کو سلام کیا، تو وہ اس کا ماتھا چوم کر اسے صبر کرنے کی تلقین کرنے لگیں۔ بی بی کے محبت آمیز مظاہرے پر عفان نے حی پر ایک نگاہ غلط ڈالی۔ اس کی آنکھیں رونے اور دیر تک جاگنے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ اس نے فوراً سر جھٹک کر اپنے چائے کے کپ کو لبوں سے لگایا۔

''تو ٹھیک ہے جب تم یہاں ناشتہ کرو گے تو یہ بھی یہیں کرے گی، اسے کیا ضرورت ہے کہیں باہر جانے کی۔''

''جب میں کچھ نہیں کھاؤں گا، تو کیا یہ بھی نہیں کھائے گی۔'' عفان نے بی بی کو چڑایا۔

بی بی کی ڈانٹ ڈپٹ سے اسے بڑی تسکین ملتی تھی۔ بی بی نے اسے پالا تھا۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھا تھا، اس لئے یہ ان کی ڈانٹ ڈپٹ کا برا نہیں مناتا تھا۔ ویسے بھی بی بی کو سارے خاندان میں خاص حیثیت حاصل تھی۔ ان سے نوکروں والا سلوک روا نہیں رکھا گیا تھا۔

''کیوں نہیں کھائے گی تم یہ؟''

''اس کا اپنا گھر ہے جب چاہے گی، جو چاہے گی اسے ملے گا، یہ تمہاری طرح ہر کسی سے بدگماں تھوڑی رہے گی۔''

''تو ٹھیک ہے جب اس کا اپنا گھر ہے، تو اس گھر میں اس کیلئے جگہ بھی بناؤ' میرے روم میں کسی کیلئے جگہ نہیں ہے۔'' اس کا انداز کسی ضدی بچے کا سا تھا۔ بی بی نے سر نفی کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

''عفان تو نے تو پڑھ لکھ کر گنوایا ہے، یہ گھر تیری وجہ سے اس کا اپنا بنا ہے، اگر تو ہی اسے کوئی حق نہیں دے گا، تو باقیوں کو کیا ضرورت ہے۔ وہ بھی لاپروا ہو جائیں گے، تجھے نکاح کا مطلب نہیں پتا کیا ہوتا ہے تم اور یہ اب الگ الگ نہیں ہو۔ تم دونوں کے دکھ سکھ اب سانجھے ہیں۔ تجھے کوئی تکلیف ہوگی، تو درد تو یہ بھی سہے گی۔ تو کچھ نہیں کھائے گا تو نوالہ تو اس کے حلق سے بھی نہیں اترے گا۔ تجھے بیوی کی محبت کا اندازہ نہیں ہے، خدا کے واسطے کوئی عقل کرلے، کیوں معصوم بچی کا تماشا بنوانا چاہتا ہے۔'' بی بی اس کے قریب کھڑی اس کے کندھے پر ہاتھ دھرے لب بھینچ کر بولتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھیں۔ صوفے پر بیٹھی حی مسلسل لب کچل رہی تھی۔ چائے کا کپ جوں کا توں ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

''ابھی بیگم صاحبہ آئیں گی، یہاں تم نے ایسی کوئی حرکت کوئی بات نہیں کرنی جس سے کسی کو دکھ ہو۔'' بی بی نے منت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے نظروں سے بھی التجا کی۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''حی حفصہ نے تمہارے کپڑے کل ہی الماری میں رکھوا دیئے تھے۔ ناشتے سے پہلے کوئی اچھا سا سوٹ پہن لینا۔ میں ابھی ناشتہ بھجواتی ہوں۔'' حی انہیں بے بسی سے دیکھ کر چائے میز پر رکھ کر ڈریسنگ

روم کی طرف بڑھ گئی۔

''بی بی مجھے آج یونیورسٹی جانا ہے، جا کر کہہ دینا مجھے کوئی تنگ نہ کرے ورنہ۔''

''ایک دن صبر نہیں ہوتا تجھ سے، ایک دن کی دلہن کے کیا کیا ارمان ہوتے ہیں' تو نے شاید اس کے ساتھ دو میٹھے بول بھی نہیں بولے۔ کیسا مرجھایا سا منہ لگ رہا ہے اس کا، لگتا ہے ساری رات روتی رہی ہے۔''

''اپنے نصیب کو رو رہی ہوگی، اس میں میرا کیا قصور؟''

''قصور تو اس کا بھی کوئی نہیں ہے، پھر اسے کیوں سزا دے رہا ہے۔'' بی بی غصے میں بولیں۔

''مجھے کچھ نہیں پتا مجھے آج ضرور یونیورسٹی جانا ہے، ورنہ میرے دوست یہاں آ جائیں گے، میں دو دن سے ان سے ملا نہیں، آج وہ سب گھر پہنچ جائیں گے۔'' اس نے قطعیت سے کہا اور بستر چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ بی بی اس کی ضد سے ہار کر واپس ہو لیں۔

***

''سنو! تم نے میرا ناول کہیں دیکھا ہے؟'' عفان نے باتھ روم اور ڈریسنگ روم چیک کرنے کے بعد اسے مجبوراً مخاطب کیا، تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے کھلے گریبان سے اس کے سینے کے بال جھانک رہے تھے۔ عفان نے اس کی توجہ خود پر پا کر جھنجلاتے ہوئے گریبان کے بٹن بند کئے اور اس کا جواب سنے بنا ہی بڑبڑاتا ہوا پلٹ گیا۔

''اب تو اس کمرے میں کوئی بھی چیز اپنی جگہ پر نہیں ملے گی۔'' ڈریسنگ روم کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔ حمی اٹھ کر اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ بکھری چیزوں کو ان کے مقام تک پہنچاتی ہوئی وہ رائٹنگ ٹیبل کی چیئر پر جھولتے تولیے تک پہنچ ہی گئی، جو شاید رات وہ وہاں ڈال کر بھول گیا تھا، حمی ڈریسنگ روم سے باہر کھڑی تولیہ لئے اس کا انتظار کر رہی تھی، جیسے ہی وہ باہر نکلا اس نے فوراً اسے متوجہ کیا۔

''سنئے وہ یہ آپ کا ناول مل گیا ہے۔'' حمی نے اس کا تولیہ آگے بڑھایا، تو وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ آف وائٹ شلوار سوٹ میں ملبوس کسی بھی میک اپ کی آلائش سے پاک چہرہ لئے، وہ اس کا دل دھڑکانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ آف وائٹ پر لیو گرین رنگ کے دھاگے سے ہوئی کڑھائی والے بھرے دوپٹے کو اس نے اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔

''کہاں تھا یہ؟'' نادانستہ طور پر تولیے کے ساتھ اس کا ہاتھ بھی تھام چکا تھا۔ ایک جھنجناہٹ سی دونوں کے رگ و پے میں اتری تھی۔ احساس کی شدت سے آگاہ ہوتے ہی وہ ہاتھ جھٹک کر دوبارہ باتھ روم میں جا گھسا اور حمی سراسیمہ کھڑی رہ گئی۔ رگوں میں ابھی تک سنسناہٹ رواں تھی۔

احساسات کا یہ نیا پن اس کیلئے اجنبی اور انوکھا سا تھا۔ دل کے تار ایک ردھم سے جھنجنا رہے تھے۔ وہ الجھتی ہوئی اپنی پناہ گاہ میں واپس آ گئی۔ عفان بھی نہاتے ہوئے عجیب سوچوں میں گھر گیا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ تنہائی میں ایک لڑکی کا وجود اسے بے بس کر دے گا۔ اسے خود پر بھی حیرت تھی کہ

ناپسندیدگی کے باوجود اس نے کیوں اور کس طرح اسے اپنے کمرے میں برداشت کر لیا تھا۔ کیا نکاح کے چند بولوں کی وجہ سے وہ پابند ہو گیا تھا، یا پھر اپنے پاپا کے خوف سے وہ خود پر جبر کر رہا تھا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی، وہ جونہی باتھ روم سے نکلا اس وقت عمرانہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہیں دیکھتے ہی اس کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔ گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتے ہوئے وہ ان سے کترا کر آگے بڑھنے لگا، تو انہوں نے اسے آواز دے کر روکا۔ حمنلہ تو پہلے ہی ان کے احترام میں کھڑی تھی۔

''عفان تمہارے پاپا کا میسج ہے کہیں جانے سے پہلے ان سے ضرور مل لینا۔'' دل میں تو آیا کہ ملنے سے انکار کر دے' اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں، ضرور بیوی کی بھتیجی کے حقوق یاد دلائیں گے۔ مصلحتاً اس نے کہا۔

''جی مل لوں گا۔'' جلدی سے ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ اسے اپنے دوستوں کے آنے کا ڈر تھا، اس لئے وہ جلد از جلد گھر سے نکلنا چاہتا تھا، تاکہ ان سے نئی صورتحال چھپائی جا سکے۔

''بیٹھو حمی کھڑی کیوں ہو جان۔'' عمرانہ نے بہت محبت سے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا۔

''کوئی بات کرو، چپ کیوں ہو، کوئی مسئلہ ہے؟'' اس کے ہاتھوں کی اضطراری کیفیت عمرانہ کو بہت کچھ سمجھا گئی۔

''کوئی بات نہیں پھپھو میں ٹھیک ہوں، آپ کو معلوم تو ہے کہ میں کم بولتی ہوں۔'' اس نے نظریں جھکا کر کہا تو، عمرانہ نے اس کے قریب کھسکتے ہوئے اسے کندھے سے لگایا، تو وہ بے اختیار ہو کر رو پڑی۔ سارے ارادے فوراً ڈھ گئے۔

''حمی..... حمی بیٹا کیوں رو رہی ہو کیا ہوا ہے جان؟ کیا عفان نے کچھ کہا ہے؟'' وہ اس کے رونے سے مضطرب ہو گئیں۔ اس کے زور و شور سے رونے پر عفان نے باہر جھانکا، تو اس کی نظریں حمی کے آنسو پونچھتیں عمرانہ سے جا ملیں۔ وہ اسے شکایتی نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔

''ہوا کیا ہے کچھ بولتی کیوں نہیں ہو؟'' آخر وہ زچ ہو کر بولیں۔

''کچھ نہیں ہوا پھپھو۔'' اس نے بمشکل اپنے آنسو روکے۔

''مجھے اماں جان یاد آ رہی ہیں۔'' اس بار اس نے کمال ضبط سے دل کا درد چھپا کر آنسو بھی صاف کئے۔

''پگلی اس طرح روتے ہیں، جانتی ہو انہیں تمہارے رونے سے کتنی تکلیف ہوئی ہوگی، بتاؤ کیا بات ہے میں اب تمہاری ماں ہوں میں تمہارے آنسو برداشت نہیں کر سکتی۔'' عمرانہ کے لہجے میں بھرپور ممتا کا احساس تھا۔

''سچ کہہ رہی ہوں پھپھو اماں جان ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا ناں۔'' حمی نے جیسے خود کو بھی بہلایا۔ عمرانہ نے اسے تھپتھپاتے ہوئے ہاتھ سے اس کا سر سہلایا، پھر یک دم چونک کر بولیں۔

''یہ کیا تم نے کچھ پہنا نہیں ہے، ہاتھ کان خالی ہیں اور تم نے میک اپ بھی نہیں کیا، ابھی سب تم

سے ملنے آرہے ہیں۔"

"عادت نہیں ہے نا پھپھو۔"

"تو عادت ڈالو حمی اب تم اس گھر کی بہو ہو۔ حفصہ نے تمہارے لئے پرل کا سیٹ خریدا تھا، کم از کم وہ ہی پہن لو اور سنو چوڑیاں بھی ضرور پہننا۔ حفصہ نے تمہاری تمام چیزیں کسی وارڈ روب میں سیٹ کردی ہیں۔ چلو اٹھو فوراً یہاں لے آؤ میں خود تمہیں پہناتی ہوئیں۔" انہوں نے زبردستی اسے اٹھایا، تو وہ ناچار ڈریسنگ روم میں آ گئی۔

عفان آئینے کے سامنے کھڑا اپنی وائٹ شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ تازہ تازہ شیو نے اس کے چہرے کو نکھار دیا تھا۔ حمی کی وارڈ روب ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ تھی اور جیولری بکس ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا تھا، اب وہ مختصر کھڑی تھی کہ عفان ہٹے تو اپنی مطلوبہ اشیاء نکالے۔

"ماما سے میری کیا شکایتیں لگا رہی تھیں؟" تھری پیس مرر کے ایک حصے میں حمی کا عکس بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ عفان نے بالوں میں برش کرتے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ نہ جانے کیوں آہستہ آہستہ دل میں اس کی گنجائش بن رہی تھی۔ یہ لڑکی اسے اپنی اپنی لگنے لگی تھی۔

"میں نے تو پھپھو کو کچھ بھی نہیں کہا۔"

آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اتر آئی۔ اپنی بے بسی کا احساس غالب آ گیا تھا۔ اس کی خاموشی پر وہ خود ہی گویا ہوا۔

"یہاں کچھ لینے آئی ہو؟"

"پھپھو نے کہا ہے کہ پرل کا سیٹ پہن لوں، میں لے لوں یہاں سے؟" اس نے جیولری بکس کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہاری چیز ہے لے لو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" عفان نے ذرا مروت برتتے ہوئے تھوڑا پیچھے ہٹ کر اسے آگے بڑھنے کی جگہ دی۔ وہ اس کی پشت پر کھڑا اپنے آپ میں مصروف تھا، مگر حمی اس کی موجودگی سے نروس ہو رہی تھی، رات اس نے سارا زیور اتار کر اسی طرح اندر ڈال دیا تھا۔ اب انہیں ترتیب دیتے ہوئے اسے علم ہوا کہ کتنی کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ انہیں نکالتے ہوئے ایک نوکیلی چوڑی اس کی انگلی میں چبھ گئی تو وہ کراہ کر رہ گئی۔

عفان نے خود پر اسپرے کرتے ہوئے اس کی کراہ سنی اور اسے چونک کر دیکھا۔ وہ سیدھی کھڑی ہو کر چوڑی کو کھینچ کر نکال رہی تھی۔ کانچ کا ٹکڑا نکلتے ہی انگلی سے خون کی دھاری بہہ نکلی۔ حمی نے دوسرے ہاتھ کی انگلی سے خون روکنے کی کوشش کی، لیکن ٹپ ٹپ کر کے کئی قطرے کارپٹ پر گر کر جذب ہو گئے۔

عفان یہ منظر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"او مائی گاڈ یہ کیا کر لیا تم نے؟" سامنے پڑے ٹشو پیپر کے ڈبے سے ٹشو کھینچ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور پھر ٹشو سے خون صاف کرتے ہوئے اس نے سامنے سے اپنی آفٹر شیو لوشن کی شیشی اٹھا کر پہلے ایک نظر اس پر ڈالی۔

وہ سختی سے آنکھیں بھینچے کھڑی تھی۔ مسکراہٹ خود بخود اس کے لبوں کو چھو گئی۔ پھر کافی سارا لوشن اس کی انگلی پر چھڑک دیا، جس سے خون فوراً ہی بند ہو گیا اور پھر دراز سے فرسٹ ایڈ بینڈ یج نکال کر اس کی انگلی پر چپکا دی۔

"آنکھیں کھولو۔" عفان نے اس کا ہاتھ چھوڑا تو حمی نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ حمی خون سے خوفزدہ نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس کے اتنا قریب ہونے پر نروس ہو گئی تھی۔

"تمہاری پھپھو نے جو کہا ہے کر لو، ورنہ وہ مجھ پر الزام لگائیں گی۔" عفان نے تپائی پر باری باری پاؤں رکھ کر اپنے بوٹوں کے تسمے باندھے اور پھر ڈریسنگ روم سے باہر نکل گیا۔ ایک دل گداز خیال اس کے دل کو بھی سرشار کر گیا۔

وہ اس سے لاپروا نہیں تھا، وہ جتنا سخت نظر آتا تھا، شاید تھا نہیں، کچھ اطمینان اسے ہو ہی گیا تھا۔ پرل کا سیٹ اور چوڑیاں پہننے کے بعد اس نے لائٹ میک اپ بھی کیا تھا اور پھر وہ باہر آئی تو وہاں نہ عمرانہ تھیں اور نہ ہی عفان موجود تھا۔ البتہ دروازے کے باہر سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دروازہ نیم وا تھا، اس لئے آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"تم نے ہم سے چھپایا ہی کیوں؟ کیا تم نے ہمیں گرا پڑا سمجھا تھا کہ ہم بھابی کو تمہاری شایان شان تحفہ نہ دے سکیں گے۔" نجانے کون تھا، جو شدید ناراضگی اور مکمل استحقاق سے بول رہا تھا۔

"بہت جلدی میں اچانک ہوا ہے یہ سب بلیوی مجھے خود خبر نہیں تھی۔" عفان کی آواز میں معذرت تھی۔

"ایک فون ہی کر دیتے ہم بھاگے چلے آتے، تم نے ہمیں اتنی بڑی خوشی سے محروم رکھا ہے تمہیں ضرور سزا ملے گی۔"

"میں تیار ہوں، مگر ادھر آؤ ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھو، میں ناشتے کیلئے کہتا ہوں۔" اس کی آواز کی نرمی سے لگتا ہی نہیں تھا کہ گزشتہ شب یہ شخص کتنا منتشر تھا۔

"ہم کہیں نہیں جا رہے تمہارے روم میں بیٹھیں گے، پہلے بھابی سے ملیں گے پھر ناشتہ بھی کر لیں گے۔"

"ٹرائی ٹو انڈر سٹینڈ، عاقب پہلی بار تم اس طرح میرا مطلب ہے آج فرسٹ ڈے ہی۔" عفان جھنجلا اٹھا تھا۔

"وہ نجانے کیسا فیل کرے گی؟"

"اوہو تو نوبت یہاں تک آ گئی ہے۔" عاقب نے آنکھ دبا کر اسے شرارت سے دیکھا، تو وہ گھور کر رہ گیا۔

"اچھا یار راستہ تو دو تم نے بھابی کو بتایا نہیں کہ ہم تمہارے بے تکلف دوست ہیں۔" پھر عاقب نے عفان کو پیچھے ہٹایا اور پھر سبھی اس کے کمرے میں گھس آئے۔ حمی کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔ اسے بالکل توقع نہیں تھی کہ عفان کے حوالے سے اس کے دوستوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی

کہ اپنا رویہ یکسار کھے۔ اسے دیکھتے ہی سب کے حلق سے حیرت انگیز چیخیں برآمد ہوئیں۔

"ہاؤ بیوٹی فل پریٹی گرل ونڈرفل رئیلی یو آر لکی عفان۔" سب کے ملے جلے ریمارکس اس کی سماعت میں اترے تھے۔ عفان ان کے قریب آ گیا۔ وہ چاروں عفان کی طرف مڑ گئے۔ ایک نے واضح سرگوشی کی۔

"سچ سچ بتاؤ بھگا کر تو نہیں لائے؟" وہ زبردست خجالت میں گھر گئی۔ عفان نے بے ساختگی میں اپنے دوست کے مکا جڑ دیا۔

"بکواس نہ کرو، یہ پوپاپا اور ماما کی چوائس ہے۔"

"چوائس تو بڑی لاجواب ہے، کاش میری ممی اور ڈیڈی بھی کوئی اس طرح کی چوائس میرے سامنے رکھ دیں۔" عاقب نے ایک بار پھر شرارت کی، تو سب ہی کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ حی سب کے درمیان نروس سی کھڑی تھی عاقب کو ہی اس کا خیال آیا۔

"بھابی آپ ادھر آ کر بیٹھیں۔" اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بھی فوراً بیڈ پر ٹک گئی، جیسے وہ اس کے کہنے کی ہی منتظر ہو۔

"بھابی آپ ہی انصاف کریں اپنے بچپن کے دوستوں کو اپنی اتنی بڑی خوشی سے محروم کرنا جائز ہے، بتائیں ہم اسے کیا سزا دیں۔" وہ ہونق بنی بیٹھی تھی، کیا بات کرتی چپ ہی رہ گئی۔

"عاقب بتایا تو ہے ایمرجنسی میں ہوئی ہے یہ شادی، سمجھو کہ گن پوائنٹ پر نکاح پڑھوایا گیا ہے۔"

بظاہر اس کا لہجہ شریر تھا، مگر اس کے لہجے میں چھپی کاٹ کو وہ اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی۔

"ہاں تم اتنے ہی سیدھے ہو ناں، اچھا ادھر تو آؤ ہمارا تعارف تو کرواؤ ورنہ پھر تمہیں میرے طریقے کا پتا ہی ہے۔" عاقب نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا، تو عفان نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

"تم خود ہی تعارف کروا دو میں کچھ زیادہ کہہ گیا، تو پھر بعد میں شکوہ بھی تم ہی کرو گے۔" حی بالکل نئے اور بدلے ہوئے عفان کو دیکھ کر حیران تھی۔ ایک عجب سی جگمگاہٹ تھی اس کے چہرے پر۔

"او کے ایز یو وش بھابی میں اور عفان بچپن سے اکٹھے ہیں، اس لئے بے تکلفی بھی بہت زیادہ ہے، اس لئے پلیز آپ مائنڈ نہ کیجئے گا، یہ گدھا تو مجھے جانے کس کس نام سے بلاتا ہے، آپ کو میں اپنا برتھ سرٹیفکیٹ والا نام بتا رہا ہوں عاقب مجید اور اس کے بارے میں ایک گر کی بات بتا رہا ہوں اسے ذرا کھینچ کر رکھیے گا، ورنہ یہ وہ دم ہے جسے۔"

"عاقب......؟" عفان نے اسے مزید بولنے سے پہلے ٹوکا تو جواد فوراً اس کے سامنے آ گیا۔

"بھابی ہم پانچوں نے تعلیمی مدارج اکٹھے ہی طے کئے ہیں، آپ مجھے جواد جودی کچھ بھی کہہ لیں۔" جواد نے مدبرانہ انداز میں کہتے ہوئے اپنی گولڈن فریم کی عینک کو انگلی سے پیچھے کو دھکیلا۔

"بھابی آپ اسے مس جودی بھی کہہ سکتی ہیں یہ مائنڈ نہیں کرے گا، بہت برد مائنڈ ڈ ہے۔" عاقب نے ہمیشہ کی طرح اس کے منحنی سراپے پر چوٹ کی تو وہ بھنا کر رہ گیا۔

"عاقب تمہیں تو میں بعد میں سمجھوں گا بھابی کے سامنے کوئی پھڈا نہیں چاہتا۔" وہ باری باری سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے شہروز آفندی کہتے ہیں بھابی۔" اونچے لمبے سرخ و سفید شہروز آفندی کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"اور مجھے احد کہتے ہیں اب آپ کی مرضی پر ڈیپینڈ کرتا ہے، کہ آپ ہمیں بھائی کہیں، نام لیں یا پھر دیور جی کہیں۔" احد کے چہرے پر مخلصانہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی، اس کے چاروں دوست ہی خوش لباس اور اچھے گھرانوں کے فرد نظر آ رہے تھے۔

"اب آپ اپنے بارے میں بتائیں۔"

"میں میں کیا؟" وہ ہچکچا رہی تھی۔

"اتنا تو ہم جان گئے ہیں کہ آپ اب ہمارے دوست کی لائف پانٹر ہیں، کل شام ہی شریک سفر بنیں، لیکن ہیں آپ کا کوئی نام بھی تو ہوگا، اس الو کی دم سے شادی کیلئے کیسے تیار ہو گئیں؟" عاقب اس کی پریشانی سمجھ رہا تھا۔ اس لئے اس نے ہلکا پھلکا مذاق کرتے ہوئے اسے بولنے کا حوصلہ بخشا۔ حی نے پہلے ایک نظر سامنے ایزی چیئر پر بیٹھے عفان کو دیکھا، تو احد نے اس کی چوری پکڑی۔

"کیا عفان نے آپ کو منع کیا ہے، آپ اس سے ڈر رہی ہیں۔"

"نہیں تو۔ وہ گڑبڑا گئی۔

"حی...... حنظلہ ہے میرا نام ان کی ماما میری پھپھو ہیں۔" وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی، عفان نے عاقب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"تم لوگوں کو آخر یہ خبر پہنچائی کس نے؟"

"تم کیا سمجھتے تھے ہمیں علم نہیں ہوگا۔ ہم نے بھی اپنے انٹیلی جینس تمہارے اردگرد چھوڑ رکھے ہیں۔ تم تو آج بھی یونیورسٹی بھاگے چلے تھے، تاکہ ہمیں اندھیرے میں رکھ سکو۔" عاقب نے قدرے چمک کر کہا تو عفان اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"یونیورسٹی تو مجھے پھر بھی جانا ہے تم لوگ بیٹھو میں ناشتے کا کہہ کر آتا ہوں۔"

"تمہیں ہم لینے ہی آئے ہیں اور ناشتہ بھی ہم مل کر ہی کریں گے، مگر یہاں نہیں کہیں باہر اور ہمارے ساتھ بھابی بھی چلیں گی کیوں دوستو؟" اس نے سب کی طرف دیکھا، تو تینوں نے بھی عاقب کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"چلیں بھابی انہیں جلدی کریں آج کا دن آپ ہمارے ساتھ گزاریں گی یہ اس کی سزا ہے۔"

"عاقب پاگل نہ بنو سب کیا کہیں گے، ایسا بھی ہوا ہے کہ۔" عفان عاقب کی ضد سے واقف تھا، اس لئے جھنجلا کر بولا۔

"ہمارے لئے کسی نے سوچا تھا، بچپن کی یاری کو تم نے ایک سیکنڈ میں بھلا دیا۔ کیا ہم تمہارے نکاح کے چھوارے کے کھانے کے قابل نہیں تھے۔" عاقب سنجیدگی سے شکوہ کناں ہوا۔

"بتا تو رہا ہوں کہ دیکھو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا مگر ابھی۔"

"وہ بعد کی بات ہے ابھی تم بتاؤ چل رہے ہو یا نہیں؟ انھیں ناں بھابی اگر آپ نے ہماری بات نہ مانی تو رئیلی ہم سب کو بہت تکلیف ہوگی اور ہم سب ناراض بھی ہو جائیں گے۔" احد نے بھی دھمکی دینے کے ساتھ حمی سے منت بھی کی، تبھی بی بی ان کا ناشتہ لئے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں اور پیچھے پیچھے حفصہ بھی۔ بی بی اور حفصہ اس کے دوستوں کو اس وقت دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"بی بی یہ دونوں ہمارے ساتھ چل رہے ہیں، پہلا ناشتہ ان کا ہمارے ساتھ ہوگا، آپ یہ سب واپس لے جائیں۔"

کل شام تک تو حفصہ بھی اس کے دوستوں کی منتظر تھی اور ان کی غیر موجودگی سے اسے بھی حیرت ہوئی اب سب کو دیکھ کر اس کا حیران ہونا بجا تھا۔ وہ تو حمی کی وجہ سے اس کے ساتھ ناشتہ کرنے آئی تھی اور یہاں پروگرام ہی اور تھا۔

"السلام علیکم۔" حفصہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتی، حمی کے قریب آ کر سرگوشی میں پوچھنے لگی۔

"یہ بھائی کے دوست کب ٹپک پڑے۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔" حمی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا، وہ سب عفان سے بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ عفان کسی طرح راضی ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"شہری تم ذرا اس ہاجی کو اٹھاؤ میں بھابی کو لے کر چلتا ہوں۔" حفصہ ایک سیکنڈ میں ساری صورتحال سمجھ گئی، کہ یہ اب عفان کے ساتھ زبردستی کریں گے، اس لئے عاقب کے قریب آنے پر اس نے حمی کا ٹھنڈا یخ ہاتھ تھام کر اسے سمجھایا۔

"حمی دیکھو جب تک تمہیں بھائی چلنے کو نہیں کہیں گے مت جانا۔" عاقب نے اس کی بات سن کر اپنا رخ دوبارہ عفان کی طرف موڑا اور پھر عفان کو بازو سے پکڑ کر کھینچ لایا۔

"اس سے پہلے میں کوئی زبردستی کروں، بھابی کا ہاتھ پکڑو اور گاڑی میں چل کر بیٹھو ورنہ۔"

"بہت خبیث ہو تم مجھے جانتے ہو نا۔"

"تم سے کم ہی ہوں اور تم سے اچھی طرح واقف ہوں، اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ بھابی کا ہاتھ پکڑ کر سیدھی طرح چلو، میں خود بھی لے جا سکتا ہوں انہیں، مگر تمہاری فطرت سے آگاہ ہوں، بعد میں بھابی بیچاری سے لڑتے رہو گے۔" پھر عاقب نے حفصہ سے مدد کی درخواست کی۔

"پلیز سسٹر تم ہی کچھ ہیلپ کرو، دیکھو کیا ہمارا اتنا حق بھی نہیں بنتا کہ ہم انہیں اپنے ساتھ لے جا سکیں، کیا انکل آنٹی مائنڈ کریں گے۔"

"نہیں بالکل مائنڈ نہیں کریں گے، عفان بھائی کی اپنی مرضی ہو تو کوئی اعتراض کیسے کرے گا، آفٹر آل ان کا اپنی وائف پر زیادہ حق ہے۔" حفصہ نے سادگی میں بھی اس پر کچھ جتانے کی کوشش کی تھی۔ پھر اس نے حمی کا ہاتھ دبا کر اسے جانے کا حوصلہ دیا۔ عاقب کے بار بار کہنے پر عفان کو نا چار حمی کا ہاتھ تھامنا پڑا۔ عفان کا دوسرا بازو تھام کر عاقب باہر کو چل دیا۔

حفصہ نے آ کر ماں کو ساری بات بتائی، تو ان کے چہرے پر ایک گونا خوشی لہرا گئی۔ سلیمان جو ہاسپٹل جانے کیلئے تیار کھڑا تھا رک کر کہنے لگا۔

"چلئے ماما آپ تو فکر سے آزاد ہوئیں جو کام آپ اور پاپا نہیں کر سکتے تھے، وہ اس کے دوستوں نے کر دیا۔ آئی تھنک اب وہ حمی کو ایکسپیٹ کرنے لگا۔ ویسے یہ بات حیران کن تو ہے کہ وہ حمی کو ساتھ لے کیسے گیا۔"

"اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے حمی ان کی بیوی ہے وہ اسے ساتھ لے کر نہیں جاتے تو اور کسے لے کر جاتے؟" حفصہ آج کل عفان کیلئے بہت محبت محسوس کر رہی تھی۔ اس لئے اسے سلیمان کا طنزیہ انداز اچھا نہیں لگا تھا۔

"ماما آپ سلیمان بھائی کو سمجھا لیں، یہ حمی کے سامنے عفان بھائی کے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کریں، آپ جانتی ہیں ناں حمی بہت حساس ہے۔"

"حفصہ ٹھیک کہہ رہے سوی میں کچھ دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں، تم عفان کیلئے بات کرتے ہوئے کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔ وہ تمہارا بڑا بھائی ہے اور اب وہ شادی شدہ ہے، اس لئے تم اپنا رویہ بدلو۔ انڈرسٹینڈ۔" عمرانہ نے سلیمان کو اچھی خاصی جھاڑ پلائی۔

"ماما آپ کو تو میں ہی نظر آتا ہوں اس کا بی ہیویر کوئی نہیں دیکھتا میں جا رہا ہوں خدا حافظ۔" وہ جھنجلاتا ہی ڈائننگ روم سے نکل گیا، تو عمرانہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔

***

وہ رات کے کھانے کے بعد گھر آئے تھے۔ عفان کے دوست سارا دن انہیں ریسٹورنٹ اور تفریحی مقامات میں لئے پھرتے رہے تھے۔ پھر شام کو عاقب زبردستی انہیں اپنے گھر لے گیا تھا۔ اس کی ممی نے ان کی پذیرائی بڑے شاندار انداز میں کی تھی وہ ششدر رہ گئی۔ گھر سے لاتعلق اور افراد خانہ سے بیزار شخص باہر کی دنیا میں کتنا ہر دلعزیز تھا۔ اس کے دوستوں کا پرخلوص رویہ اور حمی کیلئے چھلکتا احترام اسے اپنی اہمیت کا احساس دلا رہا تھا۔

حمی زندگی کے بدلتے فریم میں خود کو مس فٹ محسوس کرنے کے باوجود اس کا حصہ بنے رہنے میں طمانیت محسوس کرتی رہی تھی۔ عفان کی ذات سے وابستگی اس کے اندر عجیب سی لگن پیدا کر گئی تھی۔ جذبات و احساسات یک دم اپنا رنگ روپ بدل کر دل کی سرزمین میں ہلچل مچا چکے تھے۔

محبت و اپنائیت کے سوتے اس کے اندر پھوٹ پڑے تھے۔ اسی لئے اس نے عزم کر لیا تھا، کہ اپنے لوگوں سے بیگانہ رہنے والے اس شخص کے بدگمان دل میں اعتماد کا بیج ضرور بوئے گی۔

حفظہ گھر واپسی کے بعد لباس بدلتے ہوئے ارادے باندھ رہی تھی اور وہ باہر ایزی چیئر پر الجھا بیٹھا تھا، شاید اس کیلئے حمی کو اس سے زیادہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ حمی کا وجود دن بھر اس کے ضبط کو آزماتا رہا تھا۔ اس کے قرب سے اٹھتی مہکار کی لپٹیں اسے سرشار کرنے کے بجائے سلگاتی رہی تھیں، بے بس کرتی رہی تھیں، مگر وہ اپنے حصار سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا۔ اپنے تعمیر کردہ حصار کی دیواریں کسی اور کی

پرچھائیں سے مانوس ہوں یہ اسے گوارہ نہیں تھا، مگر وہ خود بخود اس کے حصار کی دیواریں ہلاتی، دستک دیتی اندر گھسی چلی آئی تھی اور وہ بہت کچھ کر گزرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نجانے کیوں خود میں اسے رد کرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔

سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا، تبھی وہ دھلے نکھرے چہرے پر معصومیت و پاکیزگی لئے نمودار ہوئی۔ گلابی کرتا شلوار میں اس کا رنگ روپ مزید کھل اٹھا تھا۔ اپنے وجود کے اجالے بکھیرتی سر پر دوپٹہ ڈالے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صوفے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عفان سے نظر ملی، تو وہ اسی کی طرف متوجہ تھا۔ اس کی نظروں کی حدت اس موم کی گڑیا کو پگھلانے کیلئے کافی تھی۔

''آخر پاپا نے مجھے ہی یہ سزا کیوں دی ہے؟'' وہ پھر خود سے اُلجھنے لگا۔ دل اسے آگے بڑھنے پر اکسا رہا تھا۔

''شکر کرو خوبصورت سزا دی ہے ورنہ۔'' دل نے چھیڑ خانی کی۔

''اچھا اب اٹھو یار یہ تمہاری ملکیت ہے، بلاشرکت غیر یہ تمہاری متاع ہے، اپنے حق کیلئے تو تم ڈٹے ہوئے ہو یہ بھی تو تمہارا حق ہے۔'' دل نے اس کی باغی سوچوں کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسے حوصلہ دیا۔

''لیکن یہ ماما کی کوئی سازش ہی نہ ہو، وہ مجھے اس گھر سے بے دخل کروانے کیلئے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔'' اسے اسی اندیشے نے گھیر رکھا تھا۔

''بزدلی چھوڑو یار، مرد بنو، کوئی تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہے اور پھر یہ بے ضرر معصوم سی لڑکی تمہارے خلاف کیا کر سکتی ہے۔'' دل نے اسے پھر جوش دلانے کی کوشش کی۔

''ہاں واقعی ماما نے اگر کوئی سازش کرنا ہوتی تو وہ ایسا پھندا پھینکتیں، جس میں وہ خود پھنس سکتی ہیں اور اگر وہ کوئی چال چلیں گی بھی تو مجھے کیا فرق پڑے گا۔ نقصان ان کی بھتیجی کا ہوگا۔'' ذہن و دل نے ایک ساتھ مل کر قہقہہ لگایا، جذبوں نے ایک ترنگ سے انگڑائی لی۔

چہرے پر کچھ دیر پہلے والے کھنچاؤ کی جگہ بشاشت نمودار ہو گئی تھی۔ وہ مسلسل حمی کو نیم باز آنکھوں سے تک رہا تھا، جبکہ وہ اس کی آنکھوں اور چہرے کے بدلتے رنگوں سے یوکھلا اٹھی تھی۔ کل جس دلیری سے وہ اسے رد کر چکا تھا، آج اچانک اس کی آنکھوں میں اترتے جذبوں سے اس کا ڈر جانا یقینی تھا، کیونکہ اسے فی الحال عفان سے کسی اچھے کی اُمید نہیں تھی۔ حمی کو ہراساں دیکھ کر وہ کچھ محظوظ ہو رہا تھا۔

دل کے اکسانے پر وہ قدم بڑھانا ہی چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی نے ماحول پر پھیلے سحر کو جیسے یک لخت ختم کر دیا۔ عفان نے قدرے بے مزہ ہو کر پہلے ایک نظر بیڈ کے قریب پڑے فون سیٹ پر ڈالی اور پھر دوسری نگاہ صوفے پر سکڑی سمٹی حمی کو دیکھا۔ وہ اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی، مسلسل ہوتی بیل نے اسے فون کی طرف بڑھنے پر مجبور کر دیا، دوسری طرف لائن پر عاقب تھا۔

''اس وقت ڈسٹرب کرنے پر بہت سوری' کیا کروں یار حق دوستی بھی تو نبھانا ہے۔'' عاقب نے چھوٹتے ہی کہا۔

''سوری کے بچے تمہیں چین نہیں ہے؟'' عفان نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا۔

''مجھے تو چین آ ہی جائے گا تم اپنی خیر مناؤ۔'' عاقب نے ہنستے ہوئے چھیڑا تو وہ بھنا اٹھا۔ پھر نہایت جھنجلاہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

''میرے ساتھ الٹی سیدھی باتیں نہ کرو، بتاؤ کیا بات ہے رئیلی مجھے نیند آ رہی ہے، اچھے شریف انسان ہو سارا دن سکون سے بیٹھنے نہیں دیا۔ ابھی گھر پہنچا ہی ہوں تو تم پھر سر پر سوار ہو۔''

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارے سر پر سواری کا تمہارے بھلے کو ہی فون کیا ہے، مگر تمہیں میری قدر کہاں ہے اچھا یہ بتاؤ بھابی ابھی جاگ رہی ہیں کیا؟'' عاقب کی معنی خیزیاں وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا اس لئے ڈپٹ کر بولا۔

''شٹ اپ عاقب جلدی سے کہو جو کہنا ہے ورنہ میں فون بند کر رہا ہوں۔''

''تمہارے محل ایسے نہیں ہیں کہ تم سے بھلائی کی جائے، مجھے تو بھابی کا خیال آ گیا، اس لئے تمہیں بتا رہا ہوں تمہارے خلاف بغاوت ہو گئی ہے، چونکہ تم نے اپنے ولیمے کا دعوت نامہ ہمیں نہیں دیا، اس لئے ایک بار پھر سب تم سے ناراض ہیں سب کی متفقہ رائے سے یہ پروگرام بنا ہے کہ تمہیں ساری رات وقفے وقفے سے تنگ کیا جائے۔''

''کیا کہا؟'' عفان عاقب کی باتیں سن کر حیران رہ گیا۔

''میں نے فارسی میں نہیں کہا بھائی میرے یا تو فون کا پلگ نکال دو، یا پھر بھابی کو سکون سے سونے دو اور تم ہمارے پاس آ جاؤ تمہارے لئے یہی سزا کافی ہوگی۔''

''تم سب کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، پاگل ہو گئے ہو سب کے سب، یہ ولیمے کے انویٹیشن کا کیا چکر ہے اور کیسا شکوہ آئی تھنک یہاں تو ایسا کوئی پروگرام سیٹ ہی نہیں ہوا، نہ ہی کسی نے مجھ سے ڈسکس کیا ہے، پھر میں تم سب کو کیسے انوائٹ کرتا۔'' ناراضگی سے کہتے ہوئے وہ فوراً ہی نرمی پر اتر آیا۔

''رئیلی ایسا کوئی پروگرام ارینج نہیں ہوا، ویسے تاخیر کس بات کی ہے تم لیٹ کر رہے ہو یار۔'' عاقب کی ذومعنی بات پر عفان کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا۔

''بکواس نہیں کرو خبیث انسان۔''

''میں نے بتایا تو ہے یار کہ ابھی اس قسم کے کسی پروگرام کا مجھے علم نہیں ہے۔ اچھا صبح مل کر بات کرتے ہیں میں تمہیں ساری صورتحال سمجھاؤں گا یہ سب۔'' عفان کی بات عاقب نے درمیان میں ہی کاٹ دی۔

''عفان کے بچے تم اتنے کنجوس کب سے ہو گئے؟''

''کیا تم اپنی جیب سے یاروں کو ایک عدد دعوت بھی نہیں دے سکتے۔ پروگرام پروگرام کی ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گئے ہو۔ تمہاری یہ پہلی اور آخری شادی ہے کیا تم اس خوشی کو ہمارے ساتھ شیئر نہیں کر سکتے؟''

''چلو کل ڈنر میری طرف سے او کے اب خوش ہو؟'' عفان نے جان چھڑانی چاہی۔

''یہ ہوئی ناں بات ہاں ایک اور بات غور سے سن لو بھابی کے بغیر یہ ڈنر ناممکن ہوگا۔'' عاقب نے

فوراً کہا۔

''زیادہ نہ پھیلو اب یہ ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں ممکن نہیں ہے؟ یہ سب کی متفقہ شرط ہے ہمارے لئے یہ دعوت ولیمہ ہوگی اور دلہن کے بغیر دعوت ولیمہ اڑانے کا کیا مزا آئے گا۔''

''عاقب تم بچے نہ بنو یہ ضد اچھی نہیں ہے، نہ ہی جائز، آج بھی تم سب نے گھیر لیا تھا، تو میں مجبور ہوگیا تھا، مگر اب نائٹ ایٹ آل سوچو ذرا شادی کے اگلے دن ہی کوئی گھومنا پھرا ہے اور پھر گھر والے کیا سوچیں گے؟'' عفان نے عذر تراشا مگر عاقب نے ایک نہ سنی۔

''ہم کوئی بہانہ نہیں سنیں گے، نہ مانیں گے، ہم تو بس کل کا دن انجوائے کرنا چاہتے ہیں اور تم کیا پرانی عورتوں کی طرح سوچنے لگے ہو یہ ماڈرن ایج ہے ڈیئر اپنی بیوی پر تم مکمل حق رکھتے ہو، اس لئے اسے کہیں بھی لے جاسکتے ہو اور کسی بھی وقت کل رات کا پروگرام ڈن او کے گڈ نائٹ۔'' عاقب کی ضد نے اسے جھلسا کر رکھ دیا، اس نے زور سے ریسیور پٹخا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

✿✿✿

''حی.....حی.....حنظلہ۔'' پہلی بار حی کو اپنا نام اس کے لبوں سے سن کر فرحت سی محسوس ہوئی۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا۔

''اگر تم یہاں ایزی فیل نہیں کر رہیں تو ادھر سو جاؤ۔'' حی کے ساتھ عفان کو بھی اپنے نرم لہجے پر حیرت ہوئی۔

''اور.....آپ؟'' وہ بے ساختہ کہتے کہتے رک گئی۔

''میں بھی کہیں سو ہی جاؤں گا۔'' عفان نے اپنے بال ہاتھوں میں جکڑے۔

''نہیں میں یہاں ٹھیک ہوں، آپ اپنے بیڈ پر سو جائیں، اگر میں ایزی فیل کروں گی، تو کارپٹ پر سو جاؤں گی۔'' عفان اس کے تولفٹ والے انداز پر لمحہ بھر کو تو جھنجلا اٹھا، پھر خود کو سنبھال کر اس کے قریب صوفے پر رخ ترچھا کر کے بیٹھ گیا اور بولا۔

''حی میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''جی کہئے۔'' وہ اپنے آپ میں مزید سمٹ گئی۔ عفان نے سوچتے ہوئے پہلے ہاتھ میں پکڑے سگریٹ کے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔

''کل جو کچھ ہوا میں نے جو کچھ بھی کہا، وہ اپنی جگہ پر بالکل درست ہے، لیکن میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ پاپا نے یہ فیصلہ میری مرضی کے بغیر کیا ہے، لیکن میں ان کے فیصلے پر سر جھکانے پر بھی مجبور تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں پاپا سے بہت محبت کرتا ہوں، میں انہیں کھونا نہیں چاہتا، جبکہ یہ سب یہی چاہتے ہیں کہ میں اور پاپا کسی اختلاف میں الگ الگ ہو جائیں۔ یہ خصوصاً تمہاری پھپھو صاحبہ ہم میں فاصلے پھیلانے کی کوشش کرتی ہیں، لیکن میں ان کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ بہت نرمی سے بات کرتے کرتے یک دم جذباتی ہوگیا۔ حی حیران آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی باتیں

اور رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

''انہوں نے جس سازش کے تحت تمہارے ساتھ میری شادی کروائی ہے، وہ سازش میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دوں گا۔ انہیں سمجھا دینا میرے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ بے حد جذباتی ہوگیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا سگریٹ کا پیکٹ مخدوش حالت میں قالین پر بکھر چکا تھا اور وہ اپنے ہاتھوں کو آپس میں جھگڑے ضبط کے مراحل سے گزر رہا تھا۔

جب اس سے برداشت نہیں ہوا تو اس نے عملی مظاہرے شروع کر دیئے۔ اپنے سر کے بال بری طرح نوچ ڈالے۔ صوفے سے کشن اٹھا کر دور پھینکے۔ سامنے میز پر پڑی کرسٹل کی ایش ٹرے اٹھا کر سامنے دیوار پر دے ماری۔ پھر خود اٹھ کھڑا ہوا۔ حی خوف سے مزید سمٹ گئی تھی، خود اذیتی کا منظر اس کیلئے عذاب تھا۔ جس کی مہک سے دل کی دھڑکنیں چہکنے لگی تھیں۔ وہ طوفان میں گھرا تھا اور اپنے ساتھ سب کچھ تہس نہس کرنے کے ارادوں میں تھا۔ اس کے اندر جنون جنم لے چکا تھا۔ جب تک وہ طوفان کو باہر نہیں لاتا وہ پرسکون نہیں ہوسکتا تھا۔ نجانے وہ کیا کیا کہہ رہا تھا۔ کس سے کہہ رہا تھا۔ کسے سنا رہا تھا۔ حنظلہ سمجھنے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی۔

وہ اپنی ٹھوکر سے میز الٹتے ہوئے بیڈ تک پہنچ گیا۔ حی کو خوف کے ساتھ اس پر ترس بھی آنے لگا۔ ہمت اور حوصلہ جمع کر کے اس کی طرف بڑھی۔ کچھ دیر پہلے یہی عفان خوش اور فریش نظر آ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں زندگی اور محبت تھی، مگر اب سوائے جنون و وحشت کے کچھ بھی نہ تھا۔ جونہی اس نے پھینکنے کیلئے ٹائم پیس اٹھایا حی نے جا کر اس کا بازو تھام لیا۔ لمحہ بھر کو تو وہ بھی ساکت رہ گیا۔ قدرے ناسمجھی والے انداز میں اس نے پہلے اپنے بازو پر گرفت کئے اس کے ہاتھوں کو دیکھا، پھر اس کے چہرے کو اگلے ہی لمحے وہ جامد طوفان متحرک ہوگیا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی چھوڑو میرا بازو۔'' حی نے آنسو بھری التجا آمیز آنکھوں سے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''میں کہتا ہوں چھوڑو مجھے اور چلی جاؤ، ورنہ میں تمہارا بھی یہی حال کروں گا۔'' اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے آن واحد میں ٹائم پیس کو بھی دیوار کی طرف اچھال دیا۔ حی ایک دم ہراساں ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ کر سہمی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس وقت ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ حی کو گماں گزرا تھا کہ عفان پر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔

''گیٹ آؤٹ فرام مائی روم آئی سے گیٹ آؤٹ۔'' اس کی چیخ و پکار سے در و دیوار بھی ہل گئے تھے۔

حی اپنی جگہ پر ساکت کھڑی رہ گئی۔ اس کی رگوں میں جیسے خون بھی منجمد ہوگیا تھا، عفان نے اسے وہیں کھڑے دیکھ کر اپنا رخ بدلا۔

''کیا تم نہیں جاؤ گی؟'' عفان کے لہجے میں بڑی سنگینی تھی حی ہوش میں آ گئی۔ آنسو پلکوں کی

اوٹ سے نکل کر ایک دم رواں ہو گئے۔ رندھی آواز میں بمشکل بے بسی سے بولی۔

"میں اس وقت کہاں جاؤں؟" عفان کے لہجے میں بڑی سنگینی تھی، حی ہوش میں آ گئی۔ آنسو پلکوں کی اوٹ سے نکل کر ایک دم رواں ہو گئے۔ رندھی آواز میں بمشکل بے بسی سے بولی۔

"میں اس وقت کہاں جاؤں؟ (اس سارے قصے میں میرا کیا قصور ہے میری ذات نے تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی)" معصومیت سے سوچتے ہوئے اپنے کم مائیگی کے احساس سے وہ ہچکیاں لے کر رو پڑی۔

اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا، کہ زندگی کے کسی موڑ پر وہ کسی پر نا قابلِ برداشت بوجھ کی صورت مسلط کر دی جائے گی۔ اس کی ہچکیاں سن کر شاید وہ بھی بے بس ہو گیا تھا۔ اس لئے ٹوٹے لہجے میں بولا۔

"کہیں بھی جاؤ، کہیں بھی، لیکن پلیز اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دو۔" وہ تیز تیز سانس لیتا ہوا بیڈ پر بے بس ہو کر گر گیا۔ اور تکیہ اٹھا کر چہرے پر رکھ لیا۔

"نہیں میں ہرگز یہاں سے نہیں جاؤں گی چاہے، یہ مجھے مار ہی دیں، کچھ بھی کر لیں میں نہیں جاؤں گی۔" حی نے بے بسی کے احساس سے نکلتے ہوئے مصمم ارادہ کیا، تبھی اسے محسوس ہوا کہ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ جتنا طوفان عفان نے اٹھایا تھا، کسی کا آ جانا یقینی تھا۔ اسے یقین تھا کہ بی بی رحمتے ہی آئی ہوں گی۔ وہی عفان سے باخبر رہا کرتی تھیں۔ ان دو دنوں میں اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے ہمت کر کے عفان کی جانب دیکھا، وہ بے حس و حرکت اوندھے منہ پڑا تھا۔ حنظلہ نے مسلسل ہوتی دستک پر کچھ سوچتے ہوئے کمرے کی ساری لائٹس بند کیں۔ بیڈ لائٹ جلا کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ دوپٹے سے اپنا چہرہ رگڑتے ہوئے ڈرتے ڈرتے اس نے دروازہ کھولا تو سامنے متفکر کھڑی عمرانہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئی، اگلے ہی لمحے اس نے اپنے تاثرات پر قابو پا کر استفسار کیا۔

"پھپھو!...... آپ اس وقت؟"

"حی...... حی تم ٹھیک تو ہو ناں؟" وہ پریشانی میں ذرا آگے بڑھیں، مگر حنظلہ دروازے میں جمی کھڑی رہی۔

"جی پھپھو ٹھیک ہوں میں، کیا بات ہے خیریت تو ہے آپ کچھ پریشان ہیں۔" حی نے بمشکل اپنے لہجے کی نمی کو کنٹرول کیا۔ کم روشنی کی وجہ سے وہ اس کے چہرے پر پھیلے کرب کو نہ دیکھ پائی تھیں۔

"حی ابھی تمہارے روم سے شور کی آواز آ رہی تھی، میرا خیال ہے عفان غصے میں تھا، اس نے تمہیں کچھ کہا ہے۔" عمرانہ بے چینی سے پوچھ رہی تھیں۔

"مجھ سے کیا کہنا تھا اور وہ تو بہت دیر پہلے سے سو گئے ہیں میری بھی آنکھ لگ گئی تھی۔"

"حی میری جان مجھ سے نہ چھپاؤ، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا، میں تو اس کی چیخ و پکار ہی سے جاگی ہوں۔" ان کے لہجے میں حی نے فکر و پریشانی کے علاوہ محبت بھی محسوس کی تھی۔ جی تو چاہ رہا تھا کہ ان سے لپٹ کر رو دے، مگر اسے اپنے ساتھ ان کا بھی بھرم رکھنا تھا، اسے اندازہ تھا انہوں نے اس کی بھلائی کیلئے ہی یہ سنجوگ ملایا تھا۔ شاید اس کی قسمت ہی گردش میں تھی

، جو وہ آزمائش کیلئے یہاں بھی دی گئی تھی۔

"پھپھو آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے رئیلی وہ تو کب کے سو چکے ہیں۔ ایکچو ئلی سونے سے پہلے وہ کوئی مووی دیکھ رہے تھے۔ ایکشن مووی تھی کافی لاؤڈ چل رہی تھی، شاید اس کی آوازیں آپ کو ڈسٹرب کر گئیں اور آپ نیند میں ہونے کی وجہ سے گھبرا گئیں۔" حی نے خوبصورتی سے بھرم قائم کیا۔

"حی یہ بات ہے نہ۔" لہجہ اب بھی بے اعتبار ہی تھا۔

"سب ٹھیک ہے پھپھو آپ کو وہم ہوا ہے، آپ کوئی فکر نہ کریں اور جا کر آرام سے سو جائیں، رئیلی میں بالکل ٹھیک ہوں۔" حی نے انہیں مطمئن کرنے کی خاطر کندھوں سے تھام کر یقین دلایا۔ تو وہ اسے تھپتھپا کر چلی گئیں، حی دروازہ لاک کر کے مڑ آئی۔ عفان کچھ دیر پہلے اوندھے منہ لیٹا تھا، اب بالکل سیدھا ہو گیا تھا اور اس نے یقیناً عمرانہ اور حنظلہ کی باتیں بھی سن لی تھیں وہ جون خیزی سے تو نکل آیا تھا، البتہ ابھی اس کی حسیات سوچنے سمجھنے سے قاصر تھیں۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے اپنے ٹھکانے پر جانے لگی، تو عفان کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دی۔

"حی پلیز ٹیبل کیبنٹ سے میرے سگریٹ نکال دو۔" اس نے کسی معمول کی طرح خاموشی سے رائٹنگ ٹیبل سے سگریٹ کا نیا پیکٹ نکال کر صوفے کے قریب پڑے اس کے لائٹر کو اٹھا کر اسے تھمایا۔

"تھینکیو...... تھینک اے لاٹ۔" حی اس پل پل بدلتے شخص کو حیرت سے دیکھتی رہ گئی، جو اپنے بارے میں کوئی بھی تاثر زیادہ دیر قائم نہیں رہنے دے رہا تھا۔

***

"اتنی سویرے سویرے تم ادھر، کیا وہ اٹھ گیا ہے؟" بی بی رحمتے حی کو کچن میں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

رات بھر کی بے آرامی اور بے سکونی کے باوجود صبح وہ اپنے معمول کے مطابق اٹھ گئی تھی۔ نماز فجر خضوع و خشوع سے ادا کرنے کے بعد اپنی نئی زندگی کو پر امن بنانے کیلئے کئی دعائیں مانگیں تھیں۔ بہت سے عہد کئے خود سے اور ان پر قائم رہنے کا مصمم ارادہ بھی کر لیا تھا۔ اس لئے وہ مطمئن ہو کر باہر نکل آئی تھی۔ صبح کے اجالے امیدوں کو نکھارنے کا راستہ دکھا رہے تھے۔ وہ ادھر ادھر نگاہ دوڑاتی کچن میں آ گئی تھی۔ جہاں بی بی اور زہرا صبح کے کاموں کا آغاز کر چکی تھیں۔

"نہیں وہ تو ابھی سو رہے ہیں، میں تو ویسے ہی ادھر آ گئی ہوں۔" کم عمری کے باوجود اس میں بہت متانت تھی۔

"تو تم نے بھی سو یار ہنا تھا۔"

"بی بی مجھے جلدی اٹھنے کی عادت ہے ناں، اماں جان اور میں فجر کے بعد نہیں سوتے تھے، اماں جان کہتی تھیں رات آرام کیلئے اور دن کام کیلئے۔ اس لئے کوئی کام ہے تو مجھے بھی بتائیں۔ دو دن سے کچھ نہیں کیا، تو اب ناکارہ لگ رہا ہے اپنا وجود۔" وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

"آئے ہائے میں تم سے کام کراؤں گی، دو دن ویاہ کو ہوئے نہیں، ہاتھوں سے مہندی ابھی اتری

نہیں اور تم چلی آئی ہو ادھر جاؤ اپنے کمرے میں بیٹھو، میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں، بلکہ میرا مشورہ ہے کہ جب تک اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں آجاتا کمرے سے نکلو بھی مت۔ اسے اپنی موجودگی کا احساس دلاؤ گی تو وہ سیدھا ہوگا۔" آدھی بات بی بی نے سرگوشی میں کی تو حمی انہیں الجھن زدہ نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"اچھا بتاؤ تم دونوں ناشتہ کہاں کرو گے؟"

"پتا نہیں وہی بتائیں گے ان کی.....؟" وہ کہتی کہتی رک گئی، کیونکہ عفان دروازے میں ایستادہ تھا۔ وہ حمی کو نظر انداز کرتا ہوا بی بی سے مخاطب ہوا۔

"بی بی میرے لئے چائے بھجوا دو اور سب سے کہہ دینا کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔" وہ اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں کہہ کر واپس مڑ گیا۔ بی بی نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے، جیسے وہ کسی کھوج میں تھیں۔ حمی اپنا دوپٹہ سنبھالتی خود کو کنٹرول کرتی آگے بڑھی۔

"لائیں بی بی مجھے بتائیں میں ان کیلئے چائے بناؤں۔" اس نے چولہے پر کیتلی چڑھائی اور زہرا سے پتی وغیرہ کا پوچھا۔ بی بی کے نہ نہ کرنے پر بھی اس نے ٹرے میں دو کپ چائے بنا کر رکھی اور خود اعتمادی سے آگے بڑھی۔ دروازہ کھلا تھا اور وہ اپنی مخصوص نشست آرام دہ کرسی پر براجمان سگریٹ پھونک رہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔

"السلام علیکم!" حمی کی آواز سنتے ہی جیسے اسے کرنٹ چھو گیا۔

"تم..... میں نے بی بی سے کہا تھا کہ مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔"

"میں کوئی تو نہیں ہوں۔" اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور ٹرے میز پر رکھ دی۔

"سنو! میں پہلے روز ہی بتا چکا ہوں کہ میں اپنی زندگی میں کسی کی بھی انٹرفیرنس پسند نہیں کرتا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ پیشانی پر کئی بل نمایاں ہو گئے تھے۔ حمی بھی دل میں بہت کچھ ٹھان کر آئی تھی۔ مسکرا کر چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے نرم آواز میں بولی۔

"میں نہ تو کوئی ہوں اور نہ کسی، مجھے خود آپ نے اپنا شریک سفر بنایا ہے اور پھر میں کوئی مداخلت تو نہیں کر رہی ہوں۔ آپ جیسا کہیں گے، میں ویسا ہی کروں گی۔" اس کے گھورنے پر وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بدل بدل گئی۔

عفان نے چائے کا کپ پکڑ لیا۔ حمی کو لگا کہ شاید وہ چائے سمیت کپ اس کے منہ پر دے مارے گا، مگر وہ بڑی شرافت سے چائے پینے لگا۔ سکھ کا سانس لیتی حمی اپنا کپ لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ بیٹھے اپنے خیالوں میں الجھے ہوئے تھے۔ ہصہ کی دستک اور آواز پر دونوں چونک کر متوجہ ہوئے۔

"بھائی میں اندر آجاؤں؟" اس کی نظریں دور بیٹھی حمی پر تھیں۔ اسے یقین تھا کہ ابھی ان کے دونوں کے درمیان بھی اتنے یہ فاصلے ہیں، وہ کڑھ کر رہ گئی، حمی فوراً الرٹ ہو کر اس کی طرف بڑھی۔

"ہصہ اندر آؤ باہر کیوں کھڑی ہو؟" دو ہی دن میں وہ کتنی ذمہ دار دکھائی دینے لگی تھی۔ اس کے

لہجے میں رشتوں کی پاسداری رچی ہوئی تھی۔ ہصہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔ پہلے بھائی کے پاس رک کر معذرت کی۔

"سوری بھائی صبح صبح آپ کو ڈسٹرب کیا ہے ایکچوئلی ماما نے مجھے بھیجا ہے۔" ہصہ نے اپنی شرمندگی مٹائی۔ وہ ہصہ کا ادھورا پیغام سن کر ٹھٹک گیا۔

"ماما نے کہا ہے کہ اگر آپ کا کوئی اور پروگرام نہ ہو تو حمی کے ساتھ نانو کے گھر ہو آئیں آنٹی شاہانہ کل سے آپ دونوں کا ویٹ کر رہی ہیں۔"

"کیا.....؟" وہ ایسے بولا، جیسے ٹھیک طرح سنا نہ ہو، ہصہ کے وضاحت نہ کرنے پر سپاٹ لہجے میں بولا۔

"مجھے تو یونیورسٹی جانا ہے، ویسے بھی مجھے وہاں نہیں جانا۔" اس نے قطعیت سے کہا۔ حنظلہ دل مسوس کر رہ گئی۔ کل سے اس کا دل بھی وہاں جانے کو بے چین تھا، مگر وہ کسی سے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کر سکی۔ اب پھپھو کے پیغام پر اس کا دل کھل اٹھا تھا، مگر عفان کے قطعی انکار نے اسے افسردہ کر دیا۔ ہصہ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی، اس لئے ہمت کر کے بولی۔

"بھائی رسماً ہی سہی ایک بار تو آپ کو حمی کے ساتھ وہاں جانا چاہئے۔ وہ حمی کا بھی گھر ہے، حمی کا بھی دل چاہ رہا ہوگا۔"

"اچھا وہ اس کا گھر ہے تو یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" ہصہ اس کے کڑے لہجے پر لاجواب ہو کر رہ گئی، بلکہ اپنی بات کہہ کر پچھتائی۔

وہ تو کہہ کر باتھ روم میں گھس گیا، جبکہ ہصہ حمی کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"تم چلو گی نانو کے گھر؟" حمی نے نفی میں گردن ہلائی، تو ہصہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

"کیوں بھئی تمہارا دل نہیں چاہ رہا وہاں جانے کو۔"

"جب یہ لے کر جائیں گے تب جاؤں گی، ویسے بھی (وہاں ہوگا کون)" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"تو تم بھائی کی انگلی پکڑ کر چلو گی۔ مائی ڈیئر خود چلنا سیکھو، بلکہ انہیں اپنے پیچھے چلنا سکھاؤ۔ بھائی بڑے مصروف بندے ہیں اکثر گھر آتے آتے گم ہو جاتے ہیں پھر کیا کرو گی؟" ہصہ نے مذاق میں حقیقت بتائی۔

"ہصہ میں آپ سب کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہوں، سب کے قریب رہنا چاہتی ہوں، مجھے لگتا ہے سب مجھ سے ناراض ہیں اسی لئے۔" شکوہ کرتے کرتے اس کی آواز بھیگ گئی۔ برسوں سے جو بات وہ محسوس کر رہی تھی، اس نے کہہ دی۔ وجہ یہ تھی کہ سلیمان، عثمان اور کوئی بھی کزن اس کے قریب نہیں آیا تھا۔ ہصہ نے اس کے نم لہجے پر بڑھ کر گلے لگایا۔

"بیوقوف یہ کیوں سوچا تم نے ہم کیوں تم سے ناراض ہوں گے ہم تو تم سے بہت محبت کرتے ہیں، رئیلی آئی سویئر۔" ہصہ نے اسے یقین دلایا۔

"بھائی سے ڈرتے ہیں، ورنہ سب تم سے ملنے کو بے چین ہیں۔ ویسے تمہیں اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ

سب بھائی سے کیوں ڈرتے ہیں۔" حصہ نے دوستانہ انداز میں شرارت سے دیکھا، تو وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"عثمان کو تو سلیمان بھائی نے روک رکھا ہے، ورنہ تو وہ یہاں سے ہلتا بھی نہیں، ویسے شکایت تو ہمیں ہونی چاہیے تم کل صبح سے بھائی کے ساتھ غائب ہو۔" حصہ نے مصنوعی خفگی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ گڑبڑا کر بولی۔

"میں نہ جاتی تو کیا کرتی۔" حصہ فوراً ہنس دی۔

"اچھا کیا جو چلی گئیں، ویل آج سب سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ میں چلتی ہوں ناشتے کیلئے ڈائننگ روم میں آ جانا، ہو سکے تو بھائی کو بھی لے آنا اور کے بیسٹ آف لک۔" حصہ نے محبت سے اس کا گال تھپتھپایا اور اس کے کمرے سے نکل گئی۔

"بی بی نیوز پیپر دے کر گئی ہیں؟" وہ تولیے سے بال رگڑتا باہر نکلا، تو حی نے بے اختیار اسے دیکھا۔ رات کے مقابلے میں اب اس کا موڈ کچھ بہتر تھا۔ وہ نظریں ملتے پر رخ پلٹ کر بولی۔

"نہیں تو میں لے آتی ہوں۔" اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

"رہنے دو ابھی وہ خود دے جائیں گی۔"

"انہیں اور بھی بہت سے کام ہوں گے میں لے آتی ہوں۔" اس نے مستعدی دکھائی اور کچھ ہی دیر میں اس کیلئے اخبار لے آئی، جسے پکڑ کر وہ ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔

حی نے کمرے کی بکھری چیزوں کو ٹھکانے پر رکھا۔ رات کو ٹوٹنے والی چیزوں کو تو وہ صبح فجر کے وقت ہی ڈسٹ بن میں ڈال چکی تھی۔ بی بی ان سے پھر پوچھنے چلی آئی تھیں۔

"تم دونوں ناشتہ کہاں کرو گے بتایا نہیں؟"

"وہی بتائیں گے، اندر ہیں، شاید ڈریس چینج کر رہے ہیں۔" تبھی وہ بغل میں اخبار کا رول لئے اور ہاتھوں سے کالر ٹھیک کرتا ڈریسنگ روم سے نکل آیا۔ اخبار اس نے بیڈ پر اچھال کر سائیڈ ٹیبل سے گھڑی اٹھا کر کلائی پر باندھی۔

"کیا بات ہے بی بی آج میرا خیال بڑی دیر میں آیا ہے؟" بات کرتے کرتے اس نے اپنے سگریٹ لائٹر پینٹ کی جیب میں رکھے۔

"تمہارا خیال کرنے والی آ گئی ہے، اب مجھے دوسروں پر بھی دھیان دینے دو۔"

"مجھے تمہارے علاوہ کسی خیال رکھنے والی کی ضرورت نہیں ہے یہ جائے اور اپنے رشتے داروں کا خیال رکھے۔" حی نے اس کے پل میں تولہ پل میں ماشہ ہوتے موڈ اور رویے پر شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایویں نہ بولا کر، تم دونوں ایک دوسرے کی ذمہ داری ہو، اب تم دونوں کو ایک دوسرے کا خیال رکھنا پڑے گا۔ یہ فرض ہے دونوں کا۔" بی بی نے اس کے لہجے پر اسے سرزنش کی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"ناراض ہونے سے پہلے مجھے ناشتہ دے جائیں یا ایسے ہی چلا جاؤں۔" اس نے بھی بی بی کو محبت سے چھیڑا۔

"تم تو مت ہی مار دیتے ہو، یہی تو پوچھنے آئی تھی کہ کہاں ناشتہ کرو گے۔"

"کیا آپ بھول گئی ہیں؟ اپنے کمرے میں کرتا ہوں میں البتہ اسے ادھر لے جاؤ اس کا بہت دل چاہ رہا ہوگا سب سے ملنے کو۔" اس نے ترچھی نظروں سے حی کو دیکھا۔ شاید اس نے اس کی اور حصہ کی گفتگو سن لی تھی۔

"تمہارے پیر گھس جائیں گے ادھر جاتے ہوئے۔" بی بی غصے میں بولیں، تو وہ جھنجلا اٹھا۔

"بی بی آج کل تمہیں ہو کیا رہا ہے ہر وقت نصیحتیں کیوں کرنے لگی ہو مجھے۔" وہ ادھر ادھر چیزیں پٹختے ہوئے بولا۔

"دماغ چل گیا ہے میرا، غضب خدا کا تم نے تو پڑھ لکھ کر گنوایا ہے، اس معصوم سے تمہیں کیا بیر ہے، جو اس سے دشمنی باندھ رہے ہو۔" بی بی زچ ہو کر بولیں ان سے حی کا جھکا سر اور آنکھوں میں نمی برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"افوہ اچھا ٹھیک ہے ہم آ رہے ہیں۔" بی بی کے غصے کے جواب میں وہ خلاف توقع ہنس کر بولا، تو بی بی تشکر سے مسکرا دیں، بی بی کو اس پر بہت مان تھا جو غلط نہیں تھا اور وہ بھی اپنے نخرے انہی اٹھواتا تھا۔

***

اسے ڈائننگ روم میں حی کے ساتھ دیکھ کر سبھی حیران رہ گئے تھے۔ حی نروس سی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح سب سے ناراض سا بیگانہ بنا ایک سلائس اور چائے پی کر جانے کیلئے کھڑا ہو گیا تھا۔ ناشتے کے بعد عمرانہ حی کو اپنے کمرے میں لے گئیں، پھر بہت محبت سے اس سے پوچھا۔

"حی تمہیں مجھ سے کوئی شکایت تو نہیں۔"

"شکایت...... کیسی شکایت میں کچھ نہیں پھپھو۔" حی نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"عفان کے حوالے سے، شاید میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔" عمرانہ متاسف سی تھیں، وہ شاید ابھی تک رات کے واقعہ میں الجھی ہوئی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں، آپ مجھے آپ سے کوئی شکایت کیوں ہوگی اور آپ نے میرے ساتھ کیا زیادتی کی، آپ نے تو مجھے اپنا گھر دیا ہے، مجھے محبت دی، رشتوں کا مان دیا، آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں پھپھو۔" "میں تو خود آپ کی شکر گزار ہوں میں کہیں اور جاتی تو کیا وہاں مجھے آپ جیسی محبت ملتی۔" حی نے تشکرانہ انداز میں ان کے ہاتھ تھام کر اپنی لگاوٹ کا اظہار کیا، جو کسی بھی قسم کے تصنع سے پاک تھا۔

"ضرور ملتی، کیونکہ تم بہت پیاری بچی ہو اور سب سے بڑھ کر میری ماں کی تربیت یافتہ تمہارا صبر دیکھنا تمہیں کتنی خوشیاں دے گا۔ تم بالکل گھبرانا نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں۔" انہوں نے بڑھ کر اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم ہی عفان کے ساتھ ایڈجسٹ ہو سکتی ہو۔"

''جی پھپھو آپ فکر نہ کریں، آپ کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ سعادت مندی سے بولی۔

''اسے بھی شکایت کا موقع نہیں دینا، اب وہ تمہارے لئے اول ہے، باقی سب بعد میں' میں جانتی ہوں اس کا لہجہ تلخ ہے، مگر وہ دل کا بہت اچھا ہے۔ اس کے دل میں میرے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں ہیں، اسے یقین ہی نہیں آتا کہ ہم اس کے اپنے ہیں۔ جس دن اسے یقین آ گیا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کا غصہ صرف وقتی ہوتا ہے، مجھے امید ہے تم گھبراؤ گی نہیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کرو گی۔'' حتی انہیں دیکھتی رہ گئی۔ عفان کو ان سے کتنی غلط توقعات تھیں اور وہ بالکل ماں کی طرح اس کی طرف داری کر رہی تھیں۔ ان کی محبت پر اس کے ارادے مزید مضبوط ہو گئے۔

''پھپھو میرا ابھی یہی خیال ہے کہ انہیں شدید غلط فہمیاں ہیں، بہرحال آپ مطمئن رہیں انشاء اللہ ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔'' حتی نے انہیں اطمینان دلایا، تو وہ مطمئن ہو کر ہنس دی۔

وہ سارا دن اس نے ان سب میں گزارا۔ عفان صبح کا گیا ہوا رات تک واپس نہیں آیا تھا۔ اس کی وجہ سے اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ شام کو سب کے اصرار پر وہ ان کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی، جب اسے پتا چلا کہ عفان آ گیا ہے۔ وہ چائے چھوڑ کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر جھجکتے ہوئے بولی۔

''پھپھو میں جاؤں.....''

''ہاں ہاں جاؤ۔'' ابھی اس نے بات مکمل نہیں کی تھی کہ وہ بولیں۔

''لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ آپ چائے ہمارے ساتھ پئیں گی۔'' عثمان نے شرارت سے کہا، تو وہ پھر بیٹھ گئی اور اپنا کپ اٹھانے لگی۔

''عثمان جانے دو اسے تنگ مت کرو۔'' انہوں نے عثمان کو سرزنش کرتے حتی کو ایک بار پھر جانے کیلئے کہا۔

حتی اپنے کمرے میں آئی، تو وہ فون پر مصروف تھا، اس کے پیچھے پیچھے بی بی ان کیلئے چائے کے ساتھ اچھے خاصے لوازمات لئے آ گئی۔ وہ فون سے فارغ ہو کر متوجہ ہوا، تو ٹرے پر نظر ڈال کر کوفت سے بولا۔

''میں نے تو ایک کپ چائے مانگی تھی۔''

''تو تم صرف چائے ہی پینا یہ تو میری دعی کھائے گی۔'' بی بی محبت سے بولیں۔

''کیا اتنا کچھ ہضم ہو جائے گا اسے؟'' پہلی بار اس کی آنکھوں سے شرارت جھلکی۔

''تمہارے ساتھ بندھ گئی ہے تو سب کچھ ہی ہضم ہو جائے گا، جیسے آج دوپہر کا کھانا بغیر کھائے ہضم کیا ہے۔'' بی بی نے شکایتی انداز میں اسے معلومات بہم پہنچائیں، تو وہ بی بی کو خفگی سے دیکھ کر رہ گئی۔

''کیا کھانا نہیں کھایا تم نے کیوں؟'' اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا، تو وہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔

''تمہیں کیا تم تو دوستوں میں بیٹھ کر پیٹ بھر آئے ہو۔''

''بی بی تم جانتی تو ہو کہ میں شروع سے ہی باہر سے کھا کر آتا ہوں۔''

''مجھے تو پتا ہے، مگر اسے کیا معلوم، میں نے تو سمجھایا تھا، پر یہ بھی تیری طرح جھلی ہے۔''

''یہ تو بہت غلط بات ہے، آئندہ میرا انتظار مت کرنا آئی ڈونٹ لائیک اٹ۔'' عفان نے صاف گوئی سے کہتے ہوئے اسے مخاطب کیا، تو وہ دل ہی دل میں کڑھ کر سوچنے لگی۔

''کیسے نہ کروں انتظار، ساری زندگی ایک ساتھ گزارنے کا شرعی حق ملا ہے، ایک دوسرے کی پروا ہمارا فرض ہے۔''

''عفان پتر اپنے دماغ سے فتور نکال دے، آخر کو ہمیں لوگوں کی موجودگی میں تو نے اسے قبولا ہے کب تک لاپروائی برتے گا۔''

''کیا فتور ہے میرے دماغ میں۔'' لمحہ بھر میں اس کا موڈ اور لہجہ بدل گیا۔ حتی نے کانپتے دل کو سنبھالتے ہوئے بی بی کو تنبیہی نظروں سے دیکھا کہ اسے مزید غصہ نہ دلائیں۔

''یہ تو تو اچھی طرح جانتا ہے، میں کس فتور کی بات کر رہی ہوں، ذرا ٹھنڈے دل سے سوچنا۔ میں جا رہی ہوں۔'' بی بی بھی اسے بے رخی دکھاتی باہر کو چل دی۔ وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گیا، حتی کو وہیں جما دیکھ کر اس کی سپاٹ سی آواز کمرے میں گونجی۔

''آ جایئے محترمہ اب میں کپ آپ کے منہ سے لگانے سے تو رہا۔'' حتی مرے مرے قدموں سے آگے بڑھی اور جا کر میز کے پاس کھڑی ہو گئی۔ وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کہاں بیٹھے۔ اس کی رعب دار آواز میں بیٹھوں کر قالین پر ہی دھم سے بیٹھ گئی۔ اس کے منہ پر بارہ بجے دیکھ کر وہ نرم پڑ گیا۔

''مجھے یہ فضولیات اچھی نہیں لگتیں، آئی مین یہ انتظار وغیرہ یہ سب کیا ہے، میں تو چار چار دن گھر میں نہیں گھستا تب بھی نہیں کھاؤ گی کچھ۔''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن بھی ہلائی، تو عفان اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی، پلکوں کی جھالر بھیگی ہوئی تھی۔

''کیوں؟'' اس نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''مجھے اچھا نہیں لگتا اکیلے کھانا۔''

''کیا پہلے بھی بھوکی رہتی تھیں؟'' وہ چونک کر بولا، تو وہ اپنے لہجے کی نمی پیتی ہوئی بولی۔

''پہلے میرے ساتھ اماں جان ہوتی تھیں، میں ان کے ساتھ کھانا کھاتی تھی۔''

''ان کے بعد کیا کرتی تھیں۔'' وہ زچ ہو کر پوچھ بیٹھا۔

''بڑی پھپھو اور چھوٹی پھپھو زبردستی کھلاتی تھیں، ورنہ میرا دل تو نہیں چاہتا تھا۔'' حتی نے پلکیں اٹھا کر سامنے دیکھا، تو وہ بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ اسے پاگل سمجھ رہا ہو۔

''ماما ہوتی ہیں گھر پر، غصہ ہے، عثمان بھی، کسی کے ساتھ بھی تم لنچ شیئر کر سکتی تھیں۔'' عفان کی نرمی نے اسے بولنے کا حوصلہ دیا۔

"انہوں نے تو کہا تھا، مگر میں آپ کا انتظار۔"

اسے دیکھتا پا کر وہ جھجک کر خاموش ہو گئی۔ عفان کو معلوم تھا کہ اسے گھر میں سب کا لنچ ٹائم الگ الگ تھا۔ البتہ ڈنر سب اکٹھے ہی کرتے تھے۔

"اچھا اب یہ چائے تو پیو یا ٹھنڈی کرنی ہے۔" عفان کا لہجہ تھوڑا دوستانہ ہو گیا تھا۔

"میں کوشش کروں گا کہ کھانے پر کبھی کبھی گھر آ جایا کروں۔" حسی کو شدید حیرت ہوئی عفان کے لبوں سے ادا ہوئے الفاظ اجنبی محسوس ہو رہے تھے، اس سے اس قدر مروّت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی، اپنے لئے جگہ بنانے کیلئے بہت جدوجہد کرنا پڑے گی۔

عفان میں اتنی بڑی اچانک تبدیلی کی وجہ عاقب کی ڈانٹ پھٹکار تھی۔ آج عاقب کے استفسار پر اس نے اپنی اس شادی کے انجام پذیر ہونے کی ساری رُوداد سنا دی تھی، جس پر اس نے خوب لعنت ملامت کی تھی۔ اسے اس کے حقوق و فرائض یاد دلائے تھے۔ لڑکیوں کے نازک احساسات کے بارے میں سمجھایا تھا۔ عاقب کی باتیں پھر سے اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

"عفان تم تو واقعی خبیث ہو۔ حالات کی ماری ہوئی ایک لڑکی کو صرف اپنا نام دے کر تم سمجھتے ہو تم نے بہت بڑا تیر مار لیا ہے۔ اسے پناہ دی ہے تو احساس تحفظ بھی بخشو۔ وہ تمہاری ذمہ داری ہے، کیا تم اسے دنیا کے سامنے ہاتھ پھیلانے کیلئے چھوڑ دو گے، تمہیں اندازہ ہے کچھ کہ تمہارے اس طرح کے بی ہیویئر سے حسی بھابی نے تمہارے بارے میں کیا سوچا ہو گا اور لوگ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ بہت کمزور اور بزدل ہو تم۔ تمہیں کسی سے شکایت ہے تو خود مقابلہ کرو، کسی بے گناہ سے انتقام کیوں لے رہے ہو، بلکہ میں تو کہوں گا تم خود سے انتقام لے رہے ہو، کسی چیز کی کمی ہے تمہارے پاس؟" عاقب نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ اس کی جھاڑ جھپاڑ سے ذہن و دل پر لگے جالے، کچھ کم ہوئے تھے۔

عاقب کے سمجھانے سے ہی وہ خود کو بدلا ہوا محسوس کر رہا تھا، اس لئے اس کی سوچیں حسی کے حوالے سے ٹکرا آئی تھیں۔

عاقب کی مان تو تھا، مگر اپنی فطرت کے ہاتھوں بھی مجبور تھا۔ لمحہ بھر میں بدگمانی اسے گھیر لیتی تھی۔ حسی خاموشی سے چائے پینے میں مصروف تھی اور وہ سوچوں میں الجھا ہوا تھا، اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ دستک دے کر اندر آتے حسنین احمد نے دونوں کو چونکا دیا۔ دونوں فوراً اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔

"السلام علیکم انکل۔" حسی نے سر پر دوپٹے کے ہونے کا اطمینان کیا۔

"والسلام سوری بچو میں نے تمہیں آ کر ڈسٹرب کیا مگر۔" حسنین احمد نے آتے ہی اپنی بات کہی۔

عفان کشمکش میں تھا۔ آج تک وہ اس کے کمرے میں اس طرح نہیں آئے تھے۔

"انکل بیٹھیں ناں چائے پئیں گے۔"

"شکریہ بیٹے میں پی چکا ہوں اور اب تم بھی مجھے پاپا کہا کرو، اصل بیٹی تو تم ہی ہو ہماری۔" انہوں نے پیار سے اس کا سر تھپتھپایا تو وہ تشکر سے انہیں دیکھنے لگی۔ حسنین احمد اس کے کہنے پر عفان کے برابر بیٹھ

گئے۔

"یار آج میں تمہیں انوائٹ کرنے آیا ہوں۔ وائٹ ہاؤس میں آج تمہارے اونر میں ڈنر ہے۔ ویسے کی ریسپشن تو ویک اینڈ کی رکھی ہے۔ کل کارڈ چھپ کر آ جائیں گے، تم اپنے دوستوں کو انوائٹ ضرور کرنا۔" حسنین احمد خوشگوار انداز میں مخاطب تھے۔ عفان نے کشمکش سے پہلے حسی کو دیکھا اور پھر ہمت کر کے بولا۔

"آئی ایم سوری پاپا میں نے تو خود آج ڈنر پر اپنے دوستوں کو انوائٹ کر رکھا ہے۔ مجھے آپ کے کسی پروگرام کا علم نہیں تھا، ورنہ میں انہیں منع کر دیتا مگر اب۔" اس نے ساتھ ہی نگاہ اپنی ریسٹ واچ پر ڈالی۔ شام ڈھلنے والی تھی۔ اپنے پاپا کے ساتھ وہ کس طرح نرم انداز میں بات کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے تمہارے دوست بھی ڈنر میں شریک ہو جائیں گے۔"

"لیکن پاپا میں نے تو چائنیز میں ٹیبل ریزرو کروا رکھی ہے، پلیز سوری پاپا۔" باپ سے اختلافات کے باوجود کسی قسم کا احتجاجی مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اس وقت بہت لجاجت سے بات کر رہا تھا۔

"اوہ تو پرابلم ہو گئی ہے، ویل اوکے میں آج کیلئے سب سے ایکسکیوز کر لیتا ہوں۔ لیکن کل کوئی پروگرام مت بنانا۔ سب کو شکوہ ہے کہ نئی دلہن کے ساتھ کسی نے ایک گھنٹہ بھی نہیں گزارا۔" حسنین احمد نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا، تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ حسنین احمد کے جانے کے بعد وہ حسی سے مخاطب ہوا۔

"سنو تم ذرا جلدی سے تیار ہونے کی کوشش کرو۔"

"جی؟" حسی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ آج بھی اسے ساتھ لے کر جائے گا۔

"میں نے کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں کہہ دیا، پلیز یو گو اینڈ ہری اپ۔" عفان نے عجلت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی گھڑی پر پھر نگاہ ڈالی۔

"ذرا بھی تاخیر ہو گئی تو ان سب نے جرمانہ کر دینا ہے۔" حسی کے ساتھ اس بار اس کا رویہ اپنائیت بھرا تھا۔ عورت کو تو مرد کی میٹھی نظر ہی بدل دیتی ہے۔ وہ اس کے حکم کی تعمیل میں فوراً تیار ہونے کیلئے بڑھ گئی۔

***

''سنئے۔'' حتی تیار ہو کر باہر نکلی تو لمحہ بھر کو تو عفان بھی مبہوت رہ گیا' سیاہ نفیس کام والے سوٹ میں اس کا دمکتا روپ ایک عجیب سی لو دے رہا تھا۔ اسے لگا تھا کہ اس کے گلے میں پڑے نیکلس کے زرقون اس کے چہرے کے ساتھ وجود پر بھی جگمگا اٹھے ہوں۔ اس کے پکارنے پر ہی وہ چونکا تھا۔

''میں پھپھو کے پاس جا رہی ہوں۔''

''کیوں؟'' دل کی خوشگوار دھڑکنیں بگڑنے کو تھیں۔

''آپ کے تیار ہونے تک واپس آ جاؤں گی۔''

''میری شکایت کرنے جا رہی ہو۔'' عفان نے پلٹ کر اس کے قریب آتے ہوئے دلچسپی سے اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا، جو شرم سے لال ہو رہا تھا۔

''نہیں تو آپ نے مجھے کیا کہا ہے جو میں شکایت کروں گی۔'' حتی نے قدرے سنبھل کر اعتماد سے جواب دیا۔

''کچھ کہوں گا تو کرو گی شکایت۔'' دل جس انداز میں سر تال ملا رہا تھا، لگتا تھا پھر کبھی دھڑکے گا ہی نہیں۔

''آپ اگر کبھی مجھے ڈانٹیں گے یا کچھ کہیں گے تو میری غلطی پر ہی ناں، میں کسی سے کیسے کہوں گی کہ میری اس غلطی پر مجھے ڈانٹ پڑی ہے یا آپ ناراض ہوئے ہیں۔ میرے لئے تو یہ بڑی شرمندگی کی بات ہو گی ناں۔ ویسے ایک بات بتاؤں میں اپنوں کی ڈانٹ کا برا نہیں مناتی، آپ مجھے اپنا سمجھ کر ہی کچھ کہیں گے۔'' حتی نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ نظریں نیچے کر کے کہا، تو عفان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ کھل اٹھی۔ جسے حتی نہ دیکھ پائی۔

''ہوں، لڑکی واقعی سمجھدار ہے۔'' دل نے سرگوشی کی تو وہ اپنے جذبات سنبھالتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ میں جاتے ہوئے تمہیں لے لوں گا۔''

''تھینکیو۔'' حتی شکریہ ادا کرتی کمرے سے نکل گئی۔

***

''میں اپنے لئے کافی بنانے جا رہا ہوں، اگر تم بھی پینا چاہو تو۔'' عفان نے ایک نظر اس کے تھکن زدہ چہرے کو دیکھا اور پھر کافی کی پیشکش کی۔ وہ چونک کر فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی ڈنر سے واپس آئے تھے۔ عاقب اور باقی دوستوں نے ایک بجے انہیں چھوڑا تھا۔ حتی پہلی بار اتنی رات گئے تک باہر رہی تھی، اس لئے عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ آتے ہی' ینڈل اتار کر صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی تھی، اب اپنے سر پر عفان کو کھڑا دیکھ کر وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

''تھینکیو میں تو اب سوؤں گی، لیکن آپ کیلئے کافی میں بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ مستعدی سے اٹھ کر لباس بدل کر آئی اور پھر اس سے پوچھنے لگی۔

''آپ کا ٹیسٹ کیا ہے؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں علم کہ میرا ٹیسٹ کیا ہے۔'' وہ کھویا کھویا سا بولا۔ وہ کافی کے متعلق پوچھ رہی تھی اور وہ نجانے کس حوالے سے بات کر رہا تھا۔ شام سے اس کا رویہ بدلا ہوا تو محسوس ہو ہی رہا تھا، اب اس کی آنکھوں کا رنگ بھی بدلا ہوا تھا، جو حتلہ کو سراسیمہ کر رہا تھا۔

''میرا مطلب ہے میں آپ کیلئے کیسی کافی بناؤں ملکی' کریمی یا پھر بلیک۔''

''چھوڑو رہنے دو میرے لئے اتنی تکلیف نہ اٹھاؤ، میں خود بنا کر پینے کا عادی ہوں، تم سو جاؤ میں بنا لوں گا۔''

''تکلیف کیسی مجھے آپ کا کام کر کے خوشی ہو گی۔ اب آپ کچھ خود کرنے والی عادت چھوڑیں۔ میں کس لئے ہوں آپ کی ساری ضروریات پوری کرنا میرا فرض ہے۔ آپ بس آرام کریں، یا پھر اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کریں۔'' حتی نے بہت اپنائیت اور روانی سے کہا' عفان کے چہرے پر تلخ سا تاثر ابھر آیا۔ آج تک کسی نے بھی تو اتنے مان سے اپنا حق نہیں جتایا تھا۔

''کب تک کرو گی یہ سب؟'' کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے کی تلخی نہ چھپا سکا۔

''جب تک زندہ ہوں اور اب آپ یہ نہ پوچھئے گا کہ کب تک زندہ ہوں، کیونکہ اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔'' وہ پہلی بار اس کے سامنے ہنسی، تو اس کے گالوں میں پڑنے والے بھنور اسے اپنی جانب متوجہ کر گئے۔

''آپ جلدی سے چینج کریں، میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ باہر چل دی۔ عفان صوفے پر بیٹھا اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ کافی بنا کر واپس لائی، تو اسے وہیں بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اسے دیکھ کر وہ بھی جیسے خود کو سمیٹنے لگا تھا۔

کافی کا مگ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بہت متوازن لہجے میں وہ اس سے مخاطب ہوا۔

''حتی یہاں بیٹھو میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' حتی اس کے ٹھہرے ہوئے لب و لہجے پر پھر سے ہراساں ہو گئی تھی۔ اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھتے ہوئے اس کی جانب رخ موڑ کر دیکھنے لگی۔

''آئی ایم سوری حتی میرا رویہ تم سے کچھ اچھا نہیں رہا، میں نے تمہیں شاید ہرٹ بھی کیا ہے، لیکن وہ وقت میرے اختیار میں نہیں تھا۔ میں بے بس ہو گیا تھا اس لئے۔'' حتی ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی سن

رہی تھی۔ عفان کا یہ روپ بھی اس کیلئے بالکل نیا تھا۔

''میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں، تم سے اپنے دل کی ہر بات کہنا چاہتا ہوں، کیا تم میری اچھی دوست ثابت ہو سکتی ہو؟'' حی ٹکر ٹکر تکتے ہوئے اثبات میں سر ہلائے جا رہی تھی۔

''یہ میری طرف سے ہماری دوستی کا پہلا تحفہ۔'' عفان نے کافی کا مگ سامنے میز پر رکھ کر کوٹ کی جیب سے ایک رنگ کیس نکال کر چھوٹے سے ڈائمنڈ سے مزید طلائی انگوٹھی اس کی جانب بڑھائی۔ یہ بھی آج ہی عاقب کے کہنے پر اس نے خریدی تھی۔ حی کسی خواب کی سی کیفیت میں تھی، اس نے اپنا گلابی ہاتھ خود ہی اس کی جانب بڑھا دیا۔ جسے عفان نے جھجکتے ہوئے تھاما اور پھر اس کی تیسری انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔ حی کو حقیقت کا ادراک ہوا تو اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو آ گئے۔ ہونٹوں پر مدھم مسکان لہرا گئی۔ عفان نے حی کے چہرے پر پھیلے سمٹتے رنگوں کو دلچسپی سے دیکھا۔

''نبھا سکتی ہو میری دوستی، تمہیں ان دو دنوں میں میرے بارے میں اندازہ تو ہو گیا ہوگا، کہ میں کس قسم کا انسان ہوں۔ میرا مزاج دوسرے لوگوں سے مختلف ہے، مجھے غصہ بھی بہت جلدی آتا ہے۔'' عفان نے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''میں نے آپ کا تحفہ قبول کر لیا ہے اس کا مطلب ہے کہ مجھے آپ کی دوستی بھی قبول ہے اور دوستی تو کی ہی جاتی نبھانے کیلئے ہے۔ آپ بے فکر رہیں میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گی، جو آپ کو غصہ دلائے۔'' دھیمی مسکان کے ساتھ وہ بہت اطمینان سے بولی۔ چند لمحے پہلے حواسوں پر سوار خوف کہیں رفو چکر ہو گیا تھا۔ وہ عفان کے رویے سے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اپنی نظروں میں ہی وہ معتبر ہو گئی تھی۔ عفان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کر لیا۔

***

نئی زندگی کی پہلی صبح اس کیلئے بہت خوشگوار اور معطر تھی۔ عفان کی محبت کی مہک اس کے ایوان دل میں بکھری ہوئی تھی۔ عفان اپنے الجھے بکھرے رویوں کے باوجود اسے بہت معصوم انسان لگا تھا۔ جو بنا سوچے سمجھے رشتوں کی اس بھیڑ میں خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا۔ بچپن کی چند سنی سنائی کہانیوں کو سچ مان کر اپنی زندگی میں تلخیاں بکھیرتا جا رہا تھا۔ ماں اور سوتیلی ماں کے فرق کو اس کے ذہن میں اس طرح بٹھایا گیا تھا، کہ اب اسے ہر رشتہ جھوٹا اور مصنوعی لگتا تھا۔ پیار' محبت' شفقت اس کیلئے خود غرضی کے اوزار محسوس ہوتے تھے جس سے اسے عمرانہ کبھی بھی کاٹ چھانٹ کر رنگ کر سکتی تھیں۔ ایسے ہی وہم اس کے دل میں پناہ گزین تھا۔

حظلہ نے عزم کر لیا تھا کہ اس کے دل سے عمرانہ کی نفرت کم کرنے کی کوشش کرے گی۔ بہن بھائیوں کے درمیان کھنچی دوریاں مٹا ڈالے گی، اسے امید تھی عفان جلد ہی اپنے نارمل رویوں کے ساتھ زندگی کے تقاضے سمجھنے لگے گا۔

***

حی اِدھر اُدھر دیکھتی کچن میں داخل ہوئی اور ناشتہ بنانے میں بی بی کی مدد کرنی چاہی، لیکن بی بی

اسے ابھی کام کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں۔ بقول ان کے ابھی تو اس کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اتری تھی۔ ''ساری زندگی کام ہی کرنا ہے۔'' بی بی کی باتوں سے ہار کر وہ لان میں نکل آئی۔ جہاں مالی بابا پودوں کو پانی دے رہے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور پھر اسے خوبصورت سا گلدستہ بنا کر دیا۔ وہ ان کے اس خوبصورت تحفے پر سرشار ہو گئی۔ خوشی سے پھولوں کی مہک اپنے اندر اتارنے لگی۔ تبھی سلیمان اور شایان اپنی نائٹ ڈیوٹی بھگتا کر واپس لوٹنے اور اسے دیکھ کر لان میں چلے آئے۔

''السلام علیکم کیسے ہیں آپ؟'' حی نے سلام میں پہل کی تو شایان نے اپنا کوٹ ایک سے دوسرے ہاتھ پر منتقل کرتے تھکن سے چور لہجے میں جواب دیا۔

''وعلیکم السلام ہم تو دیکھ لیں نیند سے لڑ کر فرض نبھا کر آ رہے ہیں، اس لئے کچھ اچھے نہیں ہیں، آپ کیسی ہیں؟''

''ویری فائن۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ارے حی تم نے اتنے سارے پھول توڑ لئے، تمہیں مالی بابا کے غصے کا پتا ہے وہ تمہیں چھوڑیں گے نہیں۔'' سلیمان کی شاید اب نظر پڑی تھی کہ وہ ہاتھوں میں پھولوں کا گلدستہ لئے کھڑی ہے۔

''میں نے خود تو نہیں توڑے یہ تو مجھے مالی بابا نے دیئے ہیں۔''

''انہوں نے خود دیئے ہیں؟'' سلیمان اور شایان نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔

''ہمیں تو ایک پھول بھی نہیں توڑنے دیتے اور یہاں پورا گلدستہ۔'' مالی بابا کو شایان زبردستی پکڑ کر قریب لے آیا اور حی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''بابا یہ کیا ہے؟ تم ہم سے ناانصافی کرتے ہو ہمیں تو ایک پھول نہیں توڑنے دیتے اور یہاں پورا گلدستہ پیش کر دیا۔ ہمیں بھی پھول ملنے چاہئیں، ورنہ ہم خود توڑ لیا کریں گے کیوں سلیمان؟'' سلیمان نے بھی تائیداً سر ہلایا حی ان کی نوک جھوک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''خبردار کسی نے جو پھولوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بابا پھولوں کے معاملے میں بڑے کنجوس تھے، کبھی کسی کو پھول توڑنے ہی نہیں دیئے۔

''بابا تم نے حی بھابی کو کیوں اتنے پھول توڑ کر دیئے ہیں۔'' شایان سامنے ڈٹ گیا۔

''ناراض نہ ہو بہو رانی ہے اس گھر کی اور پہلی بار یہاں آئی ہے تمہاری دلہنیں آئیں گی تو انہیں بھی دے دوں گا، جاؤ اب مجھے اپنا کام کرنے دو۔'' مالی بابا زچ ہو کر بولے۔ سلیمان نے بابا کو پھر سے چھیڑا۔

''تو ہم بھی تو تمہاری ہونے والی بہو رانیوں کیلئے مانگتے ہیں۔'' بابا فوراً ہی متوجہ ہو گئے۔

''کیا بولے تم میں بیگم صاحبہ سے بات کروں گا، یہ پڑھنے نہیں اپنے لئے بیوی تلاشنے جاتے ہیں۔ ان کا بھی بندوبس (بندوبست) کر دیں میں بھی کہوں روز میرے پھول کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ آج کھلا کہ۔'' مالی بابا خود کلامی کے سے انداز میں باتیں کرتے وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

بابا کی باتوں پر تینوں ہنس دیئے۔ پھر تینوں ایک ساتھ اندر کی طرف بڑھنے لگے۔ شایان تو چند قدم بعد ہی اپنے پورشن کی جانب بڑھ گیا۔ سلیمان اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''حی تم اتنی صبح باہر کیسے نظر آ رہی ہو؟''

''ایسے ہی بس ہوا خوری کیلئے صبح جلدی اٹھنے کی عادت ہے تو کیوں کیا ہوا۔'' بات کرتے کرتے وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔

''عفان کی فطرت کا اندازہ نہیں ہوا تمہیں شاید اسی لئے اس نے تمہیں ہمارے ساتھ دیکھ لیا تو اس کا موڈ خراب ہو جائے گا بلکہ ہنگامہ برپا کر دے گا وہ تو۔'' سلیمان کی بات سنتے ہوئے وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ اسے عفان کیلئے سلیمان کے لہجے میں عجیب سی چبھن محسوس ہوئی تھی جو اسے اچھی نہیں لگی تھی۔

''ان کا موڈ کیوں آف ہوگا آخر آپ۔''

''تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ وہ ہمیں پسند نہیں کرتا۔ تمہیں کیئر فل رہنا چاہئے۔'' حی کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ اسے مشورہ دے رہا تھا اس کی خیر خواہی کر رہا تھا یا پھر عفان سے بدظن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہرحال اسے سلیمان کا انداز کچھ اچھا نہیں لگا تھا بڑی سنجیدگی سے اس نے سلیمان کو مخاطب کیا۔

''سلیمان بھائی آپ کو ان کے بارے میں غلط فہمی ہے۔''

''جیسا آپ سوچتے ہیں ویسے نہیں ہیں بس وہ آپ کو اور آپ سب ان کو جان نہیں سکے ہیں۔ آپ کے اور ان کے درمیان اجنبیت کی دیواریں ہیں۔ جنہیں کوئی بھی ڈھانے کی کوشش نہیں کر سکا۔ وہ اکیلے ہیں ان کی کوئی کوشش تو کامیاب ہو بھی نہیں سکتی۔ یہ کوشش تو آپ سب کو کرنی چاہئے تھی پتھر پر پڑنے والے پانی کی مسلسل بوندیں اس میں بھی سوراخ کر دیتی ہیں وہ تو پھر انسان ہیں۔ ایک دوسے سے بدگمانی اچھی نہیں ہوتی کسی نہ کسی کو تو اعتماد کرنا ہی پڑے گا ناں۔'' یہ چھوٹی سی لڑکی سلیمان کو لاجواب کر گئی تھی۔ سلیمان کے نزدیک یہ تو عفان کے ماتھے کا ایک تل بھی برداشت کرنے کی اہل نہیں تھی جبکہ وہ تو اس کی ڈھال بنی پہلے قدم پر ہی اپنے ساتھ عفان کو بھی بچا گئی تھی۔ وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا اور وہ آگے بڑھ گئی۔ سلیمان عفان کی آواز پر ہی چونکا تھا۔

''تم کہاں غائب ہو؟ وہ خبیث انسان پورے دو گھنٹے سے میرے کان کھا رہا ہے۔'' وہ بولتا ہوا حی کے قریب آیا، پھر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ حی بھی بھرپور اعتماد سے اس کے ہم قدم تھی۔ سلیمان سست روی سے غیر محسوس انداز میں ان کے پیچھے پیچھے تھا۔

''کون؟'' حی کے استفسار میں بشاشت تھی۔

''وہ کمینہ عاقب، اسٹوپڈ کو میری کسی بات پر اعتبار ہی نہیں آتا، صبح ہی صبح نیند خراب کر دی میری، فون پر فون کھڑکا رہا ہے پتا نہیں اسے تو نیند بھی رات بھر آئی ہوگی یا نہیں۔'' اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تو تھی، مگر ساتھ اپنے دوست کیلئے اپنائیت بھی تھی۔

''خیریت عاقب بھائی نے اتنی صبح فون کیوں کیا ہے، کیا کہہ رہے ہیں، ویسے آپ کو یاد ہے ناں آج گھر پر پارٹی ہے۔'' حی دروازے کے قریب رک کر بولی، ساتھ ہی اس نے پھولوں کا گلدستہ عفان کی طرف بڑھا دیا۔ جسے اس نے فوراً تھام کر ناک سے لگا کر سونگھا اور پھر شرارت آمیز نظروں سے دیکھا۔

''وہ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہے تم اس کی باتوں میں نہ آنا ادھر۔'' عفان نے دروازے کے ہینڈل پر

دباؤ ڈال کر دروازہ کھولا اور پھر دونوں اندر چلے گئے۔ سلیمان حیران سا کچھ لمحے بے یقینی سے کھڑا رہ گیا۔ عفان کی یہ تبدیلی اس کیلئے حیرت انگیز ہی تھی۔

اور پھر رات کے ڈنر پر عفان کو دیکھ کر سبھی حیرت زدہ تھے۔ آج اس کے چہرے پر بہت نکھری ہوئی مسکراہٹ تھی۔ وہ حفصہ اور عثمان کے ساتھ بات چیت بھی کر رہا تھا جبکہ حی کیلئے اس کے ہر انداز سے اپنائیت جھلک رہی تھی۔ کھانے کے دوران ہی سبھی ایک دوسرے سے چپکے چپکے اپنی حیرتوں کا اظہار کر رہے تھے۔ البتہ عمرانہ اور حسنین انہیں اس طرح دیکھ کر حقیقی طور پر خوش اور مطمئن تھے۔ سبھی نے آج حی کو گفٹ بھی دیئے تھے۔ حی کیلئے وہ سب کی اپنائیت محسوس کر رہا تھا مگر اپنے لئے اسے وہی اجنبیت محسوس ہوئی تھی۔ پھر سلیمان اور شایان کی معنی خیز حرکتیں بھی اسے تاؤ دلاتی رہی تھیں مگر وہ پاپا کا خیال کر کے ضبط کے مراحل سے گزر گیا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ پھر سے جھنجلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ چیزیں پٹخ پٹخ کر رکھ رہا تھا۔ سب کی آنکھیں لہجے اسے اپنے لئے تمسخر بکھیرتے محسوس ہوئے تھے۔ حی کو وہاں سب کے درمیان تو عفان کے بدلتے موڈ کا احساس نہیں ہوا تھا مگر کمرے میں اسے اس انداز میں دیکھ کر وہ چونک اٹھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' حی نے سرسراتے لہجے میں پوچھا جواباً اس کی خاموشی نے اس کا منہ چڑایا۔

''کیا ڈھونڈ رہے ہیں آپ میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔'' عفان کی خاموشی اور گہری سنجیدگی نے اسے یک دم ہراساں کر دیا تھا۔ وہ نجانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ ہر کیبنٹ اور دراز کو زبردست جارحیت سے کھینچتا اور پھر زوردار آواز کے ساتھ بند کرتا۔ حی کو لگ رہا تھا ایک نیا طوفان کھڑا ہونے والا ہے۔

''آپ کیلئے کافی بنا لاؤں؟'' حی کو کمرے کے گھٹن زدہ ماحول سے نکلنے کا بہانہ سوجھا۔ مگر جواباً وہ دھاڑا تھا۔

''شٹ اپ اینڈ لسن می۔'' وہ یک دم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور پھر اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پر پٹخنے والے انداز میں دھکیل دیا۔

''آج کے بعد تم میری اجازت کے بغیر ان لوگوں سے نہیں ملو گی اور یہ سب۔'' اس نے میز پر پڑے تحائف ہاتھ مار کر ادھر ادھر بکھیر دیئے۔

''آئی ہیٹ آل آف دیم۔'' حی حیرت سے گم اسے دیکھے گئی۔ اس کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اس کے ذہن میں تو ایسی کوئی بات نہیں آ رہی تھی جو اس کی طبیعت پر ناگوار گزری تھی۔ سبھی نے بھرپور اپنائیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ حفصہ اور عثمان کی چمکتی آنکھوں سے چھلکتی خوشی اس سے محبت کا اظہار تھیں۔ عمرانہ اور حسنین کے جگمگاتے چہرے شادمان سے تھے البتہ سلیمان کا رویہ بے تاثر سا تھا۔ نہ وہ ان کے قریب آیا تھا اور نہ ہی ان سے کوئی بات کی تھی۔ حی کو جو گفٹ دیا تھا وہ بھی حفصہ کے ذریعے۔

حی اس کے رویے پر پریشان ہونے کے باوجود ہمت سے بولی۔

''میں آپ کی دوست ہوں کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ۔''

''کیا بتاؤں میں تمہیں تم اندھی ہو تم دیکھ نہیں رہی تھیں سب کے رویے، تمسخر اڑاتی ہنسی ان سب

کے دل میں کیا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وہ بپھرا ہوا ضرور تھا مگر ابھی حد کے اندر ہی تھا۔ حمی کو اپنے لئے اس کے طرز عمل میں تبدیلی محسوس نہیں ہوئی تو وہ حوصلے سے سیدھی ہوئی۔

'' مجھے تو سب خوش نظر آ رہے تھے کتنا اچھا لگ رہا تھا سب اکٹھے تھے آپ بھی تو خوش تھے اور آپ کو خوش دیکھ کر میں خوش تھی۔ پھر کیا ہوا؟'' حمی نے اپنے معصوم انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ اب وہ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

'' اونہہ تم اور تمہاری خوشی۔'' عفان استہزائیہ انداز میں ذرا بدگمانی سے ہنسا تو حمی تڑپ کر بولی۔

'' آپ کو مجھ پر شک ہے پلیز ایسا مت کہیں مجھ سے کوئی بدگماں ہو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ میں صرف آپ کیلئے آپ کی خاطر ان سب کے ساتھ ہنستی بولتی ہوں کیونکہ آپ کا ان سب سے مضبوط رشتہ ہے ورنہ میرے لئے بھی وہ کچھ نہیں ہیں۔ اگر آپ کا حکم ہوگا تو میں تو اس کمرے سے بھی باہر نہیں جاؤں گی مگر پلیز آپ اپنا دل میری طرف سے تو صاف کریں۔'' ساتھ ہی وہ رونا شروع ہوگئی وہ مزید جھنجلا اٹھا۔

'' تمہیں کیا ضرورت ہے میری خاطر سب کو چھوڑنے کی اپنی خاطر ہی تو وہ تمہیں اس گھر میں لائے ہیں جاؤ ان کے دل بہلاؤ۔'' اس نے تکیہ اٹھا کر دور پھینکا۔

'' آپ کیا جانتے نہیں ہیں کہ شادی کے بعد لڑکی کیلئے سب سے اہم اس کا شوہر ہوتا ہے باقی لوگ رشتے، تعلق سبھی غیر اہم ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا تو ہے کہ مجھے صرف آپ کی خوشی عزیز ہے۔ میں آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گی نہ آپ کے پاپا سے بات کروں گی نہ پھپھو سے اور نہ ہی آپ کے بہن بھائیوں سے لیکن پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں۔'' حمی اسے خوش کرنے کی خاطر بہت سوچ سمجھ کر بولی رہی تھی۔

'' میں نے تم سے یہ کہا ہے کہ تم پاپا سے بات مت کرو۔'' وہ یک دم چمک کر بولا تو حمی معصومیت سے پوچھنے لگی۔

'' تو پھر آپ مجھ سے ناراض کیوں ہو رہے ہیں میں سمجھی کہ شاید۔''

'' تم تو ہو ہی اسٹوپڈ اچھا اب آنسو تو صاف کرو، اپنے رف شکل دیکھو ذرا اپنی۔'' آنکھیں رگڑ کر صاف کرنے سے آئی لائنر اور مسکارا آنسوؤں کی وجہ سے پھیل کر نہ صرف آنکھوں کا حلیہ بگڑا گیا تھا بلکہ چہرے پر بھی پھیل گیا۔ اس کی شکل دیکھ کر باوجود غصے کے عفان سے ہنسی روکنی مشکل ہوگئی۔

'' کیا ہوا میری شکل کو..... اوہ۔'' اپنے ہاتھوں کی پشت دیکھ کر وہ بھی خجالت سے ہنس دی۔

'' جاؤ منہ دھو کر آؤ۔'' عفان کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ اسے نارمل دیکھ کر حمی کی بھی جان میں جان آئی۔

'' میں نہیں دھو رہی آپ نے مجھے رلایا کیوں۔'' حمی نے اک ادائے ناز سے کہا تو وہ مزید ہنس دیا۔ پھر مصنوعی خفگی سے بولا۔

'' جاؤ بھئی مجھے تم سے ڈر لگ رہا ہے۔''

'' کیا.....؟'' وہ حیرت سے چیخی پھر فوراً ہی خجل ہو کر باتھ روم میں جا گھسی۔

.....

عفان کے رویے سے وہ کافی محتاط ہوگئی تھی۔ وہ سب کے درمیان میں اس وقت بیٹھتی جب وہ نہیں ہوتا تھا اس کے آنے سے پہلے وہ کمرے میں موجود ہوتی تھی۔ ویسے کے فنکشن کے بعد عفان میں ایک تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ وہ یونیورسٹی کے بعد اپنے پاپا کے آفس جانے لگا تھا گھر سے بھی غائب رہنا چھوڑ دیا تھا۔ دوستوں کے ساتھ نکلتا بھی تو حمی کے علم میں ہوتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کس وقت واپس آئے گا۔ حمی پر سے بھی اس نے ہر پابندی ہٹا دی تھی۔ وہ پوری آزادی کے ساتھ حفصہ اور عثمان کے ساتھ وقت گزارتی تھی۔ اکثر ہی کسی نے کسی کی پسندیدہ ڈش بنانے کچن میں گھسی ہوتی۔

عفان خود بھی کبھی کبھی حمی کی وجہ سے سب میں آ بیٹھتا تھا البتہ وہ درمیان فاصلوں کو کم کرنے کیلئے کوئی تدبیر نہیں کرتا تھا۔ اس کا انداز بیگانگی لئے ہوئے ہوتا تھا۔ اسے صرف حمی سے مطلب ہوتا تھا کیونکہ وہ اس کے دل میں دھڑکنے لگی تھی اسی لئے وہ اس کی خاطر نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے کام کرنے لگا تھا۔

حسنین احمد تو اس کے رویے سے بے حد مطمئن ہو گئے تھے۔ وہ اسے ایسا ہی ذمہ دار اور فرمانبردار دیکھنا چاہتے تھے۔ جبکہ عمرانہ اپنی سرخروئی پر سکون محسوس کرتی تھیں۔ عفان اور حمی دونوں کے حوالے سے ان کی ذات کسی قسم کے اعتراض سے بری الذمہ ہو چکی تھی۔ عفان اور حمی دونوں نے ہی ان کا بھرم رکھ لیا تھا۔ وہ اپنے رب کی بے شکر گزار تھیں۔ جس نے انہیں معتبر بنایا تھا۔

.....

عثمان کا ایف ایس سی کا رزلٹ نکلا تھا اور حمی کا بھی دونوں ہی کی فرسٹ پوزیشن آئی تھی۔ عثمان بہت زیادہ خوش تھا اس لئے اس نے گھر پر ہی سب کو ایک پارٹی دینے کا اعلان کیا اور حمی کی خدمات حاصل کی تھیں انتظام کیلئے حمی نے بھی بلا چون چرا ہر ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

عثمان اسی کی ہدایت پر کچھ چیزیں بازار سے لینے گیا تھا اور کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ حمی اس کی واپسی میں تاخیر کی وجہ سے جھنجلاہٹ کے ساتھ فکرمندی کا شکار تھی۔ گھر پر ملازمین کے سوا کوئی نہیں تھا۔ عمرانہ کسی ملنے والی کی مزاج پرسی کو گئی ہوئی تھیں جبکہ حفصہ ابھی کالج سے نہیں لوٹی تھی۔ دل میں ہزاروں وسوسے جنم لے رہے تھے۔ تبھی عفان بھی یونیورسٹی سے گھر آ گیا آج وہ بھی معمول سے بہت پہلے آیا تھا اسے دیکھ کر حمی چونک کر پوچھنے لگی۔

'' آپ اتنی جلدی؟'' وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی۔

'' کیوں کیا میں جلدی۔'' اس کا چہرہ دیکھ کر عفان نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر فکرمندی سے پوچھا۔

'' کیا بات ہے اپنی پرابلم۔''

'' کہ..... کچھ نہیں میں تو ٹھیک ہوں۔'' حمی نے بمشکل تھوک نگلا۔

"مجھے تو تم ٹھیک نہیں لگ رہیں شکل دیکھو بارہ بج رہے ہیں۔ ادھر آؤ کیا بات ہے کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔" عفان نے ہمدردی سے اس کی کلائی تھام لی اور پھر اسے کرسی پر بٹھا دیا۔

"وہ عثمان بھائی کافی دیر سے بازار گئے ہیں مگر ابھی تک واپس نہیں آئے مجھے کچھ پریشانی اور گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے۔"

"اوہ تم تو بس میں سمجھا نجانے کیا بات ہے اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے ابھی آ جائے گا۔" عفان نے لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"عثمان بھائی کو گئے چار گھنٹے ہو گئے ہیں بائیک پر صرف پندرہ منٹ کا راستہ ہے۔ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے خدانخواستہ کہیں کوئی ایکسیڈنٹ تو۔"

"اوشٹ اپ۔" عفان نے کس جذبے کے تحت اسے بری طرح جھاڑ دیا۔ حمی کی آنکھوں میں روشنی سی کوندی۔ وہ اپنے بہن بھائیوں سے لاپروا نہیں تھا۔ ان کیلئے وہ کوئی فرضی بات بھی برداشت نہیں کر سکا تھا۔ حمی کے دل میں اطمینان سا اتر آیا۔ اس بار اس نے اپنے لہجے میں مزید فکرمندی بھری۔

"عثمان بھائی بہت فاسٹ بائیک چلاتے ہیں اور ٹریفک بھی کتنی ہوتی ہے سڑک پر۔ یا اللہ وہ خیریت سے آ جائیں پتا نہیں کہاں رہ گئے ہیں کبھی اتنی دیر تو نہیں لگائی مگر آج۔"

"اوہ آ جائے گا ابھی ہو سکتا ہے اسے اس کا کوئی دوست مل گیا ہو میرے اتنی جلدی آنے پر تمہیں کوئی فکر نہیں ہے اور۔"

"آپ کو کیا ہوا؟" وہ اس کیلئے بھی پریشان ہو گئی۔

"کچھ نہیں یار ہلکا سا سر میں درد ہے ایک کپ گرما گرم چائے ملے گی۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں آرام دہ کرسی پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا تو حمی فوراً بولی۔

"میں ابھی لاتی ہوں۔"

حمی کے وہم اسے بھی پریشان کر گئے تھے اس کے علاوہ اس گھر کا کوئی بھی لڑکا اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر نہیں گزارتا تھا۔ سب کی دوستیاں آپس میں تھیں اس لئے گھر سے باہر جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ حمی کے آنے پر اس نے اپنے پریشان خیالات جھٹک کر اس سے چائے کا کپ تھاما۔ پھر دوسرے ہاتھ سے اپنی جیب سے خوبصورت پیکنگ میں لپٹے دو ویئر پارکر پین اسے تھمائے۔

"ایک ویئر تمہارا ہے اور دوسرا عثمان کو دے دینا۔ تم دونوں کی فرسٹ پوزیشن آئی ہے ناں۔" حمی حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ عثمان کیلئے بھی وہ تحفہ لایا تھا یہ بہت بڑی بات تھی۔

"کیا بات ہے پسند نہیں آئے؟"

"نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں اتنا قیمتی تحفہ میرے لئے۔" وہ اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر پا رہی تھی، خوشی کے آنسوؤں سے آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"تمہارے لئے نہیں تو پھر کس کیلئے ہونا چاہئے تھا۔" عفان نے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھا وہ فوراً کرسی کا ہینڈل پکڑ کر بیٹھ گئی پھر اظہار ممنونیت سے گویا ہوئی۔

"تھینک یو ویری مچ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مجھے اتنی خوشیاں ملیں گی آپ میرا اتنا خیال رکھتے ہیں۔" تشکر کے بھرپور احساس سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"افوہ یہ کیا تمہیں پتا ہے نا کہ مجھے رونا پسند نہیں ہے خصوصاً تمہارا۔"

"میں کب رو رہی ہوں یہ تو خوشی کے آنسو ہیں جو آپ کی محبت نے مجھے دیئے ہیں۔" حمی بھرپور انداز میں مسکرائی تو عفان نے اس کے چہرے پر بکھری لٹ کو زور سے کھینچ کر مصنوعی خفگی سے پوچھا۔

"میری محبت تمہیں آنسو دیتی ہے۔"

"نہیں خوشی دیتی ہے۔" وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ ذہن میں پھر سے عثمان متعلق خدشات امڈ آئے تھے۔

"ویسے میں تمہارے لئے ایک اور چیز بھی لایا ہوں۔"

"کیا چیز؟" حمی نے تجسس سے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ بیڈ پر دو پیکٹ نظر آئے۔ جسے وہ پہلے دیکھ نہیں سکی تھی۔ اس سے پہلے بیڈ کی طرف بڑھتی عفان خالی کپ میز پر رکھتا ایک جست میں دونوں پیکٹ اٹھا لایا۔

"دونوں میرے لئے ہیں؟" حمی نے شوق و تجسس سے پوچھا۔ عفان کے لبوں پر شریر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"ہاں ہیں تو تمہارے لئے مگر ابھی نہیں ملیں گے رات کو۔"

"کیوں ابھی کیوں نہیں ہیں کیا اس میں۔"

"سرپرائز ہے اچھا یہ لو۔" عفان نے اس کی چمکتی آنکھوں پر نثار ہوتے ہوئے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا جس میں حمی نے بہت بے صبری سے ایک ریڈی میڈ سوٹ برآمد کیا۔ سی گرین اور پرپل احزاز موتیوں اور رنگین دبکے سے مزین سوٹ اپنی اہمیت کا احساس دلا گیا۔ عفان کی محبت کا احساس روز افزوں بڑھ رہا تھا۔ سارے خدشات رفتہ رفتہ دم توڑ گئے تھے۔ اسے سب کی محبت کے ساتھ ساتھ عفان کی بھرپور چاہت بھی میسر آ گئی تھی۔

"اور اس میں کیا ہے؟" سوٹ اپنے ساتھ لگا کر دیکھتے ہوئے حمی نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے ڈبے پر ڈال کر پوچھا۔

"یہ ابھی نہیں یہ رات کو ہی ملے گا۔"

"کیوں ابھی دکھائیں ناں۔" وہ بچوں کی طرح مچل گئی۔ عفان کی آنکھیں شرارت سے مسکرا رہی تھیں۔

"یار کچھ تو ایسا رہنے دو جسے میں سب کے سامنے تمہیں گفٹ کر سکوں۔"

"وہ میں بعد میں پیک کر دوں گی ابھی مجھے دکھائیں اور میرے لئے کیا لائے ہیں۔" حمی بچوں کا سا شوق لئے اس سے ضد کر رہی تھی۔

"اچھا چلو پھر گیس کرو کہ اس میں کیا ہو گا؟"

'سوٹ تو مل گیا ہے اس میں ضرور بیگ ہوگا۔"

"نہیں۔" عفان نے فوراً جواب دیا۔ حمی سوچ میں پڑ گئی ریپر میں لپٹے ڈبے کا سائز کافی بڑا سا تھا۔ اس لئے جیولری وغیرہ تو ہو نہیں سکتی تھی۔

"بکس ہیں؟"

"نیور۔" وہ زچ سی ہوگئی۔

"پلیز آپ خود ہی بتا دیں مجھ سے گیس نہیں ہوگا پزل اور کوئز وغیرہ میں شروع سے ہی نالائق ہوں۔" حمی نے جلد ہی ہار مان لی۔

"کوشش تو کرو۔"

"میں جانتی ہوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

"اچھا پھر پرامس کرو جو بھی میں دوں گا خاموشی سے لو گی شور بالکل نہیں کرو گی۔"

"میں نے پہلے کب شور مچایا ہے۔" حمی کا شوق پھر سوا ہو گیا۔ عفان نے لب دبا کر اپنی مسکراہٹ روکی اور ڈبہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

حمی نے فوراً ہی اس سے ڈبہ پکڑ کر اس کی پیکنگ اتارنے کی کوشش کی۔ اسے اس وقت دھن سوار تھی کہ آخر عفان اس کیلئے کیا لے کر آیا ہے اس لئے مزید کسی اظہار کے بغیر اس نے کھڑے کھڑے ہی ڈبہ کھول لیا اور پھر وہ برآمد ہونے والی چیز دیکھ کر چیختی ہی چلی گئی۔ اس میں ریڈ کا بھیانک فیس ماسک تھا ڈبہ فوراً ہی اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا تھا اور وہ اندھا دھند عفان کی طرف بھاگی۔ اس کی حالت عفان کیلئے غیر متوقع تھی۔ وہ اسے اس قدر ڈرپوک نہیں سمجھتا تھا۔ اس سے لپٹ کر کھڑے ہونے کے باوجود حمی کی حالت نہیں سنبھلی تھی۔ وہ مسلسل لمبے لمبے سانس کھینچ رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں عفان کو اپنے پورے وجود میں دھڑکتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی حالت دیکھ کر عفان نے اسے مزید خود میں سمویا۔

"کچھ نہیں ہوا اپنی سنبھالو خود کو۔"

"عفان وہ خون۔" اس کی نظروں میں خون آلودہ بھیانک چہرہ آ سمایا تھا۔ آواز بھی پھولے سانس کی وجہ سے ناہموار ہو رہی تھی۔ عفان اسے اس قدر ہراساں دیکھ کر خود سے ہی شرمندہ ہوا۔

"پاگل ہو بالکل اسٹوپڈ وہ فیس ماسک ہے۔" عفان نے اسے ہمت دلانے کی کوشش کی۔

"مگر وہ خون شکل۔" حمی نے اپنے پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہا لیکن ہمت نہیں پڑی۔ مضبوطی سے اسے پکڑ کر پھر سے سینے میں چہرہ چھپا لیا۔

"یار وہ آرٹی فیشل چیز ہے جسے تم خون سمجھ رہی ہو وہ پینٹ ہے اچھا ہٹو مجھے چھوڑو میں اٹھا کر رکھتا ہوں۔" عفان نے اسے خود سے الگ کرنا چاہا اس نے بھی اس کا گریبان مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ دل ابھی تک اپنے معمول پر نہیں آیا تھا۔ پورا وجود پسینے میں شرابور ہو چکا تھا اسے لگ رہا تھا کہ آج اس کا دل بند ہو جائے گا۔ تبھی فون کی بیل بھی چیخ اٹھی۔ وہ مزید ہراساں ہو گئی۔

"حمی بہادر بنو میں نے تو صرف ایک مذاق کیا تھا تم کو منع بھی کیا تھا کہ مت دیکھو مگر تم اچھا پلیز مجھے

چھوڑو دیکھو بیل ہو رہی ہے مجھے فون سننے دو۔" بیل مسلسل بج رہی تھی۔

"اگر میں مر جاتی میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔" وہ بے بسی سے رو دی۔

"کیسے مر جاتیں؟ میں نہیں ہوں۔ چلو ہٹو فون تو سننے دو ناں۔" عفان نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے جیب سے رومال نکال کر خود اس کا چہرہ صاف کیا۔

"آئندہ مجھ سے ایسا مذاق مت کیجئے گا ورنہ میں واقعی مر جاؤں گی۔" وہ سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔

"میری توبہ پلیز سوری می۔" عفان نے عملی طور پر بھی دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے پھر فون اٹھانے بڑھ گیا۔ وہ مسلسل سسکیاں لیتی ہوئی اسی کی طرف متوجہ تھی۔ عفان کے تاثرات یک دم بدلے تھے حمی اپنا رونا بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ کئی خدشات اس کے ذہن میں پھر سے سر اٹھانے لگے تھے۔ نجانے کس کا فون تھا جس سے عفان کے چہرے سے پریشانی چھلک رہی تھی۔

وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے مڑا۔ میز پر رکھی اپنی بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے اس کی نظر پھر سے فیس ماسک پر پڑی جسے اس نے جلدی سے اٹھا کر ڈبے میں بند کیا۔ اور پھر ڈبہ لے جا کر اپنی وارڈ روب میں بند کر دیا۔ وہ بنا بتائے کمرے سے نکلنے لگا تو حمی جیسے جاگ اٹھی۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں کس کا فون تھا؟" عفان نے چونک کر اسے دیکھا۔ کچھ لمحوں میں ہی اس کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ ہسپتال سے فون تھا عثمان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اس کی حالت کافی سیریس تھی۔ یہ خبر سنتے ہی اس کے حواس منتشر ہو گئے تھے۔ اس لئے اسے حمی کی پریشانی کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔

"سنو مانی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اسے کافی چوٹیں آئی ہیں اس لئے۔"

"کیا.....؟" حمی کو شدید جھٹکا لگا۔

"کیسے.....؟"

"پلیز حمی کنٹرول یور سیلف میں ہسپتال جا رہا ہوں ماما آئیں تو انہیں فوراً کچھ نہیں بتانا انڈر سٹینڈ۔"

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔" حمی کو جیسے ہی اپنی سماعت پر اعتبار آیا فوراً چلنے کیلئے ضد کی۔

"پاگل ہو گئی ہو تم میں اتنا حوصلہ ہے ابھی تک اپنی کم ہمتی کا مظاہرہ کر چکی ہو۔ آرام سے یہاں بیٹھو۔" عفان نے سنجیدگی سے اسے ڈپٹا تو وہ رونے لگی۔

"مگر میں یہاں اکیلی، مجھے پریشانی رہے گی۔"

"اکیلی کہاں ہو تم بی بی ہے زہرا ہے اور پھر حفصہ بھی آتی ہو گی میں ہسپتال پہنچ کر فون کر دوں گا۔ اینڈ لسن یو یہاں تم پریشانی نہیں پھیلاؤ گی ورنہ۔" عفان نے اسے سمجھایا تو وہ بے بسی سے بولی۔

"اب کیا ہو گا آج تو مانی بھائی نے پارٹی ارینج کی تھی۔"

"تمہیں پارٹی کی پڑی ہے دعا کرو وہ بچ جائے اسے زیادہ چوٹیں نہ آئی ہوں۔ ورنہ ماما تو۔" عفان کو خود بھی اپنی کیفیت سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

''کیا بہت سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔'' حمی سے اپنے آنسو روکنے مشکل ہو رہے تھے اس کا بس چلتا تو وہ بھی عفان کے ساتھ ہی چل پڑتی مگر عفان کے غصے سے بھی ڈر لگتا تھا۔

''فار گاڈ سیک حمی اس طرح روؤ گی تو دوسروں کو کیسے سنبھالو گی۔ اگر اب تم روئی ناں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ مزید شدت سے رو دی۔

'میں انسان ہوں پتھر تو نہیں ہوں مجھے تکلیف ہوگی تو مجھے رونا تو آئے گا ناں۔'' حمی نے بہت جرأت سے اسے جواب دیا۔ عفان اس کی حالت کے پیش نظر پلٹ کر اس کے قریب آیا اس کا سر پھیر اتھپتھپا کر تسلی دی۔

''دیکھو حمی تمہارے رونے سے تمہاری تکلیف تو کم ہو جائے گی اور مجھے جو تکلیف ہوگی تمہارے رونے سے اس کا اندازہ ہے اچھا پلیز اب چپ ہو جاؤ رونے کے بجائے اس کیلئے دعا کرو انشاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا اب میں جاؤں۔' حمی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے آنسو بھی پونچھے۔

''سنئے آپ احتیاط سے گاڑی چلائیے گا۔''

''ڈونٹ وری۔'' وہ بنا مڑ کر دیکھے کمرے سے چلا گیا۔ اسے خود خبر نہیں تھی کہ وہ کس طرح ہسپتال پہنچا ہے اور پھر کس طرح عثمان کے بارے میں معلومات لی تھیں۔ عثمان کا بہت خطرناک قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ سر میں بھی شدید چوٹ لگی تھی۔ کافی خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کیلئے خون کی اشد ضرورت تھی۔

حسنین احمد کو اس نے آفس میں فون کیا تو وہ گھر کیلئے نکل چکے تھے۔ اس وقت عفان کی حالت قابل دید تھی۔ بھائی کی محبت اس کے جسم کے لہو کے قطرے قطرے میں جوش مار رہی تھی۔ آنکھوں کی بینائی میں صرف بھائی کو زندہ سلامت دیکھنے کی پیاس تھی۔ اس کی خاطر اس نے اپنا خون بھی مہیا کر دیا تھا تاکہ وہ زندگی کی طرف لوٹ سکے۔ خون کی دو بوتلیں دے کر وہ ڈاکٹر سے بڑی آس سے پوچھ رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب میرا بھائی بچ تو جائے گا ناں۔''

''انشاء اللہ آپ دعا کریں اور ہاں ہو سکتا ہے مزید خون کی ضرورت پڑ جائے آپ انتظام کر رکھیں۔''

''آپ میرا بلڈ اور لے لیں مگر پلیز۔'' وہ ایک دم جذباتی ہو گیا۔ ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ گھر میں سے اسے کوئی اس طرح دیکھ لیتا تو حیران رہ جاتا۔ اپنی گیند یا بیٹ کسی کو ہاتھ نہ لگنے دینے والا آج اپنے جسم کا خون بے دریغ دینے پر تیار تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے جذبے کو سراہتے ہوئے اسے تسلی دی۔

''بی ریلیکس بوائے بے شک آپ کے بھائی کا بلڈ گروپ نایاب ہے پھر بھی آپ بلڈ بینک سے معلوم کر لیں یا پھر اپنی فیملی میں کنفرم کر لیں۔ اب ہم ایک کی زندگی کیلئے دوسرے کی زندگی تو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔ جائیے گاڈ بلیس یو۔'' ڈاکٹر نے بہت پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

عثمان کا بلڈ گروپ او نیگیٹو تھا اور عفان کا بھی یہ تھا۔ اس نے باہر آ کر موبائل پر گھر کا نمبر ملانا شروع

کر دیا۔

.....

حسنین احمد اور عمرانہ اکٹھے ہی گھر میں داخل ہوئے تھے۔ حفصہ بھی کالج سے آ چکی تھی جبکہ حمی کمرے میں ہی تھی۔ عفان نے چونکہ اسے سختی سے منع کیا تھا اس لئے وہ اندر ہی بیٹھی آنسو بہاتی دعائیں مانگ رہی تھی۔ آج حسنین احمد کا سب کے ساتھ لنچ کا پروگرام تھا۔ حمی کو ڈائننگ روم میں نہ دیکھ کر وہ خود ہی اس کے کمرے میں بلانے چلے آئے۔ پیچھے عمرانہ بھی تھیں وہ گھٹنوں میں چہرہ پھنسائے سسک رہی تھی۔ دونوں خاموشی سے اس کی طرف بڑھے۔

''حمی بیٹا کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو۔'' عمرانہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر سیدھی ہو گئی اور پھر اپنا چہرہ غیر ارادی طور پر صاف کرنے لگی۔

''کسی نے کچھ کہا ہے۔'' حسنین احمد نے سنجیدگی سے استفسار کیا تو وہ گڑبڑا کر گردن نفی میں ہلانے لگی۔ بولنا محال ہو رہا تھا۔

''عفان ابھی نہیں آیا؟''

''وہ آئے تھے پھر چلے گئے ہیں۔' حمی نے بمشکل سسکی روکی۔

''وہی کچھ کہہ گیا ہے کیا؟'' عمرانہ نے تشویش سے پوچھا۔

''نہیں۔'' انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔

''پھر اس طرح کیوں رو رہی ہو اگر اس نے کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ میں اسے ڈانٹوں گا تمہیں اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' حسنین احمد اس کے اس طرح رونے سے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ اس لئے اسے بچوں کی طرح چمکارتے ہوئے پوچھا۔

''ریئلی پاپا انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا نہ ہی کبھی مجھے ڈانٹا ہے وہ تو۔'' وہ خود کو سنبھالتے سنبھالتے بے قابو ہو گئی ذہن میں عجیب سے وہم و گمان آ رہے تھے۔

''حمی کیا ہوا ہے اگر عفان نے کچھ نہیں کہا تو پھر کس نے کہا ہے کیا حفصہ یا عثمان۔'' عمرانہ کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ حمی بری طرح رونے لگی اور اسی وقت فون کی گھنٹی بھی چیخ اٹھی۔ وہ یک دم ہراساں ہو کر عمرانہ سے لپٹ گئی۔ عمرانہ کی چھٹی حس نے جیسے کسی انہونی کا پتہ دیا۔

''حمی خدا کیلئے بتاؤ کیا بات ہے؟'' عمرانہ کو اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔ حسنین احمد بڑھ کر فون ریسیو کرنے لگے تھے۔ عفان نے انہیں جو خبر سنائی تھی اس سے ان کے پیروں تلے سے زمین بھی کھسک گئی تھی۔ ان کے صدمے سے چور لہجے پر وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ٹھٹک گئیں۔

''ڈونٹ وری مائی سن میں سلیمان کو لے کر ہسپتال پہنچ رہا ہوں۔'' نجانے انہوں نے کیسے عفان کو تسلی دی تھی۔ ریسیور رکھ کر مڑے تو عمرانہ نے پریشانی سے استفسار کیا۔

''کس کا فون تھا کون ہے ہسپتال میں؟'' حسنین احمد نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''میں آ کر بتاتا ہوں تم پریشان مت ہونا خود کو اور حمی کو سنبھالو۔'' حسنین احمد کی سمجھ میں نہیں آ رہا

تھا کہ اس حقیقت کو کیسے آشکار کریں۔

''کیا ہوا ہے پلیز حسنین بتائیں کون ہے ہسپتال میں کیا عفان؟'' عمرانہ کی زبان سے لفظ ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔ ان کا دل جس انداز میں دھڑک رہا تھا وہ ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ حسنین احمد سے بھی ان کا رنگ بدلتا چہرہ دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ عثمان کے ایکسیڈنٹ کی خبر ان کیلئے کسی قیامت سے کم نہ ہوگی مگر اس قیامت کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔ وہ یہ خبر چھپا ہی نہیں سکتے تھے۔

''سنو عمرانہ خود کو سنبھالو اور حوصلے سے سنو عثمان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے میں سلیمان کو لے کر ہسپتال جا رہا ہوں تم لوگ دعا کرو کہ۔'' حسنین احمد کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔ نوجوان بیٹے کو زخمی حالت میں دیکھنے کا انہیں یارا نہ تھا۔

''کیا.....؟'' ان کی چیخ سے در و دیوار ہل گئے حمی ان سے لپٹی کھڑی نہ ہوتی تو وہ یقیناً دھڑام سے گر جاتیں۔ حفصہ بھی حمی کے کمرے کے دروازے میں سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔ ماں کی حالت دیکھ کر روتی ہوئی ان کے قریب آ گئی اور پھر اس نے ماں کو سنبھالا۔ حمی روتی ہوئی حسنین احمد سے مخاطب ہوئی۔

''پاپا مجھے بھی ہسپتال لے چلیں پلیز پاپا۔'' تینوں ہی رو رہی تھیں عمرانہ کی تو حالت ہی عجیب تھی۔ کچھ کہنے کے بجائے روئے جا رہی تھیں۔

''خدا کیلئے عمرانہ حوصلے سے کام لو وہ ابھی زندہ ہے بند کرو یہ رونا۔'' حسنین احمد سے ان کا رونا دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ بے بسی کے شدید احساس سے مغلوب ہو کر وہ یک دم چیخ کر بولے۔ تو جیسے عمرانہ کو بھی ہوش آ گیا۔ وہ بھی پھٹ پڑیں۔

''حسنین میرا بیٹا وہاں تڑپ رہا ہوگا اور آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں روؤں بھی نا میں اس کی ماں ہوں ماں۔''

''ٹرائی ٹو انڈر سٹینڈ میرا وہاں پہنچنا کتنا ضروری ہے اس بات کا احساس ہے؟''

''تو پھر مجھے بھی لے چلیں میں اسے ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''میں جا کر تمہیں فون کرتا ہوں۔ انشاء اللہ وہ ٹھیک ہوگا۔'' حسنین احمد نے تسلی دینا چاہی تو وہ ضدی لہجے میں بولیں۔

''کچھ بھی ہو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی ورنہ میں یہاں مر جاؤں گی۔'' عمرانہ اپنی ممتا سے مجبور تھیں۔

''پلیز پاپا پھپھو کو حوصلہ دیں ہمیں لے چلیں ہم وہاں بیٹھ کر دعا کریں گے۔ پھپھو عثمان بھائی کو دیکھ لیں گی تو انہیں سکون مل جائے گا۔''

''ہاں پاپا ہم سب چلیں گے۔'' حفصہ کی آواز گھٹ رہی تھی۔ رنگت زرد پڑ گئی تھی اسے عثمان سے محبت بھی بہت زیادہ تھی۔ حسنین احمد جیسے ہار گئے۔

''چلو جلدی کرو عفان کہہ رہا تھا مزید بلڈ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' وہ انہیں اپنے ہمراہ لے کر ہسپتال آ گئے۔ سلیمان کو انہوں نے فون کر دیا تھا۔ حسنین احمد کا انتظار کرتے کرتے وہ بلڈ بینک کے کئی

چکر لگا چکا تھا۔ بدقسمتی سے اس روز وہ نایاب گروپ بالکل ہی ناپید ہو گیا تھا۔ مجبوراً منت سماجت کے بعد اس نے اپنی رگوں سے ایک بوتل مزید کشید کروائی تھی۔ وہ سب جس وقت پہنچے بلڈ دے رہا تھا عمرانہ اسے بیڈ پر لیٹا دیکھ کر دیوانہ وار بڑھیں۔

''عفی عثمان کیسا ہے؟''

''انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' بلڈ بیگ بھرتے ہی وہ اٹھ بیٹھا۔ نقاہت و کمزوری کی وجہ سے آنکھوں کے آگے اندھیرے کا جالا سا پھیل گیا تھا۔ جیسے اس نے آنکھیں جھپک جھپک کر ہٹانے کی کوشش کی۔ حمی اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتے ہی آگے بڑھی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟''

''یس آئی ایم آل رائیٹ۔'' اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور اپنی ہمت جمع کر کے حسنین احمد کے قریب گیا اور انہیں ایک طرف لے جا کر بولا۔

''پاپا آپ کو انہیں نہیں لانا چاہئے تھا۔''

''کیوں؟ عثمان تو۔'' حسنین احمد کا لہجہ لڑکھڑا گیا۔

''ڈونٹ وری پاپا ہی از لائیو وہ ٹھیک ہو جائے گا میں ماما کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔ اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور سر میں بھی کافی چوٹیں ہیں ماما شاکڈ نہ ہو جائیں اسے دیکھ کر۔''

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟''

''پاپا ڈاکٹر تو ابھی آپریشن تھیٹر میں ہے آپ بالکل فکرمند نہ ہوں۔ اب کوئی پریشانی نہیں ہے میں نے اسے بلڈ دے دیا ہے وہ جلد امپروو کرے گا۔ بس دعا کریں۔''

حسنین احمد بیٹے کا لہجہ اس کا انداز دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے یہ تو ایک بالکل نیا عفان تھا۔ ان کے اندر جیسے توانائی سی بھر گئی۔ انہیں ایک طرف کھڑا دیکھ کر عمرانہ کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔ وہ ان کی جانب لپکیں تو حمی بھی انہیں تھامے آگے بڑھی۔

''تم لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو بتاؤ میرا عثمان کیسا ہے؟'' تڑپ، بیقراری اور اضطراری ان کے روئیں روئیں سے آشکار ہو رہی تھی۔ عفان کے دل میں پہلی بار ان کیلئے انوکھا احساس پیدا ہوا۔ جس سے مغلوب ہو کر وہ تمام فاصلے مٹاتا ہوا عمرانہ کی طرف بڑھا اور پھر اپنے مضبوط بازوؤں میں ان کا بکھرتا وجود سمیٹا۔

''ماما عثمان ٹھیک ہو جائے گا آپ پریشان نہ ہوں وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا پلیز آپ روئیں نہیں آپ کے رونے سے وہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ آپ کی دعا اسے صحت یاب ہونے میں مدد دے گی۔''

اپنائیت و محبت بھرے لہجے کی تسلی سن کر عمرانہ حیرت سے گنگ رہ گئیں، جن فاصلوں کو سمیٹنے میں وہ اتنی تگ و دو کے باوجود ناکام ہو چکی تھیں آج ختم ہوئے بھی تھے تو کس موقع پر وہ اپنے ہونے کا احساس دلاتا ٹھنڈک بن کر دل میں اترتا چلا گیا۔ اس کا وجود ڈھال کی مانند انہیں سہارا دے گیا تھا۔

''پلیز ماما۔''

وہ ایک جوان بیٹے کی مضبوط بانہوں میں بکھر گئی تھیں۔

''بلیوی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اس کا شکرہ ادا کریں عثمان کی جان بچ گئی ہے۔ زخم تو بھر ہی جاتے ہیں آخر۔'' اس کی آواز اس کی تسلی ٹانک بن کر عمرانہ کے رگ و پے میں اترنے لگی۔ حسی فاصلے پر کھڑی اشک بہانے میں مصروف تھی۔ عفان نے ایک نظر اسے دیکھ کر ذرا رعب سے اسے پکارا۔

''حسی۔'' وہ آنسو پونچھتی قریب آ گئی۔

''ماما کو سنبھالو۔''

''پلیز ماما آپ بھی حوصلہ کریں۔'' قریب کھڑی حفصہ کو بھی اس نے بازو کے گھیر میں لے کر تسلی دی۔ حفصہ اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''بھائی وہ ٹھیک ہو جائے گا ناں؟'' اسے بھی جیسے عفان کے یقین دلانے کی ضرورت تھی۔ سلیمان جس وقت کوریڈور میں داخل ہوا تو اسے پہلا منظر ہی حیران کر گیا۔ اس کی ماما اور حفصہ عفان کی بانہوں کی پناہوں میں سمٹی کھڑی تھیں۔ سلیمان کو دیکھتے ہی عفان نے عمرانہ کو حسی کی طرف منتقل کرتے ہوئے انہیں سنبھالو والی نظروں سے دیکھا اور پھر بڑی اپنائیت سے اس نے سلیمان کا بازو تھاما۔

''تم ادھر آؤ یار۔'' وہ نہیں چاہتا تھا کہ سلیمان سے مل کر عمرانہ ایک بار پھر بکھر جائے۔ سلیمان بے چینی سے سوالات کر رہا تھا اور عفان جواب دیتا جا رہا تھا۔

''تم نے اتنا بلڈ کیوں دیا ہے تم مجھے بلا لیتے پاپا تھے میں انتظام کر سکتا تھا۔''

سلیمان کو خود ہی اپنے لہجے کی فکرمندی کا احساس ہوا۔ فاصلے یک دم کیسے مٹے تھے اپنائیت نے دوریوں کے خلا کو کیسے پُر کر لیا تھا وہ بھی حیران تھا۔

''وقت نہیں تھا اور پھر مانی کی زندگی کیلئے ضروری تھا کہ۔''

عفان نے لب بھینچ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ وائٹ ہاؤس والے سبھی چلے آ رہے تھے۔ عثمان سبھی کا لاڈلا تھا پھر آج تو اس نے سب کو انوائیٹ کر رکھا تھا۔ اب وہ پٹیوں اور پلاسٹر میں جکڑا بے ہوش پڑا تھا۔ اسے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ سب بڑے اور کزنز اسے دیکھ کر بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ ہسپتال کے عملے کی بار بار وارننگ پر عفان اور سلیمان نے انہیں خصوصاً خواتین اور لڑکیوں کو گھر جانے پر مجبور کیا۔ بلکہ حسنین اور سلیمان تو عفان کو بھی گھر جانے کیلئے کہہ رہے تھے۔ سلیمان کو اس کے چہرے پر پھیلے نقاہت کے احساس نے کہنے پر اکسایا تھا۔ وہ اس کے کندھے پر بازو پھیلائے برادرانہ استحقاق سے کہہ رہا تھا۔

''بھائی تمہیں گھر جانا چاہئے تمہیں بھی آرام کی ضرورت ہے میں اور شایان یہاں ہیں تم صبح آ جانا۔'' سلیمان کے دل میں بھی اس کی محبت خود بخود امڈ آئی تھی۔ عفان نے عالم تحیر میں اسے دیکھا۔ اس نے ہمیشہ سلیمان کی نظروں میں اپنے لئے تمسخر دیکھا تھا اور آج انہی نظروں میں عقیدت و احترام کے ساتھ محبت بھی نظر آ رہی تھی۔ سبھی اس کے طرز عمل کو دل میں سراہ رہے تھے۔ آنکھوں سے داد دے رہے تھے۔ اپنے لئے یہ جذبات اور ایسی محبتیں اس نے کب دیکھی تھیں۔ یا پھر ہمیشہ سے سب ایسے ہی تھے وہ

ہی لاتعلقی کی چادر اوڑھے بیگانگی کے راستے پر چل رہا تھا۔

''سلیمان ٹھیک کہہ رہا ہے عافی تم گھر چل کر آرام کرو کچھ کھاؤ پیو تاکہ تم اپنی انرجی گین کر سکو۔ یہاں سب ہیں۔''

حسنین احمد نے تائیداً کہتے ہوئے اس کے مضمحل اور تھکن سے چور چہرے پر نگاہ ٹھہرائی۔ ڈاکٹر نے عثمان کے بارے میں تسلی دے دی تھی۔ اب کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا اسے ٹریٹمنٹ دی جا رہی تھی۔ ویسے بھی اسے اٹھارہ گھنٹے سے پہلے ہوش نہیں آنے والا تھا۔

''جب سب ہی یہاں ہیں تو میں کیوں جاؤں گھر۔''

وہ زچ ہو کر ذرا ضد سے بولا تو عمرانہ اس کے قریب آ گئیں۔ ڈاکٹرز کی تسلی پر وہ بھی خود کو سنبھال چکی تھیں اور اب وہ عفان کیلئے فکرمند ہوئی جا رہی تھیں۔ عفان نے عثمان کو بروقت خون مہیا کر کے جیسے انہیں بے مول خرید لیا تھا۔

''میں چل رہی ہوں تمہارے ساتھ بیٹا مجھے تمہاری صحت بھی عزیز ہے آؤ حسی حفصہ۔'' عمرانہ نے بہت حوصلے سے کام لیا تھا اور انہیں ساتھ لئے گھر آ گئی تھیں۔ دل تو عثمان میں ہی اٹکا ہوا تھا ان کی ممتا ایک بیٹے کے زخموں سے چور چور ہو رہی تھی تو دوسرے بیٹے کی محبت ان زخموں پر مرہم رکھ رہی تھی۔ برسوں کا کھنچاؤ اور فاصلے جس طرح ختم ہوئے تھے۔ وہ انہیں دوبارہ اپنے اور عفان کے درمیان نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

گھر کے سبھی ملازمین بھی بے چین تھے۔ اور عثمان کی خیریت کیلئے دعا گو تھے عمرانہ کو اپنے لئے فکرمند دیکھ کر عفان پگھلا جا رہا تھا۔ جب وہ اس کے کمرے میں خود اوولٹین ملا دودھ دینے آئی تھیں۔ پھر وہ موم بن کر پگھل گیا۔ برسوں سے مچلتے احساس ندامت کو اشکوں کی زبان مل گئی تھی۔

''ماما۔'' عفان نے بے اختیار ہو کر ان کا ہاتھ تھاما۔

''ماما پلیز مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کو بہت دکھ دیئے ہیں۔ میں نے واقعی آپ کو سمجھنے میں غلطی کی اسی لئے مجھ سے غلطیاں ہوتی چلی گئیں۔ میں بہت برا ہوں ماما مجھے معاف کر دیں پلیز۔''

وہ بالکل بچوں کی طرح اظہار ندامت کرتے ہوئے رونے لگا۔ حسی جو وضو کرنے باتھ روم میں گھسی تھی اس کی آواز سن کر جلدی سے باہر نکل آئی۔ عمرانہ کی گود میں سر رکھے وہ بے اختیار ہوا جا رہا تھا۔ یہ منظر حسی کیلئے بڑا خوش کن تھا۔ ان قربتوں کیلئے اس نے کتنی دعائیں مانگی تھیں۔

''نہیں بیٹا تم برے نہیں ہو تم نے وہی دیکھا جو تمہیں دکھایا گیا اور جو تمہیں بتایا گیا غلطی میری بھی ہے میں نے آگے بڑھ کر کیوں ناں تمہیں حقیقت کا روپ دکھا دیا۔ تمہارے خدشات نہ مٹا دیئے ہم تم سے جدا نہیں تھے نہ ہیں تم ہی مجھے غیر سمجھتے رہے ورنہ خدا گواہ ہے تم مجھے عثمان' سلیمان جیسے پیارے ہو تمہارے دکھ مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ میں نے تمہارے لئے نہ غلط انداز میں کبھی سوچا اور نہ ہی میں نے تمہارے لئے کبھی غلط کرنے کی کوشش کی، مگر تمہاری بدگمانیاں حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکیں۔'' عمرانہ بھی جیسے دل ہلکا کر رہی تھیں۔

''مجھے احساس ہے میری وجہ سے تم ایک بڑی ذمہ داری اٹھانے کیلئے وقت سے پہلے مجبور کر دیئے گئے تھے، لیکن عافی بیٹا یقین کرو اس میں میری کوئی سازش یا غرض نہیں تھی۔ میری مجبوری تھی۔ حمی سے محبت اسے اکیلے چھوڑ دینے کیلئے تیار نہیں تھی۔ بس شاید یہی پہلی ناانصافی تمہارے حق میں مجھ سے دانستہ سرزد ہوگئی تھی، اس کیلئے تم مجھے معاف کر دینا۔''

عمرانہ کے دل کا بوجھ بھی آنسوؤں کی صورت ہلکا ہونے لگا، عفان تڑپ کر سیدھا ہو گیا۔

''ماما آپ تو نہ روئیں میں نے حمی کے حوالے سے کبھی کسی سے شکایت نہیں کی۔ میں نے پاپا کا فیصلہ دل سے قبول کیا ہے۔ اسی لئے میں اس کے ساتھ اپنی لائف شیئر کر رہا ہوں، ورنہ دوسری صورت میں تو۔'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ نظروں کے سامنے حمی کا دھلا چہرہ تھا۔

''ماما شاید حمی کے وجود نے ہی مجھے اپنوں کی محبتوں کا احساس دلایا ہے۔ اگر حمی میری زندگی میں نہ آئی ہوتی تو شاید میں اسی راستہ پر ہوتا، جہاں میں اپنوں کے درمیان بھی بیگانہ سا تھا۔'' عفان کے متوازن لب و لہجے پر عمرانہ نے سرخروئی محسوس کرتے ہوئے قریب کھڑی حمی کو دیکھا۔ تشکر سے ان کی آنکھیں پھر چھلک پڑیں۔ عفان کی لاابالی فطرت سے وہ بہت ہراساں تھیں۔ ان کے درمیان خوشگوار تعلقات دیکھنے اور محسوس کرنے کے باوجود انہیں ہر وقت دھڑکا لگ رہا رہتا، کہ کہیں کسی روز عفان کی رنگ بدلتی فطرت حمی کی ذات سے کوئی انتقام نہ لے لے۔ آج عفان کے اعتراف ممنونیت پر ان کے سارے خدشات اپنی موت آپ مر گئے تھے۔

''پھپھو اب تو نہ روئیں اب سب ٹھیک ہو گیا ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔'' حمی کی تسلی پر انہوں نے اٹھ کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر پیشانی چومی۔

''ہاں بیٹا سب ٹھیک ہو گیا ہے، اللہ کا شکر ہے سدا خوش رہو، آباد رہو، تمہاری آمد بڑی بابرکت ہے، اماں جان مجھے تمہاری صورت میں بہت قیمتی تحفہ دے کر گئی ہیں۔'' وہ اسے محبت سے لپٹائے کہہ رہی تھیں اور عفان انہیں دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا، اس کی روح کیسی ہلکی پھلکی ہو گئی ہے، پہلی بار اسے ممتا کا بھرپور احساس ملا تھا، جو شہد آگیں سرور بن کر اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا اور حمی کی محبت دل میں سکون بن کر دھڑک رہی تھی۔

حمی کا وجود اس کیلئے زیست کا سفر آسان بنا گیا تھا۔ ورنہ وہ تو تنہا اکیلا خاردار راستوں میں الجھتا چلا جا رہا تھا۔ زندگی سے وابستہ ہر رشتے کی اہمیت کا احساس تو اسے حمی کے ملنے کے بعد ہی ہوا تھا۔ حمی سے ملاپ کے بعد ہی تو زندگی رخ پلٹ کر اصل تصویر کے روپ میں سامنے آئی تھی، ورنہ وہ تو اندھیرے میں بھٹکتا چلا جا رہا تھا۔ عمرانہ کے ماتھا چومنے پر وہ چونکا وہ اسے آرام کی تلقین کر کے جا چکی تھیں اور حمی جائے نماز بچھا کر نماز کی نیت باندھ چکی تھی۔

عفان نے بہت سکون محسوس کرتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ اسے یقین تھا کہ آنے والی صبح اس کیلئے زندگی بھر کا سکون لے کر طلوع ہو گی۔

***

نوید بہار

اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ اس نے جتنے حفاظتی بند باندھے تھے، حسن کے ایک ہی جلوے کے ریلے نے انہیں تہس نہس کر دیا تھا اور وہ بھونچکا رہ گیا تھا، کہ کرے تو کیا کرے۔ ماما کے سارے خدشات سارے اندیشے سچ لگتے تھے، وہ جو اس سے بدگمان ہو رہی تھیں تو ٹھیک ہی ہو رہی تھیں۔ حالانکہ وہ خود ان کے خدشات کو وہم سمجھ کر ٹالتا جا رہا تھا، بلکہ اسے یقین تھا، کہ ماما کے سارے خدشے بے بنیاد ہیں۔ وہ جیسا سوچتیں ہیں ویسا کچھ نہیں ہو گا۔ وہ جب یورپ سے سارے آگے کے دریا عبور کر کے صحیح سلامت اپنا دامن بچا لایا تھا، تو لاہور تک کے سفر میں کوئی بھنور اس کے قدموں سے کیسے لپٹ سکتا ہے۔ اس نے دل میں مصمم ارادہ کر رکھا تھا، کہ وہ ماما کے فیصلے پر سر جھکائے گا۔ ان کی خوشی میں خوش رہے گا، مگر اب سب کچھ الٹ ہو گیا تھا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا جب وہ لاہور آنے لگا تھا، تو اما نے اس کی کس قدر مخالفت کی تھی۔ وہ جب لندن سے سی اے کر کے آیا تھا اور آتے ہی اسے لاہور میں جاب کی آفر ہوئی تھی، تو وہ پریشان ہونے کے ساتھ ناراض بھی ہو گئی تھیں۔

''آخر تمہیں اس جاب کی کیا ضرورت ہے، یہیں تم اپنے پاپا کے ساتھ کام نہیں کر سکتے، آخر انہیں بھی اب تم لوگوں کی ضرورت ہے۔'' سخت جھنجھلاہٹ اور غصے کے عالم میں انہوں نے خود سے لپٹے سائغ کو دور دھکیلا تھا۔

''آپ کی ہی خواہش پر میں نے یہ لائن چوز کی تھی۔ پڑھنے کے لیے باہر بھیج سکتی ہیں، تو جاب کے لیے لاہور کیوں نہیں؟ بائے پلین ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں میں آپ کے پاس آ سکتا ہوں اور آپ میرے پاس، پلیز ماما اسلام آباد سے لاہور دور ہی کتنا ہے، آپ حکم کریں میں ہر ویک اینڈ پر آ جاؤں گا۔''

''میرے حکم کے غلام ہوتے تو من مانی ہی کیوں کرتے، میں یہاں تمہارے لیے لڑکیاں ڈھونڈ رہی ہوں اور تم ہو کہ آتے ہی مجھ سے دور جانے کے پروگرام بنا بیٹھے ہو۔'' ماما نے ایک بار پھر اپنے گلے

سے اس کے بازو جھٹکے۔

''افوہ سیٹ تو ہونے دیں پہلے، پھر لڑکیاں بھی ڈھونڈ لیجیے گا، ویسے آپ کو میرے ٹیسٹ کا پتا ہے نا مجھے صرف حسین چہرہ ہی نہیں خوبصورت لہجہ اور ذہین آنکھیں بھی پسند ہیں۔'' اس نے ماما کو بہلایا۔ بہت منتوں اور وعدوں وعید کے بعد انہوں نے اسے اجازت دی تھی، انہیں صرف اس سے خطرہ تھا، کہ وہ اپنے لیے خود ہی کوئی لڑکی نہ ڈھونڈ لے اس لیے اکثر اسے تنبیہ کرتی رہتی تھیں اور ابھی جب کچھ دن پہلے جب وہ عید کی چھٹیوں میں گھر گیا تھا، وہ پھر سے اس کی شادی کا قصہ لے کر بیٹھ گئی تھیں۔

''کیا ہے سنی یہ بھی کوئی زندگی ہے، دو بیٹوں کی ماں ہوں میں اور دیکھو بالکل تنہا اکیلی اس بڑے گھر میں رہتی ہوں، تمہیں مجھ پر اور اپنے پاپا پر ترس نہیں آتا؟'' ماما کی بات کا مطلب سمجھ کر وہ چڑ کر بولا تھا۔

''صرف مجھ پر ہی الزام کیوں بھائی بھی تو ہیں، انہیں کیوں نہیں بلوا لیتیں آپ، ان کا بھی تو کچھ حق ہے یا نہیں؟''

''صائب کی اپنی ذمہ داریاں کم ہیں، پھر وہ ہر سال تو آ جاتا ہے، بیوی بچوں کو لے کر اب وہ اپنا بزنس چھوڑ کر یہاں آ جائے عقلمندی تو نہیں ہے۔'' وہ ہمیشہ سے صائب کی حمایتی تھیں، اس کی بڑی وجہ یہی تھی، کہ وہ ان سے دور پردیس میں رہتا تھا۔

''تو کیا میں جاب چھوڑ کر آ جاؤں۔'' ساخ نے حیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔

''تو اس میں حرج ہی کیا ہے، جوان اولاد ماں باپ کے بڑھاپے اور تنہائیوں کی ساتھی نہیں ہوگی تو اور کون ہوگا۔''

''میرے پاپا کو تو آپ بوڑھا نہ کہیں، وہ ابھی بھی بالکل فٹ فاٹ ہیں، چاہیں تو شادیاں مزید کر سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ پاپا بہت شریف انسان ہیں، آپ کے علاوہ اِدھر اُدھر دیکھنے کی ہمت نہیں ان میں۔'' ماما کو چڑانے کے لیے اس نے جان بوجھ کر موضوع کا رخ بدلنے کی کوشش کی تھی، مگر اس وقت وہ اس کی بات پر نہ چڑی تھیں اور نہ ہی اسے غصہ دکھایا تھا۔

''یہ کہو کہ میری گرفت مضبوط ہے ورنہ، اس وقت تم اپنے پاپا کو چھوڑو، تم اپنی بات کرو میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

''ابھی نہیں ماما رئیلی ابھی میں نے اس بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں۔ آپ کیوں تنہائی محسوس کرنے لگی ہیں، کیا پاپا نہیں ہوتے آپ کے پاس اور وہ آپ کی سوشل ایکٹویٹیز کیا ہوئیں اور آپ کی سوشل فرینڈز کہاں گئیں۔'' اس کے استفسار میں حیرت تھی، جسے اس کی ماما نے اپنے انداز میں رفع کیا۔

''تمہارے پاپا کو بزنس چھوڑے تو وہ مجھے ٹائم دیں اور بھئی سوشل لائف سے میں اکتا گئی ہوں، باہر رونقوں میں ٹائم پاس کر کے آؤ تو اپنا گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، تمہیں کیا معلوم میں نے خود کو تم دونوں کی جدائی کے لیے کس کس طرح بہلایا تھا، بس اب میری برداشت کام نہیں کرتی، میں نے فیصلہ کر لیا ہے اس بار میں تمہیں باندھ کر بھیجوں گی۔''

''کیا..... کیا مطلب کیا کریں گی آپ؟'' وہ ان کے انداز پر بوکھلا گیا تھا۔

''کیا کروں گی؟ وہی کروں گی جو صائب کے ساتھ کیا تھا۔'' انہوں نے ذرا مطلق بھی اس کی پروا نہ کی تھی۔

''یو مین ماما آپ میری زبردستی شادی کریں گی؟'' اسے ایک نئی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اسے اپنے بڑے بھائی کی درگت بھی اچھی طرح یاد تھی، کہ صائب جب پہلی بار بزنس سیٹ کر کے آیا تھا، تو ماما نے زبردستی آتے ہی اس کی شادی اپنی پسند سے کر دی تھی، وہ کچھ کہہ بھی نہ سکا تھا، جب کہ اس موقع پر ساخ بھی پاکستان میں موجود نہیں تھا۔ اس بات کا گلہ تو اسے ماما سے اب تک تھا، کہ ماما نے اس کے اکلوتے بھائی کی اہم خوشی میں بھی شریک نہیں کیا تھا۔

''نہیں تم فکر نہیں کرو تمہارے ساتھ ایسا نہیں کروں گی، صائب تو شریف بندہ تھا، چپ کر کے سہرا باندھ لیا تھا، تمہاری فطرت سے آگاہ ہوں، تمہارا دل بے ایمان ہو گیا، تو گھوڑے سمیت بارات سے غائب ہو جاؤ گے، اس لیے تمہارے لیے کچھ رعایت برتی گئی ہے، یعنی تمہیں چوائس کا تھوڑا سا حق دے رہی ہوں۔'' ماما کے رویئے نے اس کی جان ہی نکال لی تھی۔

''ماما پلیز وضاحت سے بات کریں رئیلی میری ہارٹ بیٹس اس قدر فاسٹ ہو گئی ہیں، کہ مجھے لگ رہا ہے میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا، کہیں آپ میرے ساتھ بھائی جیسا سلوک نہ کر دیں۔'' وہ اس کی سہمی صورت دیکھ کر محظوظ ہوتے ہوئے بولی تھیں۔

''کرنا تو ایسا ہی چاہیے، مگر کیا کروں تمہارے پاپا تمہارے بہت بڑے حامی ہیں، وہ کہتے ہیں کم از کم سنی کی رائے ضرور لینی ہے۔''

''او مائی گریٹ پاپا۔'' اس نے خوشی میں نعرہ لگایا۔

''دیکھا پاپا کو میرا کتنا خیال ہے۔''

''اور ماما تو جیسے خیال ہی نہیں رکھتیں۔'' ماما نے مصنوعی غصہ دکھایا، تو وہ انہیں خوشامد سے کہنے لگا تھا۔

''ماما آپ جیسا کوئی ہو سکتا ہے رئیلی میں تو خود پر فخر محسوس کرتا ہوں، کہ آپ جیسی ماں میری ماما ہیں۔'' اس کی خوشامد پر وہ دل کھول کر ہنس دی تھیں اور پھر آنے سے دو دن پہلے انہوں نے اسے چند تصویریں پکڑائیں۔

''تمہیں صرف اس لیے مارجن دے رہی ہوں کہ تمہارا پاپا ناراض نہ ہوں، لو پسند کر لو، ویسے مجھے تو سب پسند ہیں۔''

''وہاٹ.....؟ میں سب سے شادی کروں گا۔'' پہلے اس نے تصویروں کو پھر اپنی ماما کو حیرت سے دیکھا۔

''زیادہ بھولے نہ بنو، صرف ایک پسند کرنی ہے، جلدی سے مجھے بتا دو تمہارے جانے سے پہلے میں نے تمہاری منگنی اناؤنس کرنی ہے۔''

''ماما یہ ظلم نہ کریں، آپ کو میں ہنستا کھیلتا اچھا نہیں لگتا۔'' اس نے معصومیت سے فریاد کی تھی، مگر وہ

اسے کڑے تیوروں سے گھور کر رہ گئی تھیں، مجبوراً سائغ کو تصویروں پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ کوئی ایک تصویر بھی اس کی نظروں، اس کے لفظوں کی تنقید سے نہ بچ سکی تھی۔ وہ ہر تصویر پر بے لاگ تبصرہ کرتا ہوا ماں سے بھی اپنے اظہار خیال کی تائید چاہ رہا تھا۔

''ماما یہ آنٹی روز کی بیٹی ہے ناں؟''

''ہوں۔''

''ماما آپ نے غور کیا ہے یہ تو کسی مشہور زمانہ نوتھ پیسٹ کا اشتہار لگ رہا ہے اور مجھے اشتہار تو چھاپنے نہیں ہیں۔'' اس نے ایک معقول صورت کھلکھلاتی تصویر کو رد کر دیا۔

''اور یہ یقیناً انکل زبیر کا ماڈل ہے، آئی مین بیٹی دیکھیں ناں اسے بھی انکل زبیر کی طرح نئی نئی کاروں کے ساتھ تصویریں کھنچوانے کا کتنا شوق ہے۔ آئی تھنک یہ تو رات بھی اپنی کار میں بسر کرتی ہوگی ہے ناں ماما؟'' اس نے بڑی معصومیت سے دوسری تصویر بھی رد کر دی۔

''اور یہ آپ کی مسز ہمدانی کی نازنین، اُف کیا ان کی نزاکت کے سارے جہاں کی ناز کی اس کے فیگر پر ختم ہے؟'' مسز ہمدانی اس کی ماما کی کلوز فرینڈ تھیں، ان کی طرح ان کی بیٹی بھی فربہ سی تھی۔

''یہ..... یہ پھیکا شلجم اگر میں غلطی پر نہیں ہوں، تو بٹ فیملی سے موصوفہ کا تعلق لگتا ہے۔'' اس نے ایک نہایت سفید چٹی لڑکی کی تصویر کو اتنے بے سرے انداز میں دیکھا، کہ اس کی ماما زویا احسن کو بھی اپنی ہنسی ضبط کرنی مشکل ہوگئی۔ لڑکی کے نین نقش تو معمولی تھے، صرف رنگ ہی سفید تھا۔

''تمہاری ساری باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں، لیکن اچھی طرح سن لو تم اس طرح ٹال نہیں سکتے۔ سیدھی طرح بتاؤ تمہیں ان میں سے کون سی پسند ہے؟''

''ماما آپ اپنے ہینڈسم چارمنگ بیٹے کے لیے ایسی پھیکی لڑکیاں پسند کرتی ہیں۔ آپ کی چوائس کو کیا ہو گیا ہے ماما، ایسی شو ماڈلز لانی ہوتیں تو میں اپنے ساتھ آدھی درجن تو لا ہی سکتا تھا۔'' اس نے باقی تصویریں واپس ان کی گود میں پھینک دیں۔ وہ پہلے بھی اپنی آمد پر دی جانے والی پارٹی میں ان لڑکیوں سے مل چکا تھا۔

''آخر تمہارا ان باتوں سے کیا مطلب ہے، میں تمہیں پہلے ہی وارن کر چکی ہوں سنی، اگر تم نے کوئی ایسی ویسی بات ذہن میں رکھی ہے، فوراً نکال دو میں تمہیں کبھی اس کی اجازت نہیں دوں گی کہ مجھ سے میرے حقوق چھینو۔''

''ماما آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں بات صرف اتنی سی ہے کہ میں ابھی کوئی جھنجھٹ افورڈ نہیں کر سکتا، آپ اپنی کوششیں جاری رکھیں، مجھے ذرا سیٹ ہونے دیں، پھر میں خود آپ سے کہہ دوں گا، پھر آپ کی جہاں مرضی ہوگی باندھ دیجئے گا، لیکن ان ماڈلز کے علاوہ۔'' اس نے اپنی ماما کی تشفی کر دی تھی، مگر اپنے انداز میں وہ بھی بڑی مشکل سے مانی تھیں، کیونکہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سے ان کا یہ خوبصورت حق نہیں چھینے گا، یعنی پسند کی بہو تلاش کرنے کا۔

لاڈلا اور ضدی تو وہ بھی کم نہیں تھا، مگر اپنی ماما یعنی زویا احسن کی ضد اور حکم پر اس نے ہمیشہ سر جھکایا

تھا۔ وہ جانتا تھا ماما اپنی پسند اور مرضی کے خلاف کوئی کام کوئی بات پسند نہیں کرتی تھیں، مگر اب اچانک اس کے دل نے بغاوت کر دی تھی اور وہ کچھ بھی نہ کر سکا تھا، نہ بھاگتے دل کو زنجیریں پہنا سکا تھا اور نہ ہی مچلتی دھڑکنوں کو قابو کر سکا تھا، اپنی کیفیت پر البتہ اب اسے حیرت کے ساتھ پچھتاووں نے آگھیرا تھا، کہ آخر کیوں اس نے آتے ہی اپنے دوست باسط عثمان کی عیدِ ملن پارٹی کا دعوت نامہ قبول کر لیا تھا اور اگر قبول کر ہی لیا تھا، تو وہاں جانے کی غلطی کیوں کی تھی، وہیں تو اس کے دل نے بغاوت کا علم اٹھا کر اپنی ماما کے خلاف بغاوت کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ کیو پڈ نے پہلے ہی وار میں اسے چاروں شانے چت گرا کر اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی تھی یا کوئی جادو جو اس کے سر پر چڑھ گیا تھا، جسے وہ ایک لمحے کے لیے فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اکثر اپنی ماما کو چڑانے کے لیے یہ کہتا رہتا تھا، کہ اس کا نیٹ اچھی صورتوں کے علاوہ خوبصورت لہجہ اور ذہین آنکھیں بھی ہیں تو، تو یہ مذاق نہیں تھا، اس کے دل کی حقیقت تھی اور اس حقیقت کا ادراک اس نے اچھی صورت کو دیکھ کر سن کر، بلکہ اس کی ذہین آنکھوں کو دیکھ کر ہوا تھا۔

اس سے تعارف کا وہ ایک لمحہ پورے ایک ہفتے سے اس کے ذہن کی اسکرین پر بار بار ری پلے ہو رہا تھا، وہ باسط کے ہاں عیدِ ملن پارٹی میں گیا تھا۔ باسط عثمان اسے اپنے ہمراہ لیے اپنی خوش دامن (ساس صاحبہ) سے تعارف کروانے گیا تھا، تو اس کی ساس کے پہلو میں بیٹھا وجود لمحے کے ہزارویں حصے میں ہی اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لے گیا تھا۔ بلیک اور پرپل کنٹراسٹ کے ویلوٹ کے جدید طرز کے سوٹ میں وہ واقعی زبردست شخصیت کی مالک محسوس ہوئی تھی۔ اس کی توجہ شاید باسط عثمان نے بھی محسوس کر لی تھی، تبھی وہ ہنستے ہوئے اس کا بھی تعارف کروانے لگا تھا۔

''یہ میری سسٹر ان لاء بھی ہے اور ماما کے گرلز ہاسٹل کی وائر وارڈن بھی۔'' سائغ کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی تھی۔ باسط بنا کہے سمجھتے ہوئے مزید بتا رہا تھا۔

''تمہیں ضرورت حیرت ہو رہی ہوگی، اس کی عمر پر نہ جاؤ بہت اسٹرک اور ڈسپلن میں بھی کڑک ہے۔ ہاسٹل کی ممبرز کی سے زیادہ اس سے ڈرتی ہیں۔''

''باسط بھائی موقع محل دیکھ کر پبلسٹی کیا کریں، ہمارا ہاسٹل گرلز اور ویمن کے لیے ہے، میل ممبرز کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔'' اس کے لبوں کی خفیف مسکراہٹ میں بلا کی شرارت تھی اور اس کی اسی ادا نے تو سائغ کو جیسے گھائل کر دیا تھا، وہ اس کی خفیف مسکراہٹ میں کھو ہی گیا تھا، کہ باسط کے قہقہے نے اسے حقیقت حال میں واپس کھینچ لیا تھا۔

''چلو سائغ چلیں یار ورنہ یہ رواحہ علی تو میری نیک نیتی پر بھی چوٹ کرنے سے نہیں چوکے گی۔'' اور تب سے اب تک اس کے ذہن میں ایک ہی سین چل رہا تھا اور ایک ہی نام گونج رہا تھا رواحہ علی۔ اسے خود خبر نہیں تھی، کہ وہ کیسے اس نام کے سحر میں گرفتار ہوا تھا، کہ اسے نہ خود پر اختیار رہا تھا اور نہ دل پر اس کے ارادے، وعدے بھی خاک ہو گئے تھے۔

اکیس بائیس سالہ لڑکی کی ایک ادا مسکراہٹ اسے فنا کر گئی تھی۔ وہ ماما کے بارے میں سوچتا تو دل

روح بے چین و بے قرار ہونے لگتے۔ رواحہ علی کے لیے سوچتا تو ذہن میں ہلچل مچ جاتی۔ دل رواحہ کے ساتھ پر مصر تھا، جب کہ ذہن ماما سے کیے وعدے یاد دلاتا رہتا۔ اپنی طبیعت کی بے چینی اور کشمکش کی وجہ سے اپنا کام بھی ٹھیک طرح نہیں کر پا رہا تھا۔ دل رواحہ علی کی طرف ہمکتا رہتا تھا، جسے تھپک تھپک کر وہ تھک گیا تھا اور پھر اس نے بہت کچھ سوچتے ہوئے ہار مان لی تھی۔

ماما کو منایا جا سکتا تھا، مگر دل کے منانے کے لیے صرف رواحہ علی کا ساتھ چاہیے تھا۔ جس کے بغیر اسے اپنا آپ ادھورا محسوس ہونے لگا تھا۔ زندگی بے رنگ و نور لگنے لگی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ رواحہ علی کو پانے کی کوشش ضرور کرے گا اسے ضرور بتائے گا کہ کیسے اس کی ایک جھلک نے اس کے مضبوط ارادوں کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔

آفس سے اٹھ کر وہ کمپنی کی طرف سے ملنے والے اپارٹمنٹ میں آج مطمئن ہو کر داخل ہوا تھا۔ چند روز سے چھائی بے کلی اب غائب ہو چکی تھی، کیونکہ اس کا دل ایک فیصلے پر قائم ہو گیا تھا۔ رواحہ علی تک پہنچنے کے لیے اسے باسط عثمان کو سیڑھی بنانا تھا۔ اسی غرض سے وہ بہت موڈ میں تیاری کر رہا تھا، کہ اسی دم اس کی ماما کے فون نے نہ صرف اس کا موڈ خراب کر دیا، بلکہ اسے اپنے نئے ارادے اور فیصلے پر نئے سرے سے غور و خوض کرنے پر بھی مجبور کر دیا۔ رسمی علیک سلیک اور پیار و محبت کے بعد زویا احسن اپنے اصل مقصد کی طرف آ گئیں۔

''سنی اس ویک اینڈ پر تم گھر آ جاؤ، میں تمہیں ایک لڑکی سے ملوانا چاہتی ہوں۔'' ماما کے ارادے سن کر اس کے تو جسم سے جان ہی نکل گئی۔

''کیا اس ویک اینڈ پر؟..... اوہ رئیلی میں اس ویک اینڈ پر تو نہیں آ سکوں گا، میں بہت بزی ہوں سنڈے کو ارلی مارننگ میری ایک میٹنگ بھی ہے، پلیز ماما سوری۔'' اس کے ذہن نے بہت تیزی سے کام کر کے ماما کو ٹالنے کی کوشش کی۔

''سنی میں تمہارا کوئی بہانہ نہیں سننا چاہتی چاہے چند گھنٹوں کے لیے۔ آؤ تمہیں ضرور آنا ہے۔''

''ماما ٹرائی تو انڈرسٹینڈ میں کوئی بہانہ نہیں کر رہا، میں واقعی بزی ہوں۔''

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تمہیں جب بلاؤں گی تم بھاگے چلے آؤ گے۔'' ماما نے قدرے ناراضگی سے اسے اس کا وعدہ یاد دلایا۔

''ابھی تو حمید پر کتنے دن رہ کر گیا ہوں، بزی نہ ہوتا تو ابھی بھی ضرور آتا، آپ سے کہا تو تھا کہ ذرا مجھے خود کو سیٹلی پر پیئر تو کرنے دیں، آپ کچھ دن صبر کر لیں، پھر میں آپ کی خواہش پوری کر دوں گا۔''

''بس مجھے جھوٹے بہلاوے دیتے جاؤ، ایسا نہ ہو میں کسی دن صائب کی تمہاری بارات سجا کر تمہیں لینے آ جاؤں۔'' زویا احسن کا موڈ کسی طرح ٹھیک نہ ہوا۔

''ایسا غضب مت کیجئے گا ماما آپ کو جلدی کس بات کی ہے، میں کہیں بھاگا جا رہا ہوں، یا آپ کی پسند کی ہونی لڑکی۔'' سائغ نے بمشکل اپنے موڈ پر قابو پا کر ماما کو بہلانے کی کوشش کی، تو وہ بھی اپنی جلد بازی کا احساس ہوتے ہی قدرے تحمل سے گویا ہوئیں۔

''تو کیا کروں کوئی اچھی لڑکی دیکھتی ہوں، تو تمہارا خیال آ جاتا ہے۔''

''اور اگر میرے ساتھ یہ سچوایشن ہو جائے، تو میں کسی کو مس نہ کرنا چاہوں، تو آپ کا ری ایکشن کیا ہوگا؟''

''سائغ یہ کیا بکواس کر رہے ہو جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟ اگر تم سامنے ہوتے تو تمہیں اپنا ری ایکشن دکھاتی۔'' زویا احسن غصے میں بول اٹھی، تو وہ فوراً گھبرا کر بولا۔

''آپ اپنی ناراض کیوں ہو رہی ہیں، میں نے صرف ایک بات پوچھی ہے۔''

''تم نے ایسی بات پوچھی بھی کیوں، تم جانتے نہیں ہو میں تمہیں اتنی سی اجازت نہیں دے سکتی، کہ تم کسی لڑکی کے بارے میں سوچو، میں تمہیں کیا معلوم کہ تمہاری لائف پارٹنر کیسی لڑکی ہونی چاہیے۔'' زویا احسن اپنی ممتا کے غرور میں جتلائیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی مرضی کے فیصلے کیے تھے اور خوش قسمتی سے ان کا ہر فیصلہ قابل قبول ہوا تھا، اسی لیے وہ سائغ پر بھی بہت مان کے ساتھ اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتی تھیں۔

''تو پھر کیسے معلوم ہوگا؟'' سائغ نے ماں کی بات پر حیرت کا اظہار کیا، تو وہ مزید اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''سائغ مجھے تمہارے ارادے کچھ نیک نہیں لگ رہے، کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اتنا یاد رکھنا کہ تمہارا پسند کی ہوئی لڑکی کو میں کبھی اپنے گھر میں قدم بھی نہیں رکھنے دوں گی اور ساتھ میں تمہیں بھی ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دوں گی، تم جانتے ہو میرا ہر فیصلہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔'' زویا احسن کے سنگین لہجے پر سائغ کا سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔

''ماما میں نے آپ سے مذاق میں ایسا کہا تھا، رئیلی ابھی میرا شادی تو کیا کسی لڑکی کو سوچنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا، پلیز ابھی آپ مجھے اس معاملے میں معاف ہی رکھئے میں اس ویک اینڈ پر تو نہیں اگلے ویک اینڈ پر آنے کی کوشش کروں گا، لیکن صرف آپ سے اور پاپا سے ملنے۔'' ماما کی مزید خفگیاں سمیٹنے کے بجائے اس نے فون بند کر دیا۔ ایک بار پھر رواحہ علی تک رسائی حاصل کرنے کا فیصلہ لڑکھڑا گیا تھا، کیونکہ ماما کے فون سے اسے اندازہ ہو گیا تھا، کہ وہ اس کے اس قسم کے اقدام سے انتہائی ردعمل کا مظاہرہ ضرور کریں اسے۔ اسے اپنی ماما کی ضد اور اٹل فیصلوں اور دھمکیوں کا اچھی طرح احساس تھا، اس لیے اس نے دل کو سمجھانے بہلانے کی کوشش کی تھی۔

خود کو اپنی خواہش سے باز رکھنے کے لیے اس نے باسط عثمان سے ملنا بھی چھوڑ دیا تھا، کہ کہیں اس کا دل بے قرار ہو کر اظہار تمنا نہ کر دے۔ اس کا دل تو ویسے بھی ان دنوں میں اڑیل گھوڑا بنا ہوا تھا، کہ رواحہ علی کی ذات سے آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

اگلے روز ہی اس نے پاپا کو فون کر کے اس بات کے لیے راضی کیا تھا، وہ ابھی ماما کو اس شادی والے اقدام سے روکیں۔ انہوں نے بھی اس سے وعدہ کر لیا تھا، کہ اس کی رضامندی جب تک نہیں ہوگی وہ زویا کو اس طرف جانے نہیں دیں گے۔

***

''تم نے تو پارٹی کے بعد تو شکل ہی نہیں دکھائی، کہاں غائب ہو یار، اتنے بے مروتی اچھی نہیں ہوتی۔'' سائغ لنچ کے لیے آفس سے نکلا ہی تھا، کہ باسط نے اسے آ پکڑا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے ایکچولی میں آج کل بہت بزی ہوں۔'' باسط کو دیکھتے ہی اس کے مرجھائے دل نے قہقہہ لگایا تھا۔ اس کے اندر جو گھٹن سی تھی، باسط کے اچانک ملنے پر خوشگواریت میں بدل گئی تھی۔

''صاف ظاہر ہے اسی لیے آفس سے باہر نظر آ رہے ہو۔'' باسط مزید شکوہ کناں سے بولا۔

''تو تم کیا چاہتے ہو کام کے لیے کھانا پینا بھی چھوڑ دوں۔''

''او تو لنچ کے لیے نکلے ہو، پھر تو میں نے تمہیں موقع پر پکڑا ہے، چلو آؤ گھر تمہاری بھابی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''نہیں یار آج نہیں پھر کسی دن آ جاؤں گا۔'' سائغ نے خود کو سنبھالنے کے لیے ایک موقع اور تلاش کیا۔

''ہوٹل کا لنچ کیا گھر کے لنچ سے اچھا ہوگا؟''

''ایسی بات نہیں ہے وہ بس۔'' سائغ سے بات نہ بنی۔

''بس بس کوئی تکلف، کوئی بہانہ نہیں تم فوراً گھر پہنچو ویسے بھی زیبی تمہیں بہت یاد کر رہا ہے۔'' باسط نے اپنے بیٹے کا نام لے کر اسے بالکل ہی بے بس کر دیا۔

وہ جب باسط کے ساتھ اس کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا، تو لمحہ بھر کو اس کی دھڑکنیں جیسے تھم گئی تھیں۔ الوینہ باسط کے ساتھ وہ جان ستم بھی بیٹھی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھالتا لاپروائی کا مظاہرہ کرتا تین سالہ زیبی کے گال چومتا ہیلو ایوری باڈی کہتا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ رواحہ علی اس کے بالکل مقابل بیٹھی تھی۔ اسی کی آنکھوں میں بھی شناسائی کی ہلکی سی رمق جاگ کر معدوم ہو گئی تھی۔

''آج کل کہاں غائب ہیں، آپ زیبی ہر روز آپ کا انتظار کرتا رہا ہے اور اس کا چاچو ایسا گیا کہ پلٹ کر خبر ہی نہیں کہ بھتیجے سے کیا کیا وعدے کر رکھے ہیں۔''

''سو سوری چاچو کی جان۔'' سائغ نے پاس بیٹھے زیبی کے بال بکھیرے اور پھر الوینہ کو مخاطب کیا۔

''بھابی بلیو میں بہت بزی رہا ہوں۔'' اس نے الوینہ سے زیادہ خود کو جیسے باور کرایا تھا۔ الوینہ بھی مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''جی اب آپ بہانے بنا لیں اپنے دوست سے تو روز ہی ملاقات کرتے ہوں گے۔''

''باسط سے بھی فنکشن کے بعد میں آج ہی ملا ہوں، بلکہ یہ زبردستی مجھ سے ملا ہے، آپ پوچھ لیں اس سے۔'' اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے درزیدہ نظروں سے رواحہ کو بھی دیکھا۔ وہ اپنی پلیٹ پر جھکی ہوئی تھی۔ سائغ کی بھوک پیاس کئی دنوں سے ختم ہو گئی تھی، آج اس کا دیدار پا کر وہ ویسے ہی سیر ہو گیا تھا۔

دو چار لقمے حلق سے اتارنے کے بعد اس نے ہاتھ کھینچ لیا، تو الوینہ نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا بات ہے کھانا اچھا نہیں بنا؟''

''نہیں بس بھوک ہی اتنی تھی۔'' ماما کی دھمکیوں کا خیال آتے ہی دل اچاٹ سا ہو گیا تھا۔ جس رستے پر وہ چل نہیں سکتا تھا، اس رستے پر ٹھہرنا تو حماقت ہی تھی۔

''بھوک کیا ہوئی تمہاری یعنی تمہیں کھانا پسند نہیں آیا، ایکچولی آج کھانا رواحہ نے بنایا ہے ہر فرائی ڈے کو لنچ بنانا رواحہ کی ڈیوٹی ہے، تمہیں شاید ٹیسٹ نہیں لگا، اس لیے تم نے بہت کم کھایا ہے۔ دراصل رواحہ نے بھی ابھی نیا نیا پکانا سیکھا ہے ناں تو۔'' باسط نجانے کیوں صفائی پیش کر رہا تھا۔ رواحہ کے ماتھے پر شرمندگی کا عرق وہ دیکھ چکا تھا، گردن جھکائے پلیٹ میں چمچ دھرے بیٹھی تھی۔ الوینہ سے رواحہ کی جھکی گردن برداشت نہ ہوئی تو فوراً بولی۔

''باسط آپ کی نکتہ چینی والی عادت کبھی نہیں جائے گی، اچھا بھلا تو کھانے کا ٹیسٹ ہے اور پھر چند دن ہی تو ہوئے ہیں اسے سیکھے ہوئے آہستہ آہستہ ہی لذت بڑھتی ہے ناں۔'' الوینہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی رواحہ ڈائننگ روم سے چلی گئی تھی، جب کہ سائغ شرمندگی کے احساس میں گھر گیا تھا، کہ اس کی وجہ سے رواحہ کو شرمندگی اٹھانا پڑی۔

کھانا تو اچھا بھلا بنا تھا، وہ تو اپنے موڈ کی وجہ سے کم کھا سکا تھا، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

''آپ دونوں نجانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ رئیلی کھانا اچھا بلکہ بہت اچھا ہے۔ بس آج مجھے بھوک ہی اتنی تھی، ورنہ یہ سب کچھ صاف ہو جاتا۔''

''سائغ کے ایکسپریشن ہی ایسے تھے کہ مجھے لگا کہ اسے کھانا پسند نہیں آیا، تم فکر نہ کرو میں رواحہ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں گا۔'' باسط کو ناراض بیوی کا رویہ برداشت نہیں ہوا، تو فوراً صفائی پیش کی۔

''اور میری طرف سے بھی سوری کہہ دینا بھابی، میں انشاء اللہ پھر چکر لگاؤں گا، ابھی مجھے اجازت دیں۔''

طبیعت میں مزید بے چینی گھل گئی تھی، اس لیے وہ وہاں پر رکا نہیں تھا۔ رواحہ کو دیکھنے کے بعد اس کے ڈانواں ڈول ارادے پھر سے قائم ہو گئے تھے۔ اپنے فیصلے پر ڈٹ جانے کی اس کی اس کے پاس بہت بڑی دلیل تھی، کہ یہ اس کی زندگی بھر کا معاملہ ہے، حالانکہ اس کے پاس اس سے بھی بڑا جواز ماما کے فیصلوں کو ماننے کا تھا، مگر وہ خود کو روک روک کر اپنی خواہشیں مار مار کر تھک گیا تھا۔ وہ جانتا تھا ماما اس کے فعل سے کبھی نہ خوش ہوں گی اور نہ ہی اسے معاف کریں گی، مگر وہ خود کو بہت بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر اس نے اس مقام پر ماما کے فیصلے پر سر جھکا دیا، تو وہ ساری زندگی خود کو خوش نہیں رکھ سکے گا۔

وہ یہ بھی جانتا تھا ماما اپنا آپ منوانے کی طاقت رکھتی ہیں، وہ ایسی عورت ہیں، جو اولاد سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہیں۔ ان کے مستقبل کی خاطر اپنی ممتا کو بھی دبا کر اسے دور دیس بھیجنے کا حوصلہ رکھتی ہیں، مگر پھر بدلے میں اپنی محبتوں، قربانیوں کا خراج وصول کرنا بھی جانتی ہیں۔

اسے ماما کی پسند یا فیصلے سے اختلاف کبھی نہ ہوتا، اگر اس کا دل بے ایمانی نہ کر جاتا۔ وہ ساری

زندگی ان کی خوشی پر نچھاور کر سکتا تھا۔ بات صرف زندگی نچھاور کرنے کی نہیں تھی، بات تو زندگی شیئر کرنے کی تھی۔ جس کے لیے اسے صرف اور صرف رواحہ جچ رہی تھی۔ اگر اسے خوشی کے ساتھ جینا تھا، تو صرف رواحہ علی کے ساتھ ورنہ کسی کے ساتھ بھی نہیں۔

محبت کی شدت نے اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا، یعنی ماما سے ٹکرانے کا۔ ماما کو بلکہ سب کو بے خبر رکھ کر اس نے اپنے دامن میں خوشیاں بھرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ یہ راستہ اگرچہ سہل نہیں تھا، پھر بھی منزل اسے اپنے قدموں سے نظر آ رہی تھی۔

***

بہت دنوں بعد وہ لانگ ڈرائیو کے لیے نکلا تھا۔ دل میں نئی امنگوں کا ساتھ تھا اور آنکھوں میں سپنوں کی بارات۔ جس نے اسے مسرور سا کر دیا تھا۔ شام کے ہلکے اندھیروں نے سڑکوں پر فسوں سا پھیلا رکھا تھا۔ ذرا ذرا فاصلوں پر روشن ہوتی روڈ لائینس سارے ماحول کو سحر زدہ سا کر رہی تھیں۔ آج اسے سارا جہاں، ہر منظر دلکش و حسین لگ رہا تھا، اس کی وجہ تو یہی تھی کہ اس نے اپنے دل کو اپنی منزل پر پڑاؤ ڈالنے کی آزادی دے دی تھی اور باقی سب کچھ وقت پر چھوڑ دیا تھا۔

ماڈل ٹاؤن کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس کے دل نے مستی بھری انگڑائی لی اور اس کی سلور گرے ہنڈا کارڈ کے ٹائر اس ہاسٹل کی عمارت کے سامنے جیسے جام ہوئے تھے، جہاں وہ جانِ ستم قیام پذیر تھی۔

''بسیرا'' کی شہرت اپنے بہترین ماحول اور ڈسپلن کی وجہ سے پورے شہر میں تھی۔ ''بسیرا'' دوسرے شہروں سے آئی ملازم پیشہ خواتین کا واحد بہترین سہارا سمجھا جاتا تھا، جہاں بنیادی مراعات مناسب طریقے سے سب کو مہیا تھیں۔ اس کے علاوہ بہت سی طالبات بھی بوقت ضرورت اسی ہاسٹل سے بہرہ مند ہوتی تھیں۔

وہ ''بسیرا'' کے باہر کھڑا سوچ رہا تھا، کہ اندر جائے تو کیسے جائے اور اظہار مدعا کرے۔ تین منزلہ عمارت میں جگمگاہٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ ہر کمرے سے روشنی چھن رہی تھی۔ اس نے اسٹیئرنگ پر بازو رکھ کر اپنی ریسٹ واچ میں وقت دیکھا تو آٹھ سے زیادہ کا وقت ہو رہا تھا، اسے احساس ہوا کہ وہ غلط وقت پر ادھر آ نکلا ہے۔ لیکن واپس پلٹنا بھی اب اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ ہمت کر کے اس نے ہارن بجایا، تو چند لمحے بعد گارڈ نے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر اس کے پاس چلا آیا۔

''جی صاحب کس سے ملنا ہے جی؟''

''میڈم بختیار موجود ہیں؟'' اس کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا، کہ وہ باسط کی ساس کو اپنے لیے سیڑھی بناتا۔

''جی میڈم تو ہیں، مگر آپ کون ہیں؟ کیا آپ نے ملنے کا وقت لے رکھا ہے؟'' گارڈ کے تفتیشی انداز نے اسے خاصا متاثر کیا تھا۔

''جی نہیں میں نے وقت نہیں لیا، میں ان کی بیٹی الوینہ باسط کے سسرال سے آیا ہوں۔'' سائغ کو

اندازہ ہو گیا تھا۔ بنا کسی معتبر حوالے کے وہ اندر تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

گارڈ نے اندر جا کر اس کے لیے گیٹ کھول دیا تھا اور پھر وہ اپنی گاڑی ہاسٹل کے احاطے میں لے گیا اور پھر وہ ایک اور ملازم کی رہنمائی میں وہ میڈم بختیار کے آفس میں آ بیٹھا۔ میڈم بختیار کچھ دیر میں آفس میں داخل ہوئیں، تو وہ ان کے احترام میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''السلام علیکم!''

''بیٹھو بیٹے۔'' میڈم بختیار نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''وعلیکم السلام کہو کیسے ہو بیٹے۔''

''آئی ایم فائن آنٹی ایکچولی میں ادھر سے گزر رہا تھا، تو مجھے یاد آیا کہ آپ۔''

''جی......؟'' میڈم بختیار کی بات اسے حیرت میں مبتلا کر گئی۔ باسط نے اس سے کسی قسم کی بات نہیں کی تھی۔ میڈم بختیار نجانے کس کام کی بات کر رہی تھیں۔

''ہاں وہ میں نے باسط سے ایک لڑکے کی بارے میں۔'' میڈم بختیار کی بات ادھوری رہ گئی تھی، کیونکہ وہ ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح اندر چلی آئی۔

''ممی کھانے کا ٹائم ہو گیا اور آپ ابھی تک آفس میں بیٹھی ہیں، میں کب سے آپ کا انتظار۔'' سائغ پر نگاہ پڑتے ہی اس کی زبان کو بریک لگ گئی۔

''سوری جان دراصل سائغ بیٹے کو آج ہمارا مہمان بننا تھا، آج یہ بھی ہمارے ساتھ ڈنر میں شامل ہوں گے۔'' اس نے نامحسوس انداز میں اسے دیکھا، تو سائغ اس کی جانب متوجہ تھا۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم۔'' وہ سلام کرتے ہی واپس پلٹ گئی، جب کہ بختیار میڈم اسے اپنے ہمراہ چلنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔

''آنٹی پلیز کسی فارمیلٹی کی ضرورت نہیں ہے، میں پھر کسی دن آ جاؤں گا۔''

''فارمیلٹی میں تو تم پڑ رہے ہو بیٹے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی ہمارے ہاں کھانے کے وقت مہمان ہو اور کھانا کھائے بغیر چلا جائے کم آن۔'' میڈم بختیار کے پرشفقت لب و لہجے پر وہ بے بس ہو گیا اور جب وہ ان کے ساتھ ان کے رہائشی حصے میں آیا، تو ہر چیز سے ہویدا ہوتی، سادگی میڈم بختیار کی فطرتی رنگ کو اجاگر کر رہی تھی۔ اس میں کچھ کمال رواحہ کا بھی تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پر صرف ایک دو لوازمات تھے، جس سے سائغ کو ان کی قناعت کا اندازہ بھی ہو رہا تھا اور خلوص کا بھی۔ انہوں نے کسی تصنع و بناوٹ کا سہارا نہیں لیا تھا۔ جو کچھ حاضر تھا، اسے بھی شریک کر لیا تھا۔

''آپ کھڑے کیوں ہیں بیٹھیں ناں، بے فکر رہیں آج میں نے کھانا نہیں بنایا۔ آج ممی نے بنایا ہے اور ممی کھانا بہت اچھا بناتی ہیں۔'' رواحہ پانی کا جگ لے کر آئی، تو اسے کھڑا دیکھ کر بے تاثر انداز میں اسے تسلی دیتے ہوئے بیٹھنے کو کہا۔

''اس دن بھی کھانا بہت اچھا بنا تھا، رئیلی اس دن مجھے بھوک ہی نہیں تھی، میری وجہ سے اگر آپ ہرٹ ہوئی تھیں تو پلیز سوری می۔''

''میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی، آپ بیٹھیں ناں اور نہ ہی حیران اور نہ ہی شرمندہ ہوں یہاں ہر روز ہی کوئی نہ کوئی گیسٹ ہوتا ہے۔'' رواحہ کا پرخلوص و پر اعتماد انداز اس کے حوصلے بڑھا گیا تھا۔

آج اس نے بہت دنوں بعد گھر کا کھانا کھایا تھا، اس لیے اس لطف بھی بہت آیا۔ پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ نظر کی پیاس بجھی تھی۔ شربت دیدار سے دل ونظر کے پیمانے لبریز سے ہو گئے تھے۔

میڈم بختیار کھانے کے بعد اسے اپنے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں لے آئی تھیں، جہاں رواحہ نے انہیں قہوہ سرو کر کے خود معذرت کر لی تھی۔

''باسط نے تم سے میرے کام کے بارے میں کہا تھا۔''

''کیسا کام مجھ سے تو باسط نے کوئی بات نہیں کی آنٹی جی، کیا کام ہے مجھے بتائیں۔'' اس نے حیرت کے اظہار کے بعد مخلصانہ پیش کش بھی کی، مگر اب میڈم بختیار شش وپنج میں پڑ گئی تھیں، کہ بات کریں یا نہ کریں۔

سائغ کا دل خوش گماں اپنے بارے میں کوئی اچھی امید دلا رہا تھا، کہ اس سے میڈم بختیار کو کیا کام ہو سکتا ہے، سوائے اس جیسے خوبرو کماؤ پت کو اپنی فرزندی میں لینے کے علاوہ۔ ایک لمحے میں اس کے دل نے نجانے کیا سے کیا سوچ لیا تھا۔

''نہیں چھوڑو باسط نے ہی جب مناسب نہیں سمجھا تو...... تم قہوہ پیو بیٹا ٹھنڈا تو نہیں ہو گیا؟''

''آپ مجھے بیٹا بھی کہہ رہی ہیں اور غیریت بھی برت رہی ہیں، کھل کر بات کریں باسط سے تو کافی دن سے ملا ہی نہیں ہوں، شاید اس لیے تو مجھ سے کچھ کہہ نہیں سکا۔ آپ پلیز بتائیں ناں کیا کام ہے۔'' وہ ان کی کشمکش بھانپتے ہوئے انہیں بولنے پر اکسانے لگا۔

''کام بھی کیا ہے بیٹا بس تھوڑی سی ہیلپ چاہیے تمہاری۔''

''آپ حکم کریں آنٹی جی۔'' اس کی محبت وفرمانبرداری پر میڈم بختیار جیسے مطمئن ہو گئیں۔

''بات یہ ہے کہ دراصل رواحہ کا ایک پرپوزل آیا ہوا ہے، میں نے باسط سے کہا تھا کہ ذرا لڑکے کے بارے میں انکوائری کروائے، میرا اپنا تو کوئی بیٹا نہیں ہے جو یہ کرے، اب باسط پر ہی انحصار ہے، پتا نہیں باسط نے کیوں لاپروائی کا مظاہرہ کیا ہے کہ۔'' رواحہ کے پرپوزل کا سن کر اس کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔

''میرے...... لائق کیا خدمت ہے آنٹی جی؟'' وہ مشکل سے کہہ سکا آواز گھٹی گھٹی سی ہو گئی تھی۔

''خدمت نہیں بیٹا ایک مہربانی کر دو دراصل جس لڑکے کا پرپوزل رواحہ کے لیے آیا ہے مجھے پتا چلا ہے وہ اسی کمپنی میں کام کرتا ہے، جس میں تم ہو اسی لیے میں نے باسط سے کہا تھا کہ تمہارے ذریعے وہ لڑکے کے چال چلن کے بارے میں پتہ کروا لے، بے شک وہ اچھے شریف لوگ ہیں، پھر بھی بیٹا بالکل آنکھیں بند کر کے تو بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے بھی آج کل کے لڑکے گھر والوں کے سامنے کچھ اور باہر

کچھ اور ہوتے ہیں۔''

''جی...... جی آپ بالکل درست فرما رہی ہیں۔'' وہ قدرے گڑبڑا کر بولا۔ خیال اپنی طرف ہو گیا تھا، کہ وہ بھی گھر سے باہر گیا، کچھ کرنے کے منصوبے بنا چکا تھا۔

''سائغ بیٹا میں تمہیں لڑکے کا نام پتہ دے دیتی ہوں، تم ذرا اچھی طرح تسلی کر لینا۔ میں رواحہ کے لیے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہتی ہوں، وہ میری اپنی اولاد ہوتی، تو شاید میں اتنی کانشس نہ ہوتی۔ فوراً فیصلہ کر لیتی، مگر اب بہت کچھ سوچ اور سمجھ کر ہی قدم اٹھاؤں گی۔'' میڈم بختیار کا یہ نیا انکشاف تو اسے بری طرح چونکا گیا تھا۔ ذہن میں فوراً سوال ابھرا تھا، کہ پھر رواحہ علی کون ہے اور کس کی بیٹی ہے؟ میڈم بختیار نے بھی شاید اس کے چہرے سے اس کی حیرت پڑھ لی تھی اس لیے اس بار تفصیل بتانے لگی تھیں۔

''الوینہ میری اکلوتی بیٹی ہے، رواحہ کو الوینہ کے پاپا بختیار صاحب نے ایک غریب فیملی سے ایڈاپٹ کیا تھا۔ اس کی مدر تو اس کی پیدائش پر ہی مر گئی تھی۔ کچھ سال بعد اس کے فادر کی ڈیتھ بھی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہو گئی تھی۔ سب کو تو یہ بات نہیں معلوم، لیکن ظاہر ہے جہاں ہم رواحہ کی شادی کریں گے، وہاں ساری حقیقت تو بتانا پڑے گی، ویسے رواحہ مجھے الوینہ سے زیادہ عزیز ہے، کیونکہ میں نے اس کی پرورش بھی کی ہے اور تربیت بھی اور مجھ پر جتنے حقوق الوینہ کے ہیں، رواحہ کے بھی ہیں ان کے پاپا دونوں بہنوں کے لیے اپنی زندگی میں ہی جائیداد برابر تقسیم کر گئے ہیں۔ باقی جو اسے مل جائے گا۔ میرا سب کچھ انہی دونوں کا ہے۔''

سائغ کو تو پہلے ہی اس کے آئے پرپوزل کے ذکر نے پریشان کر دیا تھا، اب مزید وہ میڈم بختیار کی باتوں سے اُلجھ سا گیا۔ اس کے باوجود اس کے دل نے لمحے کے ہزارویں حصے میں ایک فیصلہ سنا دیا تھا۔ اس ہر حال میں رواحہ علی کا ساتھ چاہیے تھا۔ نہ اسے اس بات کی فکر واندیشہ تھا، کہ اس کا حسب نسب کیا ہے اور نہ ہی اس کے نام لکھی جائیداد ودولت سے اسے غرض تھی اور نہ ہی اس وقت اسے اپنا ماما کا خوف تھا۔

''آنٹی کیا رواحہ علی اس پرپوزل سے آگاہ ہیں؟ میرا مطلب ہے آپ ان سے اس سلسلے میں بات کر چکی ہیں۔'' وہ اپنی بات کہتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

''اس کے علم میں ابھی کوئی بات نہیں ہے، میں پہلے خود مطمئن ہونا چاہتی ہوں، پھر اسے باخبر کرنا چاہتی ہوں۔'' میڈم بختیار کو غیر معمولی سا احساس ہوا تھا۔

''آنٹی اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک جسارت کرنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے سائغ کو اس بار چونک کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر نئے جذبوں کے رنگ پھیلے تھے اور آنکھوں میں روشنی۔ وہ جہاندیدہ خاتون تھیں، اپنی باریک بین نظروں سے ہی وہ اس کے دل کا حال جان گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر رواحہ علی کا حصول اور طلب صاف لکھی ہوئی تھی۔

''کیسی جسارت بیٹا۔'' انہوں نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے استفسار کیا، تو وہ ہچکچا کر اظہار مدعا کر بیٹھا۔

''وہ...... آنٹی جی اگر آپ اس پرپوزل کو بھول جائیں اور مجھے اس قابل سمجھیں تو میں خود کو خوش

نصیب سمجھوں گا۔"

"یہ..... کیا کہہ رہے ہو بیٹا، تم خود اس طرح اور تمہارے والدین؟" انہیں اس کا اپنا پرپوزل خود پیش کرنا مناسب نہیں لگا تھا، لیکن وہ داماد کا دوست تھا، اس لیے خود پر قابو پا کر وہ بمشکل کہہ سکی تھیں۔

"میں جانتا ہوں آنٹی میں نے کچھ مناسب انداز میں آپ سے بات نہیں کی، لیکن کیا کروں میں ابھی آپ سے نہ کہتا تو شاید آپ بعد میں کہنے پر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتیں، کہ میں کسی اور مقصد کے لیے اظہار کر رہا ہوں۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں میری بات۔" میڈم بختیار کی خاموشی پر وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"میں دراصل آج آیا ہی اس ارادے سے تھا، میں باسط وغیرہ کو درمیان میں لائے بغیر آپ سے ڈائریکٹ بات کرنا چاہتا تھا۔ میں رواحہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں آنٹی جی۔"

اس نے پوری سچائی اور صداقت سے دل کی بات کہی، تو میڈم بختیار نے اسے سوچتی نظروں سے دیکھا اور سوچا کہ رواحہ سے صرف تین بار ملا تھا اور یہ ملنا ایسا سنسنی خیز بھی نہیں تھا، کہ کوئی نتیجہ نکلتا، مگر وہ اپنے طور پر بہت آگے بڑھ کر شادی تک کے فیصلے پر پہنچا تھا، تو اس کے جذبوں میں صداقت ضرور تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا یہ تو تمہارے دل کی بات تھی، جو تم نے مجھ سے کہہ دی ہے، لیکن اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے پہلے اپنے والدین کا مشورہ بھی تو لینا چاہیے، بلکہ اصولی طور پر تم پہلے انہیں اپنے فیصلے کے بارے میں بتا کر لے کر آؤ، میں بھی کچھ سوچوں گی۔ الوینہ اور باسط سے مشورہ کر کے رواحہ سے بھی عندیہ لوں گی، تبھی کوئی فیصلہ کن بات ہو سکے گی۔ ابھی کچھ کہنا بہت مشکل ہے بیٹا۔" میڈم بختیار نے اسے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کیا تھا۔

"آنٹی جی میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، مگر آپ کے پاس وقت ہو تو۔"

"ہاں..... ہاں بیٹا کہو میں اس وقت بالکل فارغ ہوں، ہاسٹل کی ذمہ داریاں تو ویسے بھی رواحہ اٹھاتی ہے۔"

"آنٹی جی میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا اور نہ ہی کوئی ایسا وعدہ کروں گا، جو مجھ سے پورا نہ ہو سکے، دراصل میں اپنے والدین سے اس بارے میں کوئی مشورہ نہیں کر سکتا، میری ماما اس فیصلے سے نہ صرف ناراض ہوں گی، بلکہ ہو سکتا ہے وہ مجھ سے بائیکاٹ ہی کر لیں، میری ماما اپنے فیصلے منوانے والی ہستی ہیں، جب کہ میں اب ان کا فیصلہ ماننے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"تو پھر بیٹا ایسی صورت میں ہم کیا کر سکتے ہیں، یہ تو آزمائش والی بات ہے جان بوجھ کر تو ہم اس آزمائش میں رواحہ۔" میڈم بختیار نے فوراً ہی فیصلہ کن انداز میں بات کی، تو وہ انہیں فوراً ٹوک کر بولا۔

"پلیز آنٹی یہ آزمائش ضرور ہے، مگر یقین رکھیں میرے ساتھ رواحہ بہت زیادہ خوش رہے گی، میں اس کے لیے اچھا شریک سفر ثابت ہوں گا۔ میری ماما ضدی ضرور ہیں، لیکن مجھ سے محبت بھی بہت کرتی ہیں، میں جب رواحہ کو اپنا چکا ہوں گا، تو پھر ان کا ردعمل اتنا شدید نہیں ہوگا۔ آپ مجھ سے کچھ بھی لکھوا لیں، میرے بارے میں میری فیملی میں بیک گراؤنڈ کے بارے میں پتہ کروا لیں، اگر آپ مطمئن نہ ہوں تو بے شک مجھے ریجیکٹ کر دیں، مگر پہلے ایک بار سب سے میرے لیے رائے ضرور لیں، پلیز آنٹی میں اتنی

جلد بازی نہ دکھاتا، اگر مجھے آپ کے ارادوں کا علم نہ ہو جاتا، میں نے اپنے دل سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے ورنہ۔" وہ صوفہ چیئر سے اٹھ کر یکدم ان کے گھٹنوں میں بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ تھام کر التجائی انداز میں بولے گیا، تو میڈم بختیار کو بھی اس کی مجبوری سمجھ میں آ گئی۔ اونچا لمبا نوجوان ان کے قدموں میں بیٹھا اپنے دل میں اترتا محسوس ہونے لگا۔

"اچھا بیٹا اٹھو آپ اوپر بیٹھو میں باسط اور الوینہ سے بات کرتی ہوں، وہی رواحہ سے عندیہ لیں گے۔ رواحہ کی رضامندی کے بغیر تو کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا ناں، تم اب انتظار کرو۔" انہوں نے پرشفقت انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے کندھے تھپک کر اسے سامنے سے اٹھایا، پھر خود بھی اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"مجھے امید ہے آنٹی جی فیصلہ میرے ہی حق میں ہو، گا بس آپ میرے لیے دعا کیجئے انشاء اللہ میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

سائح کے لبوں پر اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔

"بیسٹ آف لک بیٹا۔" میڈم بختیار بظاہر مطمئن تھیں، مگر بہت سی سوچوں نے انہیں گھیر رکھا تھا۔

اس کے جانے کے بعد ان سوچوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس طرح اکیلے لڑکے کی خواہش پر بیٹی کا ہاتھ ہاتھ میں دے دینا عقلمندی تو نہیں تھی، وہ بے شک کوالیفائیڈ تھا، ان ڈیپینڈنٹ تھا، پھر بھی والدین کے بغیر تو بے حیثیت ہی تھا۔ کل کلاں کو وہ اپنی ماں کے دباؤ میں آ کر کوئی ان چاہا فیصلہ کر لیتا ہے، تو وہ کیا کریں گی، یہی سوچیں انہیں ہلکان کر رہی تھیں، ورنہ تو سائح ذاتی طور پر انہیں رواحہ کے لیے بہت مناسب لگا تھا۔ بہرحال وہ کوئی حتمی رائے تو الوینہ اور باسط سے مشورہ کر کے اور رواحہ سے پوچھ کر ہی قائم کر سکتی تھیں۔

***

وہ کچھ ضروری شاپنگ کے لیے مارکیٹ میں ڈرائیور کے ساتھ اکیلی آ گئی۔ ڈرائیور نجانے کدھر غائب ہو گیا تھا اور وہ اب سامان کے بیگز تھامے سخت جھنجلاہٹ کے عالم میں سڑک پر کھڑی اِدھر اُدھر اپنی گاڑی تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کوشش ناکام ہوئی، تو اس نے سارے بیگز اپنے پیروں میں پٹخ دیئے اور پھر ابھی قریب سے گزرتے رکشہ کو وہ روکنا ہی چاہتی تھی، کہ کسی گاڑی کے ٹائر زبردست انداز میں چرچرائے اور پھر کچھ فاصلے سے گاڑی ریورس ہو کر اس کے قریب آ کر رکی۔ وہ چونک کر پیچھے ہٹی اور پھر شدید غصے میں گاڑی میں بیٹھی شخصیت کو کچھ کہنا ہی چاہتی تھی، کہ سائح احسن کو دیکھ کر اس نے لب بھینچ لیے۔

"مس رواحہ علی آپ یہاں اپنی پرابلم؟"

"جی..... وہ؟" اسے اپنا غصہ دبانا پڑا۔

"کنوینس پرابلم ہے؟" سائح نے اس کی بات فوراً چک لی۔

"آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" وہ فوراً ہی اپنی سلور گرے کار ڈسے نیچے اتر آیا۔

''تھینکس پلیز میرا ڈرائیور یہی کہیں ہے، بس ابھی آتا ہی ہوگا۔''

''تو آپ تب تک یہیں کھڑی رہیں گے، دیکھئے یہ مجھے اچھا نہیں لگے گا، پلیز آئیں یقین کریں میں آپ کو بحفاظت آپ کے گھر پہنچا دوں گا۔''

رواحہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سائغ نے سارے پیکٹ سڑک سے اٹھا کر اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیئے اور پھر اس کے لیے فرنٹ ڈور کھول دیا۔ اسے مجبوراً بیٹھنا پڑ گیا۔ سڑک پر تماشا بنے کھڑا رہنا اسے گوارا نہیں تھا اور پھر باسط کے حوالے سے وہ اسے جانتی تھی، اسی لیے اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی، ورنہ دوسری صورت میں تو وہ اس کی آفر اسے خوب سنا چکی ہوتی۔ ویسے بھی سائغ اسے سلجھا ہوا انسان لگا تھا۔

گاڑی کی رفتار نارمل تھی۔ رواحہ کھڑکی سے باہر دیکھنے میں محو تھی، جب سائغ کی بات نے اسے چونک کر رخ موڑنے پر مجبور کر دیا۔

''میں اس دن آپ کے گھر آیا تھا، آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا تھا مس رواحہ؟''

''جی مائنڈ..... مگر کیوں؟ میں آپ کی آمد کا برا کیوں مناتی، آپ ممی کے گیسٹ تھے اور ممی کے گیسٹ تو اکثر اسی طرح اچانک آجاتے ہیں، آپ نے کیوں فیل کیا کہ میں نے مائنڈ کیا ہوگا۔'' رواحہ کو ایک تو اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔ دوسرے اس کے بارے میں غلط اندازے لگانا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

''کیا آنٹی نے آپ کو نہیں بتایا کہ میں آپ کی وجہ سے ان کا گیسٹ بنا تھا۔'' سائغ نے اسے رخ موڑ کر دیکھا، وہ ہوا سے اڑی لٹ سمیٹ رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ حیران رہ گئی، وہ ایسی ناسمجھ نہیں تھی، کہ اس کی بات کا مطلب نہ سمجھی ہو، پھر وہ ابھی اس کی آنکھوں میں کچھ مچلتے جذبے اور شوق کے رنگ دیکھ چکی تھی اور یہ بات بھی کہ ابھی اس کی ممی نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

''مطلب تو شاید آپ جان گئی ہیں مس رواحہ، لیکن آپ انجان بن رہی ہیں۔ ویسے آپ کا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''اچھی خاصی پُراعتماد رواحہ علی سائغ کی باتوں پر یکدم گڑبڑا دیا تھا۔

''پلیز آپ ذرا اسپیڈ بڑھائیں اور مجھے جلدی سے ہاسٹل ڈراپ کر دیں۔'' رواحہ نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔'' رواحہ نے لاپروائی سے کہا، تو وہ زیر لب مسکرا دیا۔

''اچھا آپ ایسی ناسمجھ لگتی ہیں تو نہیں ذہانت تو آپ کے چہرے بلکہ آنکھوں سے ٹپکتی ہے۔''

''مسٹر سائغ احسن میں کسی کو اتنی اجازت نہیں دیتی، کہ وہ میری ذات پر کسی قسم کا تبصرہ کرے۔'' رواحہ نے برا مانتے ہوئے اسے بری طرح جھڑک دیا۔

''میں نے تبصرہ نہیں کیا سچائی بیان کی ہے ویسے کیا، آپ کو علم ہے کہ آپ کی ایک جھلک نے ایک

نہایت مضبوط انسان کے ایمان کو متزلزل کر دیا ہے۔'' سائغ اپنی محبت کے زیر اثر بول رہا تھا، جب کہ رواحہ اسے سن کر جز بز ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر ناراضگی ظاہر کر رہی تھی۔

''آپ ہوش میں تو ہیں، آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس کی آواز میں اس کے رویے کا ردعمل گونج اٹھا تھا۔

''جی میں تو جانتا ہوں اور اب یہ چاہتا ہوں کہ آپ بھی جان جائیں اور میرا ساتھ دیں۔'' سائغ نے سامنے سے نظر ہٹا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی، تو وہ سرخ پڑتے چہرے کو دوپٹہ سے تھپتھپا رہی تھی۔ سائغ نے فوراً شوپیس باکس سے ٹشو کھینچ کر اس کی طرف بڑھایا۔

''اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہیں، میں نے اپنے دل کی بات آپ سے کہہ دی ہے، آپ کے دل میں جو کچھ ہے مجھ سے کہہ دیں۔''

''مسٹر سائغ آپ مجھے بدتمیزی کرنے پر مجبور نہ کریں، پلیز آپ گاڑی روکیں میں خود چلی جاؤں گی۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو راستے میں چھوڑ دوں، آپ نے میرے بارے میں بہت غلط اندازہ لگایا ہے، کیا آنٹی نے آپ سے میرے پروپوزل کے بارے میں بات نہیں کی؟''

''آپ کا پروپوزل.....؟'' دوپٹے کا کونہ چھوڑ کر وہ حیرت سے اس کے آدھے رخ کو دیکھنے لگی۔ اس کی حیرت کو محسوس کر کے سائغ کو احساس ہوا کہ ابھی وہ اس معاملے سے بے خبر ہے۔

''جب میں نے آپ کو پرپوز کیا ہے آنٹی یعنی آپ کی ممی جلد ہی آپ سے میرے بارے میں پوچھیں گی، آپ کا فیصلہ کیا ہوگا؟'' سائغ کی باتیں اب اس کی سمجھ میں پورے مفہوم سے آ گئی تھیں۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا مس رواحہ علی۔''

''مسٹر سائغ احسن آپ کو جواب ممی دیں گے۔'' رواحہ کا انداز کافی حوصلہ شکن تھا، پھر بھی وہ مطمئن سا تھا۔

جب وہ رواحہ کے پیچھے پیچھے ان کا سامان اٹھائے ان کے رہائشی حصے میں داخل ہوا، تو الوینہ کو موجود پا کر دونوں ہی ٹھٹک گئے۔

''لیجئے ممی آپ نے تو مجھے رواحہ کی رائے لینے کے لیے بلوایا تھا اور یہاں تو رائے کا اظہار موجود ہے۔'' الوینہ نے بلند آواز میں کہا، تو وہ شرمندگی سے بولی۔

''آپی آپ غلط سمجھ رہی ہیں خیر دین (ڈرائیور) آج پھر مارکیٹ سے غائب ہو گیا ہے، میں اسے چھوڑوں گی نہیں، ممی آپ اس کی چھٹی کریں ورنہ میں اسے شوٹ کر دوں گی۔'' اسے غصے اور خجالت نے ایک ساتھ گھیرا تھا۔ اسی لیے وہ بے بسی سے چیخ اٹھی تھی۔ الوینہ مزید شرارت سے گویا ہوئی۔

''کون سے والے ڈرائیور کو شوٹ کرنے کا ارادہ ہے یہ جو ابھی لے کر آیا ہے یا؟''

''آپی پلیز۔'' وہ احتجاجاً بولتی دوسرے کمرے میں واک آؤٹ کر گئی، جب کہ میڈم بختیار الوینہ کو سرزنش کرنے لگیں۔

"الوینہ تم بھی بس موقع دیکھ لیا کرو اس سے ابھی میں نے بات ہی کب کی ہے کہ۔"

"ارے آپ بیٹھیں ناں آپ کیوں کھڑے ہیں؟" الوینہ کو فوراً ہی سائغ کا خیال آیا۔

"نہیں میں بس اب چلتا ہوں، ایک ضروری کام سے نکلا تھا، رواحہ سڑک پر کھڑی تھیں، تو میں انہیں ڈراپ کرنے آ گیا، انشاء اللہ پھر آؤں گا۔"

"ہاں اب تو آنا ہی پڑے گا۔" الوینہ کے مذاق پر وہ مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔ رواحہ سے جب الوینہ اور میڈم بختیار نے سائغ کے پرپوزل کے بارے میں پوچھا، تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

"ممی ایک اکیلے آدمی سے میں شادی کیسے کر سکتی ہوں۔" ان کے اصرار پر وہ جھنجھلا کر بولی، تو الوینہ نے سنجیدگی سے اسے چھیڑا۔

"رواحہ بی بی شادی ایک اکیلے بندے سے ہی ہوتی ہے، درجنوں سے نہیں۔"

"آپی آپ بھی ناں ہمیشہ مذاق کے موڈ میں رہتی ہیں۔" وہ قدرے جھنجھلا اٹھی۔

"آپ بھی خود ہی تو کہہ رہی ہیں کہ وہ اپنی فیملی کو لاعلم رکھ کر یہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ آپ اس کے رزلٹ کے بارے میں بھی تو سوچیں ناں ممی آپ کو یہ بات مناسب لگ رہی ہے۔" اس نے فوراً میڈم بختیار سے رائے مانگی تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"بیٹا جانو میں نے اب تم پر فیصلہ چھوڑ دیا ہے، تمہاری جو رائے ہو میں تو اسی پر خوش ہوں۔"

"راحی تم اچھی طرح سوچ لو، ہم زبردستی نہیں کر رہے، ویسے سائغ بھائی کو باسط اچھی طرح جانتے ہیں، فیملی بیک گراؤنڈ بھی ان کا کافی اچھا ہے، فیوچر اور کریکٹر وائز بھی بیلنس پرسنالٹی ہے ان کی، بس ذرا تم تک آتے ہوئے ان بیلنس ہو رہے ہیں اور کوئی خرابی نہیں ہے، ان میں اور میرے نزدیک تو ریجکیٹ کرنے کی یہ بڑی وجہ نہیں ہے، اگر وہ اپنی ماں کی مرضی سے بھی شادی کریں گے، تب بھی وہ شادی کے بعد اپنے گھر والوں کے ساتھ نہیں رہیں گے، ان کی جاب یہاں ہے، باقی تم سوچ لو ایڈجسٹ کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ تمہارے لیے پرپوزلز کی کمی نہیں ہے، دو تین تو میرے سسرال میں ہی امیدوار ہیں، تمہارے جہلم جانے کا ارادہ ہے تو مجھے اشارہ کر دو پلکوں پر بیٹھا کے لے جائیں گے وہ لوگ تمہیں۔" الوینہ نے اپنے مخصوص شرارتی انداز میں اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ جانتی تھی اس کے سسرالی عزیزوں سے وہ چڑتی تھی، سب کے سب شو آف تھے۔

"آپی آپ جہلم کا تو نام بھی مت لیں میرے سامنے، جانتی ہیں ناں باسط بھائی کے علاوہ آپ کے سارے سسرال میں مجھے کوئی بھی معقول بندہ نظر نہیں آتا پھر۔" اس کے چڑنے پر الوینہ دل کھول کر ہنسی۔

"اچھا تو پھر جو معقول نظر آ رہا ہے، اس کے بارے میں کیا خیال ہے، سچ پوچھو تو بندہ شاندار ہے تمہارے لیے اس پر میری نظر تب سے ہی تھی، جب سے وہ لاہور آیا ہے۔ یہ اچھا ہوا اس کی نظر میں تم آ گئیں، ورنہ مجھے پاپڑ بیلنے پڑنے تھے، دونوں کے سنجوگ کے لیے۔" الوینہ اپنے فطری انداز میں بہن کو دل کی بات کہہ کر چھیڑ رہی تھی، جواباً رواحہ اسے خفگی سے دیکھنے لگی۔

"اس طرح مت دیکھو نہیں تو نہ سہی۔" الوینہ نے فوراً ہی صلح جو انداز میں ہاتھ جوڑے تو وہ ہنس دی۔

***

سائغ کو رواحہ کے انکار کا علم ہو گیا تھا، پھر بھی وہ ہمت نہیں ہارا تھا۔ کسی نہ کسی بہانے وہ بسیرا میں حاضری ضرور دیتا تھا۔ رواحہ اسے دیکھتے ہی اِدھر اُدھر ہو جاتی تھی، وہ بھی میڈم بختیار کے پاس بیٹھ کر چلا جاتا تھا۔

آج وہ آفس سے سیدھا بسیرا میں چلا آیا تھا۔ وہ آفس میں اکیلی بیٹھی کسی رجسٹر میں کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ اس کے بے تکلفی سے آ کر سامنے بیٹھنے پر بھی اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

"ممی گھر پر نہیں ہیں۔" اپنے مصروف انداز میں اس نے سائغ کو واپسی کا سگنل دیا۔

"میں رواحہ علی آج میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔"

"مجھ سے......؟ فرمایئے کیا کام ہے؟" پین بند کر کے اس نے سر اٹھا کر انجان بن کر پوچھا تو سائغ اسے دیکھے گیا۔

"مجھے آپ سے جو کام ہے، آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"ممی آپ کو جواب دے چکی ہیں، یقیناً آپ ساری حقیقت حال سے واقف ہو چکے ہوں گے، میں جس پوزیشن پر ہوں وہاں میرے لیے ایسا فیصلہ کرنا اچھے نتائج ثابت نہیں کرے گا۔" رواحہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے آزمائے بغیر یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں۔" وہ پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

"مجھے آپ کو آزمانے کی کیا ضرورت ہے، میں اپنی حقیقت سے آگاہ ہوں، شاید آپ میری حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔" رواحہ اس کی آمد سے کچھ بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ الوینہ کی باتوں نے کچھ سائغ کی شخصیت نے دل میں جگہ بنانے کی کوشش تو کی تھی، مگر وہ حقیقت حال کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"آپ کی حقیقت سے میں واقف نہیں ہوں، تو اور کون ہے، آپ میری زندگی کی وہ خوبصورت حقیقت ہیں جو میری روح و نظر کی خوشی بن کر تا عمر میرے ساتھ رہنے کے قابل ہے۔" اس نے خوبصورت لہجے میں اپنے دل کی بات عیاں کی تو وہ جھنجھلا اٹھی۔

"آپ کچھ بھی نہیں مانتے شاید مجھے ممی کی بیٹی سمجھ رہے ہیں، جب کہ ایسا نہیں ہے نہ ہی میرا حسب نسب بہت اعلیٰ و ارفع ہے، میرے والدین معمولی سی حیثیت کے مالک تھے، یہ مجھ پر اللہ کا کرم اور ممی کی مہربانی ہے جو میں یہاں مہذب انداز میں بیٹھی ہوں، ورنہ کسی کچی بستی میں کب کی رل کھل گئی ہوتی۔" وہ بڑے تلخ انداز میں اپنی حقیقت بتا رہی تھی۔

"مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں کہ آپ کس حسب نسب سے تعلق رکھتی ہیں، یا آپ کا فیملی بیک گراؤنڈ کیسا ہے؟ میرے نزدیک انسان کو اخلاقی طور پر بلند ہونا چاہیے، باقی سب ثانوی باتیں ہیں

،کیا آپ انسان کو حسب نسب کی کسوٹی پر پرکھتی ہیں؟'' سائغ نے جیسے اسے لاجواب سا کر دیا۔

''میں نہیں یہ معاشرہ پرکھتا ہے اور یقیناً آپ کے فیملی ممبر بھی ایک معمولی خاندان کی لڑکی کو بطور بہو تسلیم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔''

''تمہیں زندگی میرے ساتھ گزارنی ہے، میری فیملی کے ساتھ نہیں اور نہ ہی اس معاشرے کے ساتھ۔'' سائغ نے بے تکلفی سے اسے مخاطب کیا۔

''کہنا بہت آسان ہے، رشتوں سے کٹ کر زندگی نہیں گزاری جا سکتی، آپ کے والدین ہیں، بھائی، بہنیں ہیں ان کے کچھ حقوق ہیں آپ پر، ان حقوق سے انہیں محروم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ،جانتے ہیں اس کا ردعمل کیا ہوگا؟''

''میں نے بہت اچھی طرح سوچا ہے، میں اپنی ماما کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر دل میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، اگر میں ان کے فیصلے پر سر جھکاؤں گا، تو منافقت بھری زندگی گزاروں گا اور ایسا میں کرنا نہیں چاہتا، نہ ہی مجھ سے ایسا ہوگا۔ میرے دل نے پہلی بار صرف تمہارے لیے سوچا، تو میں کیسے اب کسی اور کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔ جذبے انسان کو ہرا دیتے ہیں، اس کے سارے عہد و پیماں خاک کر دیتے ہیں۔ میں نے تمہارے لیے جو محسوس کیا میرے دل نے جو گواہی دی میں نے اسی پر لبیک کہا ہے۔ اگر میں نفی کروں گا، تو خود ہی ٹوٹ پھوٹ جاؤں گا۔'' وہ جذب دل کی صداقتوں سے کہہ رہا تھا۔

رواحہ گم سم سی اسے بیٹھی سننے پر جیسے مجبور ہو گئی تھی۔

''کیا تم چاہتی ہو کہ میں منافقت بھری زندگی گزاروں، اپنی نفی کرتے ہوئے ٹوٹ پھوٹ جاؤں۔ سنو رواحہ محبت ایک اٹل حقیقت ہے اور اس سے وابستہ جذبات لافانی، ان کے اظہار میں تاخیر انہیں گرد آلود کر دیتی ہے۔ اس لیے ان کا اظہار وقت پر کر دینا چاہیے۔ لوگوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ تم اپنے ساتھ مجھے بھی اس کشمکش سے نکال ہی دو تو اچھا ہے۔'' سائغ بہت اثر انگیزی سے باتیں کرتے ہوئے اسے جیسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

''میں آپ کو بتا تو چکی ہوں کہ میں نے اس طرح نہیں سوچا، میرا مطلب ہے میرے ذہن میں آپ کے حوالے سے کوئی بات ہی نہیں ہے، تو میں پھر کیسے اتنا بڑا اسٹیپ لے سکتی ہوں۔'' رواحہ نے خود کو جھٹلاتے ہوئے بہت اعتماد سے کہا، تو سائغ کی آنکھوں کے ساتھ چہرہ بھی مسکرا دیا۔

''یہ فریب آپ خود کو دے رہی ہیں یا مجھے، آخر آپ کب تک لفظوں کے لیے جذبوں کو تلاش کریں گی، وہ جذبے جو پہلی نظر میں بیدار ہو گئے تھے، انہیں تھپک تھپک کر سلانے کا فائدہ مجھ سے چھپانا چاہتی ہیں، یا خود سے، حالانکہ مجھے تو سب خبر ہے، آپ کے دل نے جو فیصلہ ایک لمحے میں کیا تھا، اسے آپ طول کیوں دینا چاہتی ہیں۔ سچے جذبوں کا اظہار مناسب وقت پر ہو جائے، تو دنیا کی ہر نعمت انسان کے قدموں تلے آ جاتی ہے، ورنہ پھر ساری زندگی دل کی خوشی کے پیچھے بھاگتے گزرتی ہے۔ آپ میرا ہاتھ تو تھامیں، پھر دیکھیں میں آپ کے لیے کیا کرتا ہوں۔''

رواحہ کو سائغ کی باتوں نے حیرت میں ڈال دیا تھا۔ وہ خود کو جھٹلا کر جس راز کو خود پر عیاں کرنے

سے گھبرا رہی تھیں، وہی راز سائغ احسن کی دل کی دھڑکنوں میں یقین بن کر دھڑک رہا تھا۔ اس نے تو کبھی اس سے نظر بھی نہیں ملائی، پھر بھی وہ بیدار جان گیا تھا۔ شاید ابھی اسے اس بات کی خبر ہی نہ تھی، جنہیں اپنی چاہتوں کا دعویٰ ہوتا ہے، وہ بند پلکوں کے پیچھے پیچھے خوابوں کو بھی روشن تعبیر دے دیا کرتے ہیں۔ وہ بھی سائغ کی سحر انگیز شخصیت کی اسیر تو الویزہ کے گھر ملاقات میں ہی ہو گئی تھی، مگر اپنی کیفیت سے خود ہی بے خبر تھی۔ اب اس کے سیدھے دل میں گھسے چلے آنے پر اسے رد کرنے کا حوصلہ نہیں تھا، اس لیے ہچکچاتے ہوئے عذر رنگ پیش کیا۔

''آپ کی فیملی مجھے کبھی ایکسپٹ نہیں کرے گی۔''

''صرف کچھ عرصے کی بات ہوگی، سب مان جائیں گے میری ماما بہت نائس ہیں، آہستہ آہستہ انہیں قائل کیا جا سکتا ہے اور پھر تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے، میری فیملی کے ساتھ نہیں میں یہاں سیٹل ہوں۔'' سائغ زچ ہو کر بولتے ہوئے پھر سے بے تکلفی سے مخاطب ہوا۔

''لیکن اس حقیقت سے انکار بھی تو نہیں کیا جا سکتا، کہ آپ کی فیملی میں آپ کی وائف کو وہ ریسپیکٹ نہیں ملے گی، جس کی وہ حقدار ہے، سب کے رویوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔'' وہ اس کے سامنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا میری وائف میری محبت و چاہت کے لیے وقتی حالات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی، جب کہ اسے میری مکمل سپورٹ حاصل ہوگی، تم یقین کرو جو تمہیں عزت نہیں دے گا، اس سے میں کوئی بھی تعلق نہیں رکھوں گا خواہ وہ میری ماں.....''

''بات یہ نہیں ہے۔'' اس کے مقابل آ کر کھڑے ہو کر رواحہ یک دم جھلاہٹ سے گویا ہوئی۔

وہ اس کی نظروں کی تپش سے پگھلی جا رہی تھی، اس کے سارے ارادے موم بن کر بہنے لگے تھے۔

''پھر اور کیا بات ہے اور کیا تم چاہتی ہو؟''

''آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں، ممی سے بات کریں انہیں سب اختیار ہے۔'' رواحہ کے جھنجھلاتے لہجے میں سائغ کے من کی جو مراد چھپی تھی وہ ایک لمحے میں ہی اس پر عیاں ہو گئی تھی۔ سائغ نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

اور پھر سائغ احسن نے دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے اپنے دل کے فیصلے پر شرعی مہر لگوا کر دم لیا تھا۔ میڈم بختیار نے بھی رواحہ کو بیٹی کی طرح رخصت کیا تھا۔ باسط نے دوستی کا حق ادا کر دیا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے اس اہم فیصلے پر بہت شاداں و مسرور تھا۔ رواحہ علی واقعی اس کے لیے سچی خوشی ثابت ہوئی تھی، جس نے اس کی روح سے دل اور دل سے ذہن تک کو آسودگی بخش دی تھی۔ زندگی کے نئے ڈھب دیکھ کر اسے ماما سے اپنی بات منوانے کا حوصلہ بھی ہوا تھا اور وہ خود میں ایک نئی قوت بھی محسوس کر رہا تھا۔

***

''سائغ پلیز فون تو اٹھالیں۔'' فون کی مسلسل بجتی بیل سے تنگ آ کر رواحہ نے کچن سے آ کر اسے کہا۔ پندرہ دن کی چھٹی کے بعد وہ آج آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر رواحہ کم ہی

فون ریسیو کرتی تھی۔

وہ آفس جانے کی تیاری میں مصروف تھا، ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے نمبر دیکھا، تو ایک دم الرٹ ہو گیا۔ گھر کا نمبر تھا اور اسے یقین تھا، اس وقت لائن پر ماما ہی ہوں گی۔ اس نے فوراً اپنا رخ بھی دروازے کی طرف موڑا کہ کہیں رواحہ کچھ کہتی ہوئی اندر نہ آ جائے، ابھی تو وہ یہ راز کھولنے کی پوزیشن میں تھا ہی نہیں۔

"اوہ ماما آپ السلام علیکم گڈ مارننگ صبح صبح کیسے یاد کیا خیریت ہے؟" اس نے پہلے سے بھی زیادہ اپنے لہجے کو میٹھا بنایا۔

"میری خیریت سے تمہیں کیا اور میں تو تمہیں یاد کر بھی لیتی ہوں، تمہیں کبھی اتنی توفیق ہوئی کہ میری خیر خبر تو لے لو، کتنے ہفتے ہو گئے ہیں تمہیں آئے ہوئے حساب ہے کچھ؟" ماما کہ لہجے میں شکوہ تھا۔

"جی تین ہفتے پہلے آیا تھا۔" بڑی معصومیت سے بتایا۔ شادی سے پہلے صرف ایک دن کے لیے ہو کر آیا تھا کہ تا کہ ماما ادھر نہ آ جائیں۔

"اور یہ تم آج کل ہوتے کہاں ہو، فون ریسیو نہیں کرتے، تمہارا موبائل بھی آف رہتا ہے۔ آفس والے نمبر پر بھی رسپانس نہیں دے رہے، مسئلہ کیا ہے، سنی تم ٹھیک تو ہو ناں؟" ان کی ممتا نے تڑپ کر پوچھا، تو وہ شرمندہ ہو گیا۔ کتنی بار اس نے ماما کا فون ریسیو نہیں کیا تھا، اپنی شادمانی میں وہ ان کی پریشانی بھلا ہی بیٹھا تھا۔

"سوری ماما! ایکچو لی پچھلے دنوں میں کچھ زیادہ ہی بزی رہا ہوں، گھر آنے جانے کا کوئی وقت مقرر ہی نہیں تھا۔ آئندہ میں آپ کو خود فون کر لوں گا آئی مین اگر میں بہت زیادہ بزی ہوا۔"

"سونیا کے بارے میں بھی تم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔"

آخری بار جب وہ گیا تھا، تو ماما نے اسے ایک لڑکی سے ملوایا تھا، جو بالکل ایک شو ماڈل تھی۔ جو کسی بھی طرح اسے اپنے لیے مناسب نہیں لگی تھی اور اسے اچھی طرح اندازہ تھا، ایسی لڑکی کا ماما کے ساتھ گزارہ نہیں ہو سکتا۔

"ماما آپ اچھی طرح جانتی ہیں مجھے ماڈل پیس پسند نہیں ہیں، ماما لڑکی کو لڑکی نظر آنا چاہیے۔ اشتہار نہیں اور مجھے آپ کے بارے میں بھی اچھی طرح اندازہ ہے، کہ آپ ایسی لڑکی کو چند گھنٹوں کے لیے برداشت نہیں کر سکتی ہیں۔ ساری زندگی کے لیے نہیں آپ پہلے اپنی چوائس کو کمپوز کریں، پھر مجھ سے کہیں اس کے بعد فیصلہ ہو گا۔" سائغ نے ان کے موڈ سے فائدہ اٹھا کر انہیں احساس دلانے کی کوشش کی، تو وہ قدرے ہار مانتے ہوئے بولیں۔

"چلو سونیا کو چھوڑو مجھے بھی وہ کچھ خاص پسند نہیں آئی، ایک اور لڑکی ہے مسز باقر کی بھانجی ہے اسٹیٹس سے آئی ہے تم آ جاؤ تو میں تمہیں اس سے ملوا دوں گڈ لکنگ اور بیوٹی فل ہے۔"

"مام کیا آپ ہر بار دوسروں کی لڑکیوں کے لیے فون کرتی ہیں، کیا مجھ سے آپ کو محبت نہیں ہے۔" سائغ نے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کیا تو وہ چیخ اٹھیں۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو، مجھے تم سے محبت نہیں ہے، اس بار آؤ تو پھر بتاتی ہوں۔"

"ہاں تو آپ خود سوچیں آپ جب فون کرتی ہیں، کسی نہ کسی لڑکی کا حوالہ ضرور ہوتا ہے، آپ سے کہا تو ہے کہ آپ پہلے خود سے پوچھیں کہ آپ کو کیسی بہو چاہیے اور پھر سوچیں میرے ساتھ کیسی لڑکی سوٹ کرے گی، پھر کسی لڑکی کو پرکھیں، اچھا پلیز مجھے اب اجازت دیں مجھے آفس جانے کے لیے تیار ہونا ہے۔ ابھی ناشتہ بھی کرنا ہے، میں آپ کو رات کو فون کروں گا اور ڈونٹ وری مام میں فرصت ملتے ہی آپ سے ملنے آؤں گا ٹیک کیئر آف یو۔" اس کی باتوں نے زویا احسن کو اس بار کافی حوصلہ دیا تھا، اس کے لب و لہجے میں انہیں نیم رضامندی ملی تھی، اسی لیے انہوں نے زیادہ بحث و تکرار نہ کی تھی۔

"او کے سنی تم بھی اپنا خیال رکھنا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ مام۔" رواحہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے فوراً ریسیور رکھ دیا۔

"صبح صبح کس کا فون تھا؟"

"ماما کا مجھے بلا رہی ہیں۔"

"تو آپ ہو آئیں۔" رواحہ نے بیڈ پر پڑا ہیئر برش اٹھا کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔

"فرصت ہو گی تو جاؤں گا ناں ابھی تو۔" اس نے رواحہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھا، تو وہ جھینپ کر بولی۔

"ناشتے کے لیے فرصت ہے یا نہیں جلدی سے ٹائی باندھیں اور چلیں آپ کو دیر ہو جائے گی پہلے دن ہی۔"

"پہلے دن کی دیر معاف ہو جائے گی ڈونٹ وری۔" سائغ کی شرارت سے وہ خود کو بچاتی پہلے ہی کمرے سے نکل گئی۔

ناشتے کے دوران اس نے سائغ کو سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"سائغ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں ہی ماما کے پاس چلیں اور انہیں اپنی شادی کے بارے میں بتا دیں۔"

"وائف تمہاری عقل کہیں گم ہو گئی ہے کیا' تمہارا مطلب ہے کہ ماما کو بنا کنوینس کئے بنا کسی تمہید کے جا کر بتا دوں اور اپنی شامت لے آؤں، اتنا بڑا رسک تو میں ہرگز نہیں لے سکتا۔"

"آخر کبھی نہ کبھی تو انہیں علم ہو ہی جائے گا، کہ آپ شادی کر چکے ہیں۔"

"اس کے لیے بھی کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی، ابھی تم خود کو ان سوچوں سے آزاد رکھو اور صرف میرے بارے میں سوچو، شام کو تیار رہنا تمہاری ممی سے ملنے چلیں گے او کے۔" وہ ناشتے سے فارغ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ رواحہ نے اس کا بریف کیس لا کر اس کی طرف بڑھایا، تو اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"او کے ہنی سی یو ٹو ایوننگ ٹیک کیئر آف یو۔" وہ اسے دروازے تک چھوڑنے گئی تو سائغ کو کچھ یاد آیا۔

''سنو۔''

''جی کیا بات ہے؟'' وہ دروازہ بند کرتی کرتی رہ گئی۔

''کسی کا فون سننے سے پہلے نمبر دیکھ لینا اور خود بھی پہلے نہیں بولنا، ماما کا کچھ پتا نہیں وہ کبھی بھی چیک کر سکتی ہیں۔''

''میں کیئر فل رہوں گی، لنچ پر گھر آئیں گے؟''

رواحہ کو بھی جیسے یاد آیا۔

''نہیں آج ذرا مشکل ہوگا، تو میرا ویٹ نہیں کرنا، لیکن خود ضرور کھانا کھا لینا خدا حافظ۔''

رواحہ کی زندگی کا یہ خوبصورت دور تھا، کسی کی چاہت کو پانا اور پھر اس میں کھو جانا مہکتے موسموں جیسا احساس تھا۔ اپنی تمام تر چاہتیں کسی کے نام کر کے لمحہ لمحہ اس یقین پر گزارنا کہ کوئی اپنی پوری ذات سمیت صرف اپنا ہے، صرف اپنا یہ احساس ہی لہو میں نغمہ بن کر دوڑتا ہے۔ پہلی بار کسی اپنے کے انتظار کی دلآویز لذت اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ سر شام ہی تیار ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ لمحہ لمحہ انتظار کا صدی بن کر گزر رہا تھا، حالانکہ ساغ شام ہوتے ہی لوٹ آیا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے سے لان میں مل گئی تھی۔

''ہیلو سویٹ ہارٹ کیسا گزرا دن؟'' وہ گاڑی بند کر کے اس طرف ہی بڑھ آیا تھا۔

''بہت اچھا۔'' ہوا سے اڑتے بالوں کو اس نے پیچھے سمیٹا اور پھر جھک کر اس کے ہاتھ سے بریف کیس تھام لیا۔

''رئیلی میرے بغیر کیا کیا سارا دن؟'' وہ اس کی کمر میں بازو حمائل کر کے اندر بڑھنے لگا۔

''میں نے پہلے کچن کی حالت درست کی ہے اور پھر کچھ سیٹنگ چینج کی ہے اور پھر۔'' وہ تفصیل بتاتے بتاتے جھجک گئی۔

''ہوں اور پھر.....؟'' وہ سیدھا اسے بیڈ روم میں لے آیا۔ ساغ نے اسے اپنا بریف کیس لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاں بھئی بولو اور پھر کیا کیا؟''

''اور پھر آپ کا انتظار۔'' رواحہ نے اپنی لرزتی پلکیں جھکائیں۔ اس کے قرب کی حدت سے وجود سلگنے لگا تھا۔

ساغ نے اپنی زندگی کی خوبصورت حقیقت کو بغور دیکھا۔ وہ گہرے سبز رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔ ہم رنگ دوپٹا ایک کندھے پر بکھرا اور ایک پر سمٹا ہوا تھا۔ گہرے براؤن سٹیپ ٹو سٹیپ کیٹنگ میں پشت پر لہرا رہے تھے۔ کانوں میں پرل کی بالیاں جھول رہی تھیں۔ لائٹ پنک کلر کی لپ اسٹک نے اس کے چہرے کو مزید نکھار بخشا ہوا تھا۔ اس کی نظروں سے روح میں تازگی اتر گئی تھی۔

رواحہ اس کے مسلسل دیکھنے پر جھینپ کھڑی ہوگئی۔

''آپ فریش ہو جائیں میں تب تک چائے لے کر آتی ہوں۔'' پھر وہ اس کے پہلو سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ساغ کو اپنی خوش نصیبی پر خود ہی رشک آیا۔ اب سے پہلے زندگی اس قدر حسین

نہیں لگی تھی۔ رواحہ کے ساتھ اور اس کی رفاقت نے جن مسرتوں سے ہمکنار کیا تھا، انہیں وہ کسی قیمت پر کھونے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ بس ایک باران سے مل کر انہیں بہلاوے دے کر آ گیا تھا، جس پر وہ مطمئن نہیں ہوئی تھیں، لیکن وہ اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھا اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے نمٹنے کا حوصلہ بھی وہ خود میں پیدا کر چکا تھا۔

***

حسب معمول ساغ چھٹی کے دن کمرے میں بند اپنی گزشتہ ہفتے کی ادھوری نیندیں پوری کر رہا تھا، جب کہ رواحہ اپنے روٹین کے کاموں میں مصروف تھی۔ اسے دوپہر کے لیے کھانا بنا کر، نہا کر نماز کی تیاری کرنا تھی۔ وہ ساغ کو جگانے کی ایک کوشش کے بعد دوبارہ سے کچن میں مصروف ہوئی چاہتی تھی، کہ کال بیل نے اسے جھنجلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی جھنجلاہٹ کی ایک وجہ یہ بھی تھی، کہ اس نے آج کام والی ماسی کو خاص طور پر جلد آنے کے لیے کہا تھا، مگر وہ اب تک آئی نہیں تھی، اس کی بے وقت آمد پر اس کا جھنجلانا لازمی امر ٹھہرا۔

اس وقت وہ تمام تر احتیاط بھول گئی تھی۔ دوپٹے سے پسینہ پونچھتے ہوئے اس نے بنا پوچھے ہی دروازہ کھول دیا اور پھر اگلے ہی لمحے دو اجنبی چہرے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر پیچھے ہٹ گئی۔ دونوں خواتین تھیں، ایک خاتون کافی مدبر و پروقار تھیں، دوسری لڑکی تقریباً اسی کی ہم عمر تھی۔ وہ دونوں بھی حیرت و استعجاب سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ہوش آتے ہی اس نے ہمت کر کے پوچھا۔

''کس سے ملنا ہے آپ کو؟ کون ہیں آپ؟'' لڑکی نے فوراً بوکھلا کر معذرت پیش کی۔

''سوری شاید ہم غلط گھر آ گئے ہیں مما چلیں سوری اگین پلیز۔'' لڑکی نے ماں کا ہاتھ تھام کر پلٹنا چاہا، مگر وہ رک گئیں۔

''ٹھہرو تو زویا بھابی نے تو یہ ہی ایڈریس دیا تھا اور پھر تم نے ابھی باہر نیم پلیٹ پر بھی تو پڑھی ہے۔'' خاتون مسلسل حیرت میں تھیں۔

''لیکن مما ساغ بھائی کے گھر صنف نازک کی موجودگی کیسی؟'' رواحہ کی تو جان ہی نکل گئی۔

اب کرے تو کیا کرے۔ اسے کچھ اندازہ تو ہو ہی گیا تھا، کہ ان خواتین کا تعلق اس کے سسرال سے ہے، کشمکش میں ہی اس نے انہیں اندر آنے کی پیشکش کی۔

''پلیز آپ لوگ اندر آ جائیں۔'' اس نے دروازہ چھوڑ کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا، تو دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھا اور اندر آ گئیں۔

''بات سنیں آپ کا نام کیا ہے کیا ہے اور ساغ احسن سے آپ کا رشتہ؟'' ڈائننگ روم میں پہنچ کر لڑکی نے مشکوک انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ فوراً بولی۔

''میں رواحہ ہوں میرا مطلب ہے مسز رواحہ ساغ۔''

''وہاٹ.....؟'' لڑکی صوفے پر بیٹھتے بیٹھتے اچھل کر کھڑی ہوگئی، جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

''آپ مسز ساغ.....؟ مما آپ نے دیکھا بھائی نے شادی کر لی اور۔'' لڑکی کے چیخنے سے پہلے

ہی اس کی مما رواحہ کو عجیب نظروں سے گھورنا شروع ہو چکی تھیں۔ ہلکے آسمانی سوٹ میں ملبوس وہ کافی پر کشش لگ رہی تھی۔

''تم نے کیا کہا ہے کہ تم......؟'' انہوں نے اپنی سماعت کے صحیح ہونے کی تصدیق کرنا چاہی تھی، سائغ اسے پکارتا ہوا ادھر ادھر دیکھتا وہاں آ پہنچا۔

''وجی...... وجی کدھر ہو یار کون آیا۔'' اور پھر ڈرائنگ روم کے دروازے میں آ کر جیسے وہ پتھر کا بن گیا۔ دونوں خواتین اس کی طرف لپکیں۔ رواحہ کو گم سم دیکھ کر وہ ایک لمحے میں سنبھل گیا۔

''پھپھو آپ......؟ آپ یہاں کیسے؟''

''کیوں میں یہاں نہیں آ سکتی، کیا تم نے سارا شہر الاٹ کروایا ہوا ہے۔'' بگڑے تیوروں کے ساتھ جواب ملا۔

''میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ آنے سے پہلے مجھے انفارم کر دیتیں، تو میں آپ کو ریسیو کرنے آ جاتا۔''

''ہاں تا کہ تمہیں موقع مل جاتا اپنی اصلیت چھپانے کا۔'' وہ ان کے اظہار ناراضگی پر مسکراتا ہوا، انہیں کندھوں سے تھام کر صوفے پر بٹھانے لگا۔ لڑکی شدید ناراضگی کے اظہار کے طور پر ابھی تک کھڑی تھی اور رواحہ سراسیمہ سی تھی۔

''تو لاہور آنے کی ضد اسی لیے تھی اپنی ماں سے تم تو ابھی تک کہتے ہو، کہ شادی کے جھنجھٹ میں پھنسنا نہیں چاہتا، پھر یہ کیا چکر ہے؟'' سب کچھ ہی غیر متوقع تھا، اس لیے انہیں خود پر قابو نہیں رہا تھا۔

''بیوی ہے یا......؟'' ان کے مشکوک لہجے میں وہ فوراً تڑپ کر بولا۔

''پھپھو ایسا نہ سوچیں، پلیز میں ابھی آپ کو بتا دیتا ہوں، آپ تھوڑا ریلیکس تو کریں اور بھوری تم کیوں کھمبا نوچ کھڑی ہو، بیٹھ جاؤ ناں بابا بتا رہا ہوں ناں سب کچھ۔'' اس نے لڑکی کو بھی ہاتھ پکڑ کر صوفے پر دھکیلا۔

لڑکی کے بال خاصے براؤن اور ملبوس بھی لائٹ براؤن رنگ کا تھا۔ اسی لیے وہ اسے بھوری کہہ رہا تھا، پھر اس نے رواحہ کو کندھوں سے تھام کر ان کے سامنے لا کھڑا کیا۔

''وجی یہ ہماری اکلوتی پھپھو ہیں اور یہ جو بھوری بلی ہے ناں یہ بھی اکلوتی کزن ہے، ہماری اور اس سے تو آپ کا تعارف ہو چکا ہوگا، اسی لیے تو مزاج اتنے شاندار ہو رہے ہیں۔'' سائغ مطمئن ہو کر ہلکے پھلکے انداز میں بات چیت کر رہا تھا، جب کہ رواحہ سے بولنا تو کیا سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا، کیونکہ اس کی پھپھو کی نظریں اسے اپنے آر پار محسوس ہو رہی تھیں۔

''بھائی ویسے آپ سے ایسی توقع نہیں تھی۔ آپ نے اتنی رازداری سے ہمیں دھوکا دیا ہے، کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے، تو آپ کو سرپرائز دینے آئی تھی اور آپ نے تو ہمیں شاکڈ ہی کر دیا۔ اف آنٹی زویا کے تو نجانے کیا کیا پروگرام ہیں اور آپ۔'' اس کی کزن شافع نے نہایت خفگی سے اسے مخاطب کیا، تو رواحہ نے وہاں سے ٹلنے میں ہی عافیت جانی۔

''میں کولڈ ڈرنکس لے کر آتی ہوں۔''

''اور میرے لیے ون کپ آف ٹی۔'' سائغ نے اسے پیچھے سے آواز دی۔ رواحہ اور سائغ نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، کہ کوئی اس طرح اچانک بنا اطلاع کے آ جائے گا۔ رواحہ کے جاتے ہی وہ پھپھو کو رام کرنے لگا۔

''پھپھو بلیو می آئی سوئیر میں نے کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا، میں نے رواحہ سے شادی کی ہے کوئی گناہ تو نہیں کیا۔'' اس نے ان کی بدگمانی دور کرنا چاہی۔

''تمہارے نزدیک گھر والوں سے چھپ کر شادی کرنا جائز ہوگا، مگر ہمارے لیے تو غلط کام ہی ہے، کیا ہم لوگ مر گئے تھے؟''

''پھپھو ایسے نہ کہیں آپ ماما کو تو جانتی ہیں ناں، ان کی چوائس کے ساتھ میں خوش نہیں رہ سکتا تھا اور پھر میں اپنے دل کے ہاتھوں بہت مجبور ہو گیا تھا۔ وجی کے علاوہ میں کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' اس نے صداقت سے دل کی بات کہہ دی۔ وہ ان کے لیے کولڈ ڈرنکس اور سائغ کے لیے چائے لے کر آ گئی اور پھر انہیں سرو کرتے ہی دوبارہ نکل گئی۔

''بھابی جان کی چوائس بھی بری نہیں ہے، سونیا بھی معقول ہی تھی، اب وہ مسز باقر کی بھانجی ملیحہ میں انٹرسٹڈ ہیں، تمہیں معلوم ہے وہ اپنے فیصلوں میں زیادہ ردوبدل نہیں کرتیں۔''

''فرینکلی اسپیکنگ مما ملیحہ بھی مجھے کچھ خاص اچھی نہیں لگی، آنٹی بھی بس بیوٹی دیکھ کر پھسل جاتی ہیں، یا پھر فیملی بیک گراؤنڈ لڑکی کی نیچر بھی تو دیکھیں، اس کی عادتیں، اس کے مشاغل آپ کو معلوم ہے موصوفہ مقابلہ حسن جیتنے کی خواہش مند ہے۔ کہتی ہے میری نیشنلیٹی تو امریکہ کی ہے مجھ پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اونہہ امریکہ کی چچی۔''

شافین کی ملیحہ کی باتیں یاد آئی تھیں، اس لیے اس کے منہ کے زاویے بھی بگڑ گئے تھے۔ سائغ نے سن کر مصنوعی بے چارگی کا اظہار کیا۔

''سن لیں پھپھو پھر تو میں نے اچھا ہی کیا ناں کہ پسند سے شادی کر لی، ورنہ ماما تو میری اور اپنے خاندان کی رسوائیوں کا سامان کر ہی چکی تھیں۔''

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے، لڑکیوں میں اس نے شو ماردی ہوگی، اس کے والدین پاکستان میں اس کی شادی کی غرض سے آئے ہیں نا کہ اسے مقابلہ حسن میں بٹھانے کے ارادے رکھتے ہیں۔ خدا کی پناہ فینی کو بھی جس سے بیر ہو جائے، تو پھر اسے بخشتی نہیں۔'' اس کی مما ناراضگی سے بولیں۔

''میں کوئی جھوٹ بول رہی ہوں ماما، آپ واپس چلئے گا، میں اس کے منہ سے آپ کو بھی سنواؤں گی۔'' لاڈلی شافین خفگی سے بولی، تو لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ بولیں۔

''اب کیا فائدہ اب تو جو ہونا تھا ہو گیا ہے۔ صاحب بہادر چاند چڑھا چکے ہیں، ہمیں اب دوسروں کے اعمالوں سے کیا۔'' پھر سائغ کی طرف رخ کرتے ہوئے تشویش سے اظہار کیا۔

''آگے کا کیا سوچا ہے اسی طرح آنکھ مچولی کھیلو گے، یا اپنے کارناموں کے اعلان کرنے کا حوصلہ

بھی ہے، بھابی تو قیامت اٹھادیں گی، سنی تم یہ قدم اٹھانے سے پہلے ماں کا سوچ لیتے۔"

"کوشش تو کی تھی، مگر دل نے سوچنے ہی نہیں دیا۔" پھر اس نے رواحہ کے بارے میں انہیں مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی۔

"تمہاری سب باتیں ٹھیک ہیں، مگر یہ بتاؤ بھابی کو کیسے مناؤ گے؟" آخر اس کی پھپھو کا دل بھی اس کی طرف سے صاف ہوگیا۔

"یہ تو پھپھو اب آپ کو سوچنا ہے پلیز ہیلپ می۔" وہ خوشامد سے بولا۔

"اپنا مسئلہ اب میرے سر ڈال رہے ہو۔"

"پلیز پھپھو آپ کو ہی کچھ کرنا ہوگا، کیا آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں؟"

"اچھا بیٹا نہ سمجھتی، تو کیا خود تمہیں لینے آتی۔"

"مجھے لینے.....؟ کس سلسلے میں؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"تمہاری بہن کی شادی ہے اگلے ماہ اور تمہیں آ کر سارے انتظامات سنبھالنے ہیں، صائب کا تو آنے کا پروگرام ہی نہیں بن رہا؟"

"رئیلی.....؟ یہ بھوری بلی اب آپ کی جان چھوڑنے والی ہے، پھپھو شکر ہے اس کے نخروں، فرمائشوں سے تو اب آپ کی بچت ہو جائے گی۔" اس نے شافین کو چھیڑا، تو وہ خفگی سے بولی۔

"آپ کو میری فرمائشوں سے کیا تکلیف پہنچتی ہے اور میں آپ کو تو نخرے نہیں دکھاتی، اپنی مما کو دکھاتی ہوں۔"

"ہاں تو مجھے اپنی پھپھو کا ہی تو خیال ہے۔"

"مما منع کریں سائح بھائی کو، ورنہ میں ابھی واپس چلی جاؤں گی۔"

"جاؤ بھی تمہیں روک کون رہا ہے۔" سائح نے اسے شرارت سے چڑایا، تو وہ اٹھ کر باہر نکل گئی اور پھر اگلے ہی لمحے جھانک کر پوچھا۔

"وہ آپ کی وائف کدھر ہوں گی؟"

"میری وائف اب آپ کی بھابی ہیں، وجی اس وقت کچن میں ہوگی، دیکھو اسے جا کر تنگ نہیں کرنا، میں نے تو اسے بڑا حوصلہ دیا ہوا تھا، کہ تمہاری کوئی نند ہے۔" سائح نے اسے ٹوکتے ہوئے پھر چھیڑا، تو وہ پاؤں پٹختی چلی گئی، جب کہ پھپھو سر ہلا کر رہ گئیں۔

"تم دونوں کی یہ نوک جھوک مجھے عاجز کر دیتی ہے، تم بتاؤ کب تک آؤ گے۔"

"جب کہیں گی میں آجاؤں گا۔"

"اور تمہاری بیوی، کیا نام ہے؟"

"رواحہ..... میں اسے وجی کہتا ہوں اسے میں، ظاہر ہے اس کی ممی کے پاس چھوڑ کر آؤں گا، یہاں تو وہ اکیلی نہیں رہ سکتی۔ آپ مجھے ڈیٹ بتا دیں، پھر میں اپنا پروگرام بنالوں گا۔" سائح نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"آئیے آپ نے ڈنر کرنا ہے تو وجی نے لنچ تیار کر لیا ہوگا۔"

"ہوں چلو ویسے تم زیادہ پریشان مت ہونا، ہم کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔" انہوں نے ساتھ چلتے ہوئے اسے تسلی دی تو وہ مسکرایا۔

وہ اس کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں داخل ہوا، تو رواحہ باتھ روم سے نہا کر نکلی تھی، جب کہ شافین بیڈ پر نیم دراز میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

"پھپھو آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔" رواحہ نے تولیے سے بال آزاد کرتے ہوئے خوش مزاجی سے کہا تو اس بار پھپھو کی تنقیدی نظروں میں توصیف اتر آئی تھی۔ دھلا نکھرا چہرہ ان کے بھی من کو بھا گیا تھا۔ اس پر اس کا اپنائیت بھرا لہجہ۔

وہ رواحہ کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں آگئیں، جو مہمانوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ شافین بھی ان کے پیچھے پیچھے آرہی تھی اور پھر وہ دو دن کے بجائے چار دن ان کے پاس رہیں۔ ان چار دنوں میں شافین کی رواحہ سے اچھی خاصی دوستی ہوگئی۔ اس کا یہی اصرار اور تقاضا تھا کہ بھابی اس کی شادی میں ضرور شریک ہوں۔ سائح اور اس کی مما نے سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی، مگر اس کی ایک ہی ضد تھی۔

"بیٹا ابھی یہ موقع نہیں ہے، بھابی کو ذرا بھی بھنک پڑ گئی، تو وہ ان دونوں کے ساتھ میرا بھی ناطقہ بند کر دیں گی۔"

"میں کچھ نہیں جانتی بھابی کو ہر حالت میں میری شادی میں شریک ہونا ہے، بلکہ انہیں میں ابھی اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں اور میں انہیں اپنی فرینڈ کی حیثیت سے انوائٹ کر رہی ہوں اور اب کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" اس کے ضدی اور بچگانہ انداز پر تینوں ہنس دیئے۔

سائح نے تو اس کا پورا پلان سن کر اس کا خوب مذاق اڑایا تھا۔

"آج میری بیوی کو سہیلی بنا کر لے جا رہی ہو، کہیں کل کو اپنے شوہر نامدار کے ساتھ کوئی ڈرامہ نہ کر دینا۔"

سائح بھائی آپ مجھ سے فضول باتیں نہ کریں، میں بھابی کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں، کیوں بھابی آپ جائیں گی ناں۔" اس نے معصومیت سے تصدیق چاہی تو رواحہ اس کے بچپنے پر ہنس دی۔

"سوری بھئی میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، مجھے اپنی بیوی کی جان بہت عزیز ہے۔ تمہارا کیا اعتبار کہ وہاں جا کر ماما پر میرا راز فاش کر دو اور اسے مجھ سے پہلے جوتے پڑواؤ۔" سائح شرارت سے ہنسا۔

"کیا.....؟ آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں، آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں دیکھیں، ناں بھابی یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں میں ان کی سگی بہن نہیں ہوں نا اس لیے۔ اگر ان کی اپنی بہن کہتی، تو کیا آپ کو یہ روک سکتے ہیں۔" شافین نے جذباتی بلیک میل کرنے کی کوشش کی۔ رواحہ نے اسے کندھے سے لگا کر تسلی دی۔

"ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو تم یہ تمہیں ایسے ہی چڑا رہے ہیں اور بے فکر رہو میں تمہاری شادی میں ضرور آؤں گی، مگر ابھی نہیں شادی سے کچھ دن پہلے آؤں گی۔"

"کیوں ابھی کیوں نہیں چل سکتیں، بلکہ اب چلیں گی تو کسی کو شک بھی نہیں ہوگا، میں سب سے یہی

کہوں گی کہ آپ میری فرینڈ ہیں۔'' شافین پھر سے بولی تو رواحہ نے اسے مزید سمجھایا۔

''تمہارا جو دل چاہے مجھے کہہ کر متعارف کروانا، مگر پلیز ضد نہیں کرو، ابھی میں جاؤں گی تو انہیں بہت پرابلم ہوگی، میں ان کے ساتھ ضرور آؤں گی اور تمہیں تمہاری دوست بن کر ہی دکھاؤں گی۔''

رواحہ نے امداد طلب نظروں سے سائع کو دیکھا، تو وہ بھی شافین کو پیار سے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

''یار تمہیں اپنے بھائی کا ذرا خیال نہیں ہے، ایک ماہ پہلے تم میری وائف کو لے جاؤ گی، تو میں پیچھے کیا کروں گا ابھی تو دیکھ لو، ہمارا گھر بھی ٹھیک طرح سیٹ نہیں ہوا ہے۔ وحی کے بغیر میں بالکل نکما ہو جاؤں گا، تم یقین رکھو میں اپنے ساتھ اسے ضرور لے کر آؤں گا اور پھر تمہارے حوالے کر دوں گا، پھر تم جاننا اور یہ..... او کے پلیز۔'' سائع نے بہت مشکل اور منتوں سے اسے منایا۔

جانے سے پہلے وہ بہت سے اقرار باندھ کر گئی۔ سائع نے بھی کافی سوچ بچار کے بعد رواحہ کو پھپھو کے گھر لے جانے کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا، خواہ شافین کی دوست کی حیثیت سے ہی سہی رواحہ ایک بار اس کی ماما کی نظروں میں تو آ جائے، پھر وہ اپنے فیصلے کے بارے میں انہیں آگاہ بھی کر دے گا، لیکن رواحہ اس ڈرامے کا حصہ بننے سے انکار کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ ان کی نظروں میں مزید گر جائے گی، مگر سائع کو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آ رہی تھی۔

اس نے شافین کے لیے بڑی گرمجوشی سے شاپنگ کی تھی، اسے دیکھ کر سائع خوش بھی تھا اور مطمئن بھی۔ شافین کے بار بار بلانے اور ماما کے کہنے پر اس نے دو دن پہلے کی سیٹیں ریزرو کروالی تھیں۔

''سائع وہاں جا کر مجھ سے فری ہونے کی کوشش مت کیجئے گا، ورنہ شاید کسی کو شک ہو جائے۔'' آنے سے پہلے وہ سائع کو تنبیہ کر رہی تھی۔

''مجھے کیا ضرورت ہوگی، ویسے بھی میں تمہارے ساتھ تو نہیں رہوں گا، تمہیں پھپھو کے طرف ڈراپ کر کے اپنے گھر چلا جاؤں گا، پھر تم جانو اور تمہارا کام۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تو کیا آپ پھپھو کے گھر نہیں آیا کریں گے؟'' وہ پریشان ہوگئی۔

''تم بلاؤ گی تو آ جاؤں گا۔'' وہ اس کی پریشانی سے محظوظ ہوا۔

''میں آپ کو کیسے بلاؤں گی، شادی میں اتنے مہمان ہوں گے اور پھر آپ کی ماما۔'' وہ سوچ کر گھبرا گئی اور پھر روہانسی سے بولی۔

''رہنے دیں میں نہیں جاتی مجھ سے نہیں ہوگا، یہ سب آپ اکیلے ہی چلے جائیں۔''

''یار اتنی جلدی ہار مان گئی ہو، ابھی تو صرف یہ چھوٹا سا ڈرامہ کرنا ہے، وہ بھی تم سے نہیں ہو رہا۔ ماما کو کیسے ہینڈل کرو گی وحی رئیلی ہماری دوری صرف دنیا دکھاوے کو ہوگی، آئی پرامس یو میں تم سے خود ملنے آ جایا کروں گا۔''

''بس اب کوئی فضول بات نہیں کرو، چلو اٹھو تیاری کرو فلائٹ جانے میں صرف دو گھنٹے ہیں اور تمہیں ابھی تیار بھی ہونا ہے۔ ہری اپ شاباش۔'' سائع نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے اس کا ہاتھ

تھام کر اپنے سامنے سے اٹھایا، تو وہ بے دلی سے اس نئے امتحان کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

زندگی کے اس موڑ کے بارے میں اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ سسرال تک پہنچنے کا یہ ان ڈائریکٹ سلسلہ اسے عجیب لگ رہا تھا، مگر وہ اس کی خوشنودی کی خاطر اس سفر پر چل نکلی تھی۔

***

''فرمایئے کس سے ملنا ہے؟'' اچانک ہی ایک اسمارٹ سا لڑکا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ سائع اسے گیٹ سے باہر ہی اتار کر ٹیکسی میں چلا گیا تھا اور وہ اپنا وزنی بیگ تقریباً گھسیٹتی ہوئی گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی۔ آسمان پر پھیلتے اندھیروں کے باوجود الشافین میں دن کا سماں لگ رہا تھا۔ آنکھیں چندھیاتی روشنیاں دل تک میں اجالے بکھیر رہی تھیں۔ وہ اپنے پراعتماد انداز میں اندر میں بڑھ رہی تھیں۔ گھر میں گہما گہمی سی تھی۔ باوردی بیرے لان کی جانب آ جا رہے تھے۔ سامنے کھڑے نوجوانوں کی آنکھوں میں مچلتی شرارت کو سمجھنے کے باوجود وہ اسے نظرانداز کرتی آگے بڑھنے لگی، تو وہ بھی پیچھے ہولیا۔

''ارے محترمہ آپ کہاں گھسی چلی جا رہی ہیں، پہلے اپنا تعارف تو کرواتی جائیں، کہیں کوئی چکر باز ہوئیں تو مجھے آنٹی نے نہیں چھوڑنا۔ کل کہیں اخبار میں ہماری روتی صورتوں کے ساتھ خبر چھپی ہو کہ ایک معصوم دوشیزہ کل رات شادی والا گھر لوٹ کر رفو چکر ہوگئی۔'' پچیس چھبیس سالہ نوجوان ٹین ایجرز کی طرح بی ہیو کر رہا تھا۔ رواحہ نے اسے خاصی ناگواری سے دیکھا۔

''مسٹر آپ جو کوئی بھی ہیں، میرے راستے سے ہٹیں اور اپنا راستہ ناپیں۔''

''تو آپ بتا کیوں نہیں رہی ہیں کہ آپ یہاں کس لیے آئی ہیں؟''

''آپ یہاں کس لیے آئے ہیں؟'' رواحہ نے الٹا سوال داغا۔

''میں تو اپنی کزن کی شادی میں آیا ہوں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''آپ کی کزن میری فرینڈ ہے یقیناً آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی، اب براہ کرم میرے راستے سے ہٹ جائیں ورنہ؟'' اس نے سختی سے کہنے کے ساتھ ادھر ادھر نگاہ بھی دوڑائی۔ تبھی اسے پھپھو نظر آ گئیں۔ وہ لان کی طرف جا رہی تھیں۔ رواحہ نے انہیں پکار کر متوجہ کیا۔

''پھپھو پلیز ادھر آئیں۔'' اگلے ہی پل اس نے دانتوں تلے زبان دے دی۔ اسے پھپھو نہیں آنٹی کہنا چاہیے تھا۔ پھپھو روشن اسے دیکھتے ہی فوراً اس کی طرف لپکیں اور قریب آ کر اسے لپٹا لیا۔

''السلام علیکم آنٹی۔''

''وعلیکم السلام شکر ہے کہ تم آ گئی ہو فینی تم سے بہت ناراض ہے۔'' پھپھو نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

نوجوان ابھی بھی وہیں کھڑا تھا۔ پھپھو نے اسے رواحہ کا سامان اندر پہنچانے کی ہدایت کی، تو وہ بڑی شرافت سے بولا۔ ''میں تو کب سے کہہ رہا تھا کہ آیئے آپ کو اندر لے چلوں، مگر آنٹی ویسے کس روم میں ان کا سامان رکھنا ہے؟''

''شافین نے اپنے ساتھ والا روم اسی کے لیے لاکڈ کر رکھا ہے، روم کی چابی بھی اسی کے پاس

ہے، تم وہیں سامان رکھوا دو بیٹا۔'' پھپھو اسے ہمراہ لے کر اندر بڑھ گئیں۔ شافین اسے دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ ساری ناراضگی اڑن چھو ہو گئی تھی۔

''کتنا انتظار کروایا مجھے، اگر آج بھی نہ آتیں تو میں نے ساری زندگی بات نہیں کرنی تھی۔''

''میں نے وعدہ کیا تھا کیسے نہ آتی، دیکھ لو آ گئی ہوں اب خوش ہو؟'' رواحہ نے پیلے جوڑے میں ملبوس شافین کو محبت سے دیکھا تو وہ خوشی سے سرہلانے لگی۔

''اور بھائی کہاں ہے باہر ہیں کیا؟'' شافین نے محتاط ہو کر آہستگی سے پوچھا۔

''نہیں وہ تو گھر چلے گئے ہیں، کہہ رہے تھے ماما کے ساتھ آئیں گے۔'' رواحہ نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ اسی دم ہلکی سی دستک دے کر وہی نوجوان اندر چلا آیا۔

''فینی یہ تمہاری فرینڈز زوی آئی پی کب ہو گئی ہیں؟''

''کیوں تمہیں میری فرینڈز سے کیا تکلیف پہنچی ہے؟''

''تکلیف ہوئی ہے تو کہہ رہا ہوں، کیا میں تمہاری فرینڈز کا ملازم ہوں؟'' آنے والا شافین کا کزن شہریار عرف شیری تھا اور رواحہ کا سامان اس کے کمرے تک پہنچانے کی ذمہ داری پر سخت بھنایا ہوا تھا۔ رواحہ حیرت سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

''میری فرینڈز کے لیے آپ نے پہاڑ ڈھا دیئے ہیں، یا نہریں کھود ڈالی ہیں۔'' فینی نے تیکھے پن سے پوچھا، تو وہ زچ سا ہو گیا۔

''اچھا مجھ سے مت لڑو صرف دو دن صبر کر لو، اپنے دولہا سے جا کر لڑنا اور مجھے اپنے برابر والے روم کی چابی دو مجھے سامان رکھوانا ہے۔''

''کس کا سامان'' وہ روم تو میں نے رواحہ کے لیے لاک کیا ہے اور یہ رہیں گی وہاں۔'' وہ نئے مسئلے پر اس سے الجھ پڑی۔

''تو میں بھی انہیں محترمہ کا سامان رکھوانے کے لیے چابی مانگ رہا ہوں۔''

''اوہ تو یوں کہو نا کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو۔'' فینی نے مطمئن ہو کر بیڈ کی دراز سے چابی نکال کر اسے تھمائی۔ اس کے مڑتے ہی فینی نے اسے پکارا۔

''شیری بھائی ایک کام اور کر دو پلیز۔'' اپنے مطلب کے لیے فینی کے لہجے میں مٹھاس بھری۔

''فرمایئے میں تو آپ کا بے دام غلام ہوں، حکم کیجئے پورا کر دوں گا۔'' شہریار نے بہت اُکتائے ہوئے لہجے میں بات کی تو فینی چونک اٹھی۔

''ہوا کیا ہے آپ کو میری فرینڈ کیا سوچے گی کہ آپ۔''

''جو سوچنا ہے سوچ لیں، میں کسی کی سوچوں کو پابند نہیں کر سکتا، تم بس کام بتاؤ۔'' شیری کا لہجہ کاٹ کھانے والا تھا۔ رواحہ اسے مسلسل حیرت سے تک رہی تھی۔ یہی لڑکا باہر شوخیاں دکھا رہا تھا اور اب بد مزاجی کے مظاہرے کی بھی انتہا تھی۔ فینی بھی اس کی حیرت بھانپ کر ہنس دی۔

''تم حیران مت ہو ان کا کیس میں سمجھتی ہوں۔ ایکچولی تم میری وہ واحد سہیلی ہو، جس سے ان کا

تعارف نہیں ہے۔''

''بس ہو گئی شروع کہو کیا بات ہے؟'' وہ مزید خفگی دکھا کر بولا۔

''رکئے پلیز۔'' رواحہ نے اسے آواز دے کر روکا۔ شیری مڑ آیا۔

''تعارف حاصل کرنے کا یہ نیا طریقہ ہے۔ میں رواحہ علی ہوں لاہور سے آئی ہوں، میرے خیال میں کوئی بھی لڑکا اتنے سے تعارف پر ہی خوش ہو جاتا ہے۔'' رواحہ کے انداز پر وہ مزید خجل ہو گیا اور پھر اس نے شافین کو گھور کر دیکھا، تو وہ ہنس کر بتانے لگی۔

''شیری بھائی میرے فرسٹ کزن ہیں۔ بہت اچھے ہیں، تم یہاں جب تک رہو گی تمہیں کمپنی بھی یہی دیں گے، بہت کام کے ہیں شیری بھائی۔'' پھر شیری کو مخاطب کیا۔

''اب آپ جا کر سامان تو رکھوائیں اور ماما سے کہیں رواحہ کے لیے چائے بھی بھجوا دیں۔'' وہ بگڑا بگڑا باہر نکل گیا۔

چائے پینے کے بعد شافین نے اسے اس کا کمرہ دکھایا اور تیار ہونے کے لیے کہا۔

''اب تم تیار ہو جاؤ، دس بجے تک وہ لوگ مہندی لے کر آ جائیں گے۔''

''اور تمہاری سہیلیاں اور باقی کزنز کہاں ہیں؟'' رواحہ نے جھک کر بیٹھتے ہوئے اپنا سوٹ کیس کھولا۔

''کچھ تو پارلرز گئی ہیں اور باقی اوپر کمروں میں تیار ہو رہی ہیں، ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں پوچھو کیا بات ہے۔'' رواحہ مہندی میں پہننے کے لیے اپنے سوٹ نکال کر کھڑی ہوئی۔

''میں تمہیں تم کہتی ہوں برا تو نہیں لگتا؟''

''کیوں برا لگے گا تمہاری اپنائیت اچھی لگی ہے اور احترام دل میں ہونا چاہیے۔ ڈونٹ وری او کے۔'' رواحہ نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔

''شکریہ پتا ہے میں گلٹی فیل کر رہی تھی، اچھا تم جلدی سے تیار ہو جاؤ اور شیری بھائی سے کیئر فل رہنا، بہت کھوجی ہیں ابھی بھنک بھی پڑ گئی تو؟''

''تم بالکل بھی فکر نہیں کرو میں احتیاط کروں گی۔''

اور جب وہ سیاہ لباس میں ملبوس ہو کر شافین کے کمرے میں دوبارہ آئی، تو اس کی کزنز وغیرہ وہیں موجود تھی۔ سبھی نے چونک کر اسے دیکھا۔ نیکلس کے زرتون اس کے چہرے پر چمک رہے تھے۔ سبھی متجسس ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ شافین نے بھی مسکراتے ہوئے اور سراہتی نظروں سے اسے دیکھا پھر سب سے تعارف کروانے لگی۔

''یہ میری بیسٹ فرینڈ رواحہ علی ہیں۔ کانونٹ ہم اکٹھے ہی ہوتے تھے۔ آج کل لاہور میں ہوتی ہے۔'' اس نے سب سے تعارف کروایا۔ تعارف کے دوران ہی سب نے اپنائیت، بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ آنٹی روشن بھی آتے ہی اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور پھر اسے خود سے لپٹا لیا۔

''ماشاء اللہ آج تو میری بیٹی بہت پیاری لگ رہی ہے۔ بیٹا مائنڈ مت کرنا میں تمہیں ابھی نام نہیں

دے سکتی۔ دو دن بعد تم ہو گی اور میں اسے اپنا ہی گھر سمجھو، کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہلوا دینا۔'' رواحہ ان کی تعریف میں بلش ہو گئی، پھر سنبھل کر بولی۔

''آنٹی آپ میری فکر نہ کریں، بلکہ مجھے بتائیں میری ضرورت ہے کیونکہ آپ اکیلی سب کچھ سنبھال رہی ہیں۔''

''سب کام ہو رہے ہیں، تم بس یہیں اپنی چہیتی کے پاس رہو۔''

''اس کے پاس بہت ذخیرہ ہے، میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' رواحہ نے شریر نظروں سے سب کی طرف دیکھا۔ سبھی حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ خصوصاً شافین کی کزنز کو ایک نئی لڑکی کو اتنی اہمیت دینا کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے پھپھو کے ساتھ جاتا دیکھ کر شافین نے دہائی دی۔

''ارے کہاں جا رہی ہو، میں نے تمہیں اپنے لیے بلوایا ہے یا مما کے لیے؟''

''فی الحال آنٹی کو میری ضرورت ہے میں ارینجمنٹ جا کر دیکھتی ہوں، تم بھی سکون سے بیٹھو۔'' وہ ان کے ساتھ نکل گئی۔

''ہاؤ۔'' وہ لاؤنج میں پڑی میز کے قریب پھولوں کے چٹاں پلیٹوں میں سجا رہی تھی، کہ کسی نے پیچھے سے آ کر اسے ڈرایا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ زمین پر گر گئی۔ شدید غصے کی لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی، جو بھی تھا اس نے نہایت ہی غلط حرکت کی۔ حواس جمع کر کے جیسے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ مارے حیرت کے ساکت ہو گئی۔

''آپ..... آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' اپنے پیچھے سائغ کو دیکھ کر وہ بولی۔ اس وقت وہ وہاں اکیلی تھی، اس لیے وہ موقع دیکھ کر چلا آیا۔

''میں تمہارا حوصلہ دیکھ رہا تھا۔ ابھی تو بہت کچھ سہنا ہے تمہیں۔''

''کوئی ایسے کرتا ہے بھلا؟ کوئی دیکھ لیتا تو؟'' اس کی دھڑکنیں ابھی تک معمول پر نہیں آئی تھیں۔

''یار میں لائن کلیئر دیکھ کر ہی ادھر آیا ہوں۔''

''کب آئے ہیں؟ کیا ماما اور پاپا بھی آ گئے ہیں؟'' اس نے جھک کر گری ہوئی پلیٹ اٹھالی۔ اس کے دوپٹے کا کونا سائغ کے سفید کھسے تلے تھا۔ رواحہ اس کی شرارت سمجھ کر بولی۔

''اب کیا مجھے گرانے کا ارادہ ہے؟''

''ہاں ساتھ میں خود بھی پھسلوں گا۔'' سائغ نے شوخی سے کہا۔

''آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میں ادھر ہوں؟''

''ایک گھنٹے سے تلاش گمشدہ کی مہم پر ہوں، بڑی مشکل سے پھپھو سے اگلوایا ہے۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تو وہ گھبرا گئی۔

''یہاں کیوں بیٹھ گئے ہیں، اب جائیں کوئی آ گیا تو فضول میں افسانہ بن جائے گا، کہ پہلی ملاقات میں ہی منڈے نے کڑی پھنسالی۔''

''یہ تو سچی بات ہو گی۔'' سائغ نے ایک پھولوں بھری پلیٹ اپنے قریب کھسکالی اور پھر پتی پتی اس

پر پھینکنے لگا۔

''فضول باتیں نہیں کریں چلیں جائیں۔'' رواحہ نے پلیٹ اس کے آگے سے اٹھالی، مگر اس نے دوسری پلیٹ اپنے آگے رکھ لی۔

''میں کام کروا رہا ہوں تمہارے ساتھ۔'' وہ پھر سے اس پر پتیاں پھینکنے لگا۔

''پلیز کیا کرتے ہیں کوئی آ جائے گا دیکھ لے گا، میرا امپریشن خراب ہو گا۔'' رواحہ کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

''میرے اور تمہارے سوا یہاں کوئی نہیں ہے۔ سبھی اپنے آپ میں مگن ہیں یار وائف آج تو بڑی کیوٹ لگ رہی ہو نظر اتاروں۔'' وہ پرشوق نظروں سے دیکھتا اس کے قریب آیا، تو وہ شرف سے سرخ پڑ گئی پھر جھینپتی ہوئی بولی۔

''آپ نے پرامس کیا تھا کہ مجھے یہاں تنگ نہیں کریں گے۔''

''ہاں یاد ہے مجھے اپنا وعدہ سب کے سامنے نہیں کروں گا۔ مگر اس وقت تو ہم۔'' کہتے کہتے اس کی زبان رک گئی۔ کمر کے گرد حمائل ہوتے بازو اس نے فوراً پیچھے کر لیے۔ کسی کے قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے کچن میں گھس گیا۔ رواحہ نے بھی بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔

ملازم مزید پھول اور گلدستے دے کر گیا تھا۔ شیشے کی دیوار سے سائغ نے اسے جاتے دیکھا اور باہر نکل آیا۔

''اچھا میں چلتا ہوں جلدی باہر آنا اور وہاں رہنا جہاں سے میں تمہیں دیکھ سکوں۔'' جاتے جاتے اس نے ایک گلدستہ اٹھا کر سونگھا۔ رواحہ نے آواز دے کر اسے روکا۔

''سنیں!'' پھر رواحہ نے قریب جا کر گلاب کی ادھ کھلی کلی اس کے سفید کاٹن کے کرتے کے بٹن ہول میں اٹکائی۔ سفید کرتا شلوار اور سفید تلے کے کھسے میں اس وقت وہ اپنی مردانہ وجاہتوں کی حشر سامانیاں بکھیر رہا تھا۔ کلون کی مہک نے ماحول پر بھی اثر کیا تھا۔ رواحہ سنبھل کر فوراً پیچھے ہٹی۔

سائغ کو بھی کچھ احساس ہوا وہ پلٹا اور خاموشی سے راہداری عبور کر گیا۔

***

''تھینکس گاڈ کچن میں بھی کوئی نظر آیا، سب کے سب کام چور آرام طلب نکمے ہو گئے ہیں۔'' کچن میں گھستے ہی شیری نے بہ آواز بلند شکرانہ ادا کرتے ہوئے سب کو گھسیٹا۔ رواحہ فینی کے لیے دودھ گرم کر کے مگ میں انڈیل رہی تھی۔ اس کی آمد کا ذرا بھی نہ نوٹس لیا۔

مہندی کی تقریب کے بعد مہمانوں کے جاتے ہی سب ادھر ادھر بکھر گئے۔ نوجوان پارٹی ڈرائنگ روم میں قبضہ جمائے ہوئے تھی۔ آنٹی بھی نجانے کہاں مصروف تھیں۔

شافین نے اب تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ افسردگی کے زیر اثر تھی۔ رواحہ کے اصرار پر دودھ پینے پر تیار ہوئی تھی۔ وہ جب کچن میں اس کے لیے دودھ کا کہنے آئی تھی، تو کوئی نہیں تھا سوا اپنی مدد آپ کے اصول پر کارفرما ہو کر خود ہی فینی کے لیے دودھ گرم کر رہی تھی۔ اسے بے نیاز دیکھ کر آخر شیری نے اسے

مخاطب کر ہی لیا۔

''پلیز میری تھوڑی سی ہیلپ کریں۔'' رواحہ نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ اس نے اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھا۔

''پلیز پندرہ بیس کپ چائے بنا دیں۔ ملازم تو لگتا ہے خراٹے بھرنے اپنے کوارٹروں میں چلے گئے ہیں۔''

''یہ تھوڑی سی ہیلپ ہے۔'' اس نے چمچ سے چینی حل کی اور پلیٹ میں مگ رکھ کر جانے کی تیاری کرنے لگی۔

''پلیز مس رواحہ میری عزت رکھ لیں۔ ساری نوجوان پارٹی نے مجھے چیلنج کیا ہے کہ میں چائے بھی نہیں بنا سکتا۔''

''تو آپ نے اس چیلنج کو قبول کیا ہے، خاموش رہتے اگر اتنی قابلیت نہیں تھی تو۔''

''میں ہر چیلنج کو فیس کرتا ہوں۔'' اس نے ادا سے کہا۔

''تو پھر فیس کیجئے میرے پاس بھی فی الحال آپ کی ہیلپ کرنے کا ٹائم نہیں ہے۔ میں فینی کے پاس ہوں۔''

''سنئے مجھے یقین ہے میں چائے بنا تو لوں گا، مگر اس کے ٹیسٹ میں ضرور گڑبڑ ہوگی۔ آپ کچھ تجربہ کار لگتی ہیں، پلیز کچھ مہربانی کر دیں بڑی دعائیں دوں گا آپ کو۔'' رواحہ کو اس کی منت ساجت پر ترس آ گیا۔

''اچھا ٹھیک ہے آپ پھر یہ فینی کو دے آئیں اور سنیں آئندہ کسی چیلنج کو صرف اپنے بل بوتے پر پورا کرنے کی کوشش کریں۔'' وہ مشکور ہو گیا۔

''تھینکیو ویری مچ...... رئیلی میں ساری زندگی آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔'' وہ فینی کا دودھ لے کر چلا گیا۔ رواحہ نے چائے بنا کر تین ٹی پوٹ بھر دیں، مگر وہ پلٹ کر ہی نہیں آیا۔ اپنی ذمہ دارانہ طبیعت کے باعث خود ہی ٹرالی میں کپ وغیرہ رکھ کر چل دی۔ ان کے قہقہے پورے گھر میں گونج رہے تھے۔ دروازے سے باہر اس کے قدم رک گئے۔ کوئی شیری سے پوچھ رہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ وہ محترمہ تمہیں اپنے ہاتھ کی چائے پلائیں گی؟ جواباً شیری نے قہقہہ لگایا۔

''مجھے ہی نہیں تم سب کو بھی۔ میں سب کے لیے آرڈر دے کر آیا ہوں، بس سمجھو کہ چائے آئی۔''

شیری اٹھ کر دروازے کے جانب آیا جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا رواحہ کا ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ سامنے دیکھ کر گڑبڑا گیا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔

''او...... آپ...... آیئے...... ایکچولی سب کا موڈ بدل گیا تھا، اس لیے میں یہاں بیٹھا ہوں۔ اب آپ بنا لائی ہیں تو ہم پی ہی لیں گے۔

''شٹ اپ۔'' رواحہ اسے غصے سے جھڑک کر ٹرالی وہیں چھوڑ کر پلٹ آئی۔

''آخر انہوں نے مجھے سمجھا کیا ہے؟'' اس نے شافین کو جا کر سب کچھ بتایا تو وہ مسکرا دی۔

''وہ برے نہیں ہیں بس ذرا شرارتی ہیں، تم سے فرینک ہونا چاہتے ہیں۔''

''کسی کی انسلٹ کر دیں یہ شرارت ہوئی اور فرینک ہونے کا یہ طریقہ ہے؟'' اسے واقعی بہت غصہ آرہا تھا۔

اس نے ڈیپنڈ لائف گزاری تھی۔ ایک ہاسٹل کی وہ انچارج تھی، سبھی اس کی عزت کرتے تھے اور سائغ کے یہ کزن اسے اپنے اپنے مذاق کا نشانہ بنا رہے تھے۔

''اچھا بابا اب غصہ تھوک دو میں شیری بھائی کو سمجھاؤں گی، بلکہ ڈانٹوں گی ویسے رواحہ کزنز میں ایسے مذاق چلتے ہی رہتے ہیں، تمہیں مائنڈ نہیں کرنا چاہیے۔ آخر کو سب تمہارے دیور اور نندیں ہیں۔ معاف کر دو ان سے فرینک ہونے کا یہ اچھا موقع ہے بعد میں آسانی رہے گی۔'' فینی کے شریر انداز پر رواحہ مسکرا دی۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں ڈریس چینج نہیں کیا ابھی میں نے۔''

''سائغ بھائی سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''ہاں۔'' رواحہ نے آہ بھر کے کہا۔

''اور آنٹی سے؟''

''اسپیشلی نہیں ملی دور سے دیکھا ہے، کافی سخت لگتی ہیں، سائغ کو اپنے پاس سے ہلنے نہیں دیا۔''

''اوہو...... تو میں ابھی بلوا دوں تمہارے پاس۔ میرے فون کرنے کی دیر ہے۔'' فینی نے اسے شرارت سے چٹکی کاٹی، تو رواحہ نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا۔

''فینی کی بچی اپنی حد میں رہو، ورنہ مار کھاؤ گی۔'' رواحہ آخر خود بھی ہنس دی۔

''میں کیا کروں شانی فارغ بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی ہوں، ہاسٹل کا چارج بھی میں نے ہی سنبھالا ہوا تھا اور شادی کے بعد گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھی اور اب دو دن سے ایسے لگ رہا ہے، جیسے میں نے زندگی بھر کچھ کیا ہی نہیں۔ آنٹی بھی کچھ نہیں کرنے دے رہی ہیں۔'' رواحہ سخت بوریت کا شکار تھی۔

''سائغ بھائی کو بلوا دوں تمہاری بوریت دور کر دیں گے۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تم سچ بھابی والا رعب جمانے لگی ہو فار گاڈ سیک ابھی غصہ نہ کھاؤ، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو میرے کام کر دو۔ میرے بہت سے کام التوا میں پڑے ہیں۔''

''اچھا تو پہلے کیوں نہیں بتایا بتاؤ کیا کرنا ہے؟'' وہ خوش ہو گئی۔

''ابھی میرے دو سوٹ ٹیلر کے پاس ہیں اور دو پٹے بھی ڈائی ہونے دے رکھے ہیں۔ سب کو کہہ چکی ہوں، مگر کوئی سنتا ہی نہیں۔''

''ٹھیک ہے میں لے آتی ہوں، مگر میں جاؤں گی کس کے ساتھ۔ ظاہر ہے مجھے تو جگہوں وغیرہ کا علم نہیں ہے۔''

''کسی سے بھی کہو یا پھر شیری بھائی کو پکڑو، انہیں ٹیلرنگ شاپ کا بھی پتہ ہے اور رنگ ساز کا بھی،

اگر سائح بھائی ہوتے تو میں انہیں ہی تمہارے ساتھ بھیج دیتی اسی بہانے۔" فینی کی بات ادھوری رہ گئی، کیونکہ شیری بے تکلفی سے اندر گھس آیا تھا۔

"کہاں جانے کا پروگرام بن رہا ہے؟"

"میرے کپڑے اور دوپٹے ابھی رہتے ہیں، آپ لوگ تو سنتے ہی نہیں بعد میں نخرے کریں گی سب سے۔" فینی نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو وہ فوراً بولا۔

"میں تو پھیرے لگا لگا کر تھک گیا ہوں، عجیب ٹیلر ہے تمہارا مجھ سے مزید مغز ماری نہیں ہوتی تم کسی اور کو ڈھونڈو۔"

"اب رواحہ جائے گی آپ کے ساتھ، پلیز چلے جائیں یا پھر اگر سائح بھائی آگئے ہیں، تو انہیں بھجوا دو، میں ان سے کہتی ہوں۔" فینی نے اپنے مطلب کیلئے اس کی منت کی۔

"تمہارے لیے کیا سب فارغ بیٹھے ہیں سائح بھائی ہوٹل گئے ہیں، کل کی ارینجمنٹ کے بارے میں ڈسکس کرنے۔" شیری نے بے مروتی سے کہتے ہوئے اطلاع بھی دی۔

فینی نے اسے خفگی سے گھورا۔

"تم سب سے یہی امید ہے میرا اپنا کوئی بھائی ہوتا، تو پھر دیکھتی کہ میری کسی بات سے انکار کرتا مگر ..... آؤ رواحہ میں تمہیں ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دیتی ہوں۔" وہ رواحہ کو لے کمرے سے نکل آئی۔ اس کی بلیک میلنگ کارگر ثابت ہوئی۔ شیری فوراً پیچھے لپکا۔

"خدا کے لیے ایک دن تو سکون سے کمرے میں بیٹھ جاؤ، کیوں آنٹی سے ذلیل کروانے کا ارادہ ہے اور سائح بھائی تو میری شامت لے آئیں گے۔" شیری نے زبردستی اسے کمرے میں دھکیلا۔

"آپ چلیں گی میرے ساتھ یا پھر؟"

"تھینکیو آپ خود ہی چلی جائیں۔" رواحہ بھی سنجیدگی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔ سٹنگ روم کی ڈمبھیڑ ایک گریس فل سائح سے مشابہ شخص سے ہوئی تھی۔ بے اختیاری میں اس نے انہیں سلام کیا۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ یہی سائح کے پاپا ہوں گے۔ اسے گم صم کھڑے دیکھ کر شیری نے شرارت سے کہا۔

"مجھے جواب دے کر پچھتا رہی ہیں، ویسے میں جا رہا ہوں اگر آنا چاہیں تو۔"

"شٹ اپ مسٹر شیری آپ اپنی حد سے بڑھ رہے ہیں، مجھے آپ کی شکایت کرنا پڑے گی۔" وہ مشتعل ہو کر بولی۔

"کس بات کی شکایت؟ خود ہی تو جانے پر راضی تھی۔" رواحہ اس کی ڈھٹائی پر کھول کر رہ گئی۔ اسے اس قسم کی بے تکلفیاں پسند نہیں تھیں۔ بعد میں بھی وہ سارا دن کسی نہ کسی بہانے تنگ کرتا رہا۔

مہندی کی تقریب میں لڑکے والوں کی طرف جانے کیلئے لڑکیاں مکمل کیل کانٹوں سے لیس ہو رہی تھیں اور شیری کی شامت آئی ہوئی، ساری لڑکیوں کی فرمائشی لسٹ اس کے ہاتھ میں تھی۔ کسی کی چوڑیاں رہ گئی تھیں۔ کسی کے میچنگ شوز گھر پر رہ گئے تھے اور سبھی کی پہلی فرمائش پھولوں اور گجروں کی تھی۔ بڑی منت سماجت کے بعد وہ جانے پر تیار ہوا تھا۔ سب کی فرمائش نوٹ کرتا ہوا وہ رواحہ کے پاس بھی آیا۔

"آپ کو کتنے گجرے چاہئیں؟ کتنے ہار موتیے کے یا گلاب کے یا پھر ٹولپ۔" رواحہ ابھی سادے حلیہ میں کھڑی شائنہ (شیری کی بہن) کی فرنچ ناٹ میں موتی ٹانک رہی تھی۔ اس کے دوبارہ استفسار پر بے نیازی سے جواب دیا۔

"تھینک یو مجھے نہیں چاہئیں۔"

"کیوں؟ کیا آپ فیشن پریڈ میں حصہ نہیں لیں گی؟" شیری نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"آئی تھنک پھولوں کا استعمال فیشن میں نہیں ہماری روایت میں شامل ہے، مگر فی الحال مجھے ضرورت نہیں ہے۔" وہ اپنا کام ختم کر کے جھپاک سے کمرے سے نکل گئی۔ لڑکیوں کی دبی ہنسی جب بے قابو ہوگئی، تو وہ بھنا کر چلا گیا۔

رواحہ تیار ہو کر شائنہ کے کمرے میں آئی، تو ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گئی۔ شائنہ کے پاس آنٹی زرش، سائح اور دو تین خواتین موجود تھیں۔ فینی کی نظر اس پر سب سے پہلے پڑی اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"آجاؤ ناں۔" سائح نے بھی فوراً گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں شوق و ستائش ایک ساتھ ابھر آئی۔

رواحہ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم۔" سبھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"وعلیکم السلام آؤ..... آؤ بیٹی میں ابھی فینی سے تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔" آنٹی زرش نے بڑھ کر اس کی پذیرائی کی۔ سائح جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا اس نے آنکھوں کے اشارے سے ماما کا تعارف کروایا۔ اچھی خاصی بولڈ ہونے کے باوجود اس وقت نروس ہو رہی تھی۔

"بھائی جان یہ شائنہ کی فرینڈ ہے رواحہ جو بطور لاہور سے آئی ہے۔" آنٹی زرش نے بطور خاص حسن زویا کو مخاطب کیا۔

"ہاؤ پریٹی گرل کیا کرتی ہو بچی۔" زویا حسن نے حسب فطرت کھلے دل سے تعریف کرتے ہوئے اس کے بارے میں معلومات بھی حاصل کرنا چاہیں۔ سائح نے اپنی مسکراہٹ بمشکل دبائی۔

"جی..... وہ ماسٹر کیا ہے انگلش میں۔" رواحہ گڑبڑا سی گئی تھی۔ فینی نے اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

وہ مسٹرڈ سلک شنون کے ہلکے پھلکے کام والے سوٹ میں غضب ڈھا رہی تھی۔

"رواحہ یہ فینی کی ممانی ہیں تم سے سب کا غائبانہ تعارف تو ہے۔" آنٹی زرش نے بھی اشارے کنائے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"جی..... جی آپ کے بارے میں بتایا تھا، فینی نے، آپ احسن انکل کی وائف ہیں ناں؟" رواحہ کو اس وقت ایکٹنگ کرنا زہر لگ رہا تھا۔ مگر خود پر جبر کر کے کرنے پر مجبور بھی تھی۔ جواباً زویا احسن مسکرا کر سر ہلانے لگیں۔

''یہاں کافی مہمان ہیں تمہیں یہاں پرابلم تو نہیں ہے؟ زرش میں نے تم سے کہا بھی تھا، کہ کچھ گیسٹ ہماری طرف بھجوادو۔'' اسے کہتے کہتے وہ اپنی نند کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''بھابی جان سب یہاں ایڈجسٹ ہوگئے ہیں آپ فکر نہ کریں۔''

''جی آنٹی مجھے بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے، میرا اپنا گھر ہے اور پھر فنکشن میں گیدرنگ تو ہوتی ہے۔'' اس بار رواحہ نے پراعتماد ہوکر جواب دیا۔

''پھر بھی ہماری طرف ضرور آنا۔'' انہوں نے فراخدلانہ پیشکش کی۔ وہ دل ہی دل میں ذرا خوش ہوئی تھی، کہ ساس ماں نے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔

''جی آنٹی ضرور آؤں گی۔'' سائغ کے یکدم کھڑے ہونے پر آنٹی زرش اس کی طرف متوجہ ہو گئیں، جب کہ شیری کی ماما بھی رواحہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہی تھیں۔

''سائغ چلو اب تم تیار ہو جاؤ ناں۔''

''ہو جاتا ہوں پھوپھو پہلے چائے تو پلوائیں، رئیلی بہت تھک گیا ہوں، اس بھوری بلی کی خاطر میں نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔'' سائغ نے مصنوعی بیزاری اور تھکن کا مظاہرہ کیا۔

''میں نے کیا آپ کا ہاتھ پکڑا تھا کہ کھانا نہ کھائیں؟'' فینی سے چپ نہ رہا گیا۔

''پلیز..... پلیز آج تو چپ رہو، سنا ہے اپنی شادی کے موقع پر زیادہ بولنے والی لڑکی دلہن بن کر چڑیل لگتی ہے۔'' سائغ کی شرارت پر وہ چراغ پا ہوگئی۔

''آنٹی آپ سن رہی ہیں ناں بھائی کی باتیں اور شوخیاں ہوا ہو جائیں گی۔'' فینی نے دھمکی آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو سائغ کو فوراً اپنے راز کے افشا ہونے کا خطرہ ہوا۔

''معافی..... سوری..... توبہ بخشو مجھے تم چاہے مسلسل بولتی رہو میں کچھ نہیں کہوں گا۔ پھپھو آپ میرے لیے چائے بنوائیں میں بس فریش ہو کر آتا ہوں۔'' وہ فوراً ہی نکل گیا۔ زویا حسن دونوں کے جھگڑے سے محظوظ ہو کر بولیں۔

''ان دونوں کی لڑائی کبھی ختم نہیں ہوگی۔''

''میں نہیں لڑتی ہوں آنٹی، بھائی ہی ہمیشہ غلط بات کرتے ہیں۔'' فینی کا منہ پھولا ہوا تھا۔

''رواحہ بیٹا تم جا کر خانساماں سے چائے کے لیے کہہ دو اور سنولڑکیاں سے بھی کہو کہ اپنی تیاری مکمل کرلیں، سائغ کے تیار ہوتے ہی ہم چلتے ہیں۔''

''جی اچھا آنٹی۔'' وہ سعادتمندی سے کہتی باہر نکل آئی۔ کچن میں خانساماں یا کوئی اور ملازم موجود نہیں تھا۔ اس موقع پر سبھی کام چور بنے ہوئے تھے۔ رواحہ خود اس کے لیے چائے بنانے لگی۔ اسے کچن میں جاتے دیکھ کر سائغ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ سب جانے کی تیاریوں میں تھے، اس لیے انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔

''اپنی مدران لاء پر تو بڑا زبردست امپریشن ڈالا ہے۔ گھر آنے کی آفر کردی ہے۔''

''ابھی وہ میری حقیقت سے واقف جو نہیں ہیں۔'' اس نے مڑ کر جواب دیا۔

سائغ کرسی کھینچ کر بیٹھنے کے بعد سگریٹ سلگا رہا تھا۔ اسے شدید حیرت ہوئی۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بھی اس نے سائغ کو سگریٹ نوشی کرتے نہیں دیکھا۔ آج وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ چولہے کی آنچ دھیمی کر کے وہ اس کی طرف آئی۔

''یہ..... یہ اسموکنگ کب شروع کی ہے؟ پہلے تو کبھی نہیں کی تھی۔'' اس کی حیرت برقرار تھی۔

''تمہاری جدائی جب سے لاحق ہوئی ہے، ویسے پہلے بھی چوری چوری آفس ٹائم میں پیتا تھا۔''

''مگر اب نہیں پیئں گے، سگریٹ صحت کے لیے مضر ہے، ہر سگریٹ کے پیکٹ پر لکھا ہوتا ہے، مگر آپ سب مرد ہمیشہ مضر صحت سے ہی شوق فرمائیں گے۔'' رواحہ نے اس کی انگلیوں میں پھنسا سگریٹ جھپٹ کر میز پر ہی مسل دیا اور پھر پورے استحقاق سے اس کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

''یہ شوق نہیں مجبوری ہے دائف، ویل ایز یو لائیک آئندہ نہیں پیؤں گا اوکے۔'' سائغ کو ہر حال میں اس کی خوشی عزیز تھی۔

''تھینکیو۔'' اس نے چائے اور سینڈوچز اس کے سامنے رکھے پھر اپنی چائے کا کپ لے کر سامنے بیٹھ گئی۔

''میرا ساتھ دو گی ویری گڈ۔'' سائغ اس کے ساتھ بیٹھنے پر خوش تھا۔

''اب آپ کی لیو کتنے دن کی ڈیو ہے؟'' رواحہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ایک ویک کی لی تھی، کیوں کیا بات ہے بور ہوگئی ہو، یا زیادہ رہنے کا ارادہ ہے؟'' سائغ کو اس کے تاثرات سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔

''ایسے ہی پوچھ رہی تھی، خود کو تیار بھی تو کرنا ہے۔'' رواحہ نے کپ لبوں سے لگایا۔

''بات کچھ اور ہی ہے مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' سائغ نے متجسس ہو کر پوچھا۔

''سائغ شیری بہت بدتمیزی کرتا ہے، میں برداشت نہیں کرسکتی۔'' اس کے یوں کہنے پر سائغ نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ جس پر وہ مزید چڑ گئی۔

''آپ خود کیئر فل نہیں رہتے اس وقت کوئی آ جائے تو شامت میری ہی آئے گی۔'' سائغ نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

''تمہارے موڈ سے مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا، کہ کوئی وجہ ہے یار شیری کی تو فطرت ہی شوخ ہے۔ تم بھی انجوائے کرو، کیا اس نے لائن ماری کی کوشش کی ہے؟'' سائغ کی شوخی اور شرارت پر رواحہ نے اسے خفگی سے دیکھا۔

''بس آپ کے پاس تو فضول باتیں ہی ہیں کرنے کے لیے، جائیں تیار ہو جائیں جا کر۔'' وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

''میں مذاق کر رہا تھا، تم خفا ہوگئی ہو؟''

''کیا مذاق دل جلانے والے ہوتے ہیں؟'' وہ کھڑی لب کاٹ رہی تھی۔

''ان ہونٹوں کا کیا قصور ہے، ادھر آؤ تمہارے جلے دل پر مرہم رکھ دوں۔'' سائغ نے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنے بازو بھی وا کیے تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

''منہ دھونے جا کر میں جا رہی ہوں۔''

''ارے..... ارے وحی بات سنو۔'' وہ پکارتا رہ گیا۔ مگر وہ بھی اسے انگوٹھا دکھا کر بھاگ لی۔

تیار ہونے کے بعد وہ پھر اسے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ وہ لان میں لڑکیوں کے ساتھ موجود تھی۔ سائغ کے اشارہ کرکے بلانے پر بھی وہ نہیں آئی، تو وہ جھنجھلاتا ہوا قریب آ گیا۔ سب لڑکیوں کو گاڑیوں میں بیٹھنے کا کہہ کر اس نے رواحہ کو مخاطب کیا۔

''رواحہ آپ کو پھپھو بلا رہی ہیں۔'' رواحہ سنتے ہی رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی۔ راستے میں ہی سائغ نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔

''کیا بات ہے وحی میری بات کیوں نہیں سنتی ہو؟'' سائغ اس وقت جھنجھلایا ہوا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ بازو چھوڑیں میرا اگر کوئی دیکھ لے تو؟'' رواحہ نے لب بھینچ کر کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

''ایک تو یہ کسی کے دیکھنے نے ہماری جان نکالی ہوئی ہے۔'' سائغ نے مزید جھنجھلا کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔

''جی ہاں یہ آپ لوگوں کے مفید مشوروں کے نتائج ہیں۔ میں تو آ کر ہی پچھتا رہی ہوں۔'' وہ بھی اس ڈرامہ بازی سے بدگمان تھی۔

''یار ہمارا ہی فائدہ ہوگا دعا کر رہا ہوں کہ ماما تمہیں چوز کر لیں۔''

''آثار نظر تو نہیں آ رہے اور فائدے نقصان کا اندازہ تو وقت گزرنے کے بعد ہی ہوگا۔ فی الحال یہ بتائیں مجھے کیوں بلا رہے تھے آپ کو چین نہیں ہے؟'' رواحہ نے صاف گوئی سے کہتے ہوئی اپنی ناراضگی کا مظاہرہ بھی کیا۔

''تمہیں یہ کہنے کے لیے بلایا ہے کہ تم اس گاڑی میں بیٹھنا جسے میں ڈرائیو کر رہا ہوں گا۔''

''وہاٹ.....؟ آخر آپ چاہتے کیا ہیں میں کسی کی معنی خیز نظریں برداشت نہیں کر سکتی ویسے بھی ..... مجھے وقت سے پہلے تماشا نہیں بننا پلیز۔'' رواحہ نے زچ ہو کر کہا۔ سائغ بھی جھنجھلاہٹ کا شکار تھا۔

''کیا بکواس ہے بھئی آخر تمہیں کسی نہ کسی کے ساتھ تو جانا ہی ہے ناں بس میں نے کہہ دیا ہے میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں تم جلدی آؤ۔'' وہ دھونس جماتا باہر نکل گیا۔

رواحہ جھنجھلاتی ہوئی راہداری عبور کرنے لگی۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب بھی کھا رہی تھی۔

''اچھی دھونس ہے ٹھیک ہے انہیں احساس نہیں تو میں کیوں پرواہ کروں کسی نے کچھ کہا تو صاف کہہ دوں گی بیوی ہوں کوئی گرل فرینڈ نہیں۔'' اپنی دھن میں آگے بڑھ رہی تھی کہ سامنے سے آتے شیری سے ٹکرا گئی۔ شیری نے اسے بغور دیکھا۔

''کس سے لڑائی کر کے آ رہی ہیں محترمہ'' اس کے لہجے میں حیرت و شرارت ایک ساتھ تھے۔

''دیکھو اس وقت میں بہت غصے میں ہوں میرے منہ نہ لگنا۔''

''سوجان سے فدا میں اس طرز تخاطب پر ویسے آپ کہاں گم ہیں، میں آپ کو ہی ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔'' شیری نے سر پر ہاتھ کا چھجا سا بنا کر ادھر ادھر بڑے انداز سے دیکھا۔ رواحہ کو پہلے ہی سائغ پر غصہ تھا اور اب شیری کی بکواس اور حرکتیں ناقابل برداشت ہو رہی تھیں۔

''کیوں آپ کو کیا تکلیف تھی؟'' جواباً اس نے حسرت سے آہ بھری۔

''آہ..... ایک تکلیف ہو تو بتاؤں سارے جہاں کا درد میرے جگر میں ہے۔ آپ کی ہم صنفوں کو دیکھیں آپ کا ذرا خیال نہیں سب کی سب گاڑیوں میں لد چکی ہیں، میں ہی آپ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں، بڑی مشکل سے میں نے آپ کے لیے ایک سیٹ بچائی ہے، پلیز جلدی چلو ورنہ۔''

''مجھے جانا ہوگا تو میں خود چلی جاؤں گی جاؤ، کسی اور کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر حسرت پوری کرو اور میرا پیچھا چھوڑو۔'' رواحہ اسے منہ بناتا چھوڑ کر واپس باہر نکل آئی اور آ کر آنٹی زرش والی گاڑی میں بیٹھنے لگی۔ انہوں نے بھی اشارے سے اسے بلایا تھا۔ تبھی شیری آ گیا۔

''ارے ارے آپ کی جگہ اگلی گاڑی میں ریزرو ہے شائنہ وغیرہ آپ کو بلا رہی ہیں۔'' شیری گڑبڑا کر بولا۔

''سوری میں اب بیٹھ چکی ہوں۔'' رواحہ نے سہولت سے بیٹھتے ہوئے اپنی طرف کا دروازہ بند کیا۔

''آپ بہت ہی بے مروت ہیں۔'' شیری اپنا سا منہ لے کر پیچھے ہٹ گیا، کیونکہ سائغ دوسری طرف سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ رواحہ نے حیرت سے دیکھتے ہوئے سکون کی سانس بھی لی۔ وہ تو ناراضگی میں اس گاڑی میں بیٹھی تھی۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے سرگوشی کی۔

''تھینکس اے لاٹ وائف۔''

''میرا نہیں پھپھو کا شکریہ ادا کریں ان کی وجہ سے میں یہاں بیٹھی ہوں ورنہ۔'' رواحہ نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔

تمام گاڑیاں آگے پیچھے سڑک پر آ گئی تھی۔ ہر طرف شور ہی شور تھا۔ پچھلی سیٹ پر آنٹی زرش کے ساتھ بیٹھی پڑوسن خاتون کافی باتونی تھیں، وہ مسلسل آنٹی زرش کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔ سائغ کو بھی اچھا موقع ملا ہوا تھا۔ اس نے ڈیک میں عدنان سمیع کی ''تیرا چہرہ'' لگا کر اسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ اظہار خفگی کے طور پر نہ تو اس کی طرف متوجہ ہو رہی تھی اور نہ کوئی رسپانس دے رہی تھی۔

''گجرے کیوں نہیں پہنے؟'' سائغ کی نظر اس کی سونی کلائی پر پڑی، تو اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''آپ نے لا کر دیئے تھے؟'' رواحہ کا روّیہ ذرا نہ بدلا۔

''اوہ..... مائی گڈنیس ریئلی میں بھول گیا تھا، تم خود کسی سے منگوا لیتیں۔'' سائغ کو افسوس ہونے لگا۔

''مجھے ''کسی'' کے نہیں صرف اپنے شوہر کے لائے ہوئے گجرے پہننا پسند ہیں۔'' رواحہ نے سنجیدگی سے کہا، تو اسے اپنی کوتاہی پر افسوس ہونے لگا۔

''ابھی لے دوں راستے سے؟''

''تھینکس۔''

''یار بندہ بشر ہوں بھول چوک ہو ہی جاتی ہے، اپنا موڈ تو صحیح کرو۔''

منزل پر پہنچتے ہی سب گاڑیوں سے ایسے نکلے جیسے قیدی چھوٹے ہوں۔ آنٹی زرش اور نکل گئی تھیں، مگر سائغ نے رواحہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اس کی کوشش بے کار کر دی تھی۔

''مجھے جانے دیں ورنہ کوئی نہ کوئی ڈھونڈتا آ جائے گا۔'' رواحہ کی مزاحمت پر اس کی مزید سختی آ گئی۔

''پہلے تمہیں گجرے نہ دلا دوں۔'' سائغ کی گاڑی اسٹارٹ ہی تھی۔ رواحہ کا سجا سنورا دل بے ایمانی پر آمادہ ہو رہا تھا۔

''گجروں کا بہانہ تو رہنے دیں مجھے آپ کے ارادے کچھ نیک نہیں لگ رہے، اگر کسی نے سچ بھی نہیں بولا جائے گا آپ سے۔''

''یہی تو میں چاہتا ہوں کہ کوئی دیکھ کر باتیں تو بنائے تاکہ ماما کے نوٹس میں بھی آئے۔''

''ایک تو مجھے آپ کی سمجھ نہیں آتی۔''

''جھوٹی اس دن کیوں کہا تھا، کہ میں آپ کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔''

''کس دن؟'' وہ انجان ہو کر بولی۔ شرگیں پلکیں انجانے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔

''شادی سے اگلے دن جب میں نے کہا تھا، کہ ہمارے پاس یہی دن ہیں ایک دوسرے اور سمجھنے کے تو تم نے جواب میں کہا تھا، کہ میں آپ کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کیا جھوٹ بولا تھا؟'' محبت و شرارت سے بوجھل آواز نے اس کی گردن کو مزید جھکا دیا تھا۔ اس دن کے تصور سے غ گئی۔ سائغ کی شرارت کا اس وقت کیا جواب دیتی بس جھینپ کر بولی۔

''آپ بڑے خراب ہیں۔'' پھر جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر دروازہ کھول کر بھاگ لی۔

''واہ مولا کیسا وقت آ پڑا ہے لوگ معشوقاؤں کے ساتھ پھرتے ہیں اور میں اپنی بیوی کر نہیں چل سکتا۔ خیر گزر ہی جائے گا یہ وقت بھی۔'' مایوس ہوتے ہوتے اس نے خود کو حوصلہ گاڑی پارک کر کے وہ بھی نوجوانوں کے ساتھ ہلہ گلہ میں مصروف ہو گیا۔

شادی کے سارے ہنگامے میں رواحہ کو زرش آنٹی نے پیش پیش رکھا تھا۔ اسی لیے وہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سب کی نظروں میں بھی تھی۔ شافین کے سسرال میں بھی اسے سے دیکھا گیا تھا۔ سائغ نے بھی باقی کزنز کی طرح اپنا رویہ نارمل رکھا تھا، لیکن شیری کی بے تکلف باتیں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں، جس سے وہ بہت تنگ آئی ہوئی تھی۔ اس پر مستزاد وہ میں ہی ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ سبھی مہمانوں کے کوچ کر جانے کے بعد شیری کی موجودگی رہی تھی۔

***

''کبھی اس پیار سے کسی اچھی انسان کے پاس بھی بیٹھ جایا کریں، ہم سے خوش نصیب تو یہ فون ہی ٹھہرا جو آپ کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔'' شیری اس کے مقابل بیٹھ کر اپنے مخصوص انداز میں بولا تو رواحہ اپنے خیالات سے چونک اٹھی۔ اسے سائغ کے فون کا انتظار تھا، وہ شیری کی غیر موجودگی کا اطمینان کر کے ہی لاؤنج میں فون کے قریب بیٹھی تھی۔ پھپھو زرش ڈرائنگ روم میں کسی مہمان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔ وہ سائغ کے فون کا انتظار کر رہی تھی کہ شیری ٹپک پڑا تھا۔ رواحہ نے خاصی ناگواری سے اسے دیکھا اور کہا۔

''مطلب کی بات کریں۔'' اتنا کہتے ہوئے لاپروائی سے سامنے پڑا میگزین اٹھا لیا۔

''مطلب کی بات سنیں گی، تو عرض کروں؟'' شیری کے یوں ذومعنی انداز میں بولنے پر رواحہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''میرا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ یہاں سے تشریف لے جائیں میری فون کال آنے والی ہے۔'' رواحہ نے اسی کا انداز اپنایا، تو وہ ساری شوخی ایک طرف رکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

''یہ آپ کن چکروں میں ہیں، ٹھیک ہے سائغ بھائی کی پرسنالٹی بہت چارمنگ ہے، لیکن آپ آنٹی زرینا کو نہیں جانتیں، وہ کبھی ایسی لڑکی کو برداشت نہیں کریں گی، جو ان کے بیٹے کے ذریعے ان کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرے گی۔'' شیری مجھے اور سائغ میں ایک دو دفعہ بات چیت ہوتے دیکھ چکا تھا اور اپنی طرف سے کئی اندازے بھی لگا چکا تھا، اسی لیے سنجیدگی اور یقین سے بات کر رہا تھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟'' رواحہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ آپ سمجھ تو گئی ہیں، اگر پھر بھی میری زبان سے سننا چاہتی ہیں، تو سن لیں میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں، بنا کسی خوف اور ڈر کے میں سائغ بھائی سے زیادہ اچھا مستقبل آپ کو دے سکتا ہوں۔''

''شٹ اپ اینڈ گٹ لاسٹ تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے یہ سب کہنے کی، میری نظروں کے سامنے سے چلے جاؤ ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔'' رواحہ یک دم ہی طیش میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

''رواحہ دیکھو غصے میں آنے کے بجائے ایک بار ٹھنڈے دماغ سے سوچو گی تو میری بات۔''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے، ورنہ تمہارے ہوش ٹھکانے لگا دوں گی، تم نے آخر مجھے سمجھا کیا ہے؟'' رواحہ کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ وہ جیسے ہی شیری کی طرف بڑھی آنٹی زرش مہمان کو رخصت کر کے اندر آ گئیں۔

''ارے..... رہے یہ تم دونوں کو کیا ہوا ہے؟''

''آپ..... آنٹی اس سے پوچھیں کہ اس نے مجھے کیا سمجھ کر ایسی باتیں کی ہیں، اس کی ہمت کیسے ہوئی؟'' آنٹی نے زبردستی اسے صوفے پر بٹھایا۔

''شیری تم نے رواحہ سے کیا کہا ہے؟'' رواحہ کا غصہ انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''میں نے آنٹی ایک مخلصانہ آفر کی تھی، مگر یہ تو۔'' شیری ذرا بھی خائف نہ تھا۔

''کیسی آفر؟'' ان کا ماتھا ٹھنکا۔

''ایک اچھے اور بہتر مستقبل کی آفر۔'' وہ کمال ڈھٹائی سے ہنس رہا تھا۔

رواحہ نے اس بار پھر اسے سلگتی نظروں سے دیکھا۔

''شرم کرو کچھ گھر آئی مہمان لڑکی سے اس طرح کی باتیں کی جاتی ہیں۔'' آنٹی زرش کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا، کہ کس طرح اپنے غصے کا اظہار کریں۔ رواحہ کا غصہ ٹھیک بھی تھا، مگر بے وقوفی بھی لگ رہی تھی، کون جانتا تھا کہ وہ شادی شدہ ہے، آنٹی زرش کے غصے اور باتوں سے وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

''سوری آنٹی مجھ سے غلطی ہو گئی، واقعی مجھے اپنی بات کسی اور طرح کرنی چاہیے تھی۔ اب میں سیدھا طریقہ اپناؤں گا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا باہر نکل گیا۔ رواحہ گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی۔

''پھپھو بس اب میں واپس جاؤں گی، سائغ سے کہیں وہ جتنے دن چاہے رہ لیں، لیکن مجھے واپس بھیج دیں، میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔''

''ڈونٹ بی سلی اب کسی کو معلوم تو نہیں ہے نا کہ تم شادی شدہ ہو، مجھ سے بھی ایک دو لوگوں نے تمہارے بارے میں معلومات لی ہیں، اب میں بھی کیا لڑنے بیٹھ جاتی، وہ تو میرے بھتیجے کی بیوی ہے تمہیں تو شیری کو آرام سے ٹریٹ کرنا چاہیے تھا۔''

''کیا کوئی اور بھی ہے؟'' وہ تو سن کر ہی حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ آنسو فوراً تھم گئے تھے۔

''ہاں فینی کے سسرال میں زونیر شافین کے شوہر کا کزن ہے۔ تم نے بھی دیکھا ہو گا زیادہ تر مودی اسی نے بنائی ہے۔ اس کا اور کے گھر والوں کا تو خاصا اصرار تھا، وہ تو لاہور کا ایڈریس مانگ رہے تھے، بڑی مشکل سے میں نے جان چھڑائی کہ تمہارے گھر والوں سے بات کر کے ایڈریس دوں گی۔'' رواحہ تو مزید پریشان ہو گئی۔ اسے یاد آیا ولیمے کی تقریب میں احمد کے کزنز نے اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی، خصوصاً زونیر نے (جس کا حوالہ آنٹی زرش دے رہی تھیں) وہ ساری تقریب میں اس کے آگے پیچھے ہی رہا تھا۔ حوالہ چاہے فینی کی ذات اور دوستی رہی تھی، وہ کبھی اسے کوک پیش کرتا تھا، کبھی پان مصالحہ، یہ اور بات رواحہ نے اس کی باتوں اور حرکتوں پر غور نہیں کیا تھا، مگر اب نوازشات پر دھیان گیا تھا۔

''او مائی گاڈ'' اسے سوچ کر ہی جھرجھری آ گئی۔

''پھپھو اس طرح تو غلط فہمیاں پیدا ہوں گی اور آپ جانتی ہیں ناں غلط فہمی کسی بھی قسم کی ہو گھریلو زندگی کو ضرور متاثر کرتی ہیں، میں تو اتنی کیئر فل رہی ہوں پھر بھی۔''

''ڈونٹ وری چندا سائغ تو سب کچھ جانتا ہے۔''

''پھر بھی پھپھو سائغ بھی تو مرد ہی ہے اور مرد تو بہت جلد بدگمان ہو جاتا ہے۔'' وہ اس صورت حال سے بے حد پریشان تھی۔ انہوں نے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔

''پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا، کیا معلوم سائغ بھابی پر آج کل ہی میں انکشاف کر دے، دراصل بھابی ایک دو روز میں سائغ کو اسی لڑکی سے ملوا رہی ہیں، جس کا ذکر فینی نے تم سے کیا تھا۔'' انہوں نے ساتھ ہی اطلاع پہنچائی۔

''اسی لیے انہوں نے ابھی تک فون نہیں کیا۔'' رواحہ فکرمند تھیں۔

''لو تم خود کر لیتیں بیٹا وہ آج بھابی جان کے ساتھ آفس گیا ہے، رات مجھے بتا رہا تھا تم سے بات نہیں ہوئی کیا؟ اچھا خیر اب زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، شام کا پروگرام یاد ہے ناں آج بھابی کی طرف جانا ہے۔''

''کیا میرا جانا ضروری ہے پھپھو؟'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ہاں۔'' انہوں نے مختصراً کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ سعادتمندی سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ شام کو سائغ انہیں خود ہی لینے آ پہنچا تھا۔ رواحہ نے اسے چائے بنا کر دی اور خود تیار ہونے لگی۔ وہ اس کے بستر پر نیم دراز اس کی تیاری دیکھ رہا تھا، اس کی خاموشی محسوس کر کے سائغ نے شرارت سے چھیڑا۔

''آج میڈم کے مزاج ٹھکانے نہیں لگتے۔'' شیری کی باتیں بار بار اس کے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' رواحہ نے سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اسٹیپ ٹو اسیپ کٹنگ بالوں کو پیچھے کر کے پن اپ کیا۔

''پھر رو کیوں رہی ہو سسرال میں جا رہی ہو اس لیے۔''

''انہیں تو خبر بھی نہیں ہو گی کہ میں ان کی بہو ہوں۔'' رواحہ کی خفگی اس کے لہجے سے عیاں ہو رہی تھی۔

''اوہو..... وائف کا تو آج پارہ ہائی لیول پر ہے، کیا پھر کسی نے لائن مارنے کی کوشش کی ہے؟'' سائغ نے اس کی خفگی کی ذرا پروا نہ کی۔

''آپ مجھ سے بات نہ کریں تو اچھا ہے۔''

''یہ اچھی دھمکی ہے غصہ کسی اور پر ہے اور اتارتی مجھ پر ہو۔''

''پھر اور کیا کروں آپ ہی نے مجھے تو مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی ہاتھ میں پکڑا برش میز پر پٹخا۔

''افوہ یار آخر بات کیا ہوئی ہے تمہارا رونا مجھ سے افورڈ نہیں ہوتا، پلیز چپ کرو نا۔'' وہ مزید شدت سے رونے لگی۔

''ہوا کیا ہے مجھے بتاؤ گی تو معلوم ہو گا ناں۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گیا، پھر اسے بانہوں کے حصار میں لے کر چپ کرانے کی کوشش کی۔ اس نے شیری اور احمر کے کزن والا معاملہ بتا دیا۔

''تم کیوں کانشس ہو رہی ہے، میرے نالج میں ہے یہ سب، میں بس موقع کی تلاش میں ہوں بی ایزی جان۔'' وہ پیار سے بولا۔

''مجھے نہیں پتا مجھے واپس جانا ہے، آپ نہیں چل رہے تو نہ جائیں، مجھے واپس بھیج دیں۔'' اس نے بمشکل اپنے آنسو روکے لہجہ پھر بھی ٹھیک نہیں ہوا تھا۔

''بڑی بے وفا ہو اکٹھے آئے تھے اب اکیلی جاؤ گی۔''

''تو پھر کیا کروں یہاں رہنا بہت عجیب لگ رہا ہے، کیا آپ کا واپس جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے؟''

''کیوں نہیں چاہ رہا واپس تو جانا ہے ہی ہے، فی الحال اپنے سسرال تو چلو۔'' سائغ نے مڑ کر بیڈ کے کنارے پر پڑا ساڑھے تین گز کا نیٹ کا سفید دوپٹہ اٹھایا اور پھر اس کے کندھوں پر پھیلایا۔ اپنی گاڑی کی چابی میز سے اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے اسے پیار سے مخاطب کیا۔

''بس اب چلو نخرے نہیں کرو باہر پھپھو انتظار کر رہی ہیں۔'' اس وقت وہ سفید جدید طرز کے شلوار سوٹ میں ملبوس تھی، پنک لپ اسٹک بھی بس نام کو لگائی تھی، پھپھو اسے دیکھتے ہی بولیں۔

''یہ کیا حلیہ ہے بیٹا اتنے سادہ کپڑے اور آنکھوں میں کاجل بھی نہیں ڈالا جاؤ ذرا چہرہ تو ٹھیک کر کے آؤ۔''

''پھپھو اسے ایسے ہی رہنے دیں ابھی اندر جا کر پھر رونا شروع کر دے گی، آپ کی بہو کا تو الٹا ہی حساب ہے، محترمہ کے پرپوزلز آرہے ہیں، شور مجھے مچانا چاہیے، مگر رو یہ رہی ہیں۔'' سائغ نے اسے بازو سے پکڑ کر آگے دھکیلا پھپھو بھی بس سر ہلا کر رہ گئیں۔

''ویسے سائغ بابا تم اب اپنی فکر بھی کرو۔ پھپھو نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے پریشانی میں جلا کر دیا۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کرتا کرتا رک کر پوچھنے لگا۔

''کیوں کیا ہوا کیا مجھے بھی کسی لڑکی نے پسند کر لیا ہے؟'' لہجے میں شرارت تھی۔

''ہونہہ خوش فہمی دیکھیں ذرا پھپھو۔'' رواحہ نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے سلگ کر کہا۔

''کیوں کیا مجھے کوئی لڑکی پرپوز نہیں کر سکتی، میری پرسنالٹی پر تو سینکڑوں مرتی ہیں، بس میرے ایک اشارے کی دیر ہے؟''

''تو کر لیتی تھی ناں سینکڑوں مرنے والیوں سے شادی میں نے روکا تھا آپ کو؟'' رواحہ نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے سائغ نے پہلے تو اسے حیرت سے دیکھا پھر تنبیہاً ٹوکا۔

''وجی بی ہیو یور سیلف تمہیں پتا ہے ناں میں بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتا اور وہاں منہ نہ بنائے رکھنا۔'' سائغ نے محبوب سے شوہر بننے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔

''فی الحال تو آپ کا ہی منہ بننے والا ہے، بلکہ لٹکنے والا ہے۔'' رواحہ کو بھی اس وقت بالکل پروا نہ تھی۔ اس نے فوراً بدلہ چکایا۔ پھپھو خاموشی سے دونوں کی باتیں سن رہی تھیں۔

''پھپھو کیا کوئی بات ہے؟'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے گیٹ سے باہر نکالی اور سڑک پر لے آیا۔

''تمہیں معلوم ہے آج مجھے بھابی نے اسپیشلی کیوں بلوایا ہے؟''

''دلوں کے بھید اور غیب کا علم میں نہیں جانتا۔'' اس نے اچٹتی سی نگاہ ناراض سی رواحہ پر ڈالی، جو اس کی بات سن کر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

''وہ لڑکی اپنے ٹور سے واپس آگئی ہے، جس کو دکھانے کے لیے بھابی بے تاب تھیں۔''

''وجی کو دیکھ کر بھی ماما بے تاب ہیں؟'' اس نے خاصی بے چینی سے پوچھا۔

''ظاہر ہے تبھی تو مجھے بلوایا ہے وہ چاہ رہی ہیں کہ اس بار تمہاری منگنی ضرور کر دیں۔'' پھپھو نے اسے تفصیلی معلومات فراہم کیں۔

''اونو...... پھپھو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس کے لہجے میں حقیقی پریشانی تھی۔

''او، یس یہ ہو رہا ہے۔'' رواحہ نے اسے چڑایا۔

''وجی تم تو میرا دل نہ جلاؤ۔''

''اور آپ جو مجھے جی جان سے جلا رہے تھے اور کچھ دیر پہلے کس فخر سے کہا جا رہا تھا، کہ سینکڑوں۔''

''وہ تو سب مذاق تھا دیل میں سب سنبھال لوں گا، پھپھو آپ مجھے پہلے آگاہ کر دیتیں، تو میں آج ہی واپس چلا جاتا، بلکہ غائب ہی ہو جاتا۔ اب آپ کی وجہ سے میں غائب بھی نہیں ہو سکتا۔''

''میری وجہ سے یا اپنی بیوی کی وجہ سے؟'' پھپھو نے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کیا۔

''سویٹ پھپھو پلیز آپ ہی کچھ کریں، میرا معاملہ سیٹ کرا دیں، ماما سے بچنا بہت مشکل ہے۔''

''تمہارا معاملہ سیٹ کرانے ہی جا رہی ہوں، بس تم ذرا ہمت سے کام لینا۔''

''میری تو آپ فکر ہی نہ کریں بس پھپھو اب آپ ہی کوئی منتر ماما پر پھونکیے گا مجھے تو ویسے ہی ان کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔'' ساغ دوہری کیفیت کا شکار ہو رہا تھا۔ رواحہ اب نارمل ہو گئی تھی، اس لیے ذرا ہنس کر بولی۔

''پھپھو بٹر نگ ہو رہی ہے، مجھے بھی انہوں نے ایسا مکھن لگایا تھا، کہ میری تو عقل ہی پھسل گئی، ورنہ مجھ جیسی ذی شعور لڑکی ایسا فیصلہ نہ کرتی، جس کے لیے اتنا خوار ہونا پڑ رہا ہے۔'' رواحہ کی بات پر اس نے شاکی نظر سے اسے دیکھا۔

''تمہارے پاس عقل تھی ہی کب جو پھسل گئی۔''

''اچھا! ممی سے تو اس وقت بڑے اعتماد سے کہا تھا، کہ مجھے رواحہ کی شخصیت نے متاثر کیا ہے میرا دل کسی اور کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا مجھے ایسی ہی سمجھدار ساتھی کی ضرورت ہے۔'' وہ بھی خالص بیویوں والے انداز میں بولے چلی گئی۔

اسے پھپھو کی بھی پروا نہیں تھی۔ سائغ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''اُفوہ تم دونوں اپنی لڑائی تو بند کرو اور آنے والے وقت کے بارے میں سوچو ہو سکتا ہے، تم دونوں کو آج ہی بھابی کو فیس کرنا پڑے۔'' پھپھو جھنجلا کر بولیں۔

''میں تو تیار ہوں پھپھو جو ہونا ہے ہو جائے۔'' رواحہ نے یکدم سنجیدہ ہو کر کہتے ہوئے سائغ کو دیکھا، مگر وہ ڈرائیونگ میں ہی مصروف تھا۔ کچھ توقف کے بعد وہ بھی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''اوکے میں بھی تیار ہوں ایک دن تو بتانا ہی ہے ناں، آج ہی سہی ویسے بھی پرسوں تک تو ہماری واپسی لازمی ہے۔'' اس نے گاڑی اپنے گھر کے گیٹ سے اندر داخل کر کے پورچ میں لاک کی۔ سائغ

سے وہ کافی کچھ اس گھر کے بارے میں جان چکی تھی، اس لیے اسے اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

راہداری میں اس کا ٹکراؤ شیری سے ہو گیا۔ اسے یہاں دیکھ کر اسے حیرت تو ہوئی، مگر اس نے اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

''تم یہاں بھی موجود ہو؟'' شیری کو رواحہ کے انداز تخاطب پر حیرت ہوئی، پھر قدرے قریب ہو کر بولا۔

''لگتا ہے بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہے۔''

اس سے پہلے کہ رواحہ اسے کوئی جواب دیتی۔

''وجی تم اندر چلو گی یا نہیں؟'' سائح نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا، تو شیری کو ایک اور جھٹکا لگا۔

وہ سائح کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ پھپھو پہلے ہی آگے تھیں، تینوں آگے پیچھے لونگ روم میں داخل ہوئے۔

''السلام علیکم۔'' رواحہ کی قدرے بلند آواز پر شیری کی ممی اور ڈیڈی نے سراہتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ان کے بیٹھنے کے بعد دو چار باتیں کر کے زویا احسن نے رواحہ کو مخاطب کیا۔

''کب واپسی ہے تمہاری بیٹا؟''

''پرسوں چلی جاؤں گی آنٹی؟''

''ارے اتنی جلدی کچھ دن ٹھہرتی، ہم تمہیں سیر کرواتے، پہلی بار آئی ہو نا یہاں۔'' احسن بلال نے شفقت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ ویسے بھی شیری اپنے گھر والوں سے اظہار مدعا کر چکا تھا۔ یہاں موجودگی کا مقصد بھی یہ تھا، کہ وہ احسن بلال کو بیچ میں ڈال کر پھپھو زرش سے رواحہ کے لیے بات کرنا چاہتے تھے۔

''ہاں نہ صرف تمہیں سیر کرواتے، بلکہ تم ایک اور فنکشن بھی اٹینڈ کر لیتیں۔'' زویا احسن نے شوہر کی تائید کرتے ہوئے سائح کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر وضاحت بھی کر دی۔

''اس بار میں سنی کو انگیجمنٹ کیے بغیر واپس نہیں جانے دوں گی۔''

''ماما پلیز اس ٹاپک کو بعد میں ڈسکس کریں گے۔'' وہ انکل حیدر کی وجہ سے کھل کر احتجاج نہ کر سکا، اس لیے فوراً کھڑا ہو گیا۔

''میں چینج کر کے آتا ہوں۔'' کہنے کے ساتھ وہاں سے نکل بھی گیا، حالانکہ ملازمہ چائے اور لوازمات لے کر آ گئی تھی۔ شیری بھی آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''احسن دیکھ رہے ہیں اس کا رویہ، آخر یہ کب شادی کرے گا، اسے سمجھا دیں کل تماشا اور اس کے پیرنٹس آ رہے ہیں، میں اس بار اس کا کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔'' زویا احسن کا موڈ قدرے برہم ہو گیا تھا۔

رواحہ اپنی جگہ پر بیٹھی جز بز ہو رہی تھی، پھپھو کے اشارے پر چائے سرو کرنے لگی۔

''زویا بھابی ہو سکتا ہے سائح کسی کو پسند کرتا ہو، آپ اس سے پوچھ کر تو دیکھیں، آج کل بچے والدین کے جوڑے رشتوں کو کہاں ایکسپٹ کرتے ہیں۔'' حیدر انکل نے سنجیدگی سے کہا۔

رواحہ کا یہاں ٹھہرنا محال ہو رہا تھا، مگر مجبوری تھی۔ شیری کی ممی شیرینہ آنٹی فوراً حمایتی انداز میں بولیں۔

''زندگی تو بچوں نے گزارنی ہوتی ہے، حیدر اگر وہ اپنی پسند کا لائف پارٹنر چوز کر لیتے ہیں، تو اس میں کیا برائی ہے؟'' در پردہ انہوں نے اکلوتے بیٹے کی حمایت کی تھی۔ زویا احسن جواب میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں، مگر شیرینہ کی وجہ سے چپ ہو گئی۔ وہ فوراً ہی رواحہ کو مخاطب کر بیٹھی تھیں۔

''رواحہ بیٹا آپ لاہور میں کہاں رہتی ہیں؟'' شیرینہ آنٹی کے لہجے میں بھی شرینی بھری ہوئی تھی۔

''جی ہاسٹل البسیرا'' میں رہتی ہوں۔'' رواحہ نے بمشکل چائے کا گھونٹ حلق سے اتارا۔

''ایجوکیشن ابھی کمپلیٹ نہیں ہوئی کس ایئر میں ہو؟'' رواحہ کو اس انٹرویو کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''لاسٹ ایئر میں نے ایم اے کیا ہے، ایکچوئلی میں البسیرا میں وائز وارڈن پوسٹڈ ہوں وہ ہاسٹل میری ممی کا ہے۔ ممی کی رہائش بھی وہیں ہے۔'' رواحہ نے پُراعتماد ہو کر جواب دیا۔

شیری کچھ حیران سا تھا۔ اس کی ممی نے نظروں میں استفسار کیا۔ اس نے ماں کو منت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنا سلسلہ آگے بڑھانا چاہتا تھا، حالانکہ جانتا تھا، اس کے ڈیڈی ملازمت پیشہ خواتین کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے۔

رواحہ نے پھپھو کو مستفسرانہ نظروں سے دیکھا کہ کیا کریں۔ انہوں نے اسے تسلی آمیز نظروں سے دیکھ کر اسے مخاطب کیا۔

''رواحہ بیٹا اگر تم ہم بوڑھوں میں بور ہو رہی ہو تو بے شک باہر چلی جاؤ، شیری ذرا دیکھو سائح کہاں رہ گیا ہے۔ گھر آئے مہمان کو کمپنی دینا تو فرض ہے ناں۔'' انہوں نے دونوں کو ہی وہاں سے ٹالا تھا۔

رواحہ شیری سے پہلے ہی اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔ شیری بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

''کہاں بھائی جا رہی ہو یہ راستہ باہر کو جاتا ہے۔'' شیری نے اس کے سامنے جا کر اس کا راستہ روکا، تو وہ اسے گھورتے گھورتے رہ گئی۔ اسے لگ رہا تھا اس کے اور سائح کے بارے میں آج انکشاف ہو کے رہے گا، اس لیے برداشت کر گئی تھی، بلکہ اس کے ساتھ لان میں بھی نکل آئی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے تمہیں اندر سے کیوں بھگایا گیا ہے؟'' شیری نے اسے شریر نظروں سے دیکھا۔

''شیری میں تمہاری بے تکلفی تو برداشت کر سکتی ہوں، مگر تمہارا انداز مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔''

لان چیئرز پر آمنے سامنے بیٹھتے ہوئے رواحہ نے اسے اپنے مخصوص انداز میں ٹوکا۔ وہ پھر بھی ڈھیٹ بنا ہنستا رہا۔

''شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے، بعد میں سب اچھا لگتا ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر بندے بندے میں بھی فرق ہوتا ہے، تم جو سوچ رہے ہو یا چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا۔'' رواحہ دوپہر والی رواحہ سے بہت مختلف نظر آ رہی تھی، اس نے بغور اسے دیکھا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟''

''یک طرفہ معاملات ہمیشہ کھٹائی میں پڑے رہتے ہیں۔'' رواحہ نے اسے متانت سے سمجھانے کی

کوشش کی۔

''انسان سچے دل سے کوشش کرے تو محبت دو پسند دو طرفہ بھی ہو سکتی ہے۔''

''تم اپنی کوششیں کسی بہت اچھی لڑکی کے لیے سنبھال کر رکھو اور پلیز ایک کام کرو ذرا سائغ کو بلا دو۔''

''تو کیا تم سائغ بھائی سے؟'' شیری کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔

''تم جانتی ہو زویا آنٹی اپنی پسند پر سائغ بھائی کی پسند کو کبھی ترجیح نہیں دیں گی۔''

''یہ ہمارا معاملہ ہے تم فکرمند مت ہو..... افوہ سائغ پتا نہیں کہاں ہیں۔'' وہ یکدم کھڑی ہو گئی۔ اس کے انداز و لہجے پر شیری کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ اتنے میں سائغ بھی قریب آ گیا اور آتے ہی اس نے رواحہ کے کندھے پر اپنا بازو پھیلایا۔ وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا تھا، اس لیے اب کسی بھی خوف سے مبرا تھا۔

''لگتا ہے تم دونوں میں پھر کوئی تکرار ہوئی ہے، اجازت ہو تو غلط فہمیاں دور کر دوں؟'' سائغ کا بے تکلفانہ انداز شیری سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ گیا۔

''ارے بھاگنے کیوں لگے ہو آؤ تمہیں ان سے متعارف کروا دوں۔'' سائغ کا انداز شریر تھا۔

''تھینکیو میں آپ سے پہلے ان سے متعارف ہو چکا ہوں۔'' شیری کے لہجے میں کاٹ بھی تھی اور رقابت بھی۔

''یہی تو تمہیں غلط فہمی ہے، تم رواحہ کو مجھ سے پہلے سے نہیں جانتے۔''

''غلط فہمی دور کرنے کا شکریہ۔'' شیری اس کی بات کاٹ کر رکھائی سے بولا۔ آنکھوں اور چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

''یار تم میں ذرا بھی حوصلہ نہیں ہے اور میرا حوصلہ دیکھو پچھلے چھ دن سے تمہیں اپنی بیوی کے آگے پیچھے پھرتے ہوئے دیکھ کر بھی برداشت کر رہا ہوں، بلکہ تم شاید اسے پرپوز بھی کر چکے ہو۔'' سائغ کے انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا۔

''بیوی..... آپ کی..... لیکن یہ تو فینی کی فرینڈ اور پھر؟'' اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''ممی کے خوف سے ہمیں اور پھپھو کو یہ ڈرامہ کرنا پڑا۔ اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین بھی ہونے والا ہے، دیکھیں پھپھو کیا کرتی ہیں، ورنہ مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ سنو تمہیں چھوٹا بھائی سمجھ کر میں نے اور وحی نے معاف کر دیا ہے، تم بھی ہر بات بھلا دینا۔ آؤ وحی اب زندگی کا سب سے مشکل امتحان دیں۔'' سائغ رواحہ کو لے کر وہاں سے چل دیا، جب کہ شیری چکرا کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ سب کچھ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اس کا قصور نہیں تھا، پھر بھی اسے سائغ سے نظر ملانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

رواحہ کا احتجاجی رویہ بار بار ذہن کے پردے پر لہراتا تھا، وہ تو رواحہ کو رویوں کو اس کی فطرتی جھجک سمجھتا رہا تھا۔ اس کی اسی ثابت قدمی نے تو شیری کو مائل کیا تھا، اسے کیا خبر تھی کہ وہ غلطی پر ہے۔ سائغ کے بڑھتے رجحان اور بے تکلفی کے باوجود اس نے یہ نہیں سوچا تھا، کہ وہ سائغ کی بیوی بھی ہو سکتی ہے۔

***

''زرش حیدر اور شیرینہ شیری کے لیے رواحہ کا رشتہ مانگنا چاہ رہے ہیں۔ تم بتاؤ خود پہلے اس کے گھر والوں سے بات کرو گی، یا پھر یہ دونوں چلے جائیں؟'' احسن بلال نے شیرینہ کے اشارے پر یہ موضوع چھیڑا تھا۔ اس سے پہلے سائغ کی منگنی اور شادی موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔

''کیا.....؟ رواحہ کے لیے شہریار کا رشتہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھائی جان؟'' پھپھو زرش نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا تھا، حالانکہ ان کے ارادے تو وہ پہلے سے ہی جان گئی تھیں۔

''وہی کہہ رہا ہوں، جو شیری اور یہ چاہتے ہیں سچ پوچھو تو بچی مجھے بھی بہت پسند ہے، اگر مجھے اختیار ہوتا تو سائغ کے لیے میں پہل کرتا۔'' بھائی کی بات سن کر انہوں نے درزیدہ نظروں سے بھابی کو دیکھا، مگر وہاں سکون کے آثار تھے، سکون بھی اسی لیے تھا کہ فیصلے کا اختیار ان کے پاس تھا۔

''بھائی جان ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں شیری میں کیا کمی ہے، ہمارا اکلوتا بیٹا ہے، سب کچھ اسی کا ہے، آج تک ہم نے اس کی کوئی خواہش رد نہیں کی یہ تو اس کی زندگی بھر کا معاملہ ہے۔'' شرینہ شعلے کی طرح بھڑک کر دھم پڑ گئیں۔

''میں کب کہہ رہی ہوں کہ ہمارے شیری میں خدانخواستہ کوئی کمی ہے، آپ پہلے میری بات تو سن لیں رواحہ تو میرڈ ہے، ہم اس کا رشتہ کیسے لے جا سکتے ہیں۔''

''پھپھو زرش نے دھماکہ کیا تھا اور سبھی اس کی زد میں تھے۔ رواحہ کے بارے میں اس طرح تو کسی نے سوچا ہی نہیں تھا، کہ وہ منگنی شدہ یا شادی شدہ بھی ہو سکتی ہے۔ زویا احسن نے ہی ماحول کے سکوت کو ختم کیا۔

''زرش تم نے یا فینی نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا اور نہ ہی رواحہ نے اپنی باتوں سے اپنے شوہر کا حوالہ دیا کوئی ناچاقی وغیرہ تو نہیں؟'' زویا احسن نے سب کے سوالوں کو اپنی زبان دے دی تھی۔

''مجھے کیا خبر تھی کہ آپ لوگ اس کے لیے اس نہج پر سوچنے لگیں گے، چند ماہ پہلے ہی اس کی شادی ہوئی ہے، ماشاء اللہ اس کا شوہر کوالیفائیڈ ہے فینی کی شادی میں بھی شریک تھا۔''

''اچھا..... مگر ہم نے تو اسے دیکھا ہی نہیں نہ ہی رواحہ کسی کے ساتھ نظر آئی ہے۔'' شرینہ کی غمزدہ سی آواز میں بیٹے کی ادھوری تمنائیں کوک رہی تھیں۔

''بات دراصل یہ ہے کہ اس کے سسرال والے یہیں رہتے ہیں، لڑکے نے ماں باپ کی اجازت کے بغیر شادی کی ہے اور اب اپنی شادی کو ظاہر کرتے ہوئے ڈرتا ہے اور رواحہ تو فینی کے بے حد اصرار پر آئی تھی۔'' زرش پھپھو نے اپنے تئیں معلومات پہنچا کر راہ ہموار کی تھی، لیکن اس کے لیے ابھی ایک اور دھماکے کی ضرورت تھی۔

''میں اسی لیے پسند کی شادیوں کے خلاف ہوں، لڑکے لڑکیاں پسند کی شادی کرتے ہوئے ذرا نہیں سوچتے کے بعد میں انجام کیا ہوگا۔ تم نے اسے سمجھانا تھا، اب ہمت کر کے بیوی کو متعارف کروا ہی دے، کب تک چھپتا پھرے گا۔ رواحہ اچھی لڑکی ہے، اپنا مقام بنا ہی لے گی۔ بہو اچھی ہو تو سسرال والے برداشت کر ہی لیتے ہیں۔'' زویا احسن کے عجیب سے لہجے اور باتوں پر پھپھو زرش گڑبڑا گئیں۔ ان کی

باتیں ان کے خیالات واضح کر رہی تھیں۔

سائغ اور رواحہ دروازے کے پاس کھڑے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ رواحہ کا یخ بستہ ہاتھ سائغ کے ہاتھ میں تھا، وجود میں لرزہ تھا۔ سائغ اس کا ہاتھ تھامے ہی فوراً اندر آ گیا۔ اس کی اس طرح رواحہ کا ہاتھ تھامے اندر چلے آنے پر سبھی متعجب ہو گئے۔ سبھی کی آنکھوں میں شدید حیرت تھی۔ کسی کو بھی اس منظر پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''تو ماما آپ کو اعتراف ہے ناں کہ رواحہ اچھی ہے اور اچھی بہو ثابت ہو سکتی ہے، اپنا مقام اس گھر میں بنا سکتی ہوں۔''

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو تم؟'' سب سے زیادہ صدمے کا اثر زویا احسن کو ہی ہوا۔ غصے اور بے بسی نے انہیں بولنے ہی نہیں دیا۔

''ماما ابھی آپ نے ہی کہا تھا کہ بہو اچھی ہو تو سسرال برداشت کر ہی لیتا ہے۔ آپ کی اسی بات نے مجھے ہمت دی ہے کہ میں آپ پر ظاہر کر دوں کہ رواحہ آپ ہی کی بہو ہے میں نے ہی اس سے شادی کی ہے۔''

اس سخت آزمائش کے موقع پر سائغ بڑے اعتماد اور حوصلہ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ زویا احسن جیسے کچھ سمجھ بھی رہی تھیں اور نہیں بھی۔

''تم ہوش میں تو ہو..... یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟'' وہ عالم طیش میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھیں۔ ان کے تیور دیکھتے ہوئے رواحہ کا دل چاہا کہ سائغ کا ہاتھ چھڑا کر باہر بھاگ جائے۔ سب کی نگاہیں خصوصاً زویا احسن کی بدگمان نظریں اسے اپنے آر پار محسوس ہو رہی تھیں۔

سائغ اس کی کوشش ناکام بناتے ہوئے اپنے مخصوص لاڈ بھرے انداز میں ماما سے مخاطب ہوا۔

''جی ماما میں پورے ہوش و حواس میں ہوں، دیکھئے میں وجی کو اپنی زندگی میں شامل کر چکا ہوں، رئیلی میری چوائس سے آپ کبھی مایوس نہیں ہوں گی۔'' ایک زوردار طمانچہ سائغ کا گال دہکا گیا اور سائغ کی بات درمیان میں رہ گئی۔

''شٹ اپ نکل جاؤ فوراً میرے گھر سے، آئندہ مجھے اپنی شکل نہیں دکھانا۔'' ایک لمحے کے لیے تو سائغ کا سارا خون بھی چہرے پر سمیٹ آیا تھا، بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا رواحہ لب کاٹتے ہوئے سر جھکائے کھڑی تھی۔ سائغ نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ احسن بلال ہی معاملے کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے اٹھے۔

''زویا اس طرح جذبات میں مسئلے حل نہیں ہوتے، آرام سے بیٹھو اور حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو، وہ شادی کر چکا ہے، اب کیا ہو سکتا ہے؟''

''حالات..... مائی فٹ اس سے کہہ دو احسن یہ میری نظروں کے سامنے سے چلا جائے ورنہ۔'' وہ حد درجہ جذباتی ہو رہی تھیں۔

''بھابی جان بچے اپنی غلطی کی معافی مانگنے کو تیار ہیں، آپ بردباری کا مظاہرہ کریں۔'' زرش پھپھو

سے مصلحت آمیزی سے وہ مزید بھڑک اٹھیں۔

''تم..... تم سب لوگ اس ڈرامہ بازی میں برابر کے شریک ہو، زرش تم بھی مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، تم نے بھی مجھے دھوکا دیا۔ سب چلے جاؤ یہاں سے فار گاڈ سیک لیو می الون۔'' ان کی دھاڑ پر شیری کے ممی ڈیڈی، تو فوراً ہی نکل گئے، ویسے بھی ان کا اب یہاں کیا کام تھا۔ سائغ ہی کچھ ہمت کر کے ماں کو سنبھالنے آگے بڑھا۔

''ماما رئیلی آئی سوئیر ٹو گاڈ میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا، نہ ہی آپ کے فیصلوں سے ٹکرانا چاہتا تھا۔ بس وجی کے علاوہ کسی اور کو ایکسپٹ بھی نہیں کر سکتا تھا، اسی لیے مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نے آپ کو بتائے شادی.....؟''

''نہیں سننی ہے مجھے تمہاری کوئی بکواس دفع ہو جاؤ، ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ جھوٹے فراڈیے ماں کو فریب دیتے رہے ہو، وہ ماں جس نے تمہاری خاطر، تمہارے اچھے مستقبل کے لیے خود اپنی ممتا کا گلا گھونٹا۔ آج تم کسی قابل ہو گئے، تو کسی راہ چلتی کا ہاتھ پکڑ کر میرے سامنے آنے کی جرأت بھی کر رہے ہو، میں کہتی ہوں نکل جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے ایش ٹرے اٹھا کر دیوار پر دے ماری۔ ان کی جنونیت ان کے ہر انداز سے واضح تھی۔ سائغ نے بڑھ کر انہیں تھامنا چاہا تھا، مگر زرش پھپھو نے اس کا بازو کھینچ کر روکا۔

''سائغ ابھی بھابی غصے میں ہیں تم جاؤ پھر بات کر لینا۔''

''میں اس خبیث کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ زرش اس سے کہہ دو آئندہ میرے گھر میں قدم بھی رکھا تو میں اس کی جان لے لوں گی، یا پھر اپنی جان دے دوں گی۔ اس نے جس کا انتخاب کیا وہ ہی اسے اب ساری محبتیں دے گی۔'' ان کے لہجے میں غضب اور نظروں میں طنز کی برچھیاں تھیں، جنہوں نے ایک لمحہ میں ہی رواحہ کو چھلنی کر دیا۔ وہ اپنے آنسو روکتی ہوئی تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''ماما وجی اس بارے معاملے میں صرف اتنی قصوروار ہے کہ وہ میری بیوی ہے، پلیز آپ یہ ظلم نہ کریں۔''

''احسن اس گھر میں رہے گا یا پھر میں، اگر یہ نہیں جانتا تو میں جا رہی ہوں۔ اس کے سرسراتے لہجے پر سائغ اپنی جگہ پر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ احسن بلال بھی چونک اٹھے تھے، اگلے ہی پل انہوں نے بیٹے کو مخاطب کیا۔

''سنی تم چلے جاؤ کیوں ماں کو آزار پہنچا رہے ہو۔'' احسن بلال جانتے تھے زویا احسن انتہا پسند ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتی ہیں، اس لیے انہوں نے بیٹے کو اس طرح مخاطب کیا تھا۔ وہ پہلی بار ماں کا اس قدر غصہ دیکھ رہا تھا۔ اسی لیے ان کے رویے سے غم و غصے میں مبتلا ہو گیا تھا۔

وہاں سے نکل کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ رواحہ پہلے ہی اس کے کمرے میں موجود تھی اور تکیے میں منہ چھپائے رونے میں مشغول تھی۔ سائغ نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے اپنے ہونے کا احساس دلایا۔

''وجی اٹھو ہم ابھی واپس جا رہے ہیں۔'' وہ فوراً ہی سیدھی ہو گئی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا، کہ آپ کی فیملی مجھے ایکسپٹ نہیں کرے گی۔'' اس کی رندھی آواز میں ہلکا سا شکوہ تھا۔

''اور میں نے بھی تم سے کہا تھا کہ تمہیں زندگی میرے ساتھ گزارنی ہے، میری فیملی کے ساتھ نہیں۔ ایسا ایک دن تو ہونا ہی تھا، اچھا ہی ہوا ابتداء میں ہی ہمیں معلوم ہو گیا، ورنہ ساری عمر مجھے امید رہتی کہ ماما کچھ نہیں کہیں گی، چلو اٹھو میرا سامان پیک کرو، میں ایئر پورٹ فون کر کے سیٹیں کنفرم کرتا ہوں۔'' سائغ نے بیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر اپنی الماری کی چابیاں اسے تھمائیں اور خود بیڈ کے سرے پر ٹک کر فون اپنی طرف کھسکا لیا۔

رواحہ خاموشی سے اٹھ کر اس کا سامان بیگ میں رکھنے لگی۔

''سائغ''۔ وہ کسی گہری سوچ سے ابھر کر یکدم بولی۔ اس کی پکار پر سائغ کی انگلیاں نمبر پش کرتی کرتی رہ گئیں۔

''کیا بات ہے؟''

''سائغ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ماما کا غصہ وقتی ہو، بلکہ یہ تو نیچرل بات ہے، انسان کا جس پر حق ہو اگر اس سے وہ حق چھن رہا ہو تو وہ شور تو مچاتا ہی ہے۔ ماما اس وقت یقیناً اپنے جذبوں کے پریشر میں ہیں۔ ہم سے غلطی تو ہوئی ہے ناں ہم نے انہیں بے خبر رکھا۔ ان سے ان کا حق چھینا، اگر ہم رک کر ان سے معافی مانگ لیں، تو شاید وہ ہمیں معاف کر دیں۔ ویسے بھی پرسوں تو ہمیں جانا ہی ہے ناں۔''

''ڈونٹ بی سلی رواحہ ماما کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، جتنا میں ان کے آگے گڑگڑاؤں گا وہ مزید مجھے دھتکاریں گی، میں مزید یہاں رک کر اپنی انسلٹ نہیں کروانا چاہتا۔ سامان پیک ہو گیا ہے، تو چلو پھپھو کے گھر سے تمہارا سامان بھی لینا ہے۔'' وہ اس وقت اس کی کوئی بات نہیں سننا چاہتا تھا۔

''سائغ دیکھو ماں کی ڈانٹ سے انسلٹ نہیں ہوتی اور پھر غلطی ہم۔''

''میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے انڈر اسٹینڈ اب چلو ہری اپ۔'' رواحہ نے پہلی بار اسے غصے میں دیکھا تھا۔ وہ روہانسی ہو کر بیگ بند کرنے لگی۔

آج اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا، کہ وہ ادھر آئی ہی کیوں۔ سائغ نے گاڑی کی چابی میز پر رکھ کر اپنا بیگ اٹھایا اور پھر رواحہ کو لے کر نیچے آ گیا۔

زویا احسن اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی۔ احسن بلال اور زرش بیگم کمرے سے باہر ٹہل رہے تھے۔

''پھپھو آپ چل رہی ہیں؟ وجی کا سامان آپ کے گھر سے لینا ہے۔'' وہ انہیں اپنے جانے کی اطلاع دینے آیا تھا۔

وہ یکدم حیران رہ گئیں۔ زویا احسن کی حالت اور ردّیے نے پہلے ہی تشویش میں مبتلا کر رکھا تھا۔

''ابھی جا رہے ہو؟ تمہاری تو ابھی دو چھٹیاں ہیں ناں۔''

''وہ دو چھٹیاں اپنے گھر میں سکون سے گزاروں گا۔'' اس نے باپ کو شاکی نظروں سے دیکھا۔

''پاگل ہو گئے ہو، ہماری بہو پہلی دفعہ ہماری گھر آئی ہے، میں کیا اس طرح جانے دوں گی ہرگز نہیں۔'' زرش پھپھو نے رعب سے کہا، مگر وہ زخمی ہنسی ہنس دیا۔

''بہت کچھ ٹل گیا ہے اس بہو کو، مزید کچھ نہیں چاہیے، آپ چل رہی یا نہیں؟'' رواحہ فاصلے پر کھڑی ضبط سے لب کاٹ رہی تھی۔ احسن بلال نے بڑھ کر اس کے سر پر دست شفقت رکھ دیا۔

''یہ ماں بیٹا دونوں ہی ضد کے پکے اور غصے کے تیز ہیں۔ دونوں کو اپنی انائیں عزیز ہیں، اس لیے دونوں کو اس وقت چھیڑنا عقلمندی نہیں ہے اور اس لیے میں تمہیں رکنے کے لیے نہیں کہوں گا، کیونکہ میں دونوں کے مزاجوں کو جانتا ہوں۔ اپنے شوہر کی بات ماننا تمہارا فرض ہے، تمہارا حق دینے میں ضرور آؤں گا ہے تو یہ نالائق مگر مجھے امید ہے، تمہاری سنگت میں یہ جلد ہی سدھر جائے گا۔'' بلال احسن ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر ماحول کا بوجھل پن ختم کرنا چاہ رہے تھے، بھائی کے مضبوط لہجے میں زرش پھپھو بھی مطمئن ہو کر ان کے ساتھ اپنے گھر چلنے پر تیار ہوئیں۔

''سائغ تم یہ اچھا نہیں کر رہے، کیا تم لوگ میرے گھر نہیں رہ سکتے، فینی تو خوب شور مچائے گی۔''

جواباً وہ لب بھینچے رہا۔ احسن بلال نے بھی بڑھ کر اسے گلے لگایا، اس کی پیشانی چومی۔

''مائی اینگری سن کم از کم مجھے تو انفارم کرتے، اتنا بڑا قدم تم نے تنہا ہی اٹھایا۔''

''مجھے معلوم تھا آپ بھی ماما کا ہی ساتھ دیں گے۔'' ناراضگی اس کے لہجے سے ٹپک رہی تھی۔

''میں اس کا ساتھ دے کر بھی تمہارا ساتھ دے سکتا تھا۔ ویل اب تو جو ہونا تھا ہو گیا، مجھے اپنی بہو بے حد پسند آئی ہے، تمہاری ماما اس جذباتی دور سے گزر جائے، پھر وہ بھی ٹھیک ہو جائے گی۔'' احسن بلال نے سائغ اور رواحہ کو اپنے پہلوؤں میں سمیٹا اور پھر ان کے ساتھ پورچ میں آ گئے۔

ڈرائیور سے انہیں چھوڑنے کے لیے کہا، مگر وہ بیگانگی سے بولا۔

''تھینکیو ہم چلے جائیں گے شہر میں رکشے اور ٹیکسیاں ہیں۔'' وہ اس کے پچھپنے پر مسکرا اٹھے۔

''ناراضگی تمہاری ماں سے چل رہی ہے مجھ سے نہیں، یہ گاڑی میری ہے، ڈرائیور بھی میرا ہے اور تم بھی میرے ہو مائی سویٹ سن زندگی کو جذباتیت کی نذر نہیں کرتے اوکے گاڈ بلیس یو۔''

انہوں نے زبردستی اسے گاڑی میں بٹھایا۔

رواحہ نے بھی آنسو پونچھتے ہوئے رندھے لہجے میں خدا حافظ کہا اور پھر وہ رکا نہیں، ایئر پورٹ پر اسے چانس پر سیٹیں مل گئی تھیں۔ وہ غصے اور جذبات میں آ تو گیا تھا، مگر اب بہت ڈپریسڈ تھا۔ اس کی ماں اس سے پہلی بار اس شدت سے ناراض ہوئی تھی۔ پہلی بار اس کے لہجے میں پیار کے علاوہ غصہ دیکھا تھا۔

سارے راستے وہ خاموش رہا۔ گھر آ کر بھی اس نے اپنے کمرے میں گھس کر اندر سے لاک لگا لیا۔ رواحہ اس کے ردّیے سے پریشان ہو اٹھی تھی۔ قصور اس کا نہیں تھا، پھر سزا اسے کیوں دونوں طرف سے مل رہی تھی۔

وہ کمرے سے باہر سر جھکائے رونے میں مشغول تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ اس کی ماما
نہیں جانتی تھی، نہ ہی ان کی مزاج شناس تھی، پھر وہ کیوں نشانہ بنی تھی۔ غلطی جس کی تھی وہ خود اب منہ چھ
کر بیٹھا تھا۔ شاید اپنے فیصلے پر پچھتا رہا تھا، جو رواحہ کو اذیت دے رہا تھا۔

دو گھنٹے کے بعد ہوش و حواس بحال ہوتے ہی سائغ کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ رواح
کے احساسات کے بارے میں سوچتے ہی ندامت و بے چینی اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ وہ فوراً
باہر نکل آیا۔ وہ دروازے کے پاس نڈھال سی بیٹھی تھی۔ سائغ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ ماں کی
اس نے اپنے دل کے تقاضوں سے مجبور ہو کر ناراض کر دیا تھا اور اب اپنی زیست کا حاصل اپنے دل کی
خوشی کو بھی خود سے متنفر کر رہا تھا۔

وہ فوراً اس کے قریب دوزانو بیٹھ کر بولا۔

''آئی ایم رئیلی سوری۔'' کبھی کبھی لفظوں سے زیادہ آپ کی آنکھوں کے رنگ اور اس کی زبا
بامعنی معلوم ہوتی ہے۔ رواحہ کی ایک شاکی نگاہ نے سارے گلے شکوے عیاں کر دیئے۔

''وجی پلیز سوری مجھے پتا نہیں کیا ہو گیا تھا۔ آئی سوئیر ٹو گاڈ آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گا۔'' اس۔
رواحہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''مجھ سے کبھی بدگمان مت ہونا، میں تمہیں کبھی خود سے دور کرنے کے بارے میں سوچ نہیں سک
ایسا کر سکتا تو اپنی ماما کو ناراض نہ کرتا، پلیز مجھے معاف کر دو۔'' رواحہ سے اس کے جڑے ہاتھ دیکھے نہ
گئے، ویسے بھی باشعور تھی۔ سائغ کی جذباتی کشمکش کو سمجھ سکتی تھی۔

''مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے، میری قسمت میں ایسا ہی ہونا لکھا تھا۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام
پھر رونے لگی۔

''پلیز وجی تمہیں معلوم ہے تمہارے آنسو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں معافی مانگ رہا ہوں
سے۔'' رواحہ اس کے اظہار ندامت پر فوراً اس کے ہاتھ چھوڑ کر آنسو صاف کرنے لگی۔

''دیٹس لائیک اے گڈ گرل آئندہ ہم کوئی بات کوئی دکھ نہیں دہرائیں گے۔ زندگی صرف ا
لئے جئیں گے چلو اٹھو فریش ہو جاؤ ڈنر کے لیے باہر چلتے ہیں۔ یہ دو دن صرف تمہارے نام بہت دوری
ہے ہم نے وہاں۔'' سائغ نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے چھیڑا۔ رواحہ اس
ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ اسے بہلانے کے لیے اسے بھی اچھی بیوی ہونے کا ثبوت دینا تھا۔

زویا احسن اگلے روز تک اپنے کمرے میں بند رہیں۔ احسن بلال کی تشویش دیدنی تھی۔ زویا احس
بنا کھائے پیئے چوبیس گھنٹے سے بھی زیادہ وقت سے خاموش تھیں۔ احسن بلال نے کئی بار دروازہ کھلوا
کی کوشش کی تھی، مگر ان کی کوششیں ناکام ہو گئی تھیں۔ مجبوراً انہوں نے بے چین ہو کر دروازہ پیٹ ڈا
خلاف توقع کچھ دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ سامنے زویا احسن بکھرے سے حلیے میں کھڑی تھیں۔ آنکھ
میں ایک رات کے رت جگے سے ہی ویرانیاں اتر آئی تھیں، کوئی کہہ نہیں سکتا تھا، کہ یہ وہی زویا احسن ہ
جنہوں نے کبھی اپنے لباس پر سلوٹ نہیں پڑنے دی تھی۔ جنہیں اپنے روئیوں پر اکثر اختیار رہتا تھا

ایک بیٹے کی نافرمانی سے سارے فخر و غم بھلائے اپنی ذات سے ہی بے پروا ہو رہی تھیں۔

''احسن..... کیا وہ چلا گیا؟ مجھے چھوڑ کر؟'' ان کے لہجے میں اضطراب تھا، کسک بھی۔ لگتا تھا حسب
خواہش جواب نہ ملا تو لڑکھڑا کر گر جائیں گی۔

''تم نے ہی تو اسے جانے کے لیے کہا تھا۔ تمہارا حکم کیسے ٹالتا۔'' احسن نے انہیں کندھوں سے تھام
کر دوبارہ اندر لے جا کر بیڈ پر بٹھایا۔

''میرا حکم..... وہ میرا حکم کب مانتا ہے، وہ تو میرا حق بھی نہیں مانتا۔ میں اس کی ماں، میں نے اسے
جنم دیا۔ اس کی پرورش کی، اسے اس مقام تک پہنچایا آج اس نے اپنی پسند سے۔'' چوبیس گھنٹے کی کشمکش
کے بعد آخر وہ بے ربط لہجے میں بولتے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ احسن بلال نے انہیں جی بھر کر رونے
دیا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی پھر گویا ہوئیں۔

''اس نے مجھ سے کہا تھا، کہ وہ میری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔ اس نے مجھ سے
وعدہ کیا تھا، کہ کسی لڑکی کو اس نظر سے دیکھے گا بھی نہیں، مگر اس نے مجھے دھوکا دیا اندھیرے میں رکھا، کیوں
آخر کیوں میرے دل میں اس کی شادی کے کتنے ارمان تھے، مگر اب۔'' وہ خود کو سمیٹ نہیں پا رہی تھیں۔

''زویا یہ معاملے ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے۔ سنجوگ تو اوپر لکھا ہوتا ہے اور کس طرح ہوتا ہے،
اس کا بھی پتا نہیں چلتا۔ اس کی زندگی کا فیصلہ اسی طرح ہونا تھا، وہ تمہیں نہ دھوکا دینا چاہتا تھا، نہ ہی وعدہ
خلافی کرنا چاہتا تھا، بس اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ میں مانتا ہوں کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی
ہے، وہ ہمیں اپنی پسند بتا کر آزماتا تو سہی، مگر بہرحال اب کیا ہو سکتا ہے رواحہ اچھی بچی ہے۔''

''احسن تم اس کی حمایت کر رہے ہو، جس نے میری عمر بھر کی تمناؤں کا خون کر دیا۔ جس نے مجھ
سے ماں ہونے کا حق ہی چھین لیا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی۔'' وہ ایک بار پھر غصے سے چیخ اٹھیں۔

''میں تمہیں معاف کرنے کے لیے کب کہہ رہا ہوں، تم اسے سزا دے سکتی ہو، لیکن ایک بات سوچو
اس سارے میں معاملے میں رواحہ کا کتنا قصور ہے؟ غلطی تمہارے بیٹے کی ہے، جس نے تمہیں جانتے
بوجھتے ایسا قدم اٹھایا۔ وہ تمہارے مزاج سے واقف تھا۔ رواحہ نہیں اس نے نجانے کیا کہہ کر اسے یا اس
کے گھر والوں کو راضی کیا ہو گا۔'' احسن بلال نے متانت سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ زویا احسن انتہا
پسند اور جذباتی ہونے کے باوجود اپنی اولاد سے بے حد محبت کرتی تھیں۔

''ہونہہ نجانے کیسے میرے بیٹے کو قابو کیا ہو گا۔ کیسے میرے بیٹے کو مجھ سے چھین کر لے گئی۔ ساری
دوریاں میرے لیے، سارے دکھ میرے لیے، وہ اس کے ساتھ رہتی ہے، وہ کیوں چاہے گی کہ میرا بیٹا میرا
ہو کر رہے اور وہ اس کل کی لڑکی کی محبت میں اتنی جلدی اندھا ہو گیا کہ میری، اپنی ماں کی محبت کو نظر انداز کر
گیا، چھٹی ہونے کے باوجود رکا بھی نہیں۔'' وہ دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں یہ ان کے لیے بہتر تھا۔

''وہ کیسے رکتا تم نے سب کے سامنے اس کی انسلٹ کی تھی۔ تھپڑ مارا تھا، آج تک تم نے اسے کچھ
کہا تھا۔ نہیں ناں اسی لیے وہ بھی برداشت نہیں کر سکا، جوان اولاد پر ہاتھ نہیں اٹھاتے زویا احسن۔'' احسن
بلال نے انہیں ان کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

''تو میں کیا کرتی؟ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کہ وہ ایسا کرسکتا ہے اور تم نے دیکھا، وہ جتنے دن بھی رہا اس کی کسی بات سے ظاہر ہوا کہ رواحہ اس کی بیوی ہے۔'' وہ اب جذباتیت سے نکل آئی تھیں۔ اسی لیے قدرے سنبھل کر بات کررہی تھیں۔ احسن بلال کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

''صاحبزادے کی ایکٹنگ کا تو میں بھی قائل ہوگیا ہوں، بلکہ اسے داد دیتا ہوں۔''

''آپ تو شروع ہی سے اس کے حمایتی ہیں، آپ کی وجہ سے تو وہ بگڑا ہے۔'' وہ جب احسن سے بدگمان ہوتی تھیں، تو آپ کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔

''اگر میں اس کا حمایتی ہوتا تو اسے روک نہ لیتا، بلکہ اپنی بہو کو روکتا، جو پہلی بار ہمارے گھر آئی تھی اور جسے آپ کالاڈلا زبردستی لے کر گیا ہے۔''

''کیا.....؟ تم نے لے جانے ہی کیوں دیا اور زرش وہ بھی نہیں روک پائی۔'' زویا بے ساختہ بولیں اور پھر اپنے کہے پر خود ہی پشیمان نظر آنے لگیں۔

''وہ بہت بدل گیا ہے، احسن اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، اس نے کیوں ایسا کیا؟''

''جوانی میں ایسے فیصلے اسی طرح ہوتے ہیں، شکر کرو اس نے کسی شریف لڑکی کو اپنایا ہے، ورنہ جتنے عرصے سے وہ تنہا تھا کہیں بھٹک بھی سکتا تھا۔'' احسن بلال نے انہیں حقیقت سمجھانے کی کوشش کی۔ پھر مزید اثر انداز میں گویا ہوئے۔

''سنو زویا تمہارے غصے اور ناراض ہونے سے اب کیا فائدہ کیا تم اسے معاف نہیں کرسکتیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' انہوں نے قطعیت سے کہا۔

''اگر وہ رواحہ کو چھوڑ کر آجائے تو کیا تم اسے معاف کردو گی؟'' انہوں نے چبھتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے حساس دل کو چھیڑا، تو ان کا رنگ فوراً متغیر ہوگیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو احسن، میں کسی کی بیٹی کا گھر کیوں برباد کروں گی۔''

''تو پھر اپنے گھر کو آباد کرلو۔''

''کیا..... کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ سمجھ کر انجان بنیں۔

''تم بیٹے کو بے شک معاف مت کرو، لیکن ایسا کرتے ہیں بہو کو بیٹی بنا کر لے آتے ہیں، سچی بات ہے یہ خالی خالی گھر اب مجھے بھی اچھا نہیں لگتا۔'' اپنے دل میں دبی خواہش کا آج انہوں نے برملا اظہار کیا تھا۔ زویا نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

''میں..... میں اسے لینے جاؤں.....؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔'' غصے کی لہریں ابھی بھی موجود تھیں۔

''آنٹی بڑوں کے دل تو سمندر ہوتے ہیں، چھوٹوں کی غلطیاں اپنے اندر سمو کر ان کی وسعت اور بڑائی میں کمی نہیں ہوتی۔'' احمر کی مداخلت پر دونوں ہی چونک اٹھے۔ نجانے کب فینی اور احمر اندر آگئے تھے۔ زویا اور احسن فوراً ہی اپنی اپنی جگہ سے اٹھے۔ اپنے رشتے کی نزاکت کا احساس ہوا۔ احمر اب داماد تھا۔ انہوں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ارے تم..... کب آئے آؤ بیٹھو۔'' احمر اور شافین آکران کے کمرے میں موجود صوفہ چیئرز پر بیٹھ

گئے۔

''آنٹی رواحہ کا تو کوئی قصور ہی نہیں ہے، سائم بھائی نے غلطی کی ہے، سزا رواحہ کو نہیں ملنی چاہیے، رواحہ تو مان ہی نہیں رہی تھیں، لیکن آپ بھائی کی ضد سے تو واقف ہیں ناں۔'' فینی نے انہیں منانے کی کوشش کی۔

''اگر وہ مجھے بتا دیتا تو کیا میں انکار کردیتی، مگر اس نے کوشش ہی نہیں کی ہے، یہ زویا احسن کہہ رہی تھیں، جو کچھ دن پہلے تک اس قسم کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتیں۔''

''لیکن تو ہم کہہ رہے ہیں کہ سائم بھائی نے غلطی کی ہے، چھوٹوں کی غلطیاں بڑے معاف کر ہی دیتے ہیں، اگر آپ کہیں تو ہم آپ کے ساتھ انہیں لینے چلتے ہیں، یا پھر انہیں جا کر ہم لے آتے ہیں، آپ جیسا کہیں گی ویسے ہی ہوگا۔'' احمر کے انداز بیاں میں کافی سلجھاؤ تھا۔ بلال احسن بھی زویا میں کافی لچک محسوس کررہے تھے۔

''انہوں نے موقع دیکھ کر بات بڑھائی۔

''جانا تو ہمیں ہی چاہیے، تم نے اسے خود گھر سے نکالا تھا، اب وہ کسی اور کے ساتھ تو آئے گا نہیں، ضد اور غصے میں تو وہ تم پر گیا ہے، اب نجانے اس کا وہاں کیا حال ہوگا، بے وقوفی میں کوئی جذباتی قدم ہی نہ اٹھالے۔ گھر بار نہیں بستے زویا۔ رواحہ اچھی لڑکی ہے۔ ہمارے بیٹے کی خوشی اگر اس سے وابستہ ہے، تو ہمیں اس کی خوشی کو اپنا لینا چاہیے۔'' زویا احسن کی ممتا بیدار ہورہی تھی، بلال احسن کی باتیں صحیح لگ رہی تھیں۔

کچھ لمحوں کے توقف کے بعد وہ فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئیں۔

''ٹھیک ہے میں سائم کو معاف کردیتی ہوں، مگر اسے میری ایک شرط ماننی ہوگی اسے دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔'' زویا احسن کی بات پر تینوں کی چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ انہوں نے تینوں کے چہرے پر باری باری نگاہ ڈالنے کے بعد اپنی شرط بتائی۔

''اب میں سائم کو لاہور میں نہیں رہنے دوں گی، اسے نوکری چھوڑنی ہوگی یا پھر بیوی۔'' تینوں کے رکتے سانس بحال ہوئے، وہ جانتے تھے سائم نوکری چھوڑ دے گا۔

''ماں کو خوش کرنے اور بیوی کو اس کا مقام دلانے کے لیے اب وہ کچھ بھی کرگزرے گا۔''

تھینکیو زویا چلو پھر اب خود ہی اسے فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع دو۔'' احسن بلال کے چہرے پر تشکر بھرا سکون چھا گیا تھا۔ کل سے وہ بھی کشمکش میں مبتلا تھے۔

''نہ..... نہیں ماموں جان اس طرح نہیں آپ انہیں سرپرائز دیں۔ رئیلی بہت مزہ آئے گا۔ آنٹی کو سامنے دیکھ کر ان دونوں کی جو حالت ہوگی، وہ میں یہاں بیٹھ کر بھی تصور کرسکتی ہوں۔''

فینی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا، تو زویا احسن اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائیں۔

''تمہاری یہ عادت نہیں بدلے گی ہاں۔''

''میری اس عادت سے ہی آپ کو گھر بیٹھے بٹھائے بہو مل گئی ہے، آنٹی نہ میں اچانک سائم بھائی

کے گھر جاتی اور نہ ہی وہ کبھی رواحہ کو سامنے لاتے..... پھر آپ کب جا رہے ہیں، سائع بھائی کو لینے؟'' شافع نے پرشوق ہو کر پوچھا۔

''ہاں..... ہاں میں سیٹیں ریزرو کرواتا ہوں۔'' احسن بلال جانتے تھے، اب انہیں خود ہی ان کا ہاتھ پکڑ کر آگے لے کر جانا ہے، وہ تجدید عہد نہیں کریں گی۔

''افوہ کتنی دیر ہو گئی سب ملازم نجانے کہاں چلے گئے ہیں، بچے کب سے آئے بیٹھے ہیں، مگر چائے پانی کا نام و نشان ہی نہیں ہے۔ زویا احسن کو یکدم میزبانی کا خیال آیا۔

''نہیں آنٹی پلیز کسی تکلف کی ضرورت نہیں، ہم آپ سے ملنے آئے تھے۔'' احمر نے فوراً روک دیا۔

''اور آپ فکر نہ کریں رواحہ یہاں آ جائے گی ناں، تو سارے سیدھے ہو جائیں گے، بہت سخت ہے وہ۔''

''سارے؟'' احسن بلال نے زویا احسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرارت سے پوچھا، تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''میں ملازموں کی بات کر رہی ہوں ماموں جان، بھائی نے آپ کو بتایا نہیں کہ وہ ہاسٹل البسیر اکی وائز وارڈن رہ چکی ہے، سنا ہے بہت سخت اور ڈسپلن قائم رکھنے والی وارڈن تھیں۔'' فینی نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا اور پھر احمر کے اشارے پر اٹھ کھڑی ہوئی۔''

''فینی بیٹھو تم لوگ پہلی بار آئے ہو اور اسی طرح جا رہے ہو۔'' زویا احسن نے روکنا چاہا۔

''بھائی اور بھابی آ جائیں پھر ہم آ کر ضیافت کھائیں گے، ابھی پلیز سوری ابھی مجھے ایک دوستوں سے ملنا ہے۔'' احمر کی معذرت وہ کیسے رد کرتیں۔

***

بے وقت چیختی کال بیل نے نہ صرف اسے متوجہ کیا، بلکہ کچھ پریشان بھی کر دیا۔ سائع لنچ کے ڈیڑھ بجے آتا تھا، جب کہ ابھی صرف ساڑھے گیارہ ہوئے تھے اور ان اوقات میں کبھی کوئی ملنے بھی نہیں آتا تھا۔

وہ ہاتھ میں پکڑا اگاجر کی کھیر کا باؤل فریج میں رکھتی ہوئی کاؤنٹر پر رکھ کر دروازہ کھولنے آ گئی۔ سائ کی اتنی جلدی آمد پر اسے تشویش سی ہونے لگی۔ جیسے ہی اس اس نے دروازہ کھولا، تو وہ بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی۔ اس کے حواس جیسے معطل ہونے لگے۔ سامنے جو منظر تھا، وہ اسے خواب لگ رہا تھا۔ ثانیوں کے لیے وہ بالکل پتھر کی بن گئی تھی۔

''کیا ہمیں اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟''

اسے اپنی آنکھوں کے ساتھ سماعت پر بھی اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ یہ آواز، یہ چہرہ احسن بلال سائع پاپا کا تھا۔ اور ان کے پہلو میں کھڑی زونیا احسن یعنی ماما تھیں۔ اسے پھر سے جھوٹ کا گمان ہونے لگا۔

''نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا، یہ یہاں کیسے آ سکتے ہیں۔'' اس نے اپنے یقین کو ایک بار پھر جھٹلایا۔

احسن بلال نے اسے چونکا دیا۔

''رواحہ بیٹے کیا اب تم ہمیں اپنے گھر میں گھسنے نہیں دو گی؟'' وہ یکدم چونکی ہو گئی۔

''میں ایسی گستاخی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی پلیز آیئے، اندر آیئے ناں۔'' وہ فوراً ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ خواب نہیں حقیقت ہے۔

زویا احسن نے آتے ہی اطراف کا جائزہ لیا۔ ہر چیز سلیقے اور قرینے سے پڑی ہوئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں توصیف سمٹ آئی۔ بے اختیار ہی انہوں نے اظہار کیا۔

''احسن یہ سائع جیسے بے ترتیب بندے کا گھر ہے، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔'' ڈرائنگ روم کی آرائش نے انہیں خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

''یہ سائع کا کمال نہیں ہے یہ ہماری بہو کا کرشمہ ہے، جس نے تمہارے بیٹے اور ان کے گھر کو کمپوز کر رکھا ہے ورنہ۔'' احسن بلال کے لبوں پر ہنوز مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اپنی بوکھلاہٹ میں اسے اب یاد آیا، کہ اس نے انہیں سلام بھی نہیں کیا تھا۔

''وعلیکم السلام کدھر جا رہی ہو ادھر آؤ۔'' اسے پلٹتے دیکھ کر احسن بلال نے اسے پکارا۔

''وہ..... میں انہیں فون کر دوں کہ آپ دونوں آئے ہیں، ورنہ وہ ناراض ہوں گے۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

''کر دینا اسے بھی اطلاع پہلے ادھر آ کر ہمارے پاس تو بیٹھو۔'' احسن بلال نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما اور پھر زویا احسن کے مقابل لے گئے۔

''لو اپنی بہو سے ملو آج ہی سارے گلے شکوے ختم کرڈالو کوئی بات دل میں مت رکھنا۔''

''مجھے اس سے تو کوئی شکایت نہیں ہے، سارا قصور تو سائع کا ہے، جس نے مجھے دھوکا دیا۔'' زویا احسن نے بڑی فراخدلی سے اسے گلے لگایا، تو رواحہ کے آنسو چھلک پڑے۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ زویا احسن اس کے گلے لگی، محبت کا اظہار کر رہی ہیں۔ ان کی ساری خطائیں انہوں نے بھلا دی ہیں۔

''تم رو رہی ہو بیٹا، یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''انکل! کیا واقعی آپ نے ہمیں معاف کر دیا ہے؟'' رواحہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

''نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں، بس اب اپنی تیاری کرو۔'' انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا۔

''آپ بیٹھیں تو سہی انکل آ.....؟''

''اوں..... ہونہہ..... کیا سائع کے ماما پاپا تمہارے ماما، پاپا نہیں ہو سکتے؟'' زویا احسن نے اس کے انکل آنٹی کہنے پر فوراً سرزنش کی۔

''آئی ایم سوری آپ بیٹھیں ماما پلیز، میں ایک منٹ میں آتی ہوں۔'' رواحہ سے اس وقت خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

وہ معذرت کرتی باہر نکل گئی۔ پھر کچھ ہی دیر بعد میں ان کیلئے ٹھنڈا مشروب اور اسنیکس وغیرہ لے کر آ گئی۔ زویا احسن کی محبت کا احساس اسے سرشار کر گیا تھا۔ وہ کسی طرح سائع کو یہ خوشخبری سنانا چاہتی تھی۔ ایک بار پھر معذرت کر کے وہ باہر آ گئی۔

''ہیلو سائع پلیز پلیز جلدی سے گھر آ جائیں۔'' رواحہ نے اس کی آواز سنتے ہی ملتجی لہجے میں کہا۔

''ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد میں لنچ پر آنے والا ہوں کوئی پرابلم ہے؟''

''بس میں نے کہہ دیا ہے نا آپ فوراً آ جائیں، بہت ضروری کام ہے آپ سے۔'' اس کی مسرت چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے یار کیوں اتنی جلدی بلا رہی ہو، خیریت ہے ناں تم ٹھیک ہو؟'' سائع کے لہجے میں جھنجلاہٹ کے ساتھ ساتھ فکرمندی بھی شامل ہو گئی۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے آپ آئیں گے، تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا، آپ آئیں تو۔'' رواحہ کو عجیب سی بے چینی تھی۔

''تو کیا.....؟ وہ معلومات مجھے لنچ پر آنے سے حاصل نہیں ہوں گی۔''

''آج میں نے پہلی بار جلد آنے کی فرمائش کی ہے اور آپ میری بات ہی نہیں مان رہے۔'' رواحہ کے لہجے میں ناز کے ساتھ خفگی بھی شامل ہو گئی۔

''یار کوئی معقول وجہ بھی تو ہو جلد گھر آنے کی، تمہیں علم ہے آج میں آفس بھی لیٹ آیا ہوں۔''

''میری وجہ سے نہیں اپنی وجہ سے لیٹ ہوئے تھے، اچھا ٹھیک ہے مت آئیں میں فون بند کر رہی ہوں۔'' رواحہ نے ناراضگی سے ریسیور پٹخ کر رکھا۔

''تو یہ ابھی تک سدھرا نہیں آنے دو اس کے ہوش ٹھکانے لگا دوں گی۔'' زویا اور احسن بلال اس کے سر پر کھڑے مسکرا رہے تھے۔ وہ خجالت سے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئیں آپ دونوں کچھ دیر ریسٹ کر لیں، وہ لنچ تک آ جائیں گے، ایکچوئلی میں نے انہیں بتایا نہیں کہ آپ آئے ہیں۔'' وہ انہیں لیے ایک بیڈروم میں آ گئی۔

''تمہیں بھی سرپرائز دینے کا خیال آیا ہوگا۔'' زویا نے اسے پرشوق نظروں سے دیکھا۔ اس کے معصوم حسن پر اس سے بڑا نکھار تھا۔

''ہوں..... وہ پھر زیادہ خوش ہوں، ڈپریسڈ بہت رہے ہیں ناں، آپ آرام کریں ماما اور مجھے ذرا ایکسکیوز کر دیں، میں ان کے آنے سے پہلے لنچ تیار کر لوں؟''

''کیا.....؟ شیف یا خانساماں نہیں ہے، سب کام تم کرتی ہو؟'' زویا احسن نے خاصی حیرت کا مظاہرہ کیا، کیونکہ ان کے گھر میں کئی ملازم تھے۔

''نہیں سب کام تو نہیں کرتی صرف کچن کا، پہلے خانساماں تو تھا، مگر سائع کے آفس جانے کے بعد میں فارغ ہو کر بور ہو جاتی تھی، اس لیے میں نے یہی مصروفیت ڈھونڈی۔''

''ٹھیک ہے تم جاؤ اور فارغ ہو کر چلنے کی تیاری کرو۔''

زویا احسن نے ایک بار پھر اسے چلنے کیلئے کہا، تو وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

''اب تو یقین آ گیا ناں کہ سائع کا انتخاب لاجواب ہے، تمہاری خود ساختہ تنہائیاں تو سمجھو ختم ہو گئی ہیں۔'' احسن بلال بیڈ پر آرام سے بیٹھتے ہوئے بولے، تو زویا احسن کے لبوں پر ہنسی بکھر گئی۔

***

''وحی..... وحی یار کدھر ہو؟'' وہ گیٹ سے پکارتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ڈپلی کیٹ چابی اس کے پاس ہوتی تھی، اس لیے اسے بیل دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ آوازیں دیتا کچن تک آ گیا۔ جہاں رواحہ کھانا تیار کرنے کے بعد سلاد بنا رہی تھی۔

''کیا بات تھی، کیوں مجھے تنگ کیا ہے؟''

''کیوں میں نے آپ کو کیا تنگ کیا ہے؟'' رواحہ نے قدرے خفگی سے مڑ کر دیکھا۔

''اوہ..... اب یہ خفگی کس سلسلے میں دکھائی جا رہی ہے، جلدی آ تو گیا ہوں۔''

''جلدی..... یہ آپ جلدی آئے ہیں۔ کتنے بجے فون کیا تھا میں نے اور آپ اب آ رہے ہیں۔'' اس نے کچن میں پڑا ٹائم پیس اٹھا کر اس کی نظروں کے سامنے کیا۔ ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

''ٹھیک ہے میں واپس چلا جاتا ہوں ایک گھنٹے بعد آ جاؤں گا۔'' سائع نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''کیا..... آرام سے بیٹھیں یہاں۔''

رواحہ نے پیچھے سے اس کا بازو پکڑا اور کچن میں موجود سٹول پر بٹھایا۔ پھر اس کے سامنے پانی کی بوتل اور گلاس رکھ کر خود دوبارہ سلاد کے پتے پلیٹ میں سجانے لگی۔ سائع نے بلا توقف گلاس میں پانی انڈیل کر پیا۔ اس عرصے میں وہ رواحہ سے کچھ سننے کا منتظر بھی تھا۔ مگر وہ اپنے کام میں مصروف تھی۔

''آخر مسئلہ کیا تھا تمہارے ساتھ؟''

''اللہ نہ کرے میرے ساتھ کوئی مسئلہ ہو، جائیں فریش ہوں جا کر۔'' رواحہ نے مڑ کر اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا، تو سائع اپنی جگہ سے اتر کر اس کی طرف بڑھا۔ پھر اس کا رخ زبردستی اپنی طرف موڑ کر جھنجلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تم سیدھی طرح بتاتی ہو یا.....؟''

جواباً رواحہ کی ہنسی بکھر گئی۔

''جب میں نے فون کیا تھا، تب آتے تو بتاتی اب میں مصروف ہوں فارغ ہوں گی تو بتاؤں گی۔'' وہ بے نیازی دکھاتی کچن سے نکل کر ڈائننگ روم میں گھس گئی۔ سائع اس کے پیچھے پیچھے آیا، پھر اس کے ہاتھ سے پلیٹ پکڑ کر میز پر پٹخ کر اسے تقریباً کھینچتا ہوا اپنے بیڈروم میں لے جا کر اسے بیڈ پر دھکیل دیا۔

''تمہاری مصروفیت کی ایسی کی تیسی مجھے فون کر کے پریشان کر دیا اور یہاں ہنسی کی پھلجھڑیاں پھوٹ رہی ہیں، مجھے بتاؤ کیا چھپا رہی ہو مجھ سے؟''

''یہ..... یہ کیا حرکت ہے پیچھے ہٹیں ناں بھوک نہیں لگی کھانا نہیں کھانا؟'' رواحہ نے خود کو اس کے آہنی حصار سے چھڑانے کی کوشش کی۔

''میں آپ سے کیا چھپاؤں گی، ابھی آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔''

''کیا تمہاری رپورٹ پوزیٹو آئی ہے۔''

رواحہ اس کے سوال پر شرم سے گلگلوں ہو گئی۔

''وہ تو آپ نے لے کر آنی تھی ناں اچھا پلیز ایسے نہیں، دیکھیں اس سے بھی بڑی خوشخبری آپ کے لیے میرے پاس ہے۔''

''تو پھر بتاؤ ناں کیا تمہارا ایک کروڑ کا پرائز بانڈ نکل آیا ہے؟'' سائغ کے ہر عمل سے بے تابی واضح تھی، جب کہ رواحہ اسے بے تاب دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔

''اس سے بھی بڑی دولت ملی ہے مجھے، اچھا یہ بتائیں خوشی کی خبر سننے میں اچھی لگتی ہے یا دیکھنے میں مزہ دیتی ہے؟''

''سننے میں بھی اچھی لگتی ہے لیکن اگر دیکھے بلکہ محسوس کرنے کو ملے تو بات ہی کیا ہے۔'' سائغ شرارت سے اس پر جھکا، تو اس نے جھٹکے سے پیچھے ہٹاتے ہوئے خود کو اس کے حصار سے نکالا۔

''وہ خوشی میں نہیں اگر اتنی ہی جلدی ہے تو منہ ہاتھ دھو کر ڈائننگ روم میں آ جائیں، وہاں آپ کو آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی مجسم ملے گی۔'' وہ بیڈ سے اتر کر باہر بھاگنے لگی، لیکن اس کی ساڑھی کا پلو سائغ کے ہاتھ آ گیا۔

''اگر تم نے میرے ساتھ کوئی گیم کھیلی تو تمہاری خیر نہیں ہے او کے یو کین گو۔''

سائغ کو لگا تھا وہ ایسے ہی اس سے مذاق کر رہی ہے۔ اسے گھر جلدی بلانے کے لیے بس بہانہ گھڑا ہے۔ مگر پھر جب وہ کھانے کے کمرے میں آیا، تو کئی لمحے تک تو اسے بھی اپنی بصارت پر اعتبار نہ آیا، اگر یہ خواب تھا تو بہت حسین تھا، حقیقت تھی تو اور بھی دلنواز وہ پتھر کا بت بنا دروازے میں ایستادہ رہ گیا۔ رواحہ کی معنی خیز ہنسی اور باتیں ذہن میں چھپاکے مارنے لگیں۔ زندگی کی سب سے بڑی خوشی اور دولت اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

''یہ خواب نہیں حقیقت ہے، وہاں کیوں کھڑے ہیں ادھر آئیں۔''

رواحہ نے میز پر سالن کا باؤل رکھتے ہوئے اسے مڑ کر دیکھا۔ وہ اس کی کیفیات سمجھ رہی تھی۔ رواحہ کی مسکراہٹ دیکھ کر جیسے اسے حقیقت کا ادراک ہوا۔ وہ فوراً آگے بڑھا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ میز کے پاس کھڑی زویا احسن سے لپٹ گیا۔

''ما..... ما..... کیا واقعی آپ موجود ہیں میرے گھر میں؟ رئیلی اٹ از ٹرو، آئی کانٹ بلیو اٹ پاپا آپ بھی آئے ہیں اور مائی گاڈ وی تم دیکھ رہی ہو میں کہتا تھا ناں ماما مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں، وہ میری ہر غلطی معاف کر دیں گی۔'' وہ بچوں کی طرح چلا رہا تھا۔ اس کی خوشی اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

رواحہ نے رک کر یہ منظر دیکھا۔

زویا احسن بھی کچھ لمحے تو اسے خود سے لپٹائے رہیں پھر مصنوعی خفگی سے اسے پرے دھکیلا۔

''میں نے تمہیں بالکل معاف نہیں کیا، تم کیا سمجھتے ہو میں تمہیں ایسے ہی معاف کر دوں گی، ہرگز

نہیں میں تمہیں یہاں سزا دینے آئی ہوں۔''

''سزا.....؟ کیسی سزا؟ ماما آپ نے مجھے معاف نہیں کیا؟''

سائغ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس کے جذبات پر جیسے اوس پڑ گئی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ نجانے وہ کیا سزا سنائیں گی۔ کہیں وجی کو چھوڑنے کے لیے نہ کہہ دیں۔

''او مائی گاڈ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ وہ میرے ہونے والے بچے کی ماں بھی ہے۔ نہیں میں ایسا نہیں کروں گا، چاہے سب مجھ سے خفا ہو جائیں۔ وہ اپنے فیصلے میں اٹل تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا بیٹھیں ناں پلیز ماما پاپا آپ پہلے بیٹھیں۔'' رواحہ کا لہجہ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ احسن بلال اور زویا اس کے یکدم خاموش ہو جانے سے قدرے محظوظ ہو رہے تھے۔ رواحہ کے کہنے پر مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے۔

''تم نے اپنی سزا کے بارے میں پوچھا ہے، جاننا چاہتے ہو۔'' زویا احسن نے اس کا صبر آزمایا۔

''ماما..... میں وجی کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ آپ جو بھی سزا دیں مجھے قبول ہو گی۔''

اس نے یکدم سنجیدہ ہو کر کہا۔ چکن پلاؤ کی ڈش درمیان میں رکھتے ہوئے رواحہ نے اسے فخر کی نگاہ سے دیکھا۔ اپنے شریک حیات کے لیے اس کا دل فخر و انبساط سے معمور ہو گیا تھا۔

''اسٹوپڈ تم مجھے ایسا سمجھتے ہو۔'' زویا احسن نے اسے خفگی سے دیکھا۔

''پھر.....؟ پھر کیا سزا ہے میری؟''

اس کے سر سے منوں بوجھ اترا۔

''میں اپنی بہو کو لے جا رہی ہوں۔'' انہوں نے جس انداز میں کہا، سائغ کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''وہاٹ.....؟''

اس کی چیخ میں حیرت تھی، استفسار تھا اور کچھ کچھ خوشی بھی تھی۔

''ماما نے مشکل زبان تو استعمال نہیں کی۔'' رواحہ نے مسکراتے ہوئے اسے چڑانے کی کوشش کی۔

''وجی تم اپنی چونچ بند رکھو ورنہ۔'' وہ چڑ گیا تھا۔

''اپنا غصہ ٹھنڈا کریں، ورنہ کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''ارے تم میرے سامنے میری بہو کو ڈانٹ رہے ہو، بعد میں کیا حال کرتے ہو گے۔'' زویا احسن کی حمایت پر رواحہ نے مصنوعی مظلومیت چہرے پر سجائی۔

''آپ صحیح کہہ رہی ہیں ماما یہ مجھے بہت ڈانٹتے ہیں، اس لیے میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔ آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' سائغ کا حیرت سے برا حال تھا۔ احسن بلال نے بیٹے پر ترس کھایا۔

''بیٹا جی اپنی حیرتوں سے نکل آؤ یہ کوئی خواب ہے، نہ ڈرامہ ہے۔ حقیقت اور سچائی ہے چلو اب کھانا شروع کرو کتنی اچھی خوشبو آ رہی ہے میری تو بھوک بڑھ گئی ہے۔ دیر کرو گے تو میری بیٹی کو دوبارہ گرم کرنا پڑے گا۔''

بلال احسن نے قریب بیٹھی رواحہ کو پیکنگ کرنے کا حکم دے دیا۔ سائغ حیران تھا کہ ماما صرف رواحہ کو لے جانے کی بات کر رہی تھیں، اسے نہیں کہا تھا کہ وہ بھی چلے۔

''رواحہ بیٹی اپنا سارا سامان پیک کر لینا، اب میں دوبارہ یہاں نہیں آنے دوں گی تمہیں۔''

''سارا..... سامان؟''

سائغ سے بات مکمل نہ ہو سکی، کیونکہ ماما کی خفگی کا بھی خیال تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ وہ بس چند دن کے لیے اسے لے جا رہے ہیں۔

''کیوں تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' انہوں نے بگڑتے ہوئے پوچھا۔

''نہ..... نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن میں..... میری یہاں جاب ہے ناں وحی..... میرا مطلب ہے میں؟''

اس وقت اسے اپنی بات کرنا دشوار ہو رہا تھا۔

''تو تم اپنی جاب کرو تمہیں اس کی ضرورت ہے، ہمیں اپنے گھر میں جس کی ضرورت ہے ہم اسے لے جا رہے ہیں۔''

زویا احسن اس کی ہر بات سمجھ رہی تھیں، پھر بھی انداز بے نیازی سے گویا ہوئیں۔ رواحہ دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ حسب ہدایت اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

''آپ آج ہی چلے جائیں گے؟'' اس نے خاصے اچنبھے سے پوچھا۔

''ظاہر ہے۔''

''کم از کم ایک دو دن تو رکیں ناں ماما یہ کیا آج ہی آئی ہیں اور آج ہی جا رہی ہیں۔

''تم جانتے تو ہو میرا اپنے گھر کے علاوہ کہیں دل نہیں لگتا۔''

''پلیز ماما چند دن تو رکیں یہاں اور بھی آپ کو وحی کی فیملی آئی مین اس کی ممی سے بھی تو ملوانا ہے۔''

''وہ ہم جاتے جاتے مل لیں گے۔''

''بس کرو زویا کیوں بے چارے کو تنگ کر رہی ہو اس سے صاف صاف بات کرو کہ۔'' احسن بلال کو بیٹے کی حالت پر ترس آ گیا۔

''اچھا یہ بے چارہ ہے، بے چارے کی شکل تو دیکھیں بیوی کی جدائی برداشت ہے، مگر نوکری چھوڑنی گوارا نہیں۔'' ماں کی بات اب اس کی سمجھ میں آئی تو وہ سر پر ہاتھ مار کر ہنس دیا۔

''نوکری..... آپ جب کہیں گی میں چھوڑ دوں گا، بس آپ مجھ سے ناراض مت ہوں۔''

''ہاں جیسے تمہیں میرا بہت خیال ہے۔''

''رئیلی ماما مجھ سے آپ کی ناراضگی برداشت نہیں ہے، آئندہ آپ جو بھی کہیں گی میں مانوں گا۔''

''مجھے تمہارا بالکل بھی اعتبار نہیں، تمہاری کسی بات کی گارنٹی نہیں ہے۔''

''وحی..... ماما وحی اب میری گارنٹی ہے آپ اسے ساتھ لے جائیں اور پھر مجھے آزمائیں۔''

''وہ تو تمہیں ابھی آزما لیتے ہیں، وحی سے تب تک نہیں ملو گے جب تک نوکری چھوڑ کر نہیں

آ جاتے۔''

اس نے پہلے پاپا کی طرف دیکھا اور پھر رواحہ کی طرف، جو آنکھوں ہی آنکھوں میں ماما کی شرط مان لینے کی التجا کر رہی تھی۔ ماما کو ناراض تو اب وہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، قدرے سنبھل کر ٹھہرے ہوئے لب و لہجے میں گویا ہوا۔

''ماما اگر آپ کی یہی خوشی ہے تو مجھے منظور ہے، لیکن جاب چھوڑنے کے لیے مجھے ایک ماہ تو چاہیے ناں جاب چھوڑنے سے پہلے کمپنی کو انفارم کرنا ضروری ہوتا ہے اور۔''

''ہاں مجھے سب پتا ہے، سب پھڑ ڈن ہے تم ایک ماہ بعد اپنے گھر آ جاؤ تمہاری ہر خطا معاف ہو جائے گی۔''

زویا احسن نے تنگ کرنے کے بعد اٹھ کر بیٹے کو گلے لگایا۔ احسن بلال اور رواحہ مسکراتے لبوں اور پرنم آنکھوں سے ماں بیٹے کو ایک دوسرے پر پیار لٹاتے دیکھ رہے تھے اور سائغ ماں کے پہلو سے جڑا اپنی ہر خطا معاف ہونے کا مژدہ سننے کے بعد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ ورنہ جس دن سے ماما کی ناراضگی کو سہا تھا اس دن سے دل و دماغ بلکہ روح پر بھی بوجھ پڑا ہوا تھا۔

رواحہ کو قبول کر لینے سے وہ بوجھ جیسے ختم ہو گیا تھا۔ زویا احسن کے دوسرے پہلو میں بیٹھی رواحہ بھی دل ہی دل میں خوشی سے جھوم رہی تھی۔ دن رات اس نے جو دعا کی تھی، وہ پوری ہو گئی تھی۔ وہ اپنی ہونے والی اولاد کو اس کے حقیقی رشتوں کے سائبان تلے پروان چڑھانا چاہتی تھی۔ یہ دعا جلد ہی قبول ہوئی تھی جس پر وہ خدا کا شکر ادا کرنے کو بے تاب تھی۔

***

دستک ہوا کی

"پاپا! پاپا! آپ پھر میری ماما نہیں لے کر آئے ناں!"
معصوم مگر خفگی بھرا استفسار چار سالہ سنی کا اپنے باپ شارب حسن سے تھا۔

یہ کوئی آج کی بات نہیں تھی۔ وہ جب بھی فلائٹ سے واپس آتا تھا' سنی اسی طرح استفسار کرتا تھا۔ اس کی بات پر وہ اکثر ہی بے بس ہو جایا کرتا تھا۔ یہ کوئی بازار سے لانے والا کھلونا نہیں تھا، جسے وہ خرید کر لے آتا اور اپنے بیٹے کے حسرت و یاس بھرے احساسات کو تسکین پہنچا سکتا۔ اس کی اس فرمائش کو پورا کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

"پاپا! آپ میری ماما لے کر کیوں نہیں آتے؟ چاچو کہہ رہے تھے' آپ میری ماما لا سکتے ہیں پھر......"

"ماما! آپ سن رہی ہیں ناں اس کی باتیں۔ یہ سب تراب اور عائنہ کا کیا دھرا ہے۔ وہ کیوں اسے یہ سب سکھاتے ہیں؟ آپ لوگ بتاتے کیوں نہیں ہیں اسے کہ اس کی ماں مر چکی ہے۔"

بیٹے کو جواب دیئے بغیر شارب حسن نے اپنے کمرے میں داخل ہوئی مومنہ حسن کو سنجیدگی و خفگی سے مخاطب کیا۔ اسے اپنی ہی کیفیات پر جھنجھلاہٹ بھی ہو رہی تھی کہ وہ ماں سے اس طرح مخاطب ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"تم جانتے تو ہو کس قدر ضدی ہوتا جا رہا ہے یہ۔ اب اسے کسی طرح تو بہلانا ہوتا ہے۔"

"مت دیں اسے جھوٹے بہلاوے' سنی! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ تم بدتمیز ہوتے جا رہے ہو اور تم نے اپنی ٹیوٹر سے بھی بدتمیزی کی تھی؟"

اس نے خفگی سے دور کھڑے سنی کو کھینچ کر قریب کیا اور پھر ڈپٹ کر پوچھا تو وہ پھر اپنے اسی خفگی اور ضدی انداز میں گویا ہوا۔

"وہ جھوٹی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا' میری ماما مر گئی ہیں لیکن وہ تو مجھ سے روز خواب میں ملتی ہیں اور کہتی ہیں' وہ جلدی آ جائیں گی۔ دادو! آ جائیں گی ناں میری ماما!"

سنی نہ مومنہ حسن سے تائید چاہی۔ بیٹے کی وجہ سے وہ پوتے کو بہلانے کیلئے سر بھی نہ ہلا سکیں۔

"وہ جھوٹی نہیں ہیں۔ وہ سچ کہتی ہیں' آئندہ اگر میں نے تمہاری شکایت سنی تو تمہاری بہت پٹائی ہو گی۔ انڈر اسٹینڈ!"

شارب حسن کے رویے میں ذرا بھی فرق نہیں آیا بلکہ اس نے بیٹے کو مزید دھمکایا۔

"آپ اپنی ٹیچر سے جب تک سوری نہیں کہو گے' آپ کو آپ کی چاکلیٹس اور کھلونے بھی نہیں ملیں گے۔"

"پاپا! وہ اچھی نہیں ہیں ناں! مجھے ان سے نہیں پڑھنا۔" وہ پاؤں پٹخ کر بولا تو شارب نے اسے گھورا۔

"سنی! بی ہیو......"

"شارب! وہ بچہ ہے' تم تو بچے نہ بنو!"

مومنہ حسن نے بیٹے کو فہمائشی انداز میں ٹوکا پھر پوتے کو مخاطب کیا۔

"سنی جاؤ! تم جاؤ اپنے روم میں۔ پاپا ابھی تھکے ہوئے آئے ہیں' صبح بات کریں گے۔"

"دادو! مجھے پاپا کے ساتھ سونا ہے آج!"

"نہیں' بالکل نہیں! تم اپنے روم میں جاؤ۔"

شارب کی سختی پر وہ منہ بسور کر رونے لگا اور پھر باری باری دونوں کی شکلیں دیکھتا ہوا نہ جانے کیا کیا بولتا کمرے سے نکل گیا۔

"بہت بگڑ گیا ہے یہ مما! آپ سے کہا بھی تھا اس کیلئے کسی گورنس کا انتظام کریں۔ ابھی یہ مونٹیسوری سے نہیں نکلا' اس کی اسکولنگ کب شروع ہو گی؟"

شارب کی فکرمندی دیکھ کر مومنہ حسن زیر لب ہنس دیں۔

"ابھی وہ صرف چار سال کا بچہ ہے شاری! اپنے وقت پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماں کی محبت کی محرومی تو آخر ہے ناں اسے۔ جب وہ اپنے دوستوں' ہم عمروں سے ان کی ماں کے لاڈ پیار دیکھتا ہے تو فطری طور پر وہ بھی ہمکتا ہے۔ جب ہم اسے مطمئن نہیں کر پاتے تو وہ ضد تو کرے گا ناں! آخر تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ مرنے والی مر گئی' تم کب تک جوگ لو گے؟"

مومنہ حسن بھی اسے' اس طرح تنہا دیکھ کر کڑھا کرتی تھیں۔ آج بہت عرصے بعد انہوں نے اسے شادی کیلئے مجبور کرنے کی کوشش کی۔

"میں نے جوگ لیا ہے؟ کس دن آپ نے مجھے ایمن کے غم میں آنسو بہاتے دیکھا ہے؟ کب میں اس کی قبر پر پھول چڑھانے گیا ہوں؟ آپ سب کی خوشی کی خاطر تو میں نے اپنے دکھ' اپنے سینے میں ہی دفن کر دیئے تھے' پھر بھی آپ کہتی ہیں' میں نے ایمن کیلئے جوگ لے رکھا ہے۔" اس کی آواز میں احساسات کے چٹخنے ہوئے کانچ کی چبھن تھی۔

"ہونی پر کسی کا اختیار تو نہیں ہے بیٹا!" ایمن کی موت ہمارے نصیب میں دیکھنا لکھی تھی۔ یہی

تمہارا مقدر تھا۔ زندگی ایمن کی ذات تک محدود نہیں تھی۔ زندگی سنی کی ذات کے پھیلاؤ میں ہے۔ تمہارے وجود کا حصہ ہے۔ اسے کیوں محرومیاں دیتے ہو؟ وہ اب بڑا ہو رہا ہے۔ اسے ہر رشتے کے ساتھ ماں کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے اندر جو تشنگی پھیل رہی ہے' وہ اسے ختم کرنے کیلئے تڑپتا ہے۔ کب تک اسے بہلا سکیں گے؟ وہ عام بچوں کی طرح نہیں ہے پل میں ہر بات بھلا دے۔ تمہیں معلوم تو ہے' ذرا بھی اسے ڈانٹو تو رونے لگتا ہے' چیخنے چلانے لگتا ہے اور پھر بیمار پڑ جاتا ہے۔ ایسے میں تابی اور عائشہ اسے جھوٹے بہلاووں سے نہ بہلائیں تو کیا کریں؟''

مومنہ حسن کے لہجے میں ممتا کی مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔ وہ بے بسی محسوس کرتے ہوئے قدرے چڑ کر بولا۔

''مما! کم از کم آپ تو مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ دوسری عورت اسے وہ محبت نہیں دے سکتی، جو اسے اپنی ماں سے ملتی۔

پلیز! آپ اپنے دل سے یہ خیال نکال دیں۔ میں خود ہی سنی کیلئے کسی اچھی گورنس کا انتظام کر لوں جو اسے اچھی طرح ہینڈل کر سکے۔''

مومنہ حسن اسے بس دیکھے گئیں۔ کیا کہتیں' جانتی تھیں' ایمن اس کے دل سے نہیں نکل سکتی۔ وہ اس کی نوعمری کی چاہت تھی جسے اس نے بہت جدوجہد کے بعد پایا تھا۔ اسکول میں ہی دونوں کا رجحان ایک دوسرے کی طرف تھا۔ کالج تک پہنچتے پہنچتے چاہت' عاشقی کا روپ دھار چکی تھی۔

ایمن اکلوتی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ غیر ذات اور دوسرے فرقے سے تعلق رکھتی تھی۔ مومنہ حسن تو بیٹے کی دیوانگی پر ان تفرقات کو مٹانے کو تیار تھیں مگر ایمن کے والدین نے بہت واویلا مچایا تھا۔ ایمن نے خودکشی کی کوشش کی تب کہیں اس کے والدین شارب حسن سے اس کی شادی کرنے پر راضی ہوئے تھے اسی لئے گریجویشن کے فوراً بعد ہی شارب حسن کی شادی ہوگئی تھی۔ مومنہ حسن کا خواب ادھورا رہ گیا تھا۔ وہ بیٹے کو اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتی تھیں مگر بیٹا زندگی کو محبت چاہت کے سبق پڑھتے ہوئے گزارنے پر مصر تھا۔ بیوگی کے بعد انہوں نے اپنی زندگی تو اپنے تینوں بچوں کیلئے وقف کر دی تھی۔ ہر لمحہ ان کی خوشیوں کی سلامتی کیلئے دعا گو رہی تھیں' سو شارب حسن کی زندگی کے اس فیصلے کو بھی اس کی سب سے بڑی خوشی مانتے ہوئے قبول کر لیا تھا لیکن اس کے نصیب میں ادھوری خوشیاں لکھی تھیں۔ اکیس بائیس سال کی عمر میں وہ باپ بھی بن گیا تھا اور زندگی کی سب سے بڑی خوشی کو بھی کھو بیٹھا تھا۔

ایمن' سنی کی پیدائش کے فوراً بعد ہی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ ابھی تو اس نے ایمن پر اپنی محبتوں کو پوری طرح لٹایا بھی نہیں تھا' ابھی تو اس نے چاہت کی تصویر میں مکمل رنگ بھی نہیں بھرے تھے کہ تصویر ادھوری اجڑ گئی تھی۔

اس کیلئے یہ صدمہ بہت شدید تھا۔ مصائب و آلام نے اسے جیسے ڈگمگا دیا تھا۔ اس کیلئے تو سنی کا دکھ ہی ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ ایمن اس کی پہلی خواہش اور چاہت تھی۔ اسے بھلانا آسان نہیں تھا۔ اس کی خوشبو' اس کا لمس مشام جاں میں رچے بسے ہوئے تھے۔ اس کی ذات سے تو اسے اپنے وجود کی تکمیل

تھی۔ وہی اسے پہلے قدم پر ہی داغ مفارقت دے گئی تھی۔

شروع میں تو اسے خود کو سنبھالنے میں بہت دقت محسوس ہوئی تھی پھر سنی کی توجہ اور سب سے بڑی سنی کی ذات نے اسے زندگی سے پھر سے متعارف کرایا تھا۔ وہ ایمن کی ہی جھلک تھا۔ اس کی پرورش اسی کی ذمے داری تھی۔

زندگی نئے انداز میں اس کے سامنے تھی۔ اس نے شادی کے بعد اپنی تعلیم کی طرف دوبارہ توجہ دی تھی اور ایمن کی ہی خواہش کی تکمیل کیلئے پرائیویٹ فلائنگ آفیسر کی ٹریننگ لی تھی۔ اب وہ ایک ماہر پائلٹ تھا اور اپنے بیٹے کی تربیت کیلئے بھی پریشان تھا۔

اسے ہر حال میں سنی کو مکمل شخصیت کا روپ دینا تھا۔ سنی کے آنسوؤں نے اسے بے چین کر دیا تھا' سو اٹھ کر وہ اس کے کمرے میں چلا آیا۔ سنی نے اپنے سارے کھلونے بکھیر رکھے تھے۔ کچھ توڑ بھی دیئے تھے اور مسلسل رونے میں مشغول تھا۔ شارب حسن نے کمرے کا حلیہ دیکھ کر افسوس سے سر ہلاتے ہوئے سنی کو پکارا۔

''سنی جانو! ناراض ہو پاپا سے؟'' جواباً سنی نے رخ پھیر لیا۔ ''کیوں ناراض ہو پاپا سے؟''

شارب حسن اس کے بیڈ پر بیٹھ کر اسے اپنی جانب متوجہ کرنے لگا مگر وہ بھی اپنی ضد کا پکا تھا۔

''جب تک میری ماما نہیں آ جاتیں' میں سب سے ناراض ہوں۔''

خفگی بھرا لہجہ' ضد سے بھرپور فرمائش' شارب حسن کو غصے کے باوجود ہنسی آنے لگی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سنی کو اگر جھوٹے بہلاوے نہ دیئے جاتے تو وہ یقیناً بہترین خصوصیات کا حامل بچہ ثابت ہوتا۔ اب وہ باپ کی طرف سے پیٹھ موڑے بازو لپیٹے پڑا تھا۔ شارب کو اس کی دلکش ادا پر بے اختیار ہی پیار آیا۔ اس نے فرط محبت میں بڑھ کر سنی کو اپنی بانہوں میں سمیٹتے ہوئے کئی بار چوما۔

''سنی! تمہاری ماما اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ وہ اب یہاں نہیں آ سکتیں۔''

''کیوں نہیں آ سکتیں؟ آپ بھی تو اپنا پلین لے کر بہت دور جاتے ہیں' پھر آ جاتے ہیں! ماما کیوں نہیں آ سکتیں؟'' سنی کا وہی معصومیت بھرا سوال تھا۔

''اس لئے کہ وہ اب مر.....''

بات کرتے کرتے شارب حسن نے سنی کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ وہ اس کی ادھوری بات پر ہی جیسے یک دم کھنچ سا گیا تھا۔ اس کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔ سنی کو حقیقت سمجھانا آسان نہیں تھا۔ وہ بار بار سر ہلانے لگا پھر اپنے اسی انداز میں بولا۔

''نہیں بابا! وہ نہیں مر سکتیں۔ آپ بھی جھوٹ بولتے ہو' آپ کی مما ہیں۔ جیز' شیزی' بنٹی' سبھی کی ماما ہیں۔ میری ماں کو آپ کہیں چھوڑ آئے ہو۔ پلیز پاپا! آپ انہیں لے آؤ۔''

وہ اس کی گود سے مچل کر نکلا اور پھر رونے لگا۔ شارب نے محسوس کیا تھا کہ اس کا جسم تپ رہا ہے۔ وہ جب بھی ماں کیلئے مچلتا تھا' ضد کرتا' اسی طرح بیمار پڑ جاتا تھا۔ پھر سبھی اسے مختلف بہلاووں سے بہلاتے تھے۔

''سنی! میری جان! میری بات سنو' وہ ابھی نہیں آسکتیں۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو آ جائیں گی۔'' مجبوراً شارب کو بھی اسے بہلانا پڑا۔

''میں بڑا ہو گیا ہوں پاپا! ہم لینے چلتے ہیں انہیں۔ وہ میرے ساتھ تو آ جائیں گی۔ چاچو کہہ رہے تھے' وہ آپ سے ناراض ہیں۔ پاپا! میں انہیں منالوں گا۔ پلیز پاپا! میں اپنی ٹیچر سے بھی سوری کہہ دوں گا۔''

سنی کو بہلانا واقعی بہت مشکل تھا۔ وہ ذرا سی ٹھیس پر ہی ٹوٹ کر بکھر جاتا تھا۔ حقیقت کی ذرا سی آنچ اسے پگھلا کر بہالے جاتی تھی۔ شارب حسن کو پہلی بار شدت سے اس کی محرومی کا احساس ہوا۔ صحیح معنوں میں آج ہی وہ اپنے بیٹے کے اندر اترتی تشنگی کو دیکھ پایا تھا۔

''ٹھیک ہے' جب تم اچھے بچے بن جاؤ گے تو میں انہیں لے آؤں گا۔'' شارب نے اسے دوبارہ بانہوں کے گھیرے میں لے کر پیار کیا اور پھر اسے اٹھا کر اس کے بستر پر لٹایا۔

''پاپا! میں اچھا بچہ ہوں۔ ماما آ جائیں گی تو میں اور اچھا بچہ بن جاؤں گا۔ بالکل زونی کی طرح۔ زونی کی ماما کتنی اچھی ہیں ناں' وہ زونی سے بہت پیار کرتی ہیں۔ اس کے سارے کام خود کرتی ہیں اور پاپا آئس کریم کھلانے بھی لے جاتی ہیں۔ پاپا! آپ بھی میری ماما لے آئیں ناں! مجھے ماما سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ پاپا! سب کی ماما ان کے پاس ہیں۔ میری ماما میرے پاس کیوں نہیں ہیں؟ آپ نے انہیں کیوں ناراض کیا تھا؟ کیا وہ آپ کو تنگ کرتی تھیں؟''

سنی کے بار بار رونے نے اسے پریشان کر رکھا تھا اور اس کی باتوں نے تو اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ حسرتیں' محرومیاں تو اس کی ذات کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ وہ اس کی شخصیت کو کیسے مکمل کر سکتا تھا۔ مجبور خود بھی اسے بہلانے لگا کیونکہ اس کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

''سنو سنی! ابھی مجھے کام سے چھٹی نہیں ملے گی۔ جب مجھے چھٹی ملے گی تو میں تمہاری ماما کو لے آؤں گا۔ ابھی تم سو جاؤ!''

سنی نے اپنے باپ کے چہرے پر نگاہ ڈالی جس پر اس کیلئے محبت ہی محبت کھنڈی تھی۔

''آپ وعدہ کریں پاپا!''

اس نے اپنا ہاتھ باپ کی طرف بڑھایا جسے ناچار شارب نے تھاما۔

''بس' اب تم جلدی سے سو جاؤ۔ صبح میں تمہیں ZOO لے کر جاؤں گا اور پلے لینڈ بھی چلیں گے اور تمہیں تمہارے گفٹس بھی ملیں گے' اوکے!''

شارب نے اس کی پیشانی سے بال ہٹا کر ماتھے پر سوسہ لیا اور پھر اسے بانہوں میں اٹھا کر کمرے میں لے آیا۔

''آج تمہیں میرے ساتھ سونا ہے ناں' اوکے! سلیپ ہیئر! لیکن مجھے صبح جلدی نہیں اٹھانا۔''

''کیوں پاپا! صبح تو ZOO جانا ہے اور؟''

سکون کی ایک لہر سی شارب کے قلب میں اتری۔ سنی بہل گیا تھا۔

''دوپہر کے بعد چلیں گے۔ میں تھکا ہوا ہوں اس لئے مجھے زیادہ سونا ہے' اوکے!'' شارب نے اپنا تکیہ ٹھیک طرح رکھتے ہوئے اس پر سر لگایا۔

''ٹھیک ہے پاپا! ماما مجھے خواب میں ماما ملیں گی تو میں ان سے کہہ دوں گا کہ آپ انہیں لینے آئیں گے' وہ آپ سے ناراض نہیں ہوں گی۔ آپ کے ساتھ آ جائیں گی۔''

سنی کی سوئی اپنی ماما پر اٹکی ہوئی تھی۔ شارب اسے لپٹاتے ہوئے بہت کچھ سوچنے لگا۔ وہ تو اب تک سمجھتا تھا کہ اپنی اور سب کی بھرپور محبت سے سنی کی ذات کے خلاء کو پر کر دے گا مگر وہ تو بالکل ادھورا' نامکمل سا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس کے رویے' اس کی باتیں عام بچوں کی سی نہیں تھیں حالانکہ اس نے بہت کوشش کی تھی کہ سنی کو ماں کی محرومی کا احساس نہ ہو' اسی لئے اس نے ایمن کی ساری تصویریں لاکڈ کر رکھی تھیں تاکہ سنی' ماں کی تصویریں دیکھ کر بار بار سوال نہ اٹھائے..... لیکن اس کی یہ تدبیر کارگر نہیں ہوئی تھی۔

شروع میں ایمن کے بارے میں نہ بتا کر اب وہ مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ سنی کے وجود میں ماں کی محبت کی کمی پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ جیسے جیسے پختہ ذہن ہو رہا تھا' اس کا شعور اسی شدت سے اپنی محرومی کا ازالہ مانگ رہا تھا۔ شارب کی اپنی ذہنی و قلبی راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ ایمن کے جانے سے اس کے اندر بھی گہرا سکوت تھا۔ اسے خود اپنا سراغ نہیں ملتا تھا کہ وہ خود آئندہ زندگی کا لائحہ عمل کیسے مرتب کرے گا۔

''اروئی! تم سکون سے بیٹھ نہیں سکتیں! آخر یہ دردِ سر مول لینے کی کیا تک ہے؟ تم اب آیا گیری کرو گی؟ دوسروں کے بچوں کو پالو گی؟ کس چیز کی کمی ہے تمہیں؟ آج تک تم نے جو کچھ بھی کیا' میں چپ رہی مگر اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ میں ماموں جان کو فون پر سب کچھ بتا دوں گی۔''

کومل نے نہ صرف دھمکی دی بلکہ عملاً فون سیٹ قریب کھسکا کر نمبر بھی پش کرنے لگی۔ جواباً اروئی نے ہیئر برش پٹختے ہوئے کریڈل پر فوراً ہاتھ رکھا۔

''خبردار! اگر تم نے ابو جی سے کچھ کہا تو.....

کومل! پلیز! آخری چانس دے دو۔ رئیلی لاسٹ ٹائم یہ تجربہ کر رہی ہوں' اس کے بعد تو تمہیں معلوم ہے' میرا سی ایس ایس کا رزلٹ آ جائے گا۔''

اروئی نے پہلے تو اسے دھمکایا پھر یک دم ہی منت سماجت پر اتر آئی پھر کومل کو گھورتے پا کر قدرے اتراتے ہوئے بولی۔

''اس کے بعد تو تمہیں معلوم ہے' مابدولت ایک شاندار آفس میں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ خادم آگے پیچھے ہوں گے اور تم انتظار کرنے والوں کی لائن میں کھڑی ہو گی لیکن میرے پاس عام لوگوں سے ملنے کا ٹائم نہیں ہو گا۔''

اروئی نے خیالی مکھی اپنی ناک سے اڑاتے ہوئے کومل کو چڑایا تو وہ جل کر بولی۔

''واپس آ جاؤ' تمہاری خیالی دیگ جل کر خاک بلکہ کوئلہ ہو جائے گی مگر تمہیں کمشنری نہیں ملے گی۔''

''تو کمشنری کے چاہئے' مجھ تو کسٹم آفیسر بننا ہے۔ کیا ٹھاٹ.....''

''اور لوگوں کی بددعائیں بھی سمیٹنا ہیں۔'' کومل نے اسے چڑایا مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

''اسی لئے تو پہلے دعائیں اسٹک کر رہی ہوں۔ تمہیں معلوم تو ہے' روزی آنٹی نے میری کتنی منت سماجت کی ہے۔ ان کی طبیعت ٹھیک رہتی تو وہ خود ٹریننگ کرتیں' اس بچے کو۔ صرف ایک ماہ کی تو بات ہے' میں ایسا اس بچے کو ٹرینڈ کروں گی کہ پھر کسی گورنس کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔'' اروئی نے پھر سے برش اٹھایا اور جلدی جلدی اپنے بالوں میں پھیرنے لگی۔

''واقعی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آئندہ وہ کسی کو گورنس رکھنے سے پہلے ہی توبہ کر لیں گے۔ اروئی! تم اس طرح کے فضول کام کر کر کے عاجز نہیں آ جاتیں؟ پہلے وہ تین ماہ مفت میں ٹیچنگ کی تھی پھر ناصر بھائی کی سیکرٹری انہیں جل دے گئی تو تم مفت کی مددگار بن کر ان کے آفس میں جا بیٹھیں۔ بعد میں ان کی بیوی سے سو لعنتیں بھی سنی تھیں۔ تمہیں یاد نہیں ہے' پچھلے سال گرمیوں کی چھٹیوں میں روزی آنٹی نے ہی تمہیں پھنسایا تھا۔ ایک بڈھی خبطی سہیلی کی تیمارداری کیلئے تمہیں اموشنل پریشرائز کیا تھا۔ اسی بڈھی خبطی عورت نے تم پر چوری کا الزام لگایا تھا۔ پھر بھی تمہیں سبق نہیں ملا۔ اب پھر روزی آنٹی کی باتوں میں آ گئی ہو۔'' کومل کو شدید تاؤ آ رہا تھا۔

روزی آنٹی شروع سے ہی اروئی کی رحم دلی اور ہمدردانہ فطرت سے ناجائز فائدہ اٹھاتی رہی تھیں۔ اب بھی کسی بچے کی ٹریننگ کیلئے اسے تقریباً راضی کر چکی تھیں۔

روزی آنٹی ان کے پڑوس میں ہی رہتی تھیں۔ لوگوں سے راہ و رسم بہت زیادہ تھی۔ لوگوں کو تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر بہت زیادہ فائدہ اٹھایا کرتی تھیں۔ کومل تو انہیں خودغرض کہا کرتی تھی۔ اب بھی وہ اروئی کو سمجھاتے ہوئے ان کی موقع پرستی گنوا رہی تھی۔

''افوہ یار! کسی کی ذرا سی مدد کر کے میرا کیا جائے گا! ویسے بھی تو میں آج کل فارغ ہوں۔ تمہیں معلوم تو ہے میری عادت کا' میں کسی کو ''نہ'' نہیں کہہ سکتی۔ بس اب پلیز' مزید لیکچر نہیں دینا۔ آئی پرامس یو' اس بار کسی مس انڈراسٹینڈنگ سے پہلے ہی میں خود چھوڑ چھاڑ کر آ جاؤں گی۔'' اروئی نے کومل کو منانے کی کوشش کی۔

اروئی! تم سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتیں۔

ماموں جان نے تمہیں میرے پاس میری ذمے داری پر چھوڑ رکھا ہے ورنہ تم ان کے پاس کویت میں بھی رہ سکتی ہو لیکن صرف اپنی ضد پر تم یہاں موجود ہو۔ اگر انہیں مجھ سے کوئی شکایت ہوئی تو میں کیا کروں گی؟''

''دیکھو' اگر ابو جی نے تم سے کچھ کہا تو میں ذمے دار ہوں۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ کہہ تو رہی ہوں' بس آخری بار' پھر میں تمہاری جان چھوڑ کر چلی ہی جاؤں گی۔''

اروئی کے منہ بنا کر کہنے پر کومل نے اسے کشن کھینچ کر مارا۔

''تم بھی روزی آنٹی سے کم تو نہیں ہو' موقع پرست!''

''اچھا' مجھے خطابات سے بعد میں نوازتی رہنا۔ جاؤ' دیکھو' پنکی رو رہی ہے۔ کیسی ماں ہو' بچی کے رونے کی بھی پروا ہی نہیں۔ ابھی روحیل بھائی کا پارہ چڑھ گیا ناں' تو یاد کرتی رہنا مجھے!''

''تم سے تو بعد میں آ کر نمٹتی ہوں۔'' کومل اسے مصنوعی خفگی سے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

***

''جی' وہ مجھے شارب حسن سے ملنا ہے۔''

مطلوبہ پتے پر پہنچ کر اس نے بیل کے جواب میں دروازہ کھولنے والے سے حرف مدعا بیان کیا۔

''جی..... فرمایئے! میں ہی شارب حسن ہوں۔''

گیٹ سے باہر کھڑی سنہری رنگت' سیاہ آنکھوں والی لڑکی کو دیکھ کر لمحہ بھر کو تو شارب حسن بھی متحیر رہ گیا۔ اپنے گھر میں کسی لڑکی کی آمد متوقع جو نہیں تھی۔ وہ آنٹی روزفین کی آمد کا مختصر تھا جس تک رسائی ایک دوست کے ذریعے ہوئی تھی اور انہوں نے سنی کو سنبھالنے کی پوری ذمے داری لی تھی۔

''مجھے آنٹی روزی نے بھیجا ہے۔ آپ کے ہاں کسی بچے کیلئے گورنس کی ضرورت ہے تو.....!''

اروئی نے دانستہ آپ کا بیٹا نہیں کہا۔ اسے دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کا کوئی بیٹا بھی ہوگا۔

''اویس! آیئے پلیز!''

شارب کے چہرے کا سنجیدہ تناؤ قدرے کم ہوا اور وہ اسے اپنے ہمراہ لئے اندر آ گیا پھر ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد شارب نے سنجیدگی سے بات شروع کی۔

''سنی! میرا بیٹا ہے۔ اسے ٹریٹ کرتے ہوئے آپ کو کچھ برداشت سے کام لینا پڑے گا۔ ایکچوئلی' اس کے ساتھ ایک پرابلم ہے۔ وہ ابھی تک اپنی ماما کی موت کو قبول نہیں کر پایا اسی لئے کچھ ضدی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ نارملی اس بات کو ماننے لگے کہ اس کی ماں مر چکی ہے۔ اب تک وہ ایک بہلاوے میں ہے کہ اس کی ماما ایک دن آ جائیں گی۔ وہ اس حقیقت کو مانتا ہی نہیں کہ مرنے والے واپس نہیں آتے۔''

اروئی نے اس کی سنجیدگی پر نظر اٹھا کر دیکھا۔

''ڈونٹ وری! بہت سے بچے شعور آنے کے ساتھ سنبھل جاتے ہیں۔ یہ تو اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے بلکہ میری تو ابھی یہی رائے اور مشورہ ہے کہ سنی کو ابھی اسی بہلاوے میں رہنے دیں کہ اس کی ماما واپس آ جائیں گی۔ آپ اگر ماینڈ نہ کریں تو میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں؟'' شارب نے سر ہلا کر اسے کہنے کی اجازت دی۔ ''یہ بات آپ کے فیور میں ہی جاتی ہے۔ ابھی آپ کو اپنے لئے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا' لیکن ہو سکتا ہے آئندہ کبھی آپ اپنے لئے کسی کو پسند کرنے لگیں۔ اس صورت میں سنی آنے والی ہستی کو دل سے ایکسیپٹ کرے گا اور ذہن میں بسائے گا۔ ابھی آپ سنی کیلئے اس مسئلے پر پریشان نہ ہوں' البتہ اس کے بی ہیویئر' اس کے رجحان کو تبدیل کیا جا سکتا ہے' جو انشاءاللہ' ہو جائے گا۔''

اروئی نے اپنے دل پذیر لب و لہجے اور انداز گفتگو سے یک دم ہی اسے متاثر کیا تھا۔ اپنے بیٹے کی تربیت کیلئے یہ ہستی اسے بالکل مناسب لگی تھی۔

''ٹھیک ہے' آپ پھر جیسا مناسب سمجھیں مس.....!''

''اروئی صبیح! سنی سے ملاقات ہو سکے گی؟''

اروئی نے اپنا مختصر تعارف کراتے ہوئے سنی کے بارے میں استفسار کیا تو وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اسے بلاتا ہوں۔ ایکچوئلی وہ لان میں کرکٹ کھیل رہا ہے اور سب فیملی ممبرز بھی اس کے ساتھ ہیں۔''

شارب کے چہرے پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لہر ابھری۔ اس سے پہلے کہ وہ قدم آگے بڑھاتا' سنی دوڑتا ہوا اندر آ گیا۔

''پاپا! چاچو چیٹر ہیں۔ وہ آؤٹ ہوئے مگر کہتے ہیں' آؤٹ نہیں ہوئے۔'' بات کرتے کرتے اس نے مڑ کر دیکھا۔ کچھ لمحے دیکھتا رہا اور پھر حیرت سے چیخ اٹھا۔

''میر.....ی.....ما.....ما.....میری ماما آئی ہیں۔ پاپا! پاپا! دیکھیں' میری ماما آ گئیں۔''

سنی کے اس تم کے رویے کی دونوں کو ہی توقع نہیں تھی۔ اروئی تو اس کے انداز تخاطب پر بھونچکا ہی رہ گئی۔ شارب حسن کا چہرہ بھی خفت سے سرخ پڑنے لگا تھا۔ سنی فوراً ہی اروئی کے مقابل جا کھڑا ہوا۔

''آپ میری ماما ہیں ناں! پلیز ماما! اب مجھے چھوڑ کر مت جانا۔ پاپا! پاپا!''

''اسٹاپ اٹ سنی! جسٹ شٹ اپ!'' شارب حسن کی دھاڑ پر اروئی بھی جیسے سہم سی گئی۔ اس کیلئے یہ صورتحال ناقابل برداشت تھی جبکہ سنی روہانسا ہونے کے باوجود اپنے مؤقف پر ڈٹا ہوا تھا۔

''پاپا! یہ میری ماما ہے۔ یہ روز مجھ سے خواب میں ملتی ہیں۔ رات بھی انہوں نے مجھ سے پرامس کیا تھا کہ یہ آ جائیں گی.....اور دیکھیں.....''

''سنی! یہ تمہاری نئی ٹیچر ہیں!''

شارب نے بے بسی سے سمجھانے کی کوشش کی۔ اروئی بھی یک دم الجھ گئی تھی۔ ایک بچہ آ کر اچانک اسے ماما! ماما! پکارنے لگا تھا اور اب مسلسل اسے مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ماما! اب میں آپ کو کبھی تنگ نہیں کروں گا۔ پلیز ماما! اب مجھے چھوڑ کر مت جانا۔ پاپا بھی آپ کو تنگ نہیں کریں گے۔ کوئی بھی آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔''

سنی نفسیاتی اور جذباتی طور پر اس قدر بے چین اور الجھا ہوا محسوس ہو رہا تھا کہ اروئی کو بھی اس پر ترس آنے لگا۔ اس بات پر وہ کچھ متنفس سی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ سنی کے ذہن میں اپنی ماں کی جو شبیہ تھی' وہ اس سے ملتی جلتی ہو اسی لئے وہ اسے دیکھ کر اس طرح کا ردعمل دکھا رہا تھا۔ اروئی نے خود کو سنبھالتے ہوئے تحمل سے سنی کو مخاطب کیا۔

''سنی بیٹا! میں آپ کو پڑھانے آئی ہوں۔ آپ کی ماما تو بہت دور گئی ہیں۔ وہ کیسے آ سکتی ہیں؟''

''آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں' آپ ہی میری ماما ہیں۔ پاپا! آپ ماما سے کہیں' میں اچھا بچہ بن جاؤں گا۔ کسی کو تنگ نہیں کروں گا۔ یہ اب نہ جائیں۔''

سنی چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اس چیخ و پکار سے شارب کا ضبط جواب دے گیا۔ اس نے بڑھ کر اسے

اپنی جانب کھینچا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے معصوم گال پر لگا دیا۔

عائشہ' تراب اور مومنہ حسن بھی آگے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ شارب اسے مسلسل ڈانٹ رہا تھا۔ وہ جو تھپڑ کھانے کے بعد یک دم سہم گیا تھا' انہیں دیکھتے ہی فریادی انداز میں ان کی طرف بڑھا۔ سسکیاں لیتے ہوئے اس نے پھر سے اپنی باتیں دہرائیں۔

''دادو! چاچو! دیکھیں' یہ میری ماما ہیں۔ پاپا کہتے ہیں' نہیں ہیں۔ یہ روز مجھ سے خواب میں ملتی تھیں۔ عائی! یہ میری ماما ہیں ناں! ٹیچر نہیں ہیں ناں!''

وہ شروع سے عائشہ کو پھپھو کہنے کے بجائے عائی کہتا تھا۔ مومنہ حسن اور وہ دونوں متعجب تھے۔ سنی کا پروثوق لب ولہجہ اس کی خوابوں والی کہانیوں کو سچ ثابت تو کرتا تھا' لیکن آنے والی ہستی کی حقیقت سے تو وہ بھی آگاہ تھے۔

''تابی! اسے یہاں سے لے جاؤ ورنہ میں.....''

بہت شدید غصے میں اس نے تراب کو مخاطب کیا۔ وہ بھی بڑے بھائی کی کیفیات سمجھ رہا تھا اس لئے اس نے مچلتے ہوئے سنی کو زبردستی اپنی گود میں اٹھایا۔ سنی مسلسل ایک ہی بات کی گردان کر رہا تھا کہ یہ میری ماما ہیں' یہ میری ماما ہیں۔

سنی اور تابی کے نکلتے ہی اروئی کو بھی جیسے مزید سنبھلنے کا موقع ملا۔ شارب بھی اس سے معذرت خواہانہ انداز میں کہنے لگا۔

''سوری مس اروئی! آپ کو یہ سب برداشت کرنا پڑا۔ اب جو صورتحال ہے' اس میں تو آپ شاید اسے ہینڈل نہیں کر سکیں گی۔''

اروئی نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ واقعی اس کیلئے یہ سب غیر متوقع تھا۔ سنی کی پکار مسلسل اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ بہت زیادہ الجھ کر وہاں سے نکلی تھی۔ پہلی بار وہ کسی کی مدد کئے بغیر نکل آئی تھی۔ یہاں تو بہت ہی عجیب مسئلہ درپیش تھا جسے سنبھالنا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔

***

سنی کی چیخ و پکار' رونا دھونا' اگلے کئی گھنٹے تک جاری رہا۔ وہ کسی کی نہیں سن رہا تھا۔ بس ''میری ماما! میری ماما!'' کی تکرار کئے جا رہا تھا۔ شارب غصے کے باعث گھر سے ہی نکل کھڑا ہوا تھا۔

رات تک سنی شدید بخار میں مبتلا ہو چکا تھا۔ مسلسل رونے اور چیخنے کی وجہ سے آواز بیٹھ گئی تھی۔ بار بار کھانسنے لگتا تھا۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی اس کی ہٹ نہیں بدلی تھی۔ ڈاکٹر اس کی حالت پر تشویش زدہ تھا۔ اس کا بھی شارب حسن کو یہی مشورہ تھا کہ وہ اب شادی کر لے ورنہ اس کا بیٹا نفسیاتی مریض بن جائے گا۔

اگلے دو دن تک بھی سنی کی حالت نہیں سنبھلی تو مومنہ حسن کے ساتھ بھی شدید پریشانی کا شکار ہو گئے۔ مومنہ حسن تو روتے ہوئے بیٹے سے الجھ پڑیں۔

''شارب! آخر تم کیا سوچ رہے ہو؟ دیکھ رہے ہو ناں اپنے بیٹے کی حالت!''

''مما! میں کیا کرسکتا ہوں؟ شروع سے آپ سب نے اسے جھوٹی کہانیاں سنائی ہیں۔ اب جھوٹ کا نتیجہ تو یہی نکلنا تھا!''

''صرف ہم نے؟ تم نے بھی تو ایمن کی تصویریں گھر سے غائب کردیں۔ جو اس کا ذکر کرتا تھا' تم بگڑ جاتے تھے۔ تم بھی تو نہیں چاہتے تھے کہ سنی کو معلوم ہو کہ اس کی ماں مرچکی ہے۔ تمہارے ذہن میں نہ جانے کیا تھا۔ اگر تمہیں ایمن سے اتنی ہی محبت تھی تو اس کے وجود کے حصے کو تڑپتا ہوا کیسے دیکھ رہے ہو؟''

مومنہ حسن کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا۔

''پھر میں کیا کروں؟ میں نے اس کی ماں اس سے جدا کی ہے؟'' شارب حسن کا اپنا حال کچھ اچھا نہیں تھا۔ جھنجلاتے ہوئے چیخ اٹھا۔

''تم کچھ مت کرو' بس ایمن کی یادوں کے ساتھ گوشہ نشین ہوجاؤ۔ مجھے صرف اس لڑکی کا پتا ٹھکانہ بتادو تاکہ میں جاکر اس کے سامنے ہاتھ پاؤں جوڑوں کہ آکر میرے بچے کی زندگی بچالے!''

''مما! آپ کیوں کسی اور کو مشکل میں پھنسانا چاہتی ہیں؟ میں اس بار لندن کی فلائٹ سے واپس آجاؤں' پھر میں اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھاتا ہوں۔''

''سائیکاٹرسٹ کیا کرے گا؟ وہ بھی سنی کے بجائے تمہارا علاج کرے گا جسے اپنے بیٹے کی محرومیاں نظر نہیں آرہیں۔ دیکھ رہے ہو ناں! دو دن میں اس کی کیا حالت ہوگئی ہے! نہ وہ کھا رہا ہے' نہ پی رہا ہے۔ دوائیں کیا اثر کریں گی! ویسے بھی صاف نظر آرہا ہے کہ دوائیں اس کا علاج نہیں ہیں۔'' مومنہ حسن پہلی بار اس قدر بگڑے تیوروں میں تھیں۔

''میں نہیں جانتا' مس اروئی مسیح کہاں رہتی ہیں؟ انہیں روزفین آنٹی نے بھیجا تھا۔ میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں' وہاں مت جائیں۔ وہ بالکل بھی تیار نہیں ہوں گی۔'' ماں کے بار بار استفسار پر آخر اس نے ہارتے ہوئے بتایا۔

''وہ مانے یا نہ مانے' میں کوشش تو ضرور کروں گی۔ ایک بار سنی نارمل ہوجائے' پھر ہم خود سنبھال لیں گے۔''

مومنہ حسن مایوسی کے باوجود باہمت تھیں۔ دراصل ان سے سنی کی حالت دیکھی نہیں جارہی تھی۔ آخر انہوں نے اسے پرورش کیا تھا۔ راتوں کو جاگی تھیں۔ شوہر کے چھوڑے ہوئے کاروبار کے مسائل میں الجھنے کے باوجود سنی پر ان کی توجہ بھرپور رہی تھی اسی لئے تو اب تک کسی آیا یا گورنس وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

مومنہ حسن آنٹی روزفین سے اروئی کے گھر کا پتا مانگنے گئیں۔ انہوں نے ساری حقیقت روزفین آنٹی کو بتادی تھی۔

روزفین آنٹی بذات خود ہمدرد فطرت کی مالک تھیں۔ ہر کسی کی مدد کو ہمہ وقت تیار رہتی تھیں لیکن اس صورتحال پر وہ بھی قدرے گڑبڑا گئی تھیں۔ اروئی دوبارہ ان کے پاس آئی نہیں تھی اور نہ ہی ان سے کوئی شکایت کی تھی کہ انہوں نے اسے کن لوگوں میں بھیج دیا تھا لیکن مومنہ حسن کے آنسو دیکھ کر وہ پگھل گئی تھیں

اور پھر انہوں نے اروئی کو فون کرکے اپنے گھر بلایا تھا۔ ساتھ ہی تو اس کا گھر تھا اس لئے وہ کورٹل کے روکنے کے باوجود آگئی تھی لیکن پھر مومنہ حسن اور تراب کو وہاں دیکھ کر اپنے بلائے جانے کا مقصد سمجھ میں آگیا۔ وہ جو دو دن سے سنی کی چیخ و پکار بھلانے کی کوشش کررہی تھی' اس کی گونج پھر سے کانوں میں ہونے لگی۔ سلام کے بعد بے اختیار ہی اس نے سنی کے بارے میں پوچھا۔

''خیریت ہے! سنی تو ٹھیک ہے؟''

مومنہ حسن اپنی ممتا سے مجبور ہوکر رو پڑیں۔

''نہیں' وہ ٹھیک نہیں ہے۔ بیٹا! آپ کے آنے کے بعد سے وہ مسلسل بخار میں پھنک رہا ہے۔ نہ کچھ کھا پی رہا ہے اور نہ ہی کوئی میڈیسن لے رہا ہے۔ صرف ''میری ماما'' کی تکرار کررہا ہے۔ اس کی حالت مجھ سے تو دیکھی نہیں جاتی..... اس لئے..... میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آئی ہوں۔''

''درخواست..... جی؟'' اروئی قدرے الجھ کر بولی۔

اس کے دل میں اب عجیب سے وہم آنے لگے تھے جن کی ذہن تردید کررہا تھا۔

''ہاں بیٹا! ایک ماں کی درخواست ہی سمجھ لو۔ میں جانتی ہوں' یہ آپ کیلئے بہت مشکل ہوگا لیکن اس کے سوا ہمیں کوئی راستہ بھی تو نہیں مل رہا۔ سنی کی حالت ہی ایسی ہورہی ہے' جس نے مجھے مجبور کردیا ہے۔ پلیز بیٹا! آپ ایک بار چل کر اسے اپنے ہاتھ سے کھانا اور دوا کھلادو۔ اس کا بخار اتر جائے گا تو ہم اسے سنبھال لیں گے۔''

مومنہ حسن بہت کشمکش میں بول رہی تھیں جبکہ اروئی بھی ان کی بات غور سے سننے کے بعد قدرے گہری سانس کھینچتے ہوئے ان کے مقابل بیٹھ کر بولی۔

''کیا وہ پہلی بار اس طرح بی ہیو کررہا ہے؟''

''ضد تو وہ پہلے بھی کرتا تھا۔ اپنی ماں کی محبت کے حصول کیلئے مچلتا تڑپتا بھی رہا تھا مگر اس طرح کی حالت پہلی بار ہوئی ہے۔ وہ آپ کو دیکھ کر نہ جانے کیوں اپنی اس ضد پر اڑ گیا ہے کہ آپ ہی اس کی ماما ہیں!'' اس بار تراب نے اس کی بات کا جواب دیا۔

''کیا میری شکل اس کی ماں سے ملتی جلتی ہے؟'' اروئی نے ذہن میں کلبلتا سوال دہرایا۔

''نہیں! ایسی بات نہیں ہے۔ وہ یہی کہہ رہا ہے کہ اس نے آپ کو خواب میں ہر روز دیکھا ہے۔ ایکچوئلی' غلطی ہماری ہے۔ جب وہ بولنا شروع ہوا تو اس کے معصوم ذہن نے بہت سے رشتوں کی شناخت کے ساتھ اپنی ماں کی پہچان بھی مانگی۔ بڑے بھائی نے ایمن بھابی کی تمام فوٹوگرافس لاکڈ کردی تھیں۔ اپنے تئیں انہوں نے خود کو اذیت سے بچایا تھا جو سنی کے سوالوں سے انہیں ملتی۔ وہ خود بھی ایمن بھابی کی موت کو دل سے قبول نہیں کرسکے تھے لہٰذا سنی جب بھی اپنی ماما کے بارے میں ہم سے سوال کرتا تھا تو ہم اسے یہی کہتے تھے کہ اس کی ماما دور گئی ہیں۔ چاند پر گئی ہیں۔ اسے خواب میں ملیں گی۔ ایک دن واپس آجائیں گی۔ یہ باتیں اس کے ذہن میں پختہ ہوچکی ہیں۔ بھائی فلائٹ پر ملک سے باہر جب بھی

گئے' ان کی واپسی پر سنی کی فرسٹریشن زیادہ بڑھی۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ اس کے پاپا ایک دن اس کی ماما کو لے کر آئیں گے لیکن ہر بار وہ مایوس ہو جاتا تھا۔ کئی کئی دن تک وہ سب سے ناراض رہتا تھا پھر بہت مشکل سے ہم اسے بہلاتے تھے۔ اب اس روز آپ کو اپنے گھر میں دیکھ کر اس کا ری ایکشن اس کے اپنے لئے نقصان دہ ہو رہا ہے اس لئے ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"یہ تو مسئلے کا حل نہیں ہے ناں!"

ساری بات سننے کے بعد اروی نے فوراً کہا پھر کچھ سمجھانے والے انداز میں مزید گویا ہوئی۔

"آنٹی! اس مسئلے کا صرف یہی حل تھا کہ سنی کے پاپا دوسری شادی کر لیتے! ابھی سنی ان کی بیوی کو اپنی ماں کے طور پر آسانی سے ایکسیپٹ کرے گا۔ بعد میں زیادہ مسائل پیدا ہوں گے۔ ان کی اپنی زندگی کا بھی بیشتر حصہ پڑا ہے۔ انہیں اپنے بیٹے کیلئے یہ فیصلہ کر لینا چاہئے۔ انہیں اپنے بیٹے کی طرف دھیان دینا چاہئے کہ وہ ذاتی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا ہے۔ اس کی شخصیت کو بچانا ان کی پہلی ذمے داری ہے۔"

اس کی آنکھوں میں پرخلوص سی جو چمک تھی' وہ اس کے چہرے پر بھی نمایاں تھی۔ اس کے سنجیدہ لہجے میں مومنہ حسن نے بہت اپنائیت محسوس کی تھی۔

"بڑے بھائی تو اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں سنتے' انہیں قائل کرنا بہت مشکل ہے۔ سسٹر! اگر آپ میری ہیلپ کر سکتی ہیں تو پلیز' اس وقت سنی کی زندگی کا سوال ہے۔ ڈاکٹر اس کی اس حالت سے بہت مایوس ہے۔ وہ صرف آپ کی موجودگی سے سنبھلے گا۔"

"اور میرے آنے کے بعد وہ زیادہ بکھر گیا تو......"

اروی نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔ اس کیلئے ایک بچے کو سنبھالنا مشکل تو نہیں تھا مگر اس طرح کے بچے کو سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا جس کا ذہن اسے ماں کے علاوہ کسی اور حیثیت میں ماننے پر تیار نہیں تھا۔

اس کی بات سن کر مومنہ حسن اور تراب خاموش ہو گئے جبکہ روز فین آنٹی نے اس بار مداخلت کی۔

"اروی! تم نے بڑی بڑی پرابلم کو فیس کیا ہے۔ ایک چھوٹے سے بچے کو سمجھانا تمہارے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ مجھے یقین ہے' تم اس بچے کو کونسل کر سکتی ہو۔ اسے بچائی بتا سکتی ہو۔"

اس نے آنٹی روزی کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ یہ ذمے داری اٹھانے کو تیار نہیں تھی لیکن دل میں سنی کیلئے عجیب سے احساسات بھی بیدار ہو رہے تھے۔ اس کے تصور میں بار بار روتا چیختا سنی آ جاتا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"ٹھیک ہے' میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں لیکن پہلے میں گھر بتا دوں۔ ایکچوئلی' یہاں میں اپنی کزن کے پاس رہتی ہوں۔"

"وہ تم کو کہاں جانے دے گی' اس کو فون پر بتا دو۔" آنٹی روزی نے پھر مداخلت کی۔

"ہاں' یہ تو آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ ٹھیک ہے' میں اسے فون پر کہہ دیتی ہوں۔"

وہ ہلکے سے تبسم کے ساتھ اٹھ کر کاریڈور میں چلی گئی۔ اس کے اٹھنے کے بعد مومنہ حسن توصیفی انداز

میں گویا ہوئیں۔

"بہت ہمدرد اور سلجھی ہوئی بچی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش رکھے!"

روز فین آنٹی نے بھی اظہار خیال فراخ دلی سے کیا۔

"ہاں' بہت نائس بچی ہے۔ کسی کو پرابلم میں نہیں دیکھ سکتی۔ یہاں پڑھنے کے واسطے آئی ہوئی ہے۔ گاڈ اسے کامیاب کرے!"

مومنہ حسن نے دل ہی دل میں "آمین!" کہا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ اپنی پڑھائی کے اخراجات کیلئے ہی وہ اس قسم کی نوکریاں کرتی ہوگی۔ تراب بار بار ماں سے سرگوشی کر رہا تھا کہ ماما پوچھیں' یہ انگیجڈ تو نہیں ہیں؟ اسے یک دم ہی یہ لڑکی اپنے بھائی کیلئے پسند آ گئی تھی لیکن وہ اسے گھور کر رہ گئیں۔ تنگ آ کر پوچھنے ہی والی تھیں کہ وہ خود آ گئی۔ چہرے پر سنجیدگی اور سرخی تھی۔ لگتا تھا' کزن سے جھڑپ ہوئی ہے لیکن قریب آتے آتے اس نے اپنے تاثرات ٹھیک کر لئے تھے۔

پھر وہ ان کے ساتھ حسن لاج میں آ گئی جہاں سنی نے ایک بار پھر ماما ماما کی گردان سے گھر سر پر اٹھا رکھا تھا۔ عائنہ اور شارب اسے پورج کھانے پر مجبور کر رہے تھے جبکہ وہ چیخ رہا تھا کہ میری ماما کو بلائیں!

"سنی! سنی دیکھو' کون آیا ہے۔" عائنہ کے پریشان چہرے پر یک دم خوشی کی لہر اٹھی تھی۔

"کون؟ میری ماما!"

سنی کا استفسار بھی پریقین تھا۔ اس نے بہ مشکل اپنی سوجی ہوئی آنکھوں کو کھول کر دیکھا۔ دھندلائی نظروں سے بھی پل بھر میں اس نے شناخت کر لی تھی۔ اگلے ہی پل وہ اٹھ بیٹھا۔ لگتا تھا' کسی نے پل بھر میں اس میں توانائی بھر دی ہے۔ وہ بے اختیار ہی اروی کی طرف لپکا۔

"ماما! ماما! آپ کیوں چلی گئی تھیں؟ آپ نے پرامس کیا تھا' اب نہیں جائیں گی۔" وہ اس سے چمٹ کر پھر رونے لگا۔ "مجھے آپ کے بغیر کچھ اچھا نہیں لگتا۔ سب مجھے ڈانٹتے ہیں۔ پاپا تو مارتے بھی ہیں۔ سب بچے اپنی ماما کے پاس سوتے ہیں اور میں اکیلا......! مجھے رات کو آپ کے بغیر ڈر بھی لگتا ہے۔ پلیز ماما! اب آپ نہیں جانا۔"

آج وہ اپنی ساری محرومیاں رو رو کر سنا رہا تھا۔ شارب فوراً ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ اروی کے گلے لگا سنی اور اس کی شکایتیں سبھی کو شرمندہ کر رہی تھیں۔ اروی کا ہمدرد دل اس کے آنسوؤں سے پگھلا جا رہا تھا۔ اس کی سسکیوں سے بھی کس قدر رلا پرواتے۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے سنی کو قدرے بہلاتے ہوئے پچکارا۔

"اب تو میں آ گئی ہوں۔ اب کیوں رو رہے ہو؟"

"آپ پھر تو نہیں جائیں گی؟"

"اگر آپ اسی طرح گندے بچے بنے رہو گے تو میں پھر چلی جاؤں گی۔" اروی نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بیڈ پر بٹھایا پھر خود بھی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"اب میں اچھا بچہ بن جاؤں گا!"

''میں نے سنا ہے' تم کسی کا کہنا نہیں مانتے' کھانا بھی نہیں کھا رہے۔ میڈیسن بھی نہیں لیتے اور سب کے ساتھ بدتمیزی بھی کرتے ہو!''

''اب نہیں کروں گا ناں! ماما! آئی پرامس یو!''

اپنی شکایتوں پر اس نے شرمندگی سے نظریں جھکالیں پھر یک دم پلکیں اٹھا کر تصدیق مانگی۔ ''ماما! اب تو نہیں جائیں گی ناں؟''

''اچھا ٹھیک ہے' لیکن تمہیں میری ساری باتیں ماننی پڑیں گی۔''

''میں آپ کی ہر بات مانوں گا ماما! عانی! مجھے پورج دیں۔''

اگلے ہی پل اس نے عائنہ کو مخاطب کیا جو اس کے یک دم سنبھل جانے پر خوشی سے رونے لگی تھی۔ دو دن سے وہ کالج اور پڑھائی بھلائے اس کے سرہانے بیٹھی تھی۔ عائنہ کے دل میں بھی اس کیلئے ایک خواہش ابھری۔ وہ بھی تراب کی طرح اس لڑکی کو اپنے بھائی کیلئے مناسب سمجھ رہی تھی لیکن اگلے ہی پل اسے احساس ہوا کہ یہ لڑکی آخر کیوں اس کے بھائی کا پروپوزل قبول کرے گی جس کا ایک بیٹا بھی ہے اور پھر شارب حسن خود بھی اس موضوع پر کوئی بات سننے کو تیار نہ ہوتا۔

عائنہ نے میز پر پڑا پورج کا پیالہ اٹھا کر اس کے سامنے رکھا جسے اروئی نے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور پھر اس نے عائنہ کو دیکھتے ہوئے سبھی کو مخاطب کیا۔

''پلیز' اگر آپ لوگ مائنڈ نہ کریں تو ہمیں کچھ دیر کیلئے تنہا چھوڑ دیں۔''

مومنہ حسن فوراً تائید اً بولیں۔ ''ہاں' کیوں نہیں۔ آؤ عانی' تابی!'' وہ انہیں لے کر کمرے سے چلی گئیں۔

اروئی نے رومال اس کے گلے پر لگاتے ہوئے پیار سے پوچھا۔ ''ایک بات سچ سچ بتاؤ' آپ کو کس نے بتایا تھا کہ میں آپ کی ماما ہوں۔''

''کسی نے نہیں۔ مجھے خود پتا ہے' آپ میری ماما ہو۔ آپ مجھے روز خواب میں ملتی تھیں اور کہتی تھیں' میں ایک دن آؤں گی۔''

سنی نے کھاتے کھاتے اپنے مخصوص معصومیت بھرے انداز میں بتایا۔

''لیکن خواب والی کوئی اور ہیں' اور میں کوئی اور ہوں۔ میں تو آپ کو پڑھانے آئی ہوں۔ اچھی باتیں سکھانے آئی ہوں۔''

''نہیں! آپ وہی ہو ماما!'' وہ زچ ہو کر بولا۔

اروئی نے اس کے انداز پر کچھ بے بسی محسوس کی۔ اس بچے کو بہلانا بہت مشکل کام تھا۔ اس کا سارا ذہنی رجحان صرف اور صرف اپنی ماما کی طرف مائل تھا۔

''کیا آپ نے اپنی ماما کی تصویریں کبھی نہیں دیکھیں؟''

''پاپا کہتے ہیں' ہے ہی نہیں! اب آپ اپنی بہت ساری تصویریں اتارنا' پھر میں ساری تصویریں اپنے پاس رکھوں گا۔ زونی کو بھی دکھاؤں گا اور اسے بتاؤں گا' میری ماما اس کی ماما سے زیادہ اچھی ہیں۔

ہیں ناں!''

سنی یک دم ہی بشاش ہو گیا تھا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے بخار میں پھنک رہا تھا۔

''ایک شرط پر میں تمہیں اپنی تصویریں دوں گی۔ اگر تم مجھے آنٹی کہو گے! پھر میں تمہیں سیر کرانے بھی لے جاؤں گی اور روز آئس کریم کھلانے بھی لے جاؤں گی۔'' اروئی نے مسئلہ سلجھانا چاہا۔

''مگر آپ تو میری ماما ہیں' میری آنٹی تو عانی ہیں' پاپا بھی دادو کو مما کہتے ہیں' آنٹی تو نہیں کہتے۔''

اس نے اپنی معصومیت سے ہی اسے لاجواب کر دیا تو وہ دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی قائل ہو گئی پھر اس نے اپنی سی کوشش کی۔

''دیکھو ناں! ابھی کسی کو معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں؟ سب کو معلوم ہے کہ آپ کی ماما بہت دور آسمان پر اللہ تعالیٰ کے پاس گئی ہیں۔ وہ کیسے واپس آ سکتی ہیں؟ اس لئے آپ مجھے آنٹی کہو ناں!''

''میں سب کو بتا دوں گا ناں کہ آپ میری ماما ہیں۔ چاند پر سے واپس آئی ہیں۔ آپ اب کہیں نہیں جائیں گی' ہے ناں!''

وہ اس سے ہر بار تائید ضرور چاہتا تھا۔ اروئی نے مصلحتاً خاموشی اختیار کی اور پھر اسے پورج کھلا کر دوا بھی کھلا دی۔ اس دوران سنی مسلسل اسے اپنی باتیں بتاتا رہا۔ بہ مشکل اروئی نے اسے چپ کرا کے سونے پر آمادہ کیا۔ اس کے سونے کے بعد اروئی نے بہ مشکل اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالا اور اٹھ کر باہر آ گئی۔

راہ داری عبور کر کے جیسے ہی وہ لاؤنج کی طرف آئی' سبھی کو اس نے اپنا منتظر پایا۔ مومنہ حسن تو فوراً اس کی طرف لپکیں۔

''سنی نے اپنی میڈیسن لے لی ہے؟ وہ اب ٹھیک ہے ناں؟''

''جی.....!'' جی! آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ اب سو گیا ہے۔ یقیناً اب صبح ہی اٹھے گا۔ ٹھیک ہے' اب میں چلتی ہوں۔ صبح چکر لگاؤں گی۔''

مومنہ حسن اس کے جانے کا سن کر یک دم ہی مضطرب ہو گئیں۔ انہیں اچھی طرح اندازہ تھا' سنی بعد میں بہت ہنگامہ کرے گا۔ وہ اس کی گزشتہ دو دنوں کی حالت سے ہی خاصی ڈری ہوئی تھیں۔

''آپ بیٹھیں ناں! چائے آ رہی ہے بلکہ کھانا کھا کے جایئے گا۔''

تراب نے فوراً آداب میزبانی نبھائے۔ وہ تو اسی بات پر اس کا مشکور تھا کہ وہ مشکل وقت میں ان کے ساتھ آ گئی تھی۔

''ہاں' بیٹا بیٹھو! تابی تمہیں چھوڑ بھی آئے گا۔''

مومنہ حسن بھی خود کو سنبھال کر بولیں۔ ملازمہ چائے لئے آ گئی تو اسے ناچار بیٹھنا پڑا۔ شارب حسن نے کافی توقف کے بعد اسے مخاطب کیا۔

''کیا آپ سنی کو ٹریٹ کر سکتی ہیں؟''

''کوشش کروں گی۔ وہ بہت الجھا ہوا ہے۔ اس کی ذہنی و جذباتی کیفیت کچھ اچھی نہیں ہے۔ وہ

حقیقت ماننے پر راضی ہی نہیں ہوتا پھر بھی میں اپنی سی کوشش تو ضرور کروں گی۔ آپ اگر اپنی اور اس کی ماما کی ایک فوٹو مجھے دے دیں تو میرا خیال ہے' میں اسے اچھی طرح کنونس کر سکوں گی۔'' اپنی بات ختم کر کے اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

''ٹھیک ہے' صبح آپ مما سے فوٹو گرافس لے لیجیے گا۔''

شارب حسن بہت سوچ کر جواب دے سکا تھا۔ تراب نے فوراً ہی مداخلت کی۔ اب وہ لوگ سنی کو بے خبر رکھنا چاہتے تھے تو بھائی فوراً تیار ہو گیا تھا۔

''لیکن مس اروئی! آپ تو کہہ رہی تھیں کہ سنی کیلئے اب اس حقیقت سے روشناس ہونا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے' بھائی آئندہ چند ایک سالوں میں اپنے لئے لائف پارٹنر پسند کر لیں۔ سنی! اس وقت پھر بکھر جائے گا بلکہ پھر تو اسے سنبھالنا بھی مشکل ہوگا۔''

''ہاں' یہ بات تو سچ ہے' بلکہ مناسب یہی ہے کہ آپ ابھی اپنے لئے کوئی بہتر فیصلہ کریں۔ اس طرح سنی کی شخصیت مسخ ہونے سے بچ جائے گی۔ بار بار کی ٹوٹ پھوٹ اچھی نہیں ہوتی۔''

اروئی نے براہ راست شارب حسن کو مشورہ دیا۔ سبھی اس کی پراعتمادی پر دل ہی دل میں سراہ کر رہ گئے جبکہ شارب حسن کے چہرے پر سنجیدگی کی تہہ مزید دبیز ہو گئی تھی۔ وہ کچھ کہنے کیلئے لب کھولنا ہی چاہتا تھا کہ سنی روتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا۔

''ماما! ماما! ماں!''

سب کے مطمئن چہرے پھر سے فکرمند ہو گئے تھے۔

''کیا بات ہے سنی؟''

اروئی کی آواز پر سنی نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں ہاتھوں کی پشت سے رگڑیں اور پھر اس کی جانب نظر اٹھائی۔

''ماما! مجھے لگا آپ جا رہی ہیں۔'' سنی کے لبوں سے سسکی برآمد ہوئی۔

''تم نے وعدہ کیا تھا کہ اب نہیں روؤ گے۔ میں نے تمہیں اس لئے دوا کھلائی تھی تاکہ تم جلدی ٹھیک ہو جاؤ مگر تم تو پھر رو رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے' تم میری کوئی بات نہیں مانو گے۔''

''میں آپ کی ساری باتیں مانوں گا مگر آپ مت جانا۔''

وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ کھڑا ہوا اور آستین سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔

''یہ بری عادت ہوتی ہے۔ اپنا رومال پاس رکھتے ہیں یا پھر ٹشو پیپر سے منہ صاف کرتے ہیں۔''

اروئی نے عائنہ کے بڑھائے ٹشو پیپر کو تھام کر سنی کا چہرہ صاف کیا۔

''اب میری ایک بات اور سنو! لڑکے نہیں روتے۔ بہادر لڑکے تو بالکل بھی نہیں روتے۔ اپنے چاچو کو روتے دیکھا ہے یا اپنے پاپا کو؟''

اروئی کی بات بہ غور سنتے ہوئے اس نے فوراً نفی میں گردن ہلائی پھر کہنے لگا۔

''پاپا اور چاچو کی مما تو ان کے پاس ہیں' وہ اس لئے نہیں روتے۔ میری ماما گم ہو جاتی ہیں اس لئے

میں روتا ہوں۔'' اس نے پھر سے اسے لاجواب کر دیا۔

''لیکن آپ کی ماما تو گم نہیں ہوئیں۔ وہ تو.....''

اروئی حقیقت بیان کرتے کرتے رہ گئی پھر اس نے مومنہ حسن کو دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔

''اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ ایکچوئلی' یہاں میں اپنی کزن کے پاس رہتی ہوں۔ اس کے علم میں لائے بغیر میں یہاں ٹھہر نہیں سکتی اور سنی کے ارادے تو آپ لوگ دیکھ ہی رہے ہیں۔''

مومنہ حسن نے تائید اً سر ہلایا' گویا ان کی طرف سے اجازت تھی۔

''مس اروئی! اس کی وجہ سے آپ کو بہت پرابلم ہوگی۔ آپ کب تک اسے بہلا سکیں گی؟ اگر آپ کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ ملی تو؟ پلیز! آپ ابھی اچھی طرح سوچ لیں۔'' شارب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ان حالات میں مجھے مشکلات تو ہوں گی' لیکن ایک بچے کو مزید ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کیلئے اگر میری ذات کام آ سکتی ہے تو مجھے بھی اپنے اس عمل سے حقیقی خوشی ملے گی۔ آپ فکرمند نہ ہوں' یہ جلد ہی سنبھل جائے گا۔ سنی! تم میرے ساتھ چل رہے ہو؟''

''کہاں ماما؟'' سنی کے چہرے پر یک دم تازگی کی لہر اٹھی تھی۔

''جہاں میں رہتی ہوں' میرے گھر! وہاں میری ساری چیزیں ہیں' میری بکس' میرے ڈریسز' شوز وغیرہ!''

''کیا آپ یہاں نہیں رہیں گی؟ آپ یہیں رہیں ناں! پاپا آپ کو ساری چیزیں لے دیں گے۔''

سنی اپنی معصومیت میں لاجواب کر دینے والی باتیں کر جاتا۔

''آج تو مجھے جانا پڑے گا۔ میری بہن میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ جلدی آ جاؤں گی اور وعدہ تو پورا کرتے ہیں ناں! تمہیں اگر چلنا ہے تو چلو' ورنہ میں صبح آ جاؤں گی۔''

اروئی نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی لیکن وہ مجسم حقیقت کو پھر سے خواب نہیں بننے دینا چاہتا تھا۔

''آپ پھر نہیں آئیں گی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ ہم صبح آ جائیں گے ناں؟''

سنی نے صاف گوئی سے کہتے ہوئے پھر فطرتاً بے ساختگی کا اظہار کیا۔ اروئی سر ہلانے کے سوا کچھ نہ کر سکی پھر تراب ہی دونوں کو سنی کے مختصر سامان کے ساتھ اس کے گھر کے سامنے اتار کر گیا۔

کومل بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک چار ساڑھے چار سالہ بچے کو اس کے ہمراہ دیکھ کر حیران ہی رہ گئی، جو بار بار پوچھ رہا تھا۔

''ماما! ماما! یہ آپ کا گھر ہے' یہ آپ کی بہن ہیں' آپ یہاں رہتی ہیں' پھر مجھ سے ملنے کیوں نہیں آتی تھیں؟''

''ہائیں! یہ کیا چکر ہے! چند گھنٹوں میں ہی ''ماما'' بھی بن بیٹھیں۔''

کومل کی حیرت بے ساختہ تھی۔ اروئی نے اسے سنی کے حوالے سے کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔ اس کی حیرت دور کرنے کیلئے اروئی نے مختصراً صورتحال سے آگاہ کیا۔ کومل کو بتانے سے پہلے اس نے سنی کو کومل کی چند ماہ کی بیٹی سے کھیل میں لگایا اور اسے ایک طرف لے جا کر ساری حقیقت سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ تو مجھے آنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ ساتھ نہ لاتی تو میں بھی نہ آ پاتی۔''

''میں نے کہا تھا ناں' ایک دن تم بہت بری پھنسو گی۔ یہ بچہ بہانگ دہل تمہیں ماما ماما کہہ رہا ہے۔ سوچو تو لوگ کیا کہیں گے اور اگر ماموں جان کو علم ہو گیا تو بتاؤ' میں کیا جواب دوں گی؟ وہ وہاں تمہارا رشتہ لگانے کے چکر میں ہیں اور تم نے اپنے نام بچے بھی الاٹ کر لئے ہیں! اروئی بی بی! بس اب میری برداشت جواب دے گئی ہے۔ میں ماموں جان کو فورن کر رہی ہوں کہ یا تو تمہیں بلوا لیں یا پھر خود آ کر تمہارا کوئی بندوبست کریں۔ تم اب میرے بس کی نہیں ہو۔'' کومل کو شدید غصہ آ رہا تھا اس لئے اسے ڈانٹ پھٹکار رہی تھی۔

''میں کیا کرتی' یہ بچہ نفسیاتی طور پر الجھا ہوا ہے۔ تم اس کی حالت دیکھتیں' اس کی باتیں سنتیں تو تم بھی فوراً پسیج جاتیں۔ مجھ سے اس کا رونا' چیخنا چلانا دیکھا نہیں گیا۔'' اروئی اس کی ڈانٹ سن کر معصومیت سے بولی۔

''وہ لوگ خود ہی کوئی حل سوچتے' تمہیں پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی؟ جن کی اولاد ہے' وہ خود سوچیں کہ انہیں اپنی اولاد کو کیسے ٹریٹ کرنا ہے لیکن انہیں تو مفت کی اماں جان مل رہی تھی' وہ کیوں کچھ سوچیں گے۔''

''میں اسے سچائی بتانے کیلئے ہی تو ٹریٹ کر رہی ہوں۔ پلیز! تم ابو جان سے کچھ مت کہنا۔ میں انہیں خود اس بارے میں آگاہ کر دوں گی لیکن چند دن پلیز!''

اروئی کی منت پر بھی کومل کی ناراضگی کم نہ ہوئی۔

''تمہارے تو سدا کے یہی کام ہیں۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتی ہو کہ کسی ''انجمن رفاہ عامہ'' کی سرپرست بن جاؤ۔ تمہارے جذبہ ہمدردی کی خوب تسکین ہو گی۔''

''کومل پلیز! ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می! یہ بچہ نفسیاتی مریض بننے کے بالکل قریب ہے۔ اس کی شخصیت ایک جھوٹے بہلاوے سے مسخ ہو چکی ہے۔ اسے اس کی ماں کے حوالے سے جو کہانیاں سنائی گئی تھیں' اسے اس نے اپنی تخیل اور تصور کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کے ذہن میں اپنی ماں کی جو شبیہ تھی' وہ اسے مجھ میں نظر آئی ہے۔ میں اس بچے کو ایب نارمل ہونے سے بچانا چاہتی ہوں۔ تم جانتی تو ہو' میں کسی کو تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ اور ایک معصوم بن ماں کے بچے کو تو بالکل نہیں۔''

''صحیح حل تو پھر یہ ہے کہ تم اس بچے کو مکمل طور پر بچا لو۔ جب وہ تمہیں ماں سمجھتا ہے تو تم اس کی ماں بن ہی جاؤ!''

کومل اس کی باتوں پر جل کر بولی تو اروئی بھی جھنجلا کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم اپنے مشورے سنبھال کر رکھو۔ تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔ خود تو لوگ کوئی اچھا کام کر نہیں

سکتے' مجھے دنیا کے ڈراوے دیئے جاتے ہیں۔ میری ذات کسی کے کام آ سکتی ہے تو اس سے دوسروں کو کیا فرق پڑتا ہے۔''

وہ جھنجلاہٹ کے عالم میں وہاں سے ہٹ گئی۔ کومل بے بسی سے سر ہلا کر رہ گئی۔ اروئی اس معاملے میں ہمیشہ اپنی من مانی کرتی تھی اور اسے ہمیشہ یہ خدشہ رہتا تھا کہ اروئی کے کسی فعل پر اسے جواب دہ نہ ہونا پڑے۔

اروئی رات تک سنی کو مختلف کہانیاں سناتی رہی اور باتیں بتاتی رہی۔ ان میں زیادہ تر کہانیاں ایسی تھیں جن میں بچوں کی مائیں مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جاتی ہیں اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آتیں۔ اس دوران بھی وہ اپنی فطرت کے مطابق اسے سوال پر سوال کر کر کے زچ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ رات کو اسے اپنے ساتھ سلاتے ہوئے اس نے سنی کے ذہن پر حقیقت لکھنے کی کوشش کی۔

''تم نے اپنے پاپا سے ماما کی تصویریں کبھی بھی نہیں مانگیں؟''

''وہ کہتے تھے' ہیں ہی نہیں۔''

''وہ تمہیں تمہاری ماما کی باتیں بتاتے تھے؟''

''کبھی بھی نہیں۔ بس عائی اور چاچو کہتے تھے کہ میری ماما دور گئی ہیں چاند پر! ایک دن آ جائیں گی۔ جھوٹ کہتے تھے ناں! آپ تو اللہ تعالیٰ کے پاس اپنی مما کے پاس گئی تھیں ناں! ان کے کام کرنے ہیں ناں ماما!''

اروئی اس کی معصومیت پر مسکرا دی۔

''نہیں بھئی' ابھی میں نے تمہیں بتایا تو ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے ایک بار اپنے پاس بلا لیتے ہیں' پھر اسے واپس نہیں بھیجتے۔''

''پھر آپ کیسے واپس آ گئیں؟''

''میں تو گئی ہی نہیں تھی۔ میں تو یہیں تھی اپنے ابو جی کے پاس!''

''تو پھر میری ماما.....؟'' وہ الجھ کر فوراً اٹھ بیٹھا۔

''وہ تو اب بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں!''

''مگر آپ میری ماما ہیں۔ آپ مجھے خواب میں ملتی تھیں۔ مجھ سے باتیں کرتی تھیں۔''

''وہ بنو آپ کے ساتھ خواب میں باتیں کرتی تھیں' وہ میری جیسی میری بہن تھی۔ یہ والی!''

اروئی نے اسے بہلانے کیلئے اپنی ایک پرانی تصویر دکھائی جو موجودہ حلیے سے خاصی مختلف تھی۔

''یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جاتے ہیں' وہی خواب میں ملتے ہیں۔ میں تو آپ کی آنٹی ہوں۔''

''نہ.....نہیں.....! آپ ہی میری ماما ہیں وہ تو آپ ہی تھیں۔'' سنی پھر سے روہانسا ہو گیا۔

''میں نے بتایا تو ہے کہ میری بہن بھی بالکل میری جیسی تھی۔ میں آپ کی آنٹی ہوں۔ اگر آپ مجھے آنٹی کہو گے تو پھر میں تمہیں کہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی' پھر میں تمہارے ساتھ گیمز کھیلوں گی۔ ہم

دونوں کارٹون دیکھیں گے۔ اکٹھے سیر کرنے بھی جایا کریں گے اور ہم دونوں ناں تمہاری ماما کو لیٹر بھی پوسٹ کیا کریں گے۔ تم لیٹرز میں اپنی ساری باتیں لکھا کرنا' او کے! اب تم مجھے آنٹی کہو گے ناں!''

''مجھے ابھی لکھنا نہیں آتا۔'' وہ اس کی باتیں سن کر بے بسی سے رونے لگا۔ اس کا چہرہ یک دم ہی کملا گیا تھا۔

''میں آپ کو لکھنا سکھا دوں گی۔'' اروئی خود اسے سمجھاتے ہوئے بے بسی محسوس کر رہی تھی۔

''آپ میری ماما جیسی تو ہیں پھر میری ماما بن جائیں ناں! سچ' میری کوئی ماما نہیں ہے۔''

وہ معصومیت سے کہتے ہوئے رو پڑا۔ اس کی ذات ایک ہی بھنور میں پڑی تھی۔ اروئی نے فوراً اسے خود سے لپٹا لیا۔

''بہادر بچے روتے نہیں ہیں۔ تمہاری ماما بھی آ جائیں گی ایک دن۔ تم اپنے پاپا سے کہو کہ وہ شادی کر لیں' پھر تمہاری نئی پیاری سی ماما آ جائیں گی۔ وہ تم سے بہت پیار کریں گی۔ جن بچوں کی ماما اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جاتی ہیں' ان کے پاپا شادی کر لیں تو نئی ماما آ جاتی ہیں۔ آپ دادو سے بھی کہو کہ پاپا کی شادی کر دیں۔''

اروئی نے اپنے تئیں اسے مکمل طور پر بہلا لیا تھا مگر پھر اگلے ہی پل اس کا جواب سن کر بھونچکا رہ گئی۔

''آپ میرے پاپا سے شادی کر کے میری ماما بنیں گی؟''

اروئی اس بچے سے اپنے لئے یہ بات سن کر سٹپٹا سی گئی۔ کومل تو پہلے ہی خلاف تھی۔ اس قسم کی باتیں سن کر تو وہ آپے سے ہی باہر ہو جاتی۔

''سنی! ایسی بات نہیں کرتے۔ آنٹی' ماما نہیں بن سکتیں۔'' ڈانٹنے کی خواہش کے باوجود وہ اسے نہ ڈانٹ سکی۔

''کیوں نہیں بن سکتی؟'' وہ اس کے سامنے بیٹھ کر جواب طلبی کرنے لگا۔

''اس لئے کہ ابھی میں پڑھتی ہوں۔ میرے ایگزامز ہونے والے ہیں۔ اور پھر میرے ابو جی دوسرے ملک میں ہیں۔ وہ مجھ سے ناراض ہوں گے اگر میں ان کا کہنا نہیں مانوں گی۔''

اروئی کو اس بچے کو سمجھانا مشکل ہو رہا تھا۔ سنی کی سوچیں یک دم جیسے بدل گئی تھیں۔

''جب آپ ایگزام دیں گی اور پاس ہو جائیں گی پھر تو میری ماما بنیں گی؟''

''تمہیں نیند نہیں آ رہی؟ صبح اٹھ کر تمہیں گھر بھی لے جانا ہے۔'' اروئی نے اپنی جان چھڑانا چاہی۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی۔''

''کیوں' تمہیں اپنا گھر تو یاد نہیں آ رہا؟'' اروئی کو فوراً خیال آیا۔

''اونہہ.....! ہوں.....!'' اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''تو پھر سو جاؤ!''

''نیند نہیں آتی ناں! میں بہت خوش ہوں' آپ مجھ سے باتیں کریں۔''

''کب سے تو میں بول رہی ہوں' اب تم کچھ بولو۔''

''آپ کو پتا ہے' میرے پاپا بڑے غصے والے ہیں۔ عائنی' چاچو' دادو' سب ان سے ڈرتے ہیں۔ صرف میں نہیں ڈرتا۔ آپ بھی مت ڈرنا ان سے۔ وہ تو کچھ بھی نہیں کہتے۔ بس ایسے ہی سب ڈرتے ہیں۔ میری ہر بات مانتے ہیں۔ میں ان سے کہوں گا کہ آپ سے شادی کر کے میری ماما بنا دیں۔ وہ میری بات مان جائیں گے' پھر کتنا مزہ آئے گا۔ میں آپ کو ماما کہوں گا اور سب کو بتاؤں گا کہ.....''

''سنی!'' اروئی نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

''اگر تم ایسی باتیں کرو گے تو پھر میں آپ کے گھر کبھی نہیں آؤں گی۔''

اروئی کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر سنی یک دم خاموش ہو کر دیکھنے لگا۔ اروئی کو اپنی سنجیدگی کا احساس ہوا تو پھر قدرے نرمی سے اسے سمجھانے لگی۔

''بچے اپنے پاپا سے ایسی باتیں نہیں کہتے اور میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ میں ابھی پڑھتی ہوں اور میں نے ابھی اور پڑھنا ہے اور جو پڑھتے ہیں' ان کی شادی نہیں ہوتی اور نہ ہی انہیں ماما کہتے ہیں۔ چلو آؤ' اب جلدی سے سو جاؤ۔''

اروئی نے اسے پکڑ کر لٹایا۔ اس بار وہ خاموشی سے لیٹ گیا اور کچھ دیر بعد ہی نیند کی آغوش میں سما بھی گیا۔ اروئی کیلئے ایسی صورتحال سے نمٹنا آسان نہیں تھا مگر اس نے ہمیشہ کی طرح یہ مشکل سر کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وہ سنی کے کرب سے آشنا تھی۔ وہ خود بھی ماں کی ممتا کو ترسی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آٹھ بہن بھائیوں میں سے بچنے والی پہلی اور آخری اولاد تھی۔ اس کے بعد سال بہ سال پیدا ہونے والے اسکے بھائی' بہنیں' چند دن یا چند مہینوں بعد ہی رخت سفر باندھ لیتے تھے۔ اس کے آخری بھائی کی پیدائش پر اس کی ماں بھی اسے تنہا کر گئی تھی' یوں وہ چھوٹی سی عمر میں ماں کی ممتا سے محروم ہو گئی تھی پھر اس کے ابو جی نے اس کی پرورش بہت لاڈ پیار سے کی تھی۔ اس کی ہر بات' ہر ضد مانی تھی۔ اس کے اچھے مستقبل کیلئے پردیس کاٹ رہے تھے حالانکہ وہ کئی بار کہہ چکی تھی کہ واپس آ جائیں مگر وہ اس کی شادی تک باہر ہی رہنا چاہتے تھے البتہ سال میں ایک بار اس سے ملنے ضرور آتے تھے یا پھر اسے چھٹیوں میں بلا لیتے تھے۔

***

صبح اٹھتے ہی سنی نے اپنے گھر جانے کی ضد پکڑ لی تو اروئی اسے ناشتہ کرائے بغیر ہی لے کر آ گئی۔

صبح کے وقت حسن لاج پر سحر انگیز سماں چھایا ہوا تھا شاید ابھی سب ہی سو رہے تھے یا پھر اپنے کمروں سے نہیں نکلے تھے۔ رکشا سے اتر کر اس نے گھنٹی بجائی تو ملازم نے جیسے ہی دروازہ کھولا' اس کے پیچھے مومنہ حسن کی جھلک بھی نظر آئی جو خاصی بے چین نظر آ رہی تھیں۔ پہل بار سنی ان سے اتنے زیادہ وقت کیلئے دور ہوا تھا۔ ان کی بے چینی لازمی تھی۔ اندر آنے کے بعد اروئی نے دیکھا' شارب حسن بھی گاؤن لپیٹے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھا تھا۔ لگتا تھا' اس کی آنکھ تو بیل کی آواز پر ہی کھلی ہے۔

''پاپا! پاپا! آنٹی بہت اچھی ہیں۔ آنٹی نے مجھے بہت ساری اسٹوریز سنائی تھیں اور ناں' اب آنٹی

مجھے پڑھائیں گی بھی اور یہیں میرے پاس رکیں گی' ہیں ناں آنٹی!'' باپ کو سامنے دیکھتے ہی وہ گرم جوشی سے اس کی طرف لپکا اور پھر اپنی باتوں کی تائید بھی چاہ رہا تھا۔

''سنی! جب باہر سے گھر آتے ہیں تو پہلے سلام کرتے ہیں پھر اپنی باتیں بتاتے ہیں۔'' اروئی نے اسے ٹوکا تو وہ قدرے خجل سا ہو کر بولا:

''سوری آنٹی! میں بھول گیا تھا۔''

''آئندہ یاد رکھنا ورنہ سب تمہیں بیڈ بوائے کہیں گے اور تمہیں تو گڈ بوائے بننا ہے ناں!''

اروئی نے اس کی تربیت کا آغاز کر دیا تھا۔ شارب اور مومنہ حسن اس تغیر پر متحیر تھے۔ سنی اتنی جلدی کسی کے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔ ایک رات میں ہی اس کی کایا کلپ ہو گئی تھی۔ ممنونیت آنکھوں میں بھرے شارب حسن نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کے بعد استفسار کیا۔

''سنی نے آپ کو بہت تنگ کیا ہو گا۔''

''نہیں' بالکل بھی نہیں۔ سنی بہت اچھا بچہ ہے اور میری تو اب ہر بات مانے گا۔ ہے ناں سنی! ہماری دوستی ہو گئی ہے۔''

سنی کی ساری توجہ اروئی پر تھی اس لئے وہ اسے اس طرح مخاطب ہوئی تھی۔

''جی آنٹی! پاپا آنٹی نے مجھ سے پرامس کیا ہے کہ یہ اب مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔''

''آپ کیلئے کوئی پرابلم تو نہیں ہو گی اسے ٹریٹ کرتے ہوئے؟ میرا مطلب ہے' آپ کی فیملی وغیرہ!''

''نہیں' کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جو مسئلہ درپیش تھا' وہ دور ہو گیا ہے۔'' اروئی اس کی بات کا مطلب سمجھ کر مطمئن انداز میں بولی۔

''تھینک یو مس اروئی! میرے خیال میں اسے آپ جیسی شخصیت ہی ٹریٹ کر سکتی تھی ورنہ یہ کسی کے اختیار میں کب تھا۔ رئیلی' اس بار اس کی کنڈیشن دیکھ کر میں پریشان ہو گیا تھا۔''

شارب حسن احسان مندی سے مغلوب ہو کر کہہ رہا تھا۔ بیٹے کیلئے اس کے جذبات مزید گہرے ہو گئے تھے۔ گزشتہ چند ایک دنوں میں سنی نے سب کو پریشان بھی تو بہت کیا تھا۔

''میرا خیال ہے بچو! باقی باتیں ناشتے کی میز پر ہو جائیں گی۔''

مومنہ حسن نے دوبارہ آ کر انہیں متوجہ کیا۔ گیسٹ پرسنی اور اروئی سے مل کر وہ بھی مطمئن ہو چکی تھیں اس لئے آج ان کا رویہ بھی ہشاش بشاش تھا۔ شارب وقتی طور پر معذرت کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف لوٹ گیا۔

اروئی' سنی کے ساتھ مومنہ حسن کی تقلید میں ان کے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ صبح صبح کسی کے ہاں ناشتہ کرنے کا یہ پہلا موقع تھا لیکن اب اسے خود کو ان باتوں کا عادی بنانا ہی تھا۔ سنی جیسے بچے کی فطرت کو بدلنے میں کچھ عرصہ تو لگنا ہی تھا' تب تک اسے اس گھر اور گھر والوں سے بے تکلف بھی ہونا پڑتا۔ ان کے پیچھے پیچھے عائنہ اور تراب بھی آ گئے کیونکہ انہیں کالج اور یونیورسٹی جانا تھا۔ تراب اسے دیکھ کر شرارت سے

بولا۔

''آپ..... آپ پھر آ گئیں!''

''ہاں' دیکھ لیں۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ آپ رفو چکر ہو جائیں گی بلکہ مجھے یقین تھا۔''

''رئیلی' میں تو ہو جاتی مگر یہ میرے دعویدار پیچھا چھوڑتے تب ناں!''

اروئی نے شگفتگی سے کہتے ہوئے ساتھ بیٹھے سنی کے بال بگاڑ دیئے جو اپنی عائنی کو پھر سے ساری باتیں بتا رہا تھا۔

''او! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ آپ کا دعویدار تو آپ کے ساتھ ہی ہے۔''

''ویسے لگتا ہے' آپ کو کوئی جادو آتا ہے اسی لئے دعویدار نے اپنے دعوے میں ترمیم کر لی ہے۔''

عائنہ نے درمیان میں حصہ لیا تو مومنہ حسن نے انہیں گھورا کیونکہ شارب حسن ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا پھر انہوں نے اروئی کو ناشتے کی جانب متوجہ کیا۔

''بیٹی! تم ناشتہ کرو۔ ان کی باتیں تو کبھی ختم ہی نہیں ہوں گی۔''

شارب حسن آ کر اروئی کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ بے ساختہ ہی اس کی نظریں اروئی کے خوبصورت صاف شفاف ہاتھوں پر مرکوز ہو گئیں، جن سے کپ تھامے بیٹھی تھی اور سنی کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔ سنی کی آواز پر ہی وہ چونکا۔ اپنی محویت و کیفیت پر اسے خود سے ہی شرمندگی محسوس ہوئی۔ کل تک اس کا بیٹا اس نازک اندام لڑکی کو اپنی ماں ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا اور آج اسے اپنی آنٹی مان کر بھی مطمئن تھا۔ ایمن کی محبت کی کسک ہر لمحہ دل میں نہ کھٹکتی رہتی تو شاید وہ اپنے بیٹے کیلئے اپنی بے سمت مسافتوں کو منزل تک لے جانے کی کوشش کرتا مگر اس کیلئے یہ بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ سنی نے اسے دوبارہ متوجہ کیا۔

''پاپا! پاپا! آنٹی نے بتایا ہے کہ میری ماما اللہ جی کے پاس گئی ہیں۔ آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟ آپ کو پتا ہے' آنٹی کی مما بھی اللہ جی کے پاس چلی گئی تھیں اور آپ نے مجھے یہ بھی کیوں نہیں بتایا تھا کہ خواب میں آنے والی ماما' آنٹی کی بہن ہیں۔ آنٹی کہہ رہی تھیں کہ آپ شا.....''

سنی نان اسٹاپ شروع تھا۔ اروئی نے گھبرا کر اسے ٹوکا۔

''سنی' کھاتے ہوئے اتنا زیادہ نہیں بولتے۔''

اسے اندیشہ تھا کہ وہ اب اپنے پاپا کو شادی کا مشورہ بھی دے گا اور پھر اس کا نام لے گا اس لئے اسے چپ کرانا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ شارب نے بھی اسے مطمئن کرنے کیلئے اسے بہلایا کیونکہ سنی ہنوز اپنی جواب طلب نظریں باپ پر مرکوز کئے ہوئے تھا۔

''سوری بیٹا! مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ تمہاری آنٹی کی سسٹر ہیں۔''

پھر اس کے بعد سبھی نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔ مومنہ حسن کو اپنے آفس جانا تھا' سو عائنہ اور تراب کے ساتھ وہ بھی اٹھ کر چلی گئیں۔ شارب اخبار لے کر لان میں جا بیٹھا اور سنی' اروئی کو سارا گھر دکھانے

لگا۔

حسن لاج پھولوں کا گلدستہ لگتا تھا جہاں چاروں طرف گلاب ہی گلاب تھے۔ ہر کمرا نفاست' مہارت اور اعلیٰ ذوق کا نمونہ تھا۔

***

چند دنوں میں ہی سب نے دیکھا' اروئی کی توجہ' محبت اور تربیت نے سنی کو بہت سنوار دیا ہے۔ اروئی نے اسے اس طرح بہلایا تھا کہ اسے اپنی آنٹی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اروئی ہر روز صبح کو اس کے اٹھنے سے پہلے "حسن لاج" میں موجود ہوتی تھی اور رات کو سنی کے سونے کے بعد وہ واپس جاتی تھی۔ اس کی اپنائیت و ہمدردی کے اظہار نے سبھی کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ عائشہ اور تراب بھی اس کے ساتھ دوستوں کی طرف بے تکلف ہو گئے تھے۔ شارب بھی اکثر سوچنے لگا تھا کہ اگر کبھی اروئی کو اچانک کہیں جانا پڑ گیا تو وہ سنی کو کس طرح بہلائیں گے۔ سنی تو اس کا بے حد عادی ہو چکا تھا۔ ہر کام اروئی سے کرواتا تھا یا پھر اس کے مشورے سے..... یہ صرف سنی کی بات ہی نہیں تھی' اس نے اپنی مما اور بہن بھائی کی آنکھوں میں بھی اروئی کی محبت چمکتی دیکھی تھی۔ اس سوچ پر تو اس کے اپنے ہونٹوں پر مہر لگ جاتی تھی۔ اس کی سوچیں ٹھہر سی جاتی تھیں۔ وہ خود اروئی کو اپنے بیٹے کی محسن سے زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔ اروئی خود بھی سب کے ساتھ بے تکلف تھی لیکن اس کے ساتھ اس کا انداز' لب ولہجہ' تکلف آمیز ہونے کے ساتھ رسمی سا بھی ہوتا تھا۔ ان کے درمیان کبھی بات چیت کی نوبت آتی بھی تھی تو سنی کے حوالے سے.....

اب بھی وہ کہیں باہر سے آیا تھا اور سب گھر والے ٹی وی کے آگے بیٹھنے کے باوجود سنی اور اروئی کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔ اروئی کا انداز نشست گھریلو اور بے تکلفانہ تھا۔ اس کا سیاہ دوپٹا حسب سابق لاپروائی سے ایک کندھے پر پڑا تھا۔ دوپٹا لینے کا لاپروا انداز شاید اس کی عادت میں شامل تھا اسی لئے وہ خاصی بے نیازی سے کسی کی توجہ محسوس کئے بغیر سنی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ شارب کی آمد کو بھی اس نے سرسری لیا تھا۔ عائی نے ایک دو بار اسے اس کی چائے کی طرف متوجہ بھی کیا مگر وہ سنی کے لطیفے سننے میں مصروف تھی۔

"اچھا' پیتی ہوں۔" کہہ کر پھر کھلکھلانے لگتی۔ سنی کے ساتھ وہ بھی اپنے بچپن کے معصوم قصے شیئر کر رہی تھی جس پر سنی تو بے اختیار قہقہے لگا کر باقی سب کو بھی اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔ شارب بھی سنی کے متوجہ کرنے پر لمحہ بھر کو ان کی جانب دیکھتا اور سوچتا کہ آخر وہ کس طرح سب سے بے نیاز رہ لیتی ہے۔ اتنے لوگوں کی نگاہوں کو خود پر مرکوز پا کر بھی لاتعلق بنی سی رہتی تھی جیسے اس کے اور سنی کے علاوہ ان کے اردگرد کوئی تھا ہی نہیں۔ سنی یہی تو چاہتا تھا کہ سب کی توجہ صرف اس پر مرکوز رہے اور اروئی نے اس کی فطرت کو سمجھ لیا تھا۔ اروئی کی چائے پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی تو تراب نے اسے متوجہ کیا۔

"اروئی! تمہاری بے نیازی کا یہی حال رہا تو چائے کی طرح تمہارے اردگرد بیٹھے لوگ بھی ایک دن فریز ہو جائیں گے۔"

تراب کے بے تکلفانہ شریر انداز پر شارب چونک اٹھا۔ اتنے کم دنوں میں سب اس کے اتنے

قریب تھے کہ اس سے مذاق بھی کر لیتے تھے۔ خصوصاً تراب اور اس کا اپنا بیٹا بھی تو ہر محرومی بھلائے کھلکھلاہٹوں کے پھول بکھیرنے میں ایسا محو تھا کہ اسے آج اپنے پاپا کی توجہ بھی نہیں چاہئے تھی۔ ایک طرف اروئی کی ذات اس کی ہر کمی' ہر خلا کو پر کر گئی تھی۔

اروئی قدرے خجالت کا شکار ہو کر اپنی ٹھنڈی چائے ہی پی گئی حالانکہ عائی منع کرتی رہ گئی تھی کہ وہ دوسری بنالاتی ہے مگر وہ چائے پیتے ہی جانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تراب کی ڈیوٹی اسے چھوڑ کر آنے کی تھی۔

***

"پھر تم نے کیا سوچا ہے ابرار کے بارے میں؟" کومل نے اسے بڑے دنوں بعد پھر گھیرا تھا۔ اس کیلئے کافی دنوں سے ابوجی کے دوست کے بیٹے کا پروپوزل آیا ہوا تھا۔ اروئی' ابرار اور اس کے گھر والوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ سب کو بیت میں ہی سیٹل تھے۔ اروئی کو بہ ظاہر تو ابرار میں کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی۔ بس اس کا ذہن ہی اس طرف نہیں گیا تھا حالانکہ اس نے ابرار کی پسندیدگی خود میں کئی بار محسوس کی تھی۔ کومل کے بار بار پوچھنے پر اس نے پھر لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

"مجھے کیا سوچنا ہے' ابوجی خود ہی سوچیں جو کرنا ہے!"

"انہوں نے تو سوچ لیا ہے' اب وہ صرف تمہاری مرضی جاننا چاہ رہے ہیں۔"

"صحیح بات تو یہ ہے کومل کہ میں نے کبھی ابرار کیلئے سوچا ہی نہیں۔"

"تو کیا کسی اور کیلئے سوچا ہے؟ کون ہے وہ؟"

کومل کی بے چینی یقینی تھی۔ وہ تو ویسے بھی دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو۔ اروئی کے جواب پر اسکی جان میں جان آئی کیونکہ وہ بھی اروئی کیلئے ابرار کو پسند کرتی تھی۔ کئی بار وہ پاکستان آ چکا تھا اور اروئی سے ملنے کیلئے اس کے گھر بھی آیا کرتا تھا۔ کومل کو وہ اچھا لگا تھا۔

"کیا مطلب کون ہے وہ؟ تمہیں میری نیچر کا معلوم تو ہے۔ مجھے زندگی کو باضابطہ گزارنا پسند ہے۔" اروئی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے سوچا' شاید تمہارے خیالات اس حوالے سے بدل گئے ہوں۔ بہرحال سوری! پھر میں ماموں جان کو تمہاری رضامندی دے دوں؟" کومل نے اس کی ناراضگی سے پہلے ہی معذرت کی۔

"ابھی سے.....؟ ابھی تو میرا رزلٹ ہے اور پھر ٹریننگ! ویسے بھی ابوجی سے میری ایک شرط ہے۔ مجھے پاکستان میں رہنا ہے۔"

"رزلٹ تو تمہارا حسب توقع ہی ہوگا۔ بہرحال تم فکر نہ کرو۔ تمہاری شرط ابرار کے گوش گزار کر دی ہے میں نے۔ وہ تمہارے لئے کویت تو کیا' امریکہ چھوڑنے کو تیار ہے' بس ایک تمہاری رضامندی درکار ہے اسے۔"

"کیا؟ تم ابرار سے کب ملیں؟ میرا مطلب ہے' کیا وہ یہاں آیا ہوا ہے؟"

"جی محترمہ بے خبر صاحبہ! تقریباً دو دن پہلے موصوف آ چکے ہیں۔ دو بار یہاں فون بھی کر چکے

ہیں۔کافی دفعہ جھوٹ بول کر میں نے تمہاری غیر موجودگی کا رنگ بدلا تھا اسی لئے تو کہتی ہوں کہ پلیز' اب خدمت خلق کے بوریے سمیٹ لو۔ بہت دعائیں اسٹاک کر چکی ہو۔اب دوسروں کو بھی لائن میں لگنے دو۔ تمہیں تو شاید یہ بھی خبر نہیں کہ ماموں جان بھی ڈیڑھ دو ہفتے میں آ رہے ہیں اور اس بار وہ بڑے نیک ارادے سے آ رہے ہیں۔'' کومل نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے تفصیلات فراہم کیں۔

''ابو جی کے بارے میں تو خیر مجھے علم ہے کہ وہ آ رہے ہیں اور تم نے ابرار سے جھوٹ کیوں بولا؟ تم اسے صاف بتا دیتیں کہ آج کل میں ایک بچے کو ٹریٹ کر رہی ہوں بلکہ اسے وہاں کا نمبر دے دیتیں۔ وہ مجھ سے وہیں بات کر لیتا۔ جھوٹ بول کر چھپانے کی کیا بات تھی۔ بعد میں بھی تو اسے میرے سارے کارناموں کا علم ہونا ہی ہے۔''

اروئی نے اپنے مخصوص لاپروا انداز میں کہا تو کومل اسے حیران آنکھوں سے دیکھے گئی۔ پھر خفگی سے بولی۔

''پاگل ہو گئی ہو' خبردار جو تم نے اپنے کسی کارنامے کا اس سے ذکر بھی کیا ہو تو!''

''کیوں؟ اس میں کیا برائی ہے اور میرا خیال ہے' وہ میرے بارے میں کافی معلومات رکھتا بھی ہے۔ جب بھی میں ابو جی کے پاس گئی ہوں' وہاں بھی ظاہر ہے' میں سکون سے تو بیٹھی نہیں تھی بلکہ ایک بار تو میں نے ابرار کو بھی ایک مریضہ کو خون دینے پر مجبور کر دیا تھا۔'' اروئی کی آنکھوں میں یادوں کی چمک تھی۔

کومل اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر شرارت سے گویا ہوئی۔

''اچھا! اسے خبر ہے سب تو پھر خود ہی بھگتے گا۔''

''ہمت کرے گا تو بھگت لے گا ورنہ میں تو راستہ بدلنے والی نہیں۔''

اروئی کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ وہ کسی کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی اس سے بے بس لوگوں کا رونا دیکھا جاتا تھا خصوصاً معصوم بچوں کا.....! اس کی پختہ سوچ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو اتنی استطاعت ضرور دی ہے کہ وہ زیادہ نہیں تو ایک انسان کے آنسو صاف کر کے اس کے لبوں پر مسکراہٹ سجا سکے۔ وہ اپنی اس سوچ پر ہر وقت عمل پیرا رہنے کو تیار رہتی تھی۔

ابرار کی آمد کی وجہ سے وہ دو دن سنی کے پاس نہ جا سکی البتہ اس نے فون کر کے حسن لاج میں اطلاع کر دی تھی بلکہ سنی کو سو بہانوں سے بہلایا تھا۔ اس کے باوجود وہ فون پر ہی رونا شروع ہو گیا تھا۔

دوسرے ہی دن تراب نے فون کر کے سنی کی ناراضگی کی اطلاع دی تھی۔ وہ سب سے ہی ناراض تھا اور بار بار گھر سے نکل کھڑا ہوتا تھا۔ بڑی مشکل سے اب اسے کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ جتنی بار بھی حسن لاج سے فون آیا' ابرار کی موجودگی میں ہی آیا۔ اروئی کی کسی بچے سے اس قدر لگاوٹ ابرار کے ماتھے پر ناگواری کی شکن ڈال گئی تھی۔ دبے دبے لفظوں میں اس نے اروئی کو ٹوکا بھی تھا۔

''اروئی! تم اس بچے سے اپنی Attatchment کیوں بڑھا رہی ہو۔ بعد میں تمہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

اروئی نے اس وقت تو لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خیالات واضح کر کے اسے خاموش کرا

دیا تھا مگر آج پھر کومل نے اسے احساس دلایا تھا۔

''میں اسی لئے تم سے کہتی تھی کہ یہ بکھیڑے سمیٹ لو۔ بس بہت ہو گئی خدمت خلق! اب تمہاری منگنی ہونے والی ہے اور مجھے یقین ہے' ماموں جان تمہاری شادی بھی جلدی کر دیں گے۔ راحیل کو ابرار نے بتایا ہے کہ وہ تو آیا ہی اسی مقصد کیلئے ہے۔ ماموں جان کے ساتھ ہی اس کی فیملی بھی آ رہی ہے۔''

اروئی پہلے تو حیرت سے سنتی رہی پھر ناراضگی سے بولی:

''تم ابرار سے کہہ دینا' اسے اگر ان بکھیڑوں سمیت میرا ساتھ قبول ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر وہ کوئی اور گھر دیکھے۔ اور رہی ابو جی کی بات' میں انہیں خود سمجھا لوں گی۔''

وہ اپنے ان ہی تاثرات کے ساتھ اٹھ کر بیگ اٹھا کر گھر سے نکل آئی۔ ذہن میں مسلسل سنی کا رونا گونج رہا تھا۔ اس کی شکایتیں سماعت میں بار بار سنائی دے رہی تھیں۔ اسے اپنی کیفیت کا خود بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اس کا دل سنی کی طرف بار بار کیوں کھنچ رہا ہے۔ اروئی کو دیکھ کر سبھی کے چہروں پر اطمینان بکھر گیا۔ تراب نے تو بے صبری سے اظہار بھی کیا۔

''شکر ہے کہ تم آ گئیں۔ بھائی فلائٹ پر ہیں اور وہ تو اب ہم سے سنبھالا ہی نہیں جا رہا۔''

''کیوں' اب کیا ہوا؟'' اروئی نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

''بس' اب ایک نئی فرمائش ہے اس کی۔''

''کیا فرمائش ہے؟ وہ کہیں جانا چاہ رہا ہو گا تو تم لے جاتے۔''

اروئی نے سوال کرنے کے ساتھ ہی قیاس آرائی بھی کی۔ تراب زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔

''نہیں' اس بار کہیں جانے کی بات نہیں تھی بلکہ اپنے گھر میں کسی کو لانے کی بات ہے۔ بھائی آ جائیں تو شاید وہ ان سے بھی محاذ آرا ہو گا۔''

''کس کو لانے کی بات ہے؟'' اروئی نے الجھ کر پھر سوال کیا۔

تراب کے جواب سے پہلے سنی دوڑتا ہوا آ کر اس سے لپٹ گیا مگر اگلے ہی پل اس سے الگ ہوتے ہوئے خفگی سے کہنے لگا۔

''میں آپ سے بھی ناراض ہوں۔ آپ بھی وعدہ توڑ دیتی ہو۔ آپ نے کہا تھا' آپ ہر روز مجھ سے ملیں گی مگر آپ اتنے دن سے کیوں نہیں آئیں؟''

''کتنے دن؟ صرف کل ہی نہیں آئی تھی اور میں تمہیں بتا کر گئی تھی کہ مجھے ضروری کام ہے اور ناراض تو میں بھی ہوں تم سے۔ تم نے بھی وعدہ پورا نہیں کیا۔ تم نے پھر سے سب کو تنگ کیا۔ گندے بچوں کی طرح بدتمیزی کی' بزدل بچوں کی طرح روئے۔ جاؤ' میں بھی تم سے بات نہیں کروں گی۔''

اروئی نے اسی کا انداز اپنایا تو وہ ششدر سا دیکھے گیا پھر اسے خیال آیا کہ اس کی ساری شکایتیں چاچو نے لگائی ہوں گی۔ آج کل انہی سے وہ زیادہ ناراض تھا۔

''چاچو! آپ نے میری شکایت آنٹی سے لگائی ہے ناں! میں اب آپ سے کبھی بات نہیں کروں

گا۔"

اروئی نے فوراً اسے سرزنش کی۔

"پھر وہی بات! اس طرح بڑوں سے بات کرتے ہیں؟"

"تو چاچو نے آپ سے میری شکایت کیوں لگائی؟ شکایت لگانا تو بری عادت ہے ناں! آپ چاچو کو بھی ڈانٹیں ناں!" سنی نے اپنی معصومیت سے دونوں کو لاجواب کیا۔

"ٹھیک ہے' میں تمہارے چاچو کو بھی ڈانٹوں گی مگر تم پھر وعدہ کرو کہ آئندہ ایسی حرکتیں نہیں کرو گے۔"

"پرامس! سنی نے فوراً اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"اسے بس تم ہی قابو کر سکتی ہو۔" تراب نے اٹھتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

"تم کہاں چلے؟ مجھے ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس گھر جانا ہے۔"

"میں یہیں ہوں اپنے روم میں' اب اس وقت آئی ہو تو ڈنر تک تو رکو!" تراب نے سرسری لہجے میں رکنے پر زور دیا۔

"نہیں بھائی! آٹھ بجے تک مجھے واپس جانا ہے۔ حالات کچھ اچھے نہیں ہیں۔ کومل بہت غصے میں ہے۔ میں تو اسے بتا کر بھی نہیں آئی کہ یہاں ہوں۔"

"اچھا' ٹھیک ہے' اپنے تابع دار کو مطمئن کر لو پھر مجھے بلا لینا۔"

تراب کا لہجہ معنی خیز تھا مگر وہ اس پر خاص توجہ نہیں دے رہی تھی۔ مومنہ حسن اور عائنہ کے پاس چند منٹ رک کر وہ سنی کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔ آج تو وہ اس سے بالکل ہی چپکا ہوا تھا۔

"بس اب یہ لاڈ پیار ختم' اپنی بکس نکالو اور اپنا ہوم ورک دکھاؤ۔" اروئی نے اس کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔

"میں نے سب کر لیا ہے' مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔" سنی کا انداز و لہجہ یک دم اسے چونکا گیا۔

"کیا بات؟"

"آپ میری ماما بن جائیں!"

"سنی!"

اروئی بے ساختہ چیخ اٹھی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ یہ بچہ اب خاصا نارمل ہو چکا ہے۔ اسے اس کی حقیقت سمیت قبول کر چکا ہے مگر آج' ابھی اسے احساس ہوا تھا کہ یہ بچہ تو پہلے روز کی طرح تشنہ و مضطرب تھا۔ اس کے سوال میں عجیب سی محرومی چھلک رہی تھی لیکن امید و نا امیدی کی چمک بھی آنکھوں میں تھی۔

"سنی! میں نے تمہیں سمجھایا تھا ناں کہ میں صرف تمہاری آنٹی ہوں۔ میں تمہاری ماما کیسے بن سکتی ہوں؟"

اروئی نے خود پر جبر کرتے ہوئے اسے تحمل سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرے پاپا! آپ سے شادی کر لیں پھر تو آپ میری ماما بن جائیں گی ناں؟ میں پاپا سے کہوں گا' میں نے دادو سے بھی کہا ہے اور چاچو سے....."

"سنی!"

کوشش کے باوجود اروئی چیخ نہ سکی۔ تراب کی معنی خیز مسکراہٹ اور نئی فرمائش والی بات اب سمجھ میں آئی تھی۔

سنی مزید باتیں کر رہا تھا مگر وہ اسے دیکھتے ہوئے بہت دور نکل گئی۔ کومل کا چڑنا' ٹوکنا' آج اسے صحیح لگ رہا تھا اور شاید اس کے سبھی گھر والوں کا خیال بھی یہی تھا۔ آج ابھی غور کرنے پر شارب کے رویوں کی تبدیلی کا احساس بھی ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی اس نے کئی بار مختلف رنگ دیکھے تھے۔ کبھی وہ اسے اس انداز سے دیکھتا تھا کہ اس کے دل میں ایک لہر سی دوڑ جاتی تھی اور کبھی اس کی سرد نگاہیں دل کی دھڑکنیں ٹھہرانے لگتیں.....

کبھی کبھی اس کی آنکھوں میں اروئی کو اپنے لئے بدگمانی سی بھی نظر آتی تھی مگر اس وقت وہ سنی کی محبت و معصومیت میں اگلے ہی پل اپنے لمحاتی احساسات کو جھٹک دیتی تھی لیکن اب سنی کی خواہش بلکہ فرمائش نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک بچے سے ہمدردی کی بنا پر اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کیسے کر سکتی تھی۔ اس کے گھر میں تو اس بات پر ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ ابو جی تو کبھی بھی اپنی پیاری لاڈی بیٹی کو ایک شادی شدہ مرد کے حوالے نہ کرتے پھر ابرار پر تو کسی اور کو ترجیح دی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ وہ خود بھی اپنے ابو جی کے اس فیصلے سے زیادہ مطمئن نہیں تھی تو ناخوش بھی نہیں تھی۔ ابرار اچھا سلجھا ہوا انسان تھا' کوالیفائیڈ انجینئر تھا۔ اس کے گھر والوں سے بھی اپنائیت محبت رہی تھی' سو اس نے اپنی رضامندی دے دی تھی۔ سمجھ داری کا تقاضا یہی تھا کہ فی الوقت سنی کو بہلا کر یہاں سے نکلا جاتا اور پھر ایک دو دن میں سنی کو نئی حقیقت بتا کر حسن لاج کے تمام افراد کو بھی کسی خوش فہمی میں پڑنے سے پہلے اپنی ہونے والی منگنی کی اطلاع دے دی جاتی۔

"پلیز آنٹی! آپ مجھے بالکل اپنی خواب والی ماما لگتی ہیں۔ میرا بہت دل چاہتا ہے' میں آپ کو ماما کہوں! میں آپ کو ایک بار ماما کہہ لوں' صرف ایک بار!"

حسرت' محبت' امید و آس بھرا لہجہ معصوم بچے کی ذہنیت کی پختگی واضح کر رہا تھا۔ وہ یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی نہ ہی سوچ سکتی تھی کہ اسے کسی نے سکھایا ہوگا۔ کچھ بچے فطرتاً تیز ہوتے ہیں اور کچھ کو حالات و ماحول تیز کر دیتا ہے۔ سنی کو اس کی فطرت کے علاوہ حالات و ماحول نے بھی عمر سے زیادہ بڑی اور گہری باتیں کرنا سکھا دیا تھا۔ پہلے دن سے اس نے محسوس کیا تھا کہ سنی ضدی ہونے کے ساتھ صاف گو بھی ہے اس لئے اس کی ان باتوں پر وہ کوئی بھی الزام اسے نہیں دے سکتی تھی۔

"سنی! میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ ابھی میں پڑھتی ہوں! اور تم نے دیکھا ہوگا' کسی کی ماما پڑھتی تو نہیں ہیں ناں؟" اروئی نے خود کو اچھی طرح سنبھال لیا تھا۔

"جب آپ پڑھ لیں گی' پھر تو میری ماما بن جائیں گی؟"

''بس باقی باتیں کل ہوں گی۔ تم جاؤ اور اپنے چاچو سے کہو کہ آنٹی کو چھوڑ آئیں اور سنو! تم نے اپنے پاپا سے یہ والی بات نہیں کرنی ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گی۔''

اور سنی اسے ناراض دیکھ ہی نہیں سکتا تھا لہٰذا سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

اگلے تین چار دن اروئی کو سنی کو بہلانے سمجھانے میں لگے کہ وہ چند دن کیلئے اپنے ایگزامز کی وجہ سے نہیں آ سکے گی لیکن اس کے بعد وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گی۔

سنی کو منانے کیلئے بہلاوے دینے بہت ضروری تھے۔ وہ ایسا کرنا بھی نہیں چاہ رہی تھی اور کر بھی رہی تھی۔ سب کی توجہ' محبت اور التفات اب اسے حد سے بڑھے ہوئے لگے تھے۔ اسے صرف شارب کے واپس آنے کا انتظار تھا جو لندن کی فلائٹ پر تھا۔ اس کے آتے ہی اسے آگاہ کر کے وہ حسن لاج کو چھوڑنے والی تھی۔

***

وہ اپنے کمرے میں آرام کیلئے آیا ہی تھا کہ سبھی پھر اس کے پیچھے آ گئے تھے حالانکہ ابھی وہ لاؤنج میں سب کے ساتھ بیٹھ کر چند ایک باتیں کر کے اٹھ کر آیا تھا۔ اس وقت مما' تابی' عانی اور سنی کا اکٹھے آنا اسے حیرت میں ڈال رہا تھا۔

''مما! خیریت تو ہے! آج آپ سب اس طرح!'' آخر اس نے اپنی حیرت کا اظہار کر دیا۔

''ہاں' خیریت ہی ہے بیٹا! بس آج سنی کا ایک مطالبہ تم تک پہنچانے آئے ہیں۔''

مومنہ حسن نے ممتا بھری نظروں کے حصار میں بیٹے کو لیا۔ آج ان کے چہرے پر بہت سکون تھا۔

''مطالبہ؟ سنی کا۔ یہ کیا چکر ہے بھئی؟''

اس کی حیرت مزید بڑھ گئی۔ دل میں سنی کے حوالے سے اب کوئی گمان بھی نہ تھا۔

''سنی کو ماما چاہئے' نیو برانڈ!''

تراب نے جھٹ اپنے شریر لہجے میں کہا تو شارب کے ماتھے پر شکنیں پڑنے کے ساتھ لہجے میں بھی ناہمواری آ گئی۔

''تم نے اسے یہ سب پھر یاد دلا دیا ہے؟''

شارب تو اروئی کی آمد کے بعد خاصا مطمئن ہو چکا تھا کیونکہ اس نے پھر کبھی سنی کی زبان سے اپنی ماما کا ذکر نہیں سنا تھا۔ وہ تو ہر وقت اروئی کے گن گایا کرتا تھا اور آج اس کا مطالبہ سن کر وہ جیسے لرز اٹھا تھا۔ اسے یقین تھا' سنی کو اس راہ پر لگانے والا تراب ہی ہے اسی لئے وہ اسے جھڑک کر رہ گیا۔

''سنی کو ماں کی ضرورت نہیں رہی یاد وہ انہیں بھول چکا ہے' تو یہ آپ کی بھول ہے۔ اروئی کی ذات میں یہ ممتا ڈھونڈ تا رہا ہے۔ بھائی! آخر آپ کب تک اس کی ذات کی اہم محرومی سے نظریں چرائیں گے؟ سنی آخر کب تک دوسروں کی ذات میں ممتا ڈھونڈتا رہے گا؟ آپ آخر کیا سوچ رہے ہیں؟''

تراب کی سنجیدگی پر وہ اسے دیکھے گا۔ کچھ کہنے کیلئے لب کھولنا ہی چاہ رہا تھا کہ مومنہ حسن بھی تائیداً کہنے لگیں۔

''شاری! آخر تم کب تک اسی طرح زندگی گزارو گے؟ بہتر یہی ہے کہ تم مناسب وقت پر فیصلہ کر لو یہ سنی کے حق میں بھی بہتر ہے اور تمہارے بھی۔ سنی اپنی ماں کے روپ میں ابھی تو کسی کو بھی ایکسیپٹ کر سکتا ہے' بعد میں بہت مسائل پیدا ہوں گے۔''

''تو آپ سے کس نے کہہ دیا ہے کہ میں بعد میں بھی کوئی ایسا فیصلہ کرنے والا ہوں۔ آئی ایم سوری! میں یہ نہیں کر سکتا۔ سنی کیلئے بھی میں نے سوچ لیا ہے۔ سنی کو میں بورڈنگ میں بھیج رہا ہوں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ خود ہی سمجھ جائے گا۔''

شارب پہلے تو چڑ کر جھنجلائے ہوئے پھر اپنے رویے پر ندامت محسوس کرتے ہوئے قدرے سرد مہری سے اطلاع دی۔ اس کا فیصلہ سن کر تو سبھی بھونچکا رہ گئے۔ مومنہ حسن تڑپ اٹھیں۔

''کیا؟ سنی کو بورڈنگ بھیج دو گے؟ یہاں اسے کیا کمی ہے؟ تم نے یہ فیصلہ کیوں کیا؟''

ماں کی تڑپ پر وہ پھر سے ندامت میں گھرنے لگا۔ سنی سے سبھی کی محبت غیر اختیاری' فطری اور بے انتہا تھی۔ اس کیلئے ایسی بات سن کر انہیں دھچکا لگنا یقینی تھا۔

''کمی کی بات نہیں ہے مما! سنی کے بہتر مستقبل کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ بورڈنگ میں اس کی تربیت اچھی ہو گی اور ہم سب.....''

''یہاں تو واقعی اس کی تربیت اچھی نہیں ہو رہی اور بہتر مستقبل کی بھی تم نے خوب کہی۔''

مومنہ کے لہجے میں خفگی اور آ گئی۔ شارب کو سمجھانا مشکل ہو رہا تھا۔

''مما پلیز! آپ تو سمجھنے کی کوشش کریں..... یہ آئے روز کی ضد اور نئی نئی فرمائشیں' کسی طرح تو آخر اسے کنٹرول کرنا ہی ہے ناں!''

''کیا سمجھوں میں' تم نے تو میرا دل ہی ہلا دیا ہے۔ معصوم بچے کو گھر سے دور شہر سے باہر بھیجو گے۔ ارے' جس بچے کو ہم سب کی محبت پا کر بھی ماں کا ''ہڑکا'' رہتا ہے' وہ کسی بورڈنگ میں کیسے رہے گا؟ ایک محرومی تو اسے قدرت سے ملی ہے' باقی کسر تم پوری کر دو۔''

مومنہ حسن خفگی کے باوجود رونے لگیں۔ سنی فوراً دادی کی طرف لپکا۔

''پاپا! مجھے دادو کے پاس رہنا ہے۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔ پلیز پاپا! اور آنٹی کے بغیر میں بالکل نہیں رہ سکتا۔''

سنی نے روہانسا ہو کر التجا بھری نظروں سے دیکھا۔ اس بار شارب نے بہت زیادہ غور سے بیٹے کو دیکھا۔ آنٹی کے بغیر نہ رہنے کی ضد پر ذہن و دل میں کھنک سی پیدا ہوئی۔ سب کی مشترکہ آمد کا مقصد بھی اب واضح ہونے لگا۔

''شاری! اروئی اچھی ہمدرد لڑکی ہے۔ سنی کی بھی یہی خواہش ہے۔ اگر تم کہو تو ہم تمہارا پروپوزل لے کر.....''

''وہاٹ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مما؟''

اس بات کی توقع کے باوجود وہ جیسے یقین نہیں کر پایا تھا۔

''اٹس امپاسبل مما! ایسا میں نہیں کرسکتا اور یقیناً اس کے پیرنٹس بھی اس قسم کے پروپوزل کو ریجیکٹ کردیں گے اس لئے پلیز' اس بات اور سوچ کو یہیں ختم کردیں۔'' وہ قطعیت سے کہتے ہوئے بے چینی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھا۔

''یہ صرف ہماری سوچ نہیں ہے' سنی کی بھی یہی خواہش ہے اور ایک بار کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ آخر تم میں کس چیز کی کمی ہے؟ تمہارے لئے تو نہ جانے کس کس نے مجھے کہہ رکھا ہے مگر سنی تو شاید اب اروئی کے علاوہ.....''

''پلیز مما! لیوات پلیز!'' وہ اپنی کیفیت کا اندازہ نہیں کر پا رہا تھا اس لئے جھنجلا رہا تھا۔

''بھائی' اروئی کے علاوہ اگر کوئی اور آپ کی نظر میں ہے تو آپ بتادیں۔'' عائی نے بہت مان سے بات دوبارہ چھیڑی۔

''نہ مس اروئی' نہ کوئی اور! آپ سب سمجھے کیوں نہیں ہیں۔ سنی سوتیلی ماں کا وجود برداشت نہیں کرسکتا۔ ابھی چند دن یا چند ماہ تک شاید کوئی بھی اس پر اپنا خلوص' اپنی محبت اور شاید ممتا بھی لٹادے گا لیکن بعد میں کیا ہوگا' اس کے بارے میں آپ لوگ نہیں سوچ رہے نہ ہی اندازہ لگا رہے ہیں لیکن میں حقیقت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ مس اروئی اس پر جو اب ہمدردی اور محبت لٹا رہی ہیں تو صرف اپنی ڈیوٹی سمجھ کر' وہ اسی کام کیلئے یہاں آئی ہیں۔ سنی کی جگہ کوئی اور بچہ ہوتا تب بھی وہ یہی بی ہیویئر رکھتیں۔''

شارب کے لب و لہجے میں اپنے خدشات کے ساتھ ساتھ حقیقت کا رنگ بھی تھا۔ یہ خدشات تو کئی بار مومنہ حسن کو بھی ستا چکے تھے لیکن جب سے اروئی کے بارے میں سوچنے لگی تھیں' ان کے دل سے سارے خدشے نکل گئے تھے۔ انہیں اکثر محسوس ہوتا تھا کہ اروئی ان کے پوتے اور بیٹے کی زندگی سنوارنے کی اہلیت رکھتی ہے۔

''اس طرح وہموں اور خدشوں میں گھر کر تو زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔ کسی ایک پر تو بھروسا کرنا پڑتا ہے۔''

''بس مما! میرا دل نہیں مانتا۔''

''تمہارا دل اب تک ایمن کی محبت سے بندھا ہے۔ شاری! اس کی محبت اپنے دل میں ضرور رکھو' لیکن اپنی زندگی کو اس طرح تنہائیوں کے حوالے مت کرو۔ ابھی وقت تمہاری مٹھی میں ہے۔ یہ نہ ہو وقت گزر جانے کے بعد تمہیں اپنے خالی پن کا احساس ہو اور پھر اپنی ذات کے خلاء کو پر کرنے کیلئے تمہارے پاس کوئی رشتہ' کوئی یاد بھی نہ رہے۔''

مومنہ حسن کا لہجہ بہت بہت دلگیر اور نم ہوگیا تھا۔ اس نے مما کو شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک بات سوچی اور پھر فوراً کہہ دی۔

''آپ کو اروئی بہت زیادہ ہی پسند آگئی ہیں تو ہم تراب کیلئے انہیں پروپوز کردیتے ہیں۔ میرا خیال ہے' یہ زیادہ مناسب رہے گا۔ اس طرح سنی بھی اپنے کمپلیکس سے نکل آئے گا۔''

اس کی بات سن کر تو تینوں ہی حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ شارب سے ایسی بات

کی توقع کب تھی۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ وہ تابی کو بھائی کہتی ہے اور تابی نے بھی ہمیشہ اسے تمہارے حوالے سے دیکھا ہے۔'' مومنہ حسن نے فوراً اس کی سوچ کی تصحیح کی۔

''ان کے بھائی کہہ دینے سے یہ بھائی بن تو نہیں گیا؟ اور تمہیں ضرورت کیا تھی اسے میرے حوالے سے دیکھنے کی؟ سنی کی سوچیں بدلنے میں بھی تمہارا ہی ہاتھ ہے۔ تمہیں احساس ہے کچھ اروئی تک یہ سب باتیں اگر پہنچ گئیں تو وہ تمہارے اور ہم سب کے بارے میں کیا سوچے گی؟''

غصہ و درشتگی ایک ساتھ اس کے لہجے میں عود کر آئی اور اس نے تراب کو جس بری طرح جھڑکا تھا' اس سے تراب کو اپنی توہین سی محسوس ہوئی تھی۔ تراب کا ضبط سے لال چہرہ دیکھ کر مومنہ حسن نے مزید کسی کشیدگی سے بچنے کیلئے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔ وہ دونوں بھائیوں کے درمیان لحاظ کی چادر کو ہٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں اس لئے تراب کو مخاطب کرکے باہر جانے کیلئے قدم اٹھائے۔

''تابی! آجاؤ چلیں' یہ اپنا اور اپنی اولاد کا اچھا برا خود سوچ سکتا ہے تو ہمیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

تابی منہ کھولتا کھولتا لب بھینچ کر رہ گیا۔

''چاچو! چاچو! کیا پاپا آنٹی سے شادی نہیں کریں گے۔ وہ میری ماما نہیں بنیں گی؟''

شارب نے چونک کر بیٹے کے مایوس و مرجھائے لہجے پر دیکھا۔ اس کے چہرے پر اس وقت عجیب سی یاسیت و رنجیدگی لرزاں تھی۔

''تم سن تو رہے ہو کہ نہیں کریں گے وہ شاید' مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔''

تراب اس وقت غصے میں تھا اس لئے سنی کا ہاتھ جھٹک کر مومنہ حسن اور عائنہ کے پیچھے نکل گیا۔ شارب کو بیٹے کے ساتھ تراب کا رویہ اچھا نہیں لگا۔ دل میں عجیب سا درد جاگا تھا۔

''پاپا! آپ کیا آنٹی سے شادی کرکے میری ماما نہیں بنائیں گے انہیں؟''

سنی کی پکار نے اس کا درد مزید بڑھا دیا۔ وہ اروئی کی سنی سے محبت و چاہت سے منکر نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اروئی نے ہی اس کے بیٹے کو محرومیوں کے بھنور سے نکالا تھا۔ اب اگر وہ اسے اپنی زندگی میں باضابطہ طور پر لے آتا ہے تو سنی کی باقی ماندہ کشمکش بھی مٹ سکتی تھی، جسے وہ صرف اروئی پر ہی عیاں کرتا تھا لیکن اسے تراب اور اروئی کے حوالے سے کچھ بدگمانی سی تھی۔ دونوں کی بے تکلفی' ہنسی مذاق' آپسی چھیڑ چھاڑ اسے کوئی اور کہانی سناتے تھے۔ ابھی ماں کی وضاحت کے باوجود اس کا ذہن نہیں مان رہا تھا۔ اسی بات پر وہ خود سے بھی الجھ رہا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ نہ وہ اروئی کو اپنانے پر تیار تھا اور نہ ہی اسے چھوڑنے کی ہمت پڑ رہی تھی۔ سنی کے لبوں سے اس کیلئے ''ماما!'' سن کر دل میں کتنی لہریں اٹھتی تھیں' جذبات میں نئی ترنگ آتی تھی لیکن وہ اسے اپنانے کی ہمت کیوں نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے دل میں ایمن کی محبت بھی اول روز کی طرح تھی۔ اس کی یادوں سے اس کی ذات کے جنگل میں منگل رہتا تھا شاید اسی لئے وہ اروئی کی طرف بڑھنے سے خوفزدہ تھا کہ ایمن کی محبت بھری یادوں کے سفر میں اروئی جیسی ہم سفر کو

رکھنا خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ اسے لگتا تھا' وہ ایمن کی محبت بھری یادوں کے سفر میں ہم سفر بنائی جانے والی ہستی سے انصاف نہیں کر سکے گا اور بیٹے کی خواہش بن جانے والی ہستی سے وہ ناانصافی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شارب اپنی پریشان سوچوں میں غلطاں تھا اور سنی بار بار ایک ہی سوال کر رہا تھا۔

''پاپا! پاپا! بتائیں ناں! آپ آنٹی کو میری ماما نہیں بنائیں گے؟''

سنی کے جھنجوڑنے پر وہ چونکا۔

''سنی! وہ تمہاری ماما نہیں بن سکتیں۔ وہ تمہاری ٹیچر ہیں۔''

''آپ ان سے شادی کر لیں گے تو وہ میری ماما بن جائیں گی۔''

سنی نے جیسے سمجھانے کی کوشش کی۔ اس کے انداز پر شارب پھر سوچ میں پڑ گیا۔ یہ بات اس کے ذہن میں نہ جانے کس نے بٹھائی تھی۔ اسے کبیدگی محسوس ہونے لگی۔ سنی پھر استفسار کر رہا تھا۔

''سنی! اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔ تم تو کہتے ہو' تم اچھے بچے بن گئے ہو۔'' شارب نے بیٹے کو بہلانے کی کوشش کی۔

''وہ تو میں ہوں پاپا! آپ بس آنٹی کو میری ماما بنا دیں پھر میں اور اچھا بچہ بن جاؤں گا۔ پتا ہے' پاپا! آنٹی کی ماما بھی نہیں ہیں۔ وہ ہمارے گھر رہنے آ جائیں گی تو پھر دادو ان کی ماما بن جائیں گی۔ کتنا مزا آئے گا ناں!'' باپ کی ذرا سی نرمی پر وہ پھر سے پرجوش ہو گیا۔

''اچھا ٹھیک ہے' تم سو جاؤ۔ صبح سکول جانا ہے یا نہیں؟''

''صبح آف ہے پاپا!''

''پھر بھی اب تم سو جاؤ۔ کل ہم دونوں خوب گھومیں گے' سیر کریں گے۔'' شارب نے اسے اپنے پہلو میں پکڑ کر لٹایا۔

''پاپا! کل ہم آنٹی کو بھی لے چلیں گے اور پھر میں انہیں بتاؤں گا کہ جلدی سے اپنے پیپر ختم کریں پھر انہیں میری ماما بننا ہے۔''

''سنی! وہ تمہاری ماما نہیں بن سکتیں۔ انڈر اسٹینڈ!'' شارب یک دم ہی برہم ہو گیا۔

''کیوں نہیں بن سکتیں؟ وہ میری ماما ہیں۔ وہ مجھے بہت پیار کرتی ہیں۔''

''جلدی سے سو جاؤ ورنہ.....'' شارب نے باوجود ضبط کے اسے ہاتھ دکھایا۔

''آپ کی اپنی تو ماما ہیں' میری ماما لا کر دیں۔ مجھے نہیں پتا' مجھے آنٹی ماما چاہئے۔ وہی میری ماما ہیں۔''

سنی کے ضدی اور بدتمیز لب و لہجے پر شارب برافروختہ ہو گیا اور اپنے اندر کی کھولن بیٹے کے گال پر منتقل کر دی۔ سنی پہلے تو گال پر ہاتھ رکھے باپ کو گھورتا رہا اور پھر زور و شور سے رونا شروع کر دیا۔

''آپ بہت برے ہیں' گندے ہیں۔ بچوں کو مارتے ہیں۔ میں ماما سے کہوں گا۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔ میں چلا جاؤں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ میں ماما کے پاس جا رہا ہوں۔ ماما! ماما!''

وہ اتر کر دروازے کی طرف لپکا۔ شارب کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ سنی اس کے تھپڑ کے جواب میں ایسا

ردعمل دکھائے گا۔ اسے یک دم ہی سنی کی ذہنی ابتری کا احساس و اندازہ ہوا تھا۔ وہ غصے اور ضد میں گھر سے نکل سکتا تھا۔ اس نے فوراً اس کی طرف چھلانگ لگا کر دروازہ لاک کیا اور پھر چٹخنی چڑھائی۔

''مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔ دروازہ کھولو' مجھے جانا ہے۔''

وہ ہچکیوں کے ساتھ دل فگار انداز میں کہہ رہا تھا۔ شارب کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ مومنہ حسن بھی باہر کھڑی پکار رہی تھیں لیکن شارب اس وقت دروازہ نہیں کھولنا چاہتا تھا البتہ اس نے بڑھ کر سنی کو اپنے بازوؤں میں سمیٹا اور سینے سے بھینچ کر لگایا۔

''پاپا سے بدتمیزی کرو گے تو پاپا تو ماریں گے ناں! میں تمہاری آنٹی سے شکایت کروں گا کہ تم ضد کرتے ہو اور بدتمیزی بھی!''

''مجھے ماما چاہئے۔ بس مجھے آنٹی ماما چاہئے۔'' سنی کی سوئی اسی بات پر اٹک گئی تھی۔

''آ جائیں گی۔ آ جائیں گی' ماما بھی آ جائیں گی۔ پہلے رونا تو بند کرو۔''

شارب نے اسے اپنے سامنے بیڈ پر بٹھایا اور اپنے بکھرے بیٹے کو دیکھا۔ آج ہی مومنہ حسن نے اسے بتایا تھا کہ وہ دو بار گھر سے اکیلا جانے کی کوشش کر چکا ہے۔ اس وقت اسے یقین نہیں آ رہا تھا مگر اب وہ پر یقین تھا کہ سنی جیسا بچہ ایسا کر سکتا ہے۔ ماں کی ممتا کا جنون اس پر حاوی رہنے لگا تھا۔ ماں کی کشش اسے اس قدر بے بس کر دیتی تھی' اسے آج اندازہ ہو رہا تھا۔

''آنٹی ماما آئیں گی ناں؟'' سنی نے اپنی آستین سے چہرہ صاف کرتے ہوئے ہچکی روک کر پوچھا۔

''ہاں! ہاں! وہی آئیں گی۔ اب تو رونا بند کرو۔''

''سچ! رئیلی پاپا!'' یک دم ہی سنی کے چہرے کے بھیگے نقوش مسکرا اٹھے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی انوکھی سی چمک تھی۔ ''آپ پرامس کریں' آپ ماما آنٹی لائیں گے۔''

سنی نے اپنا ہاتھ باپ کی طرف بڑھایا تو وہ اس کا ننھا سا ہاتھ تھام کر مسکرا کر رہ گیا تھا۔ جو فیصلہ اس کیلئے مشکل تھا' وہ بیٹے نے کروا کر دم لیا تھا۔

''آپ اگر پرامس پورا نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سزا دیں گے پھر میں بھی چلا جاؤں گا۔''

''اپنے پاپا کو چھوڑ کر جاؤ گے؟''

شارب نے بے اختیار اس کے ہاتھ کو چوما۔ آج وہ اسے بالکل ایمن کی طرح لگ رہا تھا۔ ضدی اور خودسر' وہ بھی تو اس کی خاطر اپنے والدین سے لڑی تھی۔ آخر جیت کر دم لیا تھا۔ ایمن کی شادی کرنے کے بعد بھی وہ لوگ ایمن سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھے اسی لئے تو ایمن کی آخری نشانی سے بھی انہیں خاص لگاؤ نہیں تھا۔ وہ ایمن کے مرنے کے بعد شہر ہی چھوڑ گئے تھے۔

''پاپا! آپ کا پکا والا پرامس ہے ناں؟''

سنی ابھی بھی بے یقینی کا شکار تھا۔ شارب نے چونک کر پھر سے اسے گلے لگایا۔

"ہاں' میری جان! پکا والا پرامس ہے۔ بس اب آؤ سو جاؤ!"

"پاپا! آپ کو پتا ہے؟" سنی یک دم ہی ساری کدورت بھلائے پھر سے بہلاووں کے جھولے پر جھول رہا تھا۔

"نہیں' مجھے نہیں پتا۔"

شارب کو آج اس پر بہت پیار آ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر محبت بھری مہر ثبت کرکے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"پاپا! پاپا! میری ماما بہت اچھی ہیں۔ آپ کی مما سے بھی اچھی ہیں۔ زونی کی ممی سے بھی کیوٹ ہیں' وہ مجھے بہت پیار کرتی ہیں۔ ڈانٹتی بھی نہیں۔ آپ کو بھی کچھ نہیں کہیں گی۔ آپ کو بھی پیار کریں گی۔ پاپا! آپ بھی مت ڈانٹنا انہیں۔ پھر وہ آپ کیلئے بہت ساری چیزیں بھی لائیں گی۔" سنی کی معصومیت پر شارب بے ساختہ قہقہہ لگا اٹھا۔

"ساری شرطیں آج ہی منواؤ گے' سچ سچ بتاؤ' یہ باتیں تمہیں کس نے سکھائی ہیں؟" تصور میں چھم سے اروی آئی تھی۔

"کسی نے بھی نہیں' ماما کہتی ہیں......"

"اونہہ......! ہوں......! ابھی ماما نہیں کہو' جب وہ گھر میں آ جائیں گی' پھر کہنا۔" شارب نے پیار سے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"میں کسی کے سامنے نہیں کہوں گا' صرف آپ کے سامنے کہوں گا۔ پاپا! جب وہ یہاں ہمیشہ کیلئے آ جائیں گی پھر تو میں سب کے سامنے کہوں گا ماما......!"

"بس...... چلو آؤ' آج یہیں سو جاؤ۔"

شارب نے اس کا سر اپنے بازو پر ٹکایا۔ پھر سنی تو جلد ہی معصوم نیند کی بانہوں میں چلا گیا جبکہ وہ رات کے آخری پہر تک جاگتا رہا۔ بیٹے سے وعدہ تو کرلیا تھا مگر گزرتی رات کے ہر پل نے اس کے فیصلے کو غیر دانشمندانہ قرار دیا تھا۔ صرف سنی کی خواہش و محبت پر اروی یا اس کے گھر والے اتنا اہم فیصلہ نہیں کرسکتے تھے۔ وہ لاکھ دولت و ثروت مند سہی' مردانہ وجاہتوں کا پیکر سہی' ایک بچے کا باپ بھی تھا...... اروی ایک شادی شدہ مرد سے شادی کیلئے کسی طرح تیار ہو بھی جاتی ہے تو اس کے گھر والوں کی کیا گارنٹی تھی کہ وہ بھی اپنی کنواری بیٹی کی زندگی کا اہم فیصلہ بے سوچے سمجھے اس کے حق میں دے دیں گے؟ بہت سے خوف و وہم بن کر اس کے ذہن و دل کو لرزانے لگے تھے۔ رشتوں کے پیچ و خم اس کی راہ روک رہے تھے۔ اسے اپنا بھرم بھی عزیز تھا اور بیٹے کی خوشی بھی مقدم تھی۔

رات کے آخری پہر اس نے اپنے وہموں اور وسوسوں پر قدغن لگا کر یہ سوچا تھا کہ وہ پہلے کسی طرح اروی سے مل کر اس کے خیالات جاننے کی کوشش کرے گا اور پھر کوئی حتمی قدم اٹھائے گا لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔

اگلے روز ہی اس کے وہم و گمان نے حقیقت کا روپ دھار لیا تھا۔ شام سے رات تک وہ سنی کو اس

کی پسندیدہ جگہوں پر لیے پھرا تھا اور پھر آخر میں وہ ایئرپورٹ پر اپنی اگلی پروازوں کا شیڈول نوٹ کرنے آیا تھا۔ سنی کی خوشی چھلکی پڑ رہی تھی۔ واپسی پر پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے وہ یک دم ہی چیخ اٹھا تھا۔

"پاپا! وہ دیکھیں ماما......!"

اس نے کہنے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف دوڑ بھی لگا دی تھی۔ شارب نے دیکھا' اروی کچھ دور کسی فیملی کے ساتھ کھڑی ہے۔ شارب نے سنی کو پکار کر روکنا چاہا تھا مگر وہ اس تک چلاتا ہوا پہنچ گیا تھا۔

"ماما! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" اس کے انداز تخاطب پر صبیح خان ہی نہیں ابرار کی ممی' ڈیڈی اور بہنیں تک حیرت و بے یقینی سے دیکھنے لگیں۔

"آپ کو پتا ہے' میں نے پاپا کو منا لیا ہے۔ وہ آپ کو میری ماما بنا دیں گے۔ وہ آپ سے شادی کرلیں گے۔"

سنی اپنی معصومیت' اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اس سے بانٹ رہا تھا۔ اروی کا تو پہلی بار ہی ماما سن کر برا حال تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنی پوزیشن کلیئر کرے۔ ابھی سب کس قدر خوشی سے ملے تھے لیکن چند منٹوں میں ہی سب کے چہرے تناؤ کا شکار تھے۔ ابرار کسٹم وغیرہ کے جھمیلوں میں تھا ورنہ شاید وہ ہی بات کو سنبھالنے کی کوشش کرتا۔ سنی مسلسل نہ جانے کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ اروی نے ہمت کرکے ابو جی کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر سرد و سپاٹ تاثرات تھے۔

"ابو جی......! یہ بچہ......! اکیڈمی میں اسے پڑھاتی ہوں۔ ابرار جانتا ہے اس...... کے بارے میں......"

پہلی بار اروی کو اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت پڑی تھی اور پہلی بار ہی اس کا لہجہ اس طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ ابرار اور شارب اکٹھے ہی قریب آئے تھے۔ اس کی صفائی کے باوجود ابرار کی ممی اور بہنوں کے چہروں کا تناؤ ڈھیلا نہیں پڑا تھا۔

"ابو جی! یہ سنی کے پاپا ہیں شارب حسین! پائلٹ ہیں۔ شارب صاحب! یہ میرے ابو جی ہیں اور باقی یہ سب میرے ان لاز (In laws) ہیں۔ ابرار سے میری شادی ہونے والی ہے۔"

نہ جانے کیوں کہتے کہتے نمکین پانی اس کے حلق سے نیچے اترا۔ شرمندگی و خجالت سے بات کرنا اس کیلئے دوبھر ہو گیا تھا۔ ابو جی کی شاکی اور باقی سب کی شکی نظروں نے ایک پل میں اس کا اعتماد چھین لیا تھا۔

شارب حسن بھی ساری باتیں سن کر گم صم ہو گیا تھا۔ وہ رسمی کلمات بھی نہ کہہ سکا۔ اس نے اروی کی آنکھوں سے اندر اترنے والے نمکین پانی کو بھی دیکھ لیا تھا اور اس کی بے بسی کو محسوس بھی کرلیا تھا۔

"آئی ایم سوری!" کہہ کر سنی کو زبردستی کھینچتا ہوا لے گیا تھا۔

اروی بھی بوجھل احساسات کے ساتھ واپس آئی تھی۔ ابرار وغیرہ اپنے گھر چلے گئے تھے اور وہ ابو کے ساتھ کومل کے گھر آ گئی تھی۔ اروی کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر کومل کو تشویش ہوئی۔

"کیا بات ہے ماموں جان خیر...... ہے تو ہے ناں؟"

''روحیل کہاں ہے؟''

بیٹھتے کے ساتھ ہی انہوں نے مزید سنجیدگی سے استفسار کیا۔ کومل کو مزید تشویش ہوئی۔ روحیل کے بارے میں تو وہ پہلے ہی فون پر انہیں بتا چکی تھی۔ اس کی اپنی حالت ایئرپورٹ جانے والی نہیں تھی اس لئے اروئی انہیں لینے اکیلی گئی تھی۔

''میں نے بتایا تو تھا ماموں جان کہ روحیل کو کمپنی کی طرف سے ایک ہفتے کیلئے شہر سے باہر جانا پڑ گیا تھا۔ وہ معذرت کر رہے تھے۔ پرسوں تک آ جائیں گے انشاء اللہ! بات کیا ہوئی ماموں جان؟ اروئی تم ہی کچھ بتاؤ ناں؟''

''مجھے تم دونوں سے اس غیر ذمے داری کی توقع نہیں تھی۔ یہ یہاں کیا کرتی پھر رہی ہے اور مجھے کچھ خبر ہی نہیں۔''

آخر ان کا ضبط جواب دے گیا۔ انہیں رہ رہ کر ابرار کی ممی کی نظریں ستا رہی تھیں۔ ابرار اور اروئی کے رشتے کو وہ مکمل طور پر طے کر کے ہی آئے تھے۔ یہاں تو بس رسمی کارروائی ہونا باقی تھی۔ ابرار کے علاوہ اس رشتے میں صرف ان کے دوست سکندر کی مکمل رضامندی تھی ورنہ ان کی بیگم تو بیٹے اور شوہر سے مجبور ہو کر دنیاداری نبھا رہی تھیں۔ زیادہ خوش تو وہ ویسے بھی نہیں تھیں۔ اب انہیں یہی فکر ستا رہی تھی کہ ایئرپورٹ پر ہونے والے مظاہرے کو نہ جانے وہ کیا رنگ دیں گی۔

''ابو جی! میں نے کوئی غلط کام کبھی نہیں کیا اور نہ ہی آپ کے اعتماد سے کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کو میری نیچر کا علم تو ہے۔''

اروئی اپنی صفائی دینے کیلئے ان کے سامنے آ بیٹھی۔ اب کومل کو بھی کچھ کچھ معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا۔

''اچھا' اور یہ تم نے کیا کیا ہے؟ ایک بچہ دوڑتا ہوا آ کر تم سے لپٹ جاتا ہے اور ''ماما! ماما!'' پکارتا ہے۔ اس کے بعد بھی تم کہتی ہو کہ تم نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا؟''

''ابو جی! وہ بچہ نارمل نہیں ہے۔ اس بچے کی سائیکی ہی عجیب ہے۔ آپ اس کے بارے میں ساری بات سنیں گے تو شاید آپ کو بھی اس سے ہمدردی ہو جائے گی۔''

''میں بلاوجہ کسی کی ہمدردیوں میں مبتلا نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی مجھے ہمدردی کے بدلے میں شرمندگی خریدنے کا شوق ہے۔''

انہیں خود اپنی کیفیت سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اروئی کی آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے آنسو آخر بہہ ہی نکلے۔

''اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو.....''

وہ روتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جا گھسی۔ ابو جی کے رویے نے اسے بہت تکلیف دی تھی۔ وہ تو پہلے ہی آنٹی صوفیہ کی نظروں سے دکھی ہو رہی تھی۔ رہی سہی کسر اب ابو جی نے پوری کر دی تھی۔ بیٹی کے آنسو پل بھر میں سارا غصہ ٹھنڈا کر گئے۔ کومل نے مختصراً انہیں سنی کوٹریٹ کرنے کے حوالے

سے بتایا پھر وہ اٹھ کر بیٹی کو منانے چل دیئے۔ بہرحال اس کی ناراضگی تو وہ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

***

''کیا کہہ رہے ہو؟ سنی یہاں کیسے آ سکتا ہے؟''

اروئی کے چیختے ہوئے پریشان لہجے پر دروازے سے نکلتے بھیج پلٹ کر واپس آ گئے۔ وہ اور اروئی' سکندر حیات کے گھر جا رہے تھے۔ صوفیہ سکندر آتے ہی بیمار پڑ گئی تھیں' سو ان کی مزاج پرسی کیلئے جانا ضروری تھا۔

''وہ صبح سے گھر سے غائب ہے اور تم مجھے اب فون کر رہے ہو؟ شارب حسن کہاں ہیں؟ جب انہیں ہی اپنے بیٹے کی ضرورت نہیں ہے تو ہم کون ہوتے ہیں پریشان ہونے والے! اچھا پلیز' تم تو بچے نہ بنو۔ مل جائے گا' مل جائے گا' انشاء اللہ! زوئی وغیرہ کے گھر دیکھا؟''

اروئی کے دل میں یک دم ہی نئے احساسات جاگے تھے۔ سنی صبح سکول کے وقت سے غائب تھا۔ سکول ٹائم گزرنے کے بعد جب وہ گھر نہیں پہنچا تو سبھی کو تشویش ہوئی۔ مومنہ حسن پہلے ہی سخت ڈپریسڈ تھیں۔ تراب نے سب جگہ ڈھونڈنے کے بعد اروئی کو فون کیا تھا۔

''تم دوبارہ سکول جا کر دیکھو' میں آتی ہوں۔ اوکے! اوکے! آ رہی ہوں۔''

وہ جیسے ہی ریسیور رکھ کر پلٹی' ابو جی کو دیکھ کر قدرے ٹھٹک گئی پھر فوراً ہی معذرت کرنے لگی۔

''سوری ابو جی! میں انکل سکندر کی طرف ابھی نہ جا سکوں گی۔ وہ سنی صبح سے گھر سے غائب ہے۔ پتا نہیں' کہاں چلا گیا ہے؟ وہ خود سے تو کہیں جا نہیں سکتا۔ اسے تو ابھی ٹھیک طرح راستے بھی نہیں معلوم۔''

اروئی کے لہجے میں فکر و پریشانی کے ساتھ ایک اور احساس بھی تھا جس نے انہیں چونکا دیا۔

''تو کیا تم اس بچے کو ڈھونڈنے نکلو گی؟ جن کا بچہ ہے' وہ خود ڈھونڈ لیں گے۔''

''ابو جی! وہ میری وجہ سے گھر سے غائب ہوا ہے۔ میں نے صبح اسے فون کر کے کہہ دیا تھا کہ میری شادی ہو رہی ہے' اس لئے میں اب تمہارے گھر نہیں آؤں گی۔ شاید وہ یہ بات برداشت نہیں کر پایا۔ یقیناً وہ مجھ تک آنے کیلئے گھر سے غائب ہوا ہے۔ اللہ کرے کہ صحیح سلامت مل جائے ورنہ میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی!'' اروئی کا لہجہ ندامت سے قدرے بھیگ گیا۔

''اروئی! میں دیکھ رہا ہوں' تم اس بچے سے کچھ زیادہ ہی لگاؤ رکھتی ہو! کسی کیلئے اس طرح کی جذباتیت تمہاری آئندہ زندگی کو نہ صرف مشکل بنا دے گی بلکہ شاید تمہیں بھی بعد میں اپنے جنون پر شرمندگی ہو!''

انہوں نے بیٹی کو ناصحانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تھی جس پر وہ انہیں تعجب سے دیکھنے لگی۔

''ابو جی! یہ تو کوئی جنون ہے نہ جذباتیت! میں تو بس انسانی ہمدردی کے تحت ایک معصوم بچے کو ذہنی اذیت سے بچانے کی کوشش کر رہی ہوں بلکہ کر رہی تھی لیکن.....'' وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئی۔

''ہاں' ہاں' بولو کہ میرے خود ساختہ فیصلے سے تم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکی ہو۔''

''یہ آپ کا کیا کہہ رہے ہیں ابو جی؟ میں ایسا کچھ نہیں کہنا چاہتی' مجھے آپ کے فیصلے سے کوئی

اختلاف ہے نہ انحراف! ابو جی! میں ساری حقیقت آپ کو بتا چکی ہوں۔"

اروی کا انداز بے بسی لئے ہوئے تھا۔ ابو جی اس بار نہ جانے کیوں بات بات پر اس سے خفا ہونے کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے۔ انہیں بھی جیسے اپنے رویے کا احساس ہوا تو قدرے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

"دیکھو بیٹا! شادی کے حوالے سے بننے والے نئے رشتوں کو بنانے اور نبھانے کیلئے صرف لڑکی کو کمپروومائز کرنا پڑتا ہے۔ تم بھی اپنے تمام مشاغل ترک کر کے نئے رشتوں کو نبھانے کی کوشش کرو بیٹا! تمہاری ماں نہیں ہے لیکن تمہاری تربیت میں' میں نے کوئی کمی نہیں کی اس لئے میں نہیں چاہتا کہ نئی زندگی کے شروع میں ہی تمہیں تمہاری تربیت کے حوالے سے کچھ سننا پڑے۔ وہ بچہ تمہاری ذمے داری نہیں ہے' نہ ہی اس سے کوئی رشتہ ہے۔ پہلے ہی تم نے حد سے بڑھ کر اپنی ذات کو دوسروں کے مسئلوں میں الجھایا ہوا ہے' اب مزید نہیں۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ ابرار بھی تمہاری اس قسم کی ایکٹی وٹیز پسند نہیں کرتا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے اپنی ذات کی خوشی کا حق حاصل نہیں ہے۔ شادی کے بعد میں بالکل بے وقعت و بے حیثیت ہو جاؤں گی۔ مجھے یہ سوچ سوچ کر جینا پڑے گا کہ کس کو کیا پسند ہے اور کیا نہیں۔"

اس کے استفسار میں گہرے دکھ کی آمیزش تھی۔ اس وقت تو ویسے بھی اس کا ذہن صرف سنی میں اٹکا ہوا تھا حالانکہ ان باتوں کو تو وہ بھی اچھی طرح سمجھتی اور جانتی تھی کہ شادی کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی لڑکیوں کو بہت سے معاملات میں خود کو مارنا پڑتا ہے۔

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا! بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ تمہیں خود بہ خود بہت سی باتوں کا شعور آجائے گا۔ آجاؤ' میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

انہوں نے اروی کے دل سے اپنی باتوں کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اروی اپنی فطری صاف گوئی کا مظاہرہ کر کے اس رشتے سے انکار ہی نہ کر دے جو کہ انہیں منظور نہ تھا۔ وہ فوراً خوش ہو کر ان کے پیچھے لپکی۔

حسن لاج پہنچتے ہی ایک اندوہناک خبر انہیں ملی۔ سب ہی قریبی ہسپتال میں تھے۔ سنی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اروی تو سنتے ہی بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ سنی کیلئے اس کے جذبات پہلے ہی گداز تھے' اب تو مزید گہرے ہو گئے تھے۔ اسی نے سنی کو بہلاووں کے جھوٹے جھلاتے ہوئے اونچائی سے دھکا دیا تھا کہ وہ سنبھل ہی نہیں سکا تھا۔

"ابو جی! یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ میں کسی کا سامنا نہیں کر سکتی۔ واپس گھر چلیں' پلیز ابو جی!"

اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے' کیا نہ کرے! سنی کو دیکھنے کی تڑپ بھی تھی اور اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ بھی نہ تھا۔

ابو جی بھی اس کی حالت سمجھ رہے تھے سو گھر کے بجائے وہ ہسپتال چلے آئے تھے اور پھر اسے سمجھاتے ہوئے ہسپتال کی عمارت میں لے کر گئے تھے۔ مومنہ حسن اور تراب انہیں احاطے میں ہی مل گئے تھے جن سے اروی کو سنی کی مخدوش حالت کا علم ہوا تھا۔ کسی بے پروا گاڑی سے ٹکرانے کی وجہ سے اس

کے بازو اور ٹانگ کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ جسم پر خراشیں بھی آئی تھیں اور سر پر بھی چوٹ لگی تھی۔ فی الحال تو اسے ٹریٹمنٹ دی جا چکی تھی۔ بے ہوشی میں بھی وہ "ماما! ماما!" پکار رہا تھا۔

اروی اسے پلستر اور پٹیوں میں جکڑا دیکھ کر پھر سے آبدیدہ ہو گئی۔ صبیح خان بھی معصوم بچے کو اس حال میں دیکھ کر دکھی ہو گئے تھے۔ شارب حسن کو رات تک آنا تھا۔ مومنہ حسن کی حالت اس وجہ سے زیادہ خراب ہو رہی تھی کہ بیٹا آ کر اپنے بیٹے کی اس حالت کا الزام ان پر دھرے گا تو وہ کیا جواب دیں گی؟

سنی کو رات تک ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹرز نے تسلیاں تو بہت دی تھیں کہ وہ جلدی امپرو کرے گا۔

اروی کو نہ چاہتے ہوئے بھی ابو جی کے ساتھ واپس جانا پڑا تھا بلکہ آنٹی صوفیہ کی مزاج پرسی کیلئے ناچار وہ سکندر ہاؤس گئی تھی۔ یہ اور بات' سارا وقت وہ عجیب سے بے چارگی اور دکھ کا شکار رہی اور پھر ابرار کے پوچھنے پر اس نے وجہ بتا بھی دی تھی۔

"اروی! اس قسم کے حادثے اور سانحے تو رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ اگر انسان ہر کسی کیلئے آنسو بہانے بیٹھ جائے تو پھر اس کی زندگی سے خوشی تو ختم ہی ہو جائے گی ناں!"

"لیکن کسی کے آنسوؤں پر قہقہے لگانا بھی انسانیت تو نہیں ہے؟" اروی ایک دم چڑ کر بولی۔

صبیح خان اور سکندر حیات اکٹھے بیٹھے تھے۔ ابرار کی دونوں بہنیں اس وقت ماں کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں۔ اروی ویسے بھی اس وقت زیادہ باتیں کرنے کے موڈ میں نہیں تھی اسی لئے مجبوراً باپ کے فارغ ہونے تک ٹی وی کے آگے آ بیٹھی تھی اور ابرار اسے کمپنی دینے کی خاطر موجود تھا۔

"یہاں قہقہے کون لگا رہا ہے؟ میں تو بس تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تمہاری فیلنگز میں سمجھ سکتا ہوں' باقی سب نہیں۔ تم جب سے آئی ہو' تمہارے چہرے پر صرف اداسی رقم ہے۔ خود میں بھی تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کو ترس گیا ہوں۔"

ابرار نے اسے سمجھاتے سمجھاتے اپنے دل کی بات کہی جس پر اروی اسے دیکھنے لگی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید اسے ابرار کیلئے اپنے احساسات و جذبات میں نیا پن محسوس ہوتا مگر اس وقت اس پر اپنے ابو جی کی باتیں اور سنی کی ذات کا دکھ حاوی تھا۔

"ان حالات میں تم میرے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھ سکتے۔ آئی ایم سوری! میں ایک بچے کا مخدوش جسم دیکھ کر رو رہی ہوں! پٹیوں اور پلاسٹر میں جکڑے ہوئے ننھے ننھے بازو اور ٹانگیں! تم تصور کر سکتے ہو' وہ بچہ کس قدر اذیت میں ہوگا! اور کس کی وجہ سے' صرف میری وجہ سے۔ میں اگر صبح اسے نہ بتاتی تو وہ اس طرح......"

اروی ضبط سے لب کاٹ کر رہ گئی۔ آنکھیں جھپک کر آنکھوں کی نمی کو اندر اتارا۔ ابرار گہری سانس کھینچتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

"اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟ تم اسے کبھی تو بتاتیں' تب بھی ایسا ہی ہونا تھا! بہر حال ممی یا فارحہ وغیرہ کے سامنے سنی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرنا۔ ممی پہلے ہی ایئرپورٹ کے اس "مظاہرے" کو ناپسند کر چکی ہیں۔ بات بھی ٹھیک ہے! شادی کے بعد بھی دوبارہ اس قسم کی سچویشنز فیس کرنا پڑیں تو سبھی کو

شرمندگی ہوگی۔ خصوصاً اس وقت جب ہمارے خاندان کے لوگ بھی ہوں گے تو پلیز' اب ذرا کیئر فل ہو جاؤ بلکہ میرا تو مشورہ ہے کہ سنی سے جان چھڑانے کا یہ بہترین موقع ہے۔ تم اسے بتا چکی ہو۔ اس بچے کے ذہن میں بھی یہ بات آ چکی ہوگی۔ اب اس کے گھر والے خود اسے ہینڈل کر لیں گے۔ تم اس سے دوبارہ ملنے کی کوشش ہی نہ کرو تو اچھا ہے۔''

ابرار کی باتوں کے جواب میں کہنے کیلئے اس کے پاس بہت کچھ تھا مگر ابو جی کی خاطر فی الوقت اس نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔ ابرار بعد میں اس سے منگنی کے حوالے سے بہت ہی باتیں کرتا رہا تھا لیکن اروئی کی دلچسپی بالکل صفر تھی۔ اپنی کیفیت پر وہ خود بھی پشیمان تھی کہ باوجود خواہش و کوشش کے' وہ اپنے رویے کو نارمل نہیں رکھ سکتی تھی۔

اگلی صبح اٹھنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام جو کیا تھا' وہ ہسپتال میں فون کر کے سنی کی طبیعت و حالت کے بارے میں پوچھا تھا۔ حسب توقع سب ہی ہسپتال میں موجود تھے۔ اور شارب حسن نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔ اس وقت وہی سنی کے روم میں تھا۔ رسمی طور پر سنی کی خیریت بتا کر اچانک شارب کے لہجے میں سنجیدگی کے علاوہ سختی سی بھی تھی۔

''مس اروئی! میں آپ سے ریکویسٹ کر رہا ہوں' پلیز! آئندہ یہاں نہ تو فون کیجیے گا اور نہ ہی سنی سے ملنے کی کوشش کیجیے گا۔ آپ کی وقتی ہمدردیاں پہلے ہی اسے توڑ پھوڑ چکی ہیں۔ مزید کسی قسم کا نقصان ہم برداشت نہیں کر سکتے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وقتی ہمدردیاں.....؟''

اروئی کو جیسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔ اسے توقع ہی نہیں تھی کہ حسن لاج میں سے کسی کا بھی رویہ اس کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے! مومنہ حسن وغیرہ تو اس کی احسان مند رہی تھیں جبکہ شارب حسن اسے الزام دینے والے انداز میں مخاطب کر رہا تھا۔

''معاف کیجئے' مسٹر شارب حسن! سنی کو میری وقتی ہمدردیوں نے نہیں' آپ نے توڑا پھوڑا ہے۔ اب آپ کو خیال آ رہا ہے کہ اس طرح سنی بکھر رہا ہے؟ اس کیلئے وقتی ہمدردی خریدنے کا فیصلہ تو آپ نے ہی کیا تھا۔ پانچ سال سے آپ کو اس کی کوئی محرومی نظر نہیں آئی اور آج..... آج آپ دوسروں کو الزام دے رہے ہیں۔ یاد رکھیے' اس طرح آپ خود بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ میں نے تو شاید بے سوچے سمجھے ایک بچے کو محرومی سے بچانے کی کوشش کی تھی مگر آپ لوگوں نے تو پوری پلاننگ کے ساتھ مجھے ٹریپ کیا ہے اور اب آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ.....''

وہ ایک دم ہی پھٹ پڑی تھی۔ کل سے وہ جس کشمکش کا شکار تھی' جس متضاد کیفیات و احساسات میں گھری تھی' ان کے دباؤ سے نکلنے کیلئے اس کا اس طرح کا ردعمل یہ ہونا تو ضروری تھا۔

دوسری طرف کی مزید کسی بات کو سنے بغیر اروئی نے ریسیور رکھ دیا۔ ہر کوئی اسے غلط سمجھ رہا تھا۔ اس وقت وہ دہری اذیت میں مبتلا تھی۔ ذہن مسلسل ابو جی کی باتوں کے پس منظر واضح کر رہا تھا اور پھر ابرار کی گزشتہ شب کی باتوں نے اسے بہت کچھ سمجھانے کے ساتھ سوچنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ گویا آئندہ زندگی

میں اسے اپنی فطرت سے برسرپیکار ہونے کیلئے مسلسل جدوجہد کرنا تھی۔ کسی کے آنسو پونچھنے سے پہلے باقاعدہ سب کا اجازت نامہ لینا ضروری تھا۔ خواہ وہ آنسو اس کے اپنے ہی کیوں نہ ہوتے۔

سارا دن اس کے اندر جنگ سی چھڑی رہی۔ اس کی اداسی و بے چینی ابو جی سے بھی نہ چھپی تھی۔ وہ کل رات سے ڈھنگ سے کھا پی بھی نہیں رہی تھی۔ کومل اپنی خراب طبیعت کے باوجود اس کے آگے پیچھے تھی۔

''اروئی! تمہارے جو دل میں ہے' وہ کہہ دو۔ اس طرح خاموش رہنے سے کیا ہوگا۔''

''میرے دل میں کیا ہے؟'' وہ یک دم تلخی سے بولی۔

''وہی جو تمہیں خود بھی نہیں معلوم! تم ابرار کے ساتھ نئے سفر سے خوفزدہ ہو!'' وہ اس کے صحیح تجزیے پر چونک کر رہ گئی۔ ''میں نے تمہیں یہ بات اسی دن کیلئے سمجھائی تھی' تمہاری یہ ضرورت سے زیادہ فکرمندی عام لوگوں کیلئے پائل پن یا جذباتیت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر تم عام لوگوں کی سوچوں کے ساتھ خود کو چلانے پر آمادہ کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے' ورنہ وقت ابھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ ماموں جان تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے۔ انہیں ہر حال میں تمہاری خوشی عزیز ہے۔''

اروی ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔ کومل کا اس کے اندر تک اترنے کا دعویٰ غلط نہیں تھا۔ وہ ایک دم بے اختیار ہو کر بکھر گئی اور کومل کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

''کومل! میں خود نہیں جانتی' میں کیا چاہتی ہوں؟ مس سنی کو خوشی دینا چاہتی ہوں' مگر میں اسے خوشی نہیں دے سکتی۔ ایک بچہ جو صرف ماں کیلئے تڑپتا ہے' اسے ماں میں کہاں سے لا کر دوں؟ اس کی ضد' اس کی خواہش' اس کی تمنا' صرف میں ہوں! اور میں ہی اس سے دور ہوں۔ اور سب ہی چاہتے ہیں' میں اس سے دور رہوں شاید میں خود بھی.....''

کومل اسی کی ذہنی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ اس کا اندرونی خلفشار بہت واضح ہو کر سامنے آیا تھا۔ کومل اسے اس وقت تسلی کے سوا کیا کہہ سکتی تھی۔ اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے کوئی نصیحت کی جاتی۔ ویسے بھی کومل کا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اروئی پر خود ہی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور سنبھلنے کے بعد ہی وہ اپنے لئے کوئی بہتر راہ منتخب کر سکے گی۔

✡✡✡

''اروئی! پلیز'' صرف ایک بار چلو! سنی کی حالت اچھی نہیں ہے۔ وہ مسلسل تم سے ملنے کی ضد کر رہا ہے۔ بار بار اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ تم اندازہ کر سکتی ہو کہ اس کے اس طرح کرنے سے اس کے زخموں کو کس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے۔'' تراب شام ڈھلے اسے لینے آ پہنچا تھا۔

وہ جانے سے انکار کر چکی تھی پھر بھی وہ مسلسل منت سماجت کر رہا تھا۔

''میرے ایک بار جا کر پھر آ جانے سے وہ مزید بکھر جائے گا۔ پلیز' مجھے مجبور مت کرو۔ میں اب اسے کوئی جھوٹا بھلاوا دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

''تم اسے جا کر سچ ہی بتا دو' تمہارا سچ ہی شاید اس کے معصوم ذہن و دل کی سوچیں بدل دے۔''

''تم لوگوں نے اسے سچ سننے کے قابل ہی کب رہنے دیا ہے۔ معصوم بچوں کی پرورش اس طرح نہیں ہوتی تراب حسن! بچے کھلونوں سے بہلتے ضرور ہیں مگر ہر نئے کھلونے پر پہلے کھلونے کو بھول جاتے ہیں لیکن بچے ہی رشتوں کے معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔ بے زبانی کے دور میں بھی ماں اور باپ کی محبت کی شناخت رکھتے ہیں اور ان کے متبادل کو قبول نہیں کرتے۔''

اروئی کی گہری سنجیدگی اور ساتھ جانے سے مسلسل انکار کے باوجود تراب نے ایک کوشش مزید کی۔

''ہمیں احساس ہے' سنی کے معاملے میں ہم سب نے بہت غلطیاں اور کوتاہیاں کی ہیں۔ اس کی تربیت ہم سے صحیح نہیں ہو سکی۔ اس کی اس حالت کے ذمے دار بھی ہم ہی ہیں مگر ہم کیا کرتے' بھائی شادی کیلئے آمادہ نہیں تھے جبکہ سنی مسلسل ماں کی طلب میں مبتلا رہا۔ اب بھائی' سنی کی خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہوئے تھے تو وقت ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ سنی تمہارے لئے.....''

''اب ان باتوں سے کیا حاصل! پلیز تراب! ان باتوں کو یہیں ختم کردو۔'' اروئی نے بے اختیار اسے جھڑک دیا۔

''ہم تو سب کچھ ختم کردیں گے مگر سنی کا کیا کریں؟ اس کے ذہن سے تمہارا عکس نہیں جا رہا۔ اس کے دل سے تمہاری محبت نہیں نکلتی۔ وہ درد و تکلیف میں بھی صرف تمہیں پکار رہا ہے۔ ہم سب نے اسے حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر وہ صرف تمہاری ذات کے حوالے سے پر یقین ہے۔ بتاؤ' ہم کیا کریں' اسے تڑپتا' مرتا ہم نہیں دیکھ سکتے۔ کیا تم کسی بچے کو موت کے منہ میں جاتا دیکھ سکتی ہو؟ یا پھر زندگی بھر کیلئے اپاہج کے روپ میں.....''

تراب اسے جذباتی طور پر مغلوب کرنے کی کوشش میں تھا۔ اسے اروئی کی فطرت کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ وہ جانتا تھا' یہ لڑکی کسی کو روتے نہیں دیکھ سکتی اور اس کا ذہن اس وقت صرف اپنے بھتیجے کی بھلائی کیلئے سوچ رہا تھا۔ اس کا دل صرف اسے محرومی سے بچانے کیلئے تڑپ رہا تھا۔ وہ چاہ رہا تھا' کسی بھی طرح اروئی اس کے بھتیجے اور بھابی کی زندگی میں آجائے۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں سنی تو کیا' کسی کو بھی اذیت میں نہیں دیکھ سکتی لیکن اب سنی کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔ وہ بہلاووں سے مزید جارحیت پسند ہوگا۔ بار بار اس کے ذہن پر بوجھ ڈالنے سے بہتر ہے' اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھایا جائے۔ وہ اسے اچھی طرح ٹریٹ کرسکتا ہے۔''

''ابھی وہ ایسی کنڈیشن میں کہاں ہے! پلیز'' ایک بار تو اس کے پاس چلو پھر بے شک تم کبھی ہم سے رابطہ نہ کرنا لیکن آخری بار ہماری مشکل دور کردو! وہ دوا کھائے' تھوڑا بہل جائے تو ہم کسی سائیکاٹرسٹ سے بھی رابطہ کرلیں گے لیکن ابھی تو۔''

تراب کے مضطرب و پرنم لہجے پر اروئی نے پہلے گردن ہلائی پھر جیسے ہارتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے' میں چلتی ہوں مگر پلیز' آئندہ مجھے مجبور مت کرنا۔''

اروئی اس کے ساتھ ہسپتال آکر مزید بے چین ہوگئی۔ سنی کا رویہ اور حالت تراب کے بتانے سے زیادہ خراب تھی۔ وہ چیخ رہا تھا' رو رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں زبردستی ہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کیلئے موجود

نرس عاجز سی آئی ہوئی تھی۔ عائشہ اور مومنہ حسن کے چہرے ضبط کرنے سے سرخ تھے۔ انہیں بس چھیڑنے کی ضرورت تھی' اور وہ رو دیتیں۔ شارب حسن البتہ پریشان صورت نظر آنے کے باوجود بیٹے کو سنبھالنے اور بہلانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ اروئی نے پہلے کھڑکی کے شیشے سے اندر کا جائزہ لے کر خود کو اندر جانے کیلئے تیار کیا۔ ذہن و دل نے یک دم ہی ایک فیصلہ کیا تھا اور پھر جیسے اسے خود کو سنبھالنے اور سمجھانے میں ایک لمحہ لگا۔ ایک پل میں اطمینان اس کے وجود سے قلب و روح میں سما گیا تھا۔

سنی حسب توقع بے اختیار ہو کر اس سے ملا۔ شکوے شکایتیں' عہد و پیمان' نہ جانے کیا کیا وہ ایک سانس میں کہتا جا رہا تھا۔ اروئی نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے پٹیوں سے جکڑے سر پر مہر محبت ثبت کی۔ سنی کو اس حال میں دیکھ کر ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹپک کر سنی کے ماتھے پر بندی پٹی میں جذب ہوگیا۔

''آ.....پ میری.....ما بنیں گی.....ناں؟

پاپا.....! آپ ماما سے.....شادی کرلیں.....ورنہ یہ پھر چلی.....جائیں.....گی.....''

نحیف و کمزور آواز میں پھر سے تمناؤں کا جوش بھر گیا تھا۔

آج سنی کے منہ سے ''ماما!'' سن کر ایک نیا احساس ہوا تھا جیسے بارش کا پہلا قطرہ مٹی کو معطر کر جاتا ہے' ویسے ہی آج سنی کی زبان سے نکلے ہوئے یہ دو حروف بارش کے پہلے قطرے کی مانند اس کے مٹی وجود پر برس کر سوندھی سوندھی خوشبو بن کر اس کی روح میں اتر کر جذب ہوگئے تھے۔

''آپ میرے ابو جی سے آکر مل لیں آنٹی!'' اس نے چلتے چلتے نہایت آہستگی سے کہا۔

اس کی بات پر جیسے کسی کو یقین نہیں آیا۔ اچانک کئے گئے اس کے فیصلے پر کوئی یقین کیسے کرتا! چند لمحے پہلے تو سبھی جانتے تھے کہ وہ مجبوراً یہاں آئی ہے مگر اب وہ اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہی تھی اور کیوں دے رہی تھی' سبھی جان کر بھی بے یقین تھے۔

''اگر سنی کی خوشی اور زندگی مجھ سے مشروط ہے تو میں اپنی خوشی اور زندگی کسی اور سے وابستہ نہیں کرسکتی۔''

کچھ توقف کے بعد اروئی نے سر اٹھا کر دوبارہ کہا تو جیسے مومنہ حسن' عائشہ اور تراب کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے۔ آنکھیں جگمگانے لگیں۔ صرف شارب حسن کشمکش میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اب تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اروئی صرف سنی کی خاطر اپنی زندگی کے اہم فیصلے کو بدلنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ مومنہ حسن تو بے اختیار اس کی طرف بڑھیں۔ اسے لپٹا کر کئی بار چوما۔

''میری آرزو بھی تھیں بیٹا! تمہیں پہلی بار ملنے پر ہی خیال آیا تھا کہ تمہیں میرے گھر کی زینت بننا چاہئے۔ آرزوئیں اور دعائیں اس طرح بھی پوری ہوتی ہیں' آج اس کی رحمت و عنایت پر میرا یقین مزید پختہ ہوگیا ہے۔ وہ جب چاہے نواز سکتا ہے۔'' ان کے آنسو ان کی زبان بنے ہوئے تھے۔

شارب حسن اس لڑکی کی فطرت کے اس رنگ کو دیکھ کر حیران بھی تھا اور مطمئن بھی! ایثار و محبت کی زندہ تصویر حساس جذبوں کے خمیر سے گندھی لڑکی' زیست کے باقی سفر میں اس کے ہم قدم ہونے پر تیار تھی

پھر بھی وہ کشمکش کا شکار تھا۔ اس کی خاموشی سبھی کو محسوس ہو رہی تھی اسی لئے تینوں افراد اسے کچھ کہنے کا موقع دے کر وقتی طور پر وہاں سے باہر نکل گئے۔ سنی نے اروئی سے کھانا بھی کھالیا تھا اور دوا بھی لے لی تھی۔ نرس نے اسے سکون آور انجکشن بھی دے دیا تھا جس کے بعد وہ پرسکون ہو کر سو گیا تھا البتہ اروئی کا ہاتھ مسلسل اس کے ہاتھ کی گرفت میں تھا۔

''اروئی! میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' آخر کشمکش سے نکلتے ہوئے کرسی پر بیٹھے شارب حسن نے اپنے بیٹے کی زندگی کو مخاطب کیا۔ اروئی اس کے بیٹے کی زندگی ہی تو تھی!

''جی! میں بھی منتظر ہوں۔ یقیناً آپ میرے اس یکطرفہ فیصلے سے خوش نہیں ہیں۔'' اروئی نے بھی اس کی طویل خاموشی پر سنجیدگی سے اظہار خیال کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے اروئی! میں یہ فیصلہ بہت پہلے کر چکا تھا لیکن پر حالات نے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سنی کو اگر میری طرف سے یہ یقین نہ مل جاتا کہ میں آپ سے شادی کرنے کیلئے تیار ہوں تو شاید وہ آپ کے انکار سے یا اس انکشاف سے ہرٹ نہیں ہوتا۔ بہر حال میں آپ سے کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔'' شارب حسن نے فوراً ہی اس کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی۔ ''کیا اس فیصلے پر آپ کے فادر اور باقی سب کا ردعمل شدید نہیں ہوگا۔''

اروئی نے پلکیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ واقعی بہت سے خدشات اور کشمکش کا شکار تھا اور اس بار تو اروئی کو کھونے کے بعد سے اسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اس بار ضرور کھو دے گا۔ نہ صرف ذہنی طور پر بلکہ جسمانی طور پر یا پھر مکمل ہی.....

''باقی سب کیا کہیں گے' اس کی تو مجھے پروا نہیں ہے۔ رہے میرے ابو جی' انہیں ہر حال میں اور ہمیشہ میری خوشیاں عزیز رہی ہیں۔ وہ جانتے ہیں' میں غلط فیصلے نہیں کیا کرتی اور نہ ہی اپنے مفاد پر دوسروں کی خوشیاں قربان کر سکتی ہوں۔ میرے نزدیک صرف اپنے لئے جینا زندگی نہیں ہے۔ زندگی جینے میں بھی مزا آتا ہے جب آپ کی ذات دوسروں کی راحت کا سامان بن جائے ورنہ.....''

اروئی کی خود اعتمادی پر دل ہی دل میں اسے داد دینے کے بعد شارب حسن نے جیسے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ یہ بات تو اب وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ لڑکی صرف سنی کی کشش میں بندھی ہے تبھی اس خود اعتمادی سے بات کر رہی ہے۔ فی الحال اس کے سوا اسے چاہیے بھی کیا تھا! سبھی یہ تو چاہتے تھے کہ وہ کسی بھی طرح ان کے گھرانے کی زندگیوں میں حصے دار بن جائے' سو یہ کام تو ہو رہا تھا۔ مزید سوالات کر کے وہ کوئی الجھن پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا حالانکہ اس سے پوچھنے کو اس کے پاس اور بھی بہت کچھ تھا..... لیکن وہ کچھ سوچ کر مطمئن ہو گیا۔

***

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا؟''

ابو جی اس کی بات بلکہ فیصلہ سن کر ششدر رہ گئے! انہیں توقع ہونے کے باوجود یقین نہیں آ رہا تھا کہ اروئی آخر اس فیصلے کا اعلان کر ہی دے گی۔

''ابو جی! میں مذاق نہیں کر رہی۔ ابرار کو اپنے معیار کی بہت سی لڑکیاں مل جائیں گی۔ میں اس کے ساتھ اس کی فیملی کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر سکتی۔ میرے لئے بہت مشکل ہے۔ دہرے معیار کے لوگوں میں زندگی گزارنا۔ صوفیہ آنٹی کو اگر میری ذات سے اختلاف ہے تو اپنے شوہر اور بیٹے سے صاف بات کریں۔ مجھ پر ابھی سے پابندیاں لگا کر وہ اپنا مقصد حاصل کیوں کرنا چاہتی ہیں؟ انہیں میری فطرت کا اندازہ ہے کہ میں جبراً کچھ نہیں کر سکتی اس لئے وہ اس طرح کا رویہ رکھے ہوئے ہیں۔ بہر حال ابو جی! میں نے طے کر لیا ہے' میں ابرار سے منگنی نہیں کروں گی۔ میں شارب حسن سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

اس نے پھر سے اپنی بات دہرائی تو وہ جیسے اپنی حیرت سے نکل کر بیٹی کو دیکھنے لگے۔ کومل اور راحیل کو تو وہ پہلے ہی آگاہ کر چکی تھی' اس لئے وہ کچھ خاموش تھے۔ دونوں ہی اس کے نقطہ نگاہ کے قائل تھے اس لئے صرف ابو جی کو ہی اس کے فیصلے پر جھٹکا لگا تھا۔

''شارب حسن سے شادی؟ اس بچے کے باپ سے؟ مجھے تم سے اس بے وقوفانہ فیصلے کی توقع نہیں تھی۔ اروئی تم.....''

وہ جھٹکے سے سنبھل کر وقتی غصے کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ ان کی بیٹی ایک شادی شدہ مرد سے شادی کرنے کیلئے ان کے انتخاب کو رد کر رہی تھی۔ بات تو غصے کی تھی ہی.....!

''ابو جی! ابرار کیلئے رضامندی دینا میرے نزدیک زیادہ بے وقوفی تھی۔ ابرار کے ساتھ میں شاید مجبوراً نباہ کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ بھی شاید کچھ عرصے تک' ماحول اور فطرتوں کا تضاد مجھے پلٹنے پر مجبور کر دیتا۔ کیا آپ اس صورتحال کو برداشت کر سکتے تھے؟''

''یہاں ماحول اور فطرت تمہاری سوچوں سے میل کھاتا ہے؟ بیٹا! بیٹا جان! یہ بہت تلخ تجربہ ہے۔ تم صرف ایک بچے کیلئے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا رہی ہو۔ ابھی تم صرف وقتی ہمدردی کے تحت اس بچے کی محبت میں ڈوب کر یہ قدم اٹھا رہی ہو۔ کچھ عرصے بعد جب تمہارے سر سے ہمدردی کا بخار اترے گا تو پھر پچھتاتی رہ جاؤ گی۔'' وہ جیسے بے بسی سے چلا پڑے۔

''آپ میری فیلنگز کو بخار مت کہیں ابو جی! آپ جانتے ہیں' میں کبھی بھی اپنے کسی کام پر پچھتاتی نہیں ہوں اور نہ ہی آپ سے کبھی میں شکایت کروں گی۔ ابو جی! ایک بچے کی زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ اس کے ذہن و دل میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ میں ہی اس کی ماں ہوں۔ اسے وقتی طور پر بہلا لیا جاتا ہے لیکن پھر اس کا ذہن اسی نقطے پر آ ٹھہرتا ہے کہ میں ہی اس کی خواب میں نظر آنے والی ماما ہوں۔ ابو جی! ایک بچے کو تباہ ہونے سے بچانے کیلئے اگر میری ذات کام آ سکتی ہے تو میں اسے آزمائش سے زیادہ اپنے لئے سعادت سمجھوں گی۔ اللہ تعالیٰ اگر مجھے اس کا موقع دے رہا ہے تو آپ مجھے میرا راستہ کیوں روک رہے ہیں؟ پلیز ابو جی! آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔''

''تمہیں ان سب کا خیال ہے اور فکر تو ہے بس اپنے باپ کی فکر نہیں ہے کہ تمہارے اس فیصلے اور اقدام کیلئے مجھے کس کس کو جواب دہ ہونا پڑے گا؟ ابرار کے حوالے سے تمہارے اعتراضات مان کر انہیں رد کر بھی دیا جائے تو پھر بھی تمہارے لئے لڑکوں کی کمی تو نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو مجھے تمہارے

لئے کہہ چکے ہیں۔ میں ان سے کیا کہوں گا کہ میری بیٹی ایک شادی شدہ مرد سے.....''

ان سے مزید بولا نہ گیا۔ شدت جذبات سے ان کی آواز گھٹ گئی۔ اروئی کو اندازہ تھا کہ وہ ذہنی طور پر خود کو بیٹی کی خوشی کیلئے رضامند کر چکے ہیں لیکن انہیں صرف لوگوں اور خاندان والوں کی باتوں کا خیال تھا' سو اٹھ کر ان کے قدموں میں جا بیٹھی۔ اس نے ہمیشہ ان سے اپنی ہر بات منوائی تھی۔

''پلیز ابو جی!'' اس نے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر منت بھرے لہجے میں کہا۔

''اروئی جان! یہ کسی کو بلڈ دینے کی بات نہیں ہے۔ نہ ہی تمہارا پاکستان میں پڑھنے اور رہنے کا معاملہ ہے۔ نہ ہی کسی کی تیمارداری کیلئے چند رجگوں کی بات ہے۔ نہ ہی کسی کی شادی کیلئے اپنا سب کچھ اٹھا کر دینے کا مسئلہ ہے۔ یہ تمہاری زندگی کا فیصلہ ہے جسے تم نے بچوں کا کھیل سمجھ لیا ہے۔'' بے بسی سے بولتے ہوئے وہ اپنے آنسوؤں پر بند نہ باندھ سکے۔

''ابو جی پلیز! آپ صرف لوگوں کی خاطر اپنے فیصلے نہ کریں۔ آپ صرف اپنے دل اور ذہن سے سوچیں کہ کیا میں غلطی کر رہی ہوں' کیا آپ چاہتے ہیں' ایک بچے کی ذہنی ابتری کا بوجھ ساری زندگی میرے ذہن و دل پر سوار رہے' میں کبھی خوش نہ رہوں؟ پلیز ابو جی! اگر آپ کا ذہن بھی اور لوگوں کی طرح سوچ رہا ہے تو آپ نے پھر مجھے بھی کیوں نہیں عام لوگوں کی طرح سوچنا سکھایا۔ بچپن سے ہی محبت' ایثار' وفا و ہمدردی کے سبق کس لئے پڑھائے؟ کیوں انسانیت کی بقاء کے درس دیئے تھے اور پھر سب کچھ دینے کے بعد اسے تقسیم کرنے کا راستہ ہی کیوں دکھایا تھا؟ آپ نے مجھے خود غرضی کیوں نہیں سکھائی تھی' یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ اگر سامنے کوئی رو رہا ہے' تڑپ رہا ہے تو تم آنکھ چرا کر نکل جانا۔''

وہ آج انہی سے حساب کتاب کر رہی تھی۔ یہ انہی کی تربیت تو تھی جو اس کے خون میں رچی بسی ہوئی تھی۔ ''یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ کسی گرے ہوئے کو اٹھانے کی بجائے ٹھوکر لگا کر گزر نا۔ آخر آپ سب اپنے بچوں کو بچپن سے وہ باتیں کیوں نہیں سکھاتے جن کا عملی مظاہرہ زندگی کے اگلے ادوار میں ناگزیر ہوتا ہے؟

آپ بچوں کو اخلاقی کہانیاں کیوں سناتے ہیں جن کا رویئل لائف میں تعلق ہی نہیں بنتا؟

نیکی اور بھلائی کے افسانے من گھڑت ہیں تو پلیز' ایسی کتابیں اپنے بچوں سے دور کیوں نہیں کر دیتے جو انہیں حقیقت سے دور لے جاتی ہیں؟''

اروئی بھی شدت جذبات سے مستقل بولتے بولتے خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ابو جی جو اسے سن رہے تھے اور تڑپ بھی رہے تھے' فوراً اسے گلے سے لگایا۔ آج اس نے انہیں وہ کچھ یاد دلایا تھا، جسے وہ بھول چکے تھے۔ انہیں حیرت کے ساتھ مسرت بھی تھی کہ اروئی نے ان کے کسی درس کو بھی نہیں بھلایا تھا۔ وہ آج بھی اتنی ہی معصوم اور پاکیزہ سوچوں کی مالک تھی جتنی کبھی آٹھ نو سال کی عمر میں تھی۔ اپنے کھلونے دوسروں کو بانٹنے والی' اپنے حصے کا لنچ تک سکول میں وہ روز کسی نہ کسی بچے کو کھلا کر آتی تھی۔ کسی بچے کی کتاب یا کاپی گم ہو جانے کی صورت میں رونے والے بچے کو اپنی کتاب دے دیتی تھی۔ یہ تو پھر ایک بچے کی زندگی کا سوال تھا' اگر وہ اپنی ذات' اپنا آپ اس کے نام لگا رہی تھی تو یہ کوئی نئی بات تو نہیں

تھی۔

اور پھر فیصلہ ہو گیا۔ انہیں واقعی اپنی بیٹی کی خوشی چاہئے تھے۔ جواب دینے پر کیا کیا باتیں ہوئیں' انہیں پروا نہیں تھی۔ ابرار کی شکایت بھری حکایت پر کہنے کیلئے بہت کچھ تھا مگر اروئی نے صرف اتنا کہا تھا۔

''ابرار! میں تمہارے لئے نہیں تھی' اس لئے تمہاری زندگی میں نہیں آ سکی۔ جس کیلئے تھی' اس تک پہنچنے کے راستے خود بہ خود میرے قدموں تلے آئے ہیں ورنہ میں راستہ کیوں بدلتی؟''

اروئی کی خواہش کے مطابق اس کا نکاح بے حد سادگی سے ہوا تھا۔ مومنہ حسن کی طرف سے چند ایک خاص خاص لوگ تھے اور ادھر سے بھی خاص خاص لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اروئی کے لاکھ شور مچانے کے باوجود ابو جی نے اپنے مہمانوں کو نکاح کے بعد ڈنر بھی دیا تھا۔ روایتی دلہنوں سے مختلف لگنے والی اروئی کو دیکھ کر سبھی حیران تھے جو اسٹیج پر شارب حسن کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے بے تکلفی سے اپنے مہمانوں سے گپ شپ کر رہی تھی۔ سنی البتہ اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ اروئی کی محبت میں اس نے اسے بہت جلد ہی امپریس کیا تھا۔ کومل اپنے ڈیڑھ ماہ کے بیٹے کو سنبھالتے ہوئے بھی بار بار اروئی کو سمجھانے آ جاتی تھی کہ آرام سے بیٹھ جائے مگر وہ نہ اس کی سن رہی تھی اور نہ ہی عانی اور تراب کی نظروں کا مفہوم جاننے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ اسے شارب کے موڈ کا احساس دلا رہے تھے جو یقیناً اس کا اس طرح بے تکلفی سے گھومنا پھرنا پسند نہیں کر رہا تھا کیونکہ اس کے دو تین بے تکلف دوست جو شریک نکاح تھے' وہی اسے چھیڑ چھیڑ کر زچ کئے دے رہے تھے۔ ایک دوست نے تو خاصی بلند آواز میں کہا تھا۔ مقصد تو اروئی کو بھی سنانا تھا۔

''شارب! کہیں تم تو رخصت ہو کر بھابی کے ساتھ نہیں جا رہے؟ لگتا تو ایسا ہی ہے جیسے کہ تم دلہن ہو اور وہ تمہارا دولہا!''

تراب نے بھی دوستوں کی چھیڑ چھاڑ سنی تھی اسی لئے وہ فوراً اروئی کے پاس پہنچا۔

''سنو' کوئی کام تو دلہنوں والا کر لو۔ بڑے بھائی کو تمہارا یہ انداز بے تکلفی کچھ پسند نہیں آ رہا۔ پلیز' ذرا ڈھنگ میں آ جاؤ۔ کتنا ارمان ہو گا انہیں تمہیں دلہن کے روپ میں دیکھنے کا' مگر تم ہو کہ نہ جانے کس بات کا بدلہ لے رہی ہو۔ کسی رقیب کی طرح انہیں جلاتی پھر رہی ہو۔ دیکھ رہی ہو ناں' ان کے چہرے کے رنگ!''

تراب نے لب بھینچے ہوئے جیسے اپنی کوفت کو بھی دبایا۔ اروئی نے ذرا رخ موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ ایش گرے سوٹ میں وہ ہمیشہ سے زیادہ اسمارٹ اور وجیہ نظر آ رہا تھا لیکن چہرے پر گہری سنجیدگی کی چھاپ تھی اور آنکھوں میں برہمی! اروئی اس کی برہمی محسوس کرنے کے باوجود مسکرائی۔

''میں بدلہ لے رہی ہوں یا وہ.....! شکل دیکھو ذرا محترم کی! چہرے کا زاویہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے میں ایسا ہی دیکھ رہی ہوں۔ سنی کا خیال نہ ہوتا ناں تو میں اچھی طرح سمجھ لیتی اور جن ارمانوں کی تم بات کر رہے ہو ناں' تو وہ سارے ارمان ایمن پر پورے کر چکے ہوں گے اس لئے میں جو کر رہی ہوں' مجھے کرنے دو۔''

''دیکھو' ایسی کوئی بات دل میں مت رکھو۔ بھائی نے پورے خلوص سے تمہیں اپنایا ہے۔''

''اچھا! تو وہ خلوص نظر کیوں نہیں آ رہا؟ اس نے اپنے گلابی زرتار دوپٹے کو ایک کندھے سے پھسلتے پر دوبارہ کندھے پر ٹکایا۔

''گھر چلو' سب نظر آ جائے گا لیکن پلیز' یہاں اپنی حرکتوں سے باز رہو۔ کم از کم سر پر دوپٹا تو ڈالو ورنہ میں تمہیں بھابی کہنا شروع کر دوں گا۔''

تراب نے زچ ہو کر مصنوعی غصے میں دھمکی دی تو اروئی بے اختیار ہنس پڑی۔

''موسٹ ویلکم! میرا تو فائدہ ہے۔ بڑی بھابی بن کر رعب جھاڑنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ اب تم میرا احترام ملحوظ رکھنا ورنہ ایک جڑ دوں گی تو شکایت نہیں کرنا۔''

''اروئی! تم بہت چالاک ہو۔ گھر چلو' پھر بتاؤں گا تمہیں۔''

''میں دھمکیوں میں نہیں آتی ہوں۔''

اروئی پھر سے کھلکھلائی۔ اردگرد کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے مگر وہ سنی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

رخصتی کے وقت وہ اپنے رویے کے برعکس بری طرح روئی تھی۔ اپنے ابو جی کے گلے سے الگ ہونے کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''بھابی جی! بس کریں' اب آپ کا میک اپ خراب ہو رہا ہے۔ بیوٹیشن کی ساری محنت بہہ رہی ہے۔ اف! آپ کے دس ہزار تو گئے پانی میں!''

تراب نے اس کے قریب کھڑے ہو کر شرارت سے چھیڑا تو وہ فوراً ہی کومل کے گلے سے الگ ہو کر غصے سے غرائی۔

''تم چپ رہو' تمہیں پیسوں کی پڑی ہے' میری کوئی فکر نہیں کہ میں اپنے ابو جی سے جدا ہو رہی ہوں۔ تمہارا کیا مطلب ہے' میں میک اپ خراب ہونے کے ڈر سے روؤں بھی ناں!''

اس کی بات سن کر شارب کے لبوں پر بھی پہلی بار مسکراہٹ بکھری۔

وہ اس کے اس بچپنے پر ہنس رہا تھا۔ سنی اس سارے معاملے میں بہت بے زاری محسوس کر رہا تھا۔ آخر اکتا کر بول ہی اٹھا۔

''پاپا! میری ماما کو لے کر چلیں ناں!''

''چلتے ہیں یار' وہ رونے سے تو فارغ ہو لیں۔'' اس نے جھک کر سرگوشی میں بیٹے کو تسلی دی۔

''ماما! کیوں رو رہی ہیں اتنا؟ آپ چپ کرائیں ناں!''

''شادی پر سب ہی روتے ہیں۔'' شارب نے پھر جھک کر آہستگی سے سمجھایا۔

''پھر آپ کیوں نہیں رو رہے پاپا؟''

سنی کے سوال پر وہ زچ ہو کر بولا۔

''یار! اپنی شادی پر صرف لڑکیاں روتی ہیں' مرد لوگ نہیں روتے' انڈر اسٹینڈ؟ بس اب کوئی بات نہیں کرنا' بس ہم چل رہے ہیں۔''

اروئی کو روایتی رسمیں پسند نہیں تھیں' اس کے باوجود اس کی رخصتی اور سسرال میں استقبال اسی انداز

میں ہوا تھا۔ مومنہ حسن نے سارے ارمان نکالے تھے۔ تراب' اس کے کزنز اور دوست سبھی مل کر اسے چھیڑتے رہے۔ اسے سب رسمیں غیر ضروری اور فضول لگ رہی تھیں کیونکہ سنی بار بار نیند آنے کا اعلان کر رہا تھا جس پر قدرے جھنجلاتے ہوئے اس نے قریب بیٹھے شارب کو مخاطب کیا۔

''اب کیا سارے احتجاج میں ہی کروں گی؟ آپ سے کچھ نہیں کہا جاتا؟ آخر کب تک چلے گا یہ سلسلہ؟ سنی کو نیند آ رہی ہے' تھک گیا ہے بے چارا!''

شارب کو یک دم اس کا سب کے سامنے مخاطب کرنا کچھ حیران کر گیا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اروئی اس قدر سنجیدگی اور اپنائیت سے اسے مخاطب کرے گی!

''میں کیا کر سکتا ہوں' یہ سب تو.....'' وہ ہچکچا کر بولا۔

''ہاں واقعی آپ کیا کر سکتے ہیں' مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔''

اروئی اس کے انداز پر قدرے جل کر بولی۔ شارب کے ساتھ اسے باتیں کرتے دیکھ کر سبھی نے معنی خیزی سے دیکھنے کے بعد شور بھی مچایا۔ اروئی نے کسی کی پروا کیے بنا' سنی کا ہاتھ تھاما اور اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھنے لگی۔ مومنہ حسن پہلے ہی سنی کی بے زاری دیکھ چکی تھیں' اس لئے فوراً سب کو منع کر کے اروئی کو سنی سمیت اس کے کمرے تک پہنچایا۔

شارب حسن کے بیڈ روم میں داخل ہونے کے بعد اسے جیسے احساس ہوا تھا کہ اس کی زندگی ایک نئے موڑ پر آ گئی ہے۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی کے اہم فیصلے کو ایک بچے کی محبت میں پایہ تکمیل تک پہنچائے گی۔ سنی کیلئے اس کے دل میں ممتا اور محبت تو شاید پہلے روز ہی پیدا ہو گئی تھی' جب وہ ''ماما! میری ماما!'' کہتا ہوا اس سے آ لپٹا تھا۔ سنی کیلئے ممتا اسے قدرتی طور پر عطا ہوئی تھی اسی لئے تو وہ اس کی محبت میں بندھ گئی تھی۔ لاکھ کوشش کے بعد بھی اس کی محبت سے اپنا دامن بچا نہیں سکی تھی۔

سنی نیند سے بے حال ہو کر آڑا ترچھا بیڈ پر لیٹا تھا اور وہ ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے خیالوں میں گم تھی۔ قدموں کی آہٹ پر چونک اٹھی اور پھر بے اختیار ہی اس نے اپنا دوپٹا درست کیا۔ خوشگوار انداز میں دل دھڑکنے لگا۔

اپنی زندگی کے اس موڑ کا احساس' شارب حسن کی رفاقت کا دلنشیں احساس اسے یک دم ہوا تھا۔ سنی کے حوالے سے بھی اور شاید نکاح کے بندھن کے حوالے سے بھی اسے شارب حسن سے اپنائیت سی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اپنی کیفیت پر گھبرا کر ایک دم کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شارب حسن دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ اس کے چہرے سرپاٹ سنجیدگی پھیلی تھی۔ کوئی جذبہ' کوئی امنگ' کسی خواہش کا بھی کوئی رنگ اس کے چہرے سے ہویدا نہیں تھا۔ وہ اروئی کے یک دم کھڑے ہو جانے پر نہ چونکا تھا اور نہ ہی توجہ دی تھی بلکہ بے نیازی دکھاتا بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔ سنی کو سیدھا کر کے لٹایا۔ اس کی پیشانی چومی اور پھر اپنے ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔

اروئی کو شارب حسن سے اس قسم کے رویے کی توقع نہیں تھی۔ یہ درست تھا کہ وہ روایتی پذیرائی نہیں چاہتی تھی مگر پھر بھی شارب حسن سے اسے ضرور کچھ توقعات تھیں۔ وہ اتنا ضرور چاہتی تھی کہ شارب

حسن اسے اپنے ہم سفر بننے کا اعزاز بخشنے کے بعد آج اسے سچے دل اور پرخلوص جذبوں کا احساس بھی ضرور دلائے مگر اس نے تو اپنی بے اعتنائی اور بے توجہی سے اس کے سارے احساسات کو جیسے مسل ڈالا تھا۔ لمحہ بھر میں ہی اس کا چہرہ اور وجود اپنی اس توہین پر سلگ اٹھے تھے۔ شارب حسن کی اب تک کی خاموشی کو وہ اب سمجھی تھی۔ اسے صرف اپنے بیٹے کیلئے اس کی ضرورت تھی تبھی مصلحتاً چپ تھا مگر اب اس کے رویے نے اس کی چپ کو ظاہر کر دیا تھا۔

اروئی نے سلگتے ہوئے باتھ روم کا رخ کیا۔ عروسی دوپٹا ہینگر پر لٹکا کر اس نے پہلے اپنا میک اپ صاف کیا پھر چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس نے جیسے خود کو پرسکون رکھنا چاہا۔ بڑی مشکل سے اپنے بالوں کو سیدھا کیا جو خوب صورت ہیئر اسٹائل میں بندھے ہوئے تھے۔ اپنا سارا زیور اتار کر بھی بیڈ کی سائیڈ دراز میں پٹخ دیا۔ شارب حسن مسلسل ڈریسنگ روم میں بند تھا اور نہ جانے کیا کر رہا تھا۔ دستک کی آواز پر جواباً اس کی سنجیدہ مگر نرم آواز آئی تھی۔

''یس کم ان!'' اروئی خود کو سنبھالتی ہوئی اندر بڑھ گئی۔ وہ اسکائے بلیو شلوار سوٹ میں ملبوس اپنے دراز قد اور وجاہت سمیت اپنے اسی ڈھنگ میں تھا یعنی آہٹ پر بھی اس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ اپنی وارڈ روب میں سر گھسائے نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ اروئی مزید کبیدہ خاطر ہوتی ایک طرف اسٹول پر بیٹھ کر سینڈل اتارنے کے بعد اس کے فارغ ہو جانے کا انتظار کرنے لگی مگر وہ مسلسل کچھ ڈھونڈنے میں محو تھا۔ نہ جانے اس کا کیا کھو گیا تھا جسے اس وقت ڈھونڈنا زیادہ ضروری تھا۔ اروئی نے کوفت زدہ ہو کر اسے مخاطب کیا۔

''پلیز! آپ اپنی مطلوبہ شے بعد میں بھی ڈھونڈ سکتے ہیں' مجھے ڈریس چینج کرنا ہے' مجھے نیند آ رہی ہے۔''

اس کی آواز سن کر شارب نے چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ اروئی کی موجودگی سے جیسے بے خبر ہو' لمحہ بھر کیلئے اس کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی تھی۔ پل بھر میں اس کا روپ سنگھار بھی ماند پڑ گیا تھا۔ اپنی ازلی خود اعتمادی سمیت وہی پہلے والی اروئی اس کے سامنے تھی جو اس کیلئے آج بھی اجنبی سی تھی۔ کم از کم اس انداز میں..... اس نئے بندھن میں بندھنے کے بعد بھی اسے اروئی میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ پھر سے کشمکش میں گھر گیا تھا۔ اروئی سے ہر بات کہہ دینے کا حوصلہ وہ خود میں نہیں پا رہا تھا۔ خاموشی سے اس پر ایک نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔

اروئی اس کی عام سی نگاہ پر چڑ سی گئی جس میں نہ چاہت تھی نہ محبت اور نہ ہی نئے رشتے میں بندھنے کا رنگ!

''اف میرے خدایا! پتا نہیں' اس شخص کو میں سمجھ بھی پاؤں گی یا نہیں؟ یا اللہ! مجھے ہمت دینا!''

وہ بڑبڑاتی ہوئی لباس بدلنے لگی اور جب وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو شارب حسن کمرے سے غائب تھا۔ سنی کے ساتھ لیٹتے ہوئے وہ شارب حسن کے رویے کی وجہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہی۔ کافی غور و خوض کے بعد بھی اسے اپنا کوئی فعل قابل گرفت نہیں لگا تھا جو شارب حسن کو مبہم رویہ اپنانے پر مجبور

کرتا۔ اگر اس نے عام روایتی دلہنوں والا طرز عمل نہیں اپنایا تھا تو اس کی وجہ صرف سنی تھا جو صرف یہی سمجھتا تھا کہ وہ صرف اسی کیلئے آ رہی ہے۔ وہ اپنے طرز عمل سے اس کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی' سو پہلے کی طرح ہی وہ سب سے اپنائیت کا اظہار کر رہی تھی جو اس رشتے کے استوار ہونے سے مزید بڑھ گئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ سنی کے احساسات و جذبات کا خیال کرتے ہوئے اس نے اپنے اندر کی لڑکی کے جذبات و احساسات کو بھی مار ڈالا تھا۔ وہ باقی سب سے نہیں' صرف شارب حسن سے سراہے جانے کی تمنا ضرور رکھتی تھی۔ اس کی طرف سے ایقان وفا ضرور چاہتی تھی۔ حقوق و فرائض کے متوازن رکھے جانے کی یاد دہانی اسے درکار تھی مگر وہ شاید صرف بیٹے کی خوشی پوری کر کے پھر سے یادوں کی راکھ کریدنے نکل کھڑا ہوا تھا۔

''شارب حسن! مجھے اپنا حق لینا بھی آتا ہے' کب تک بھاگو گے؟'' اس کے اندر سے ایک سرگوشی سی ابھری تھی جس پر اس نے سنی کو بہ غور دیکھا اور پھر اسے اٹھا کر اسے کے کمرے میں چلی آئی۔ سنی کے کمرے میں اس کے ساتھ لیٹتے ہوئے اس نے بہت کچھ سوچا تھا اور پھر سوچتے ہوئے ہی نیند کی آغوش میں سما گئی۔

شارب حسن کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں اروئی سے بھاگ رہا ہے حالانکہ اس کیلئے اس نے اپنے دل میں محبت بھی محسوس کی تھی اور جذبات و احساسات نے نیا پیراہن بھی پہنا تھا پھر بھی نہ جانے کیوں شب زفاف کی رنگینی' رات کی تاریکی میں مدغم کر دی اور اپنے نئے ارادوں کو سڑک پر دوڑتی اپنی ہی گاڑی کے پہیوں تلے کچل ڈالا تھا۔

صبح ہونے سے قبل اسے اپنی بے حسی اور رویے کی سنگینی کا احساس ہوا تھا تو وہ واپس اپنی منزل پر لوٹ آیا تھا۔ رات کا ہر گزرتا پل اسے خود کو محسوس کرتا ہوا لگا تھا اور اب ہر چیز جیسے اپنے معمول پر تھی۔ جذبات و احساسات بھی..... وہ خوف بھی کہیں بھاگ گیا تھا جس سے ڈر کر وہ بھاگا تھا۔ اسے لگا تھا' یہ رات اس کے احتساب کی رات ہو۔ جذبات و احساسات کا احتساب' قول و عمل کا احتساب' کردار و گفتار کا احتساب اور وہ جواب دہی سے ہی تو بچ کر بھاگا تھا۔ وہ اپنے اندر چھپی ایمن کی یادوں کے انبار لے کر ہی تو فرار ہوا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر ایمن کی پرچھائیں بھی اروئی نے دیکھ لی تو پھر شاید اس کی اور اس کے بیٹے کی زندگی پھر سے بھنور میں جا پڑے گی۔ ایمن اس کے ماضی کی یاد تھی اور اروئی سے وابستہ اس کا' اس کے بیٹے کا حال اور مستقبل تھا۔ وہ ان کی زندگی کا جز و لاینفک تھی۔

صبح کے اجاگر ہوتے اجالوں نے اسے حقیقت کا سامنا کرنے کا حوصلہ بخش کر نئے ارادوں کی تکمیل کی ہمت بھی پیدا کی تھی۔ وہ سوچ و عمل کی نئی طاقت کے ساتھ گھر میں داخل ہوا' وہ سب وا ہے تو رات کی تاریکی نے پھیلائے تھے۔ صبح کے نور نے تمام اوہام کو ختم کر دیا تھا۔

اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ آئندہ اروئی کے کسی حق کو مارنے کی یا غافل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ اروئی کو اتنی محبت و احترام ضرور دے گا جس کی وہ حقدار ہے۔ اس کے ساتھ پوری چاہت کے ساتھ آئندہ زندگی کا سفر طے کرے گا۔ ایمن اس کی یادوں میں ضرور رہے گی مگر اس کی زندگی میں

ایمن کی یادوں کا عمل دخل نہیں ہوگا۔

وہ مصمم ارادوں کو لے کر اپنی نئی منزل کی جانب آیا تھا لیکن کمرے میں آتے ہی وہ یک دم ٹھٹک ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کمرے میں نہ اروئی تھی اور نہ ہی سنی! ذہن و دل لمحہ بھر کو رکے تھے اور پھر وہ فوراً کے کمرے کی طرف لپکا۔ پہلے تو بے اختیار ہی دروازے کو کھول کر وہ اندر بڑھا اور پھر جیسے ہی اپنے پشیمانی ہوئی' اس نے ویسے ہی اپنے قدم روک لئے۔ اروئی سفید سادے لباس میں ملبوس سنی کو بازوؤں میں لئے اس کے سنگل بیڈ پر محو استراحت تھی۔ اس کے چہرے پر سچائی' پاکیزگی اسے خوبصورت بنا رہی تھی لیکن پھر از خود ہی اسے محسوس ہوا جیسے اس کی سانسوں کی مدھر دھن فضا میں طرح بکھیر رہی ہے۔ شارب حسن ایک ٹک اس کے حسن جاوداں کو تکتا رہ گیا۔ رات اس کا ہر عمل گرفت لگ رہا تھا مگر اب سنی کے ساتھ اس کا ممتا سے بھرپور انداز دیکھ کر اس کا دل پل بھر میں اس کی سے سرشار ہو گیا۔ ایک لمحے میں ہی اروئی اس کے خون میں گردش کرتی ہوئی دھڑکنوں کی طرح دھڑ تھی۔ ایک دم ہی اسے خود پر رشک آیا تھا کہ اسے اروئی جیسی ہم سفر پھر سے شریک زندگی کے روپ تھی جس نے اسے نہیں' اس کے بیٹے کو نئی زندگی دینے کیلئے اپنی زندگی کو وقف کیا تھا۔

وہ اس کے ہر نقش کو جیسے خود میں جذب کرنے کی کوشش میں تھا۔ اس کی نظروں کی حدت تھی تھا' اروئی نے ایک دم ہی آنکھیں کھول کر دیکھا تو اسے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھی

''آ.....پ! اس کے ایک سوال میں لاکھوں شکوے تھے جنہیں اس کی آنکھوں نے کہہ دیا تھا

''آئی ایم سوری!'' شارب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کن الفاظ میں معذرت کرے۔

''سوری تو مجھے کہنا چاہئے کہ میں آپ کی آزادی میں مخل ہو گئی ہوں۔ میری وجہ سے آپ کو بھر باہر سڑک پر گزارنا پڑی۔ ایسا پہلے تو نہیں ہوا ہوگا' ہے ناں؟ آپ مجھے رات بتا دیتے تو آپ تکلیف گوارہ نہ کرنا پڑتی۔''

شارب کے سوری کہنے پر وہ جھٹکے سے اٹھی اور پھر قدرے برہمی سے بولی تھی۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو' ایسی بات نہیں تھی۔ ایکچوئلی' میں کچھ اپ سیٹ تھا' اس لئے نہیں چاہتا میرے کسی غلط رویے سے تم ہرٹ ہو۔''

''میری وجہ سے آپ اپ سیٹ تھے؟'' اس کے استفسار میں اپنائیت کے ساتھ جارحیت جس پر وہ ذرا گڑبڑایا۔

''نہیں' تمہاری وجہ سے نہیں' میں خود اپنی وجہ سے۔''

''تو خود کو پہلے ہی سمجھانا چاہئے تھا ناں! میں پھر بھی ہرٹ ہوئی ہوں اور مجھے آپ کا رویہ بھی نہیں لگا۔ میں خود کسی کیلئے بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ اگر آپ مجھے بوجھ سمجھ رہے ہیں تو پلیز!' اروئی نے گوئی سے کہتے کہتے پلکوں پر آئے آنسوؤں کو روکا۔

''تم پھر غلط سمجھ رہی ہو۔ اچھا آؤ' اپنے روم میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' شارب نے اسے کا اشارہ کیا۔

''نہیں' آپ اپنی داستان غم یہیں بیٹھ کر سنائیں!''

وہ پھر سے پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ اس کے خفگی بھرے انداز پر شارب کے لبوں پر دھیمی سی مسکان بکھر گئی۔ اس کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ وہ اس سے اپنے ہر خوف' ہر وہم کو بیان کرنے لگا تھا۔

''دیکھو' اگر میں یہاں بیٹھ کر باتیں کروں گا تو یہ شیطان اٹھ جائے گا۔ اگر اس افلاطون نے کچھ سن لیا تو بعد میں تمہیں ہی مشکل ہوگی۔''

''کیا؟ آپ میرے بیٹے کو شیطان اور افلاطون کہہ رہے ہیں! میں یہ برداشت نہیں کر سکتی میں سنی کو بتاؤں گی کہ.....''

اروئی نے بے اختیار ہی خفگی دکھائی تو وہ بھی بھرپور ہنسی ہنس دیا۔ اگلے ہی پل جیسے اس کا گہرا زخم بھر گیا تھا۔ اروئی کا سنی کیلئے یہ ممتا بھرا بے ساختہ پن اس کے تمام شکوک و شبہات دھو گیا' پھر وہ اس کے قریب جا کر پوچھنے لگا۔

''کیا تم سنی کو ہمیشہ ہی اتنا چاہو گی؟ اسے ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھو گی؟''

اروئی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تو اور کیسے چاہوں گی' وہ میرا بیٹا ہی تو ہے! آپ سمجھتے ہیں کہ میں بدل جاؤں گی؟''

''نہ.....نہیں' میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ بعد میں بھی.....جب تم خود.....''

شارب نے لمحہ بھر کو رک کر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ اسے احساس تھا کہ وہ بے موقع بات کر رہا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا' اروئی نے صرف سنی کو محرومیوں سے بچانے کیلئے اپنی ذات کا سایہ اسے دیا ہے۔ شارب کی خاموشی طویل ہو گئی تو اروئی بھی جیسے سنبھل کر بولی۔

''بحیثیت باپ کے' آپ کے خدشات یقیناً درست ہیں لیکن آپ اپنے ذہن میں یہ بات بھی ضرور رکھیں کہ میں نے سنی کو تباہ ہونے سے بچانے کیلئے اسے اپنی ممتا کی چھاؤں سونپی ہے۔ سنی سے جب میرا کوئی مضبوط رشتہ نہیں تھا' میں تب اسے روتے' بکھرتے' ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتی تھی تو کیا زندگی میں' میں پھر کبھی ایسا کر سکتی ہوں؟ نہیں' کبھی نہیں۔ آئندہ زندگی کیلئے میں نے تو بہت اچھا سوچ رکھا ہے۔ آپ کی سوچیں کیا ہیں' میں نہیں جانتی البتہ اتنا ضرور خود کو سمجھا لیں کہ آپ کو ہر رشتے میں توازن اور انصاف قائم رکھنا ہے۔ مرد اگر انصاف اور توازن کو برقرار رکھے تو عورت بھی کبھی نہیں بھٹک سکتی۔ اگر میں آپ کو صحیح جاتے ہوئے دیکھوں گی تو میں غلطی کر ہی نہیں سکتی۔ فی الحال آپ جائیے' آرام کیجئے' آپ کے سارے خدشات انشاء اللہ دور ہو جائیں گے۔'' اروئی نے پھر سے سونے کی تیاری کرتے ہوئے چادر کو سینے تک کھینچا۔

''لیکن مجھے ابھی تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں!''

''آپ اپنا وقت خود برباد کر کے آئے ہیں' اس لئے.....''

اروئی نے مصنوعی خفگی سے اسے احساس دلایا تو وہ زچ ہو کر بولا۔

''اپنی غلطی کی معافی مانگ لی ہے ناں میں نے! اچھا آؤ ناں' اپنے کمرے میں.....''

''کیا ہے' آپ باپ بیٹا دونوں ضدی ہی ہیں!'' اروئی نے اس کے چادر کھینچنے پر قدرے جھنجلا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں زیادہ ضدی نہیں ہوں' تھوڑا ضدی ہوں۔ مجھ سے زیادہ ضدی ابھی سو رہا ہے اس لئے۔''

''اس ضدی نے اگر خواب میں بھی دیکھ لیا ناں کہ میں اس کے پاس سے اٹھ کر جا رہی ہوں تو ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔'' اروئی کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ سنی واقعی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اوماما! آپ یہیں ہو ناں! اب تو نہیں جائیں گی ناں.....! ہمیشہ میرے پاس رہیں گی؟''

وہ تجدید پیماں باندھ رہا تھا اور اروئی دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ شارب کی حالت زار سے محظوظ ہو رہی تھی۔ شارب بھی یک دم ہنسنے لگا۔

''بالکل میں تمہارے پاس رہوں گی ہمیشہ ہمیشہ.....اب تم نے اپنا وعدہ پورا کرنا ہے۔ بہت اچھے بچے بننا ہے اور بہت زیادہ پڑھنا ہے۔''

پھر اس نے شارب کی طرف دیکھا' شرارت آنکھوں میں لئے' پلکیں جھپکاتی گڑیا کی طرح.....

''آپ کیوں کھڑے ہیں؟ جائیے' آرام کریں۔ یا اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ صبح کی عبادت سکون قلب عطا کرتی ہے۔''

اروئی نے اسے شرارت سے چھیڑا تو وہ پھر سے کھل کر ہنسا۔

''ہاں' مجھے معلوم ہے' اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکون قلب کی صورت عطا کیا ہے۔ ٹھیک ہے تم ماں بیٹا اپنی باتیں کرو۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے آتا ہوں!''

شارب نے دروازے میں جا کر ٹھہر کر دیکھا۔ سنی اس کی ذات کا یقین پاتے ہی پھر سے اس کی بانہوں میں سمٹ کر سو گیا تھا اور وہ بھی اس کی پیشانی پر ممتا بھری مہر ثبت کر رہی تھی۔

آج اسے اعتبار آیا تھا کہ صحیح منزل پانے کیلئے ہمت اور حوصلوں کو متحد کرنا بہت ضروری ہوتا ہے اور جس ذات اعلیٰ نے اسے حوصلے بخشے تھے' اس کا شکرانہ ادا کرنا تو واجب تھا کیونکہ اسی نے اسے سنگ میل عطا کیا تھا۔

***

لمحوں کی بساط

موسم بہار اپنی پوری رعنائی کے ساتھ تمام عالم پر چھایا ہوا تھا۔ نئے شگوفوں کی مہک فضاؤں کو ہی نہیں' دلوں کو بھی احساسِ تازگی بخش رہی تھی۔ چاروں طرف سرسبز گھاس کی چادروں پر پھیلے نیلے پیلے' سرخ پھول خوابوں کا عکس معلوم ہوتے تھے۔ پھولوں پر منڈلاتی تتلیاں اور بھنورے اپنی چاہتوں کا راگ الاپتے دلوں کی دھڑکنیں منتشر کر دیتے اور ایسے میں درختوں کی ہری بھری ڈالیوں پر بیٹھی کوئل کی مدھر آواز دل کے تمام تاروں کو چھیڑ جاتی۔ پھولوں پر چمکتے ہوئے شبنم کے قطرے موتیوں کی مانند چمکتے ہوئے آنکھوں کو ہی نہیں، روح کو بھی خیرہ کر دیتے۔ سرزمین دل کی سیرابی کے لیے اوس کے یہ چند قطرے ہی کافی ہوتے۔ موسم بہار کا یہ مختصر عرصہ بھی زیست کی آئندہ کلفتوں کو سہنے کے لیے کافی معلوم ہوتا تھا۔

شارب احمد کو یہ موسم، اس کے سارے رنگ بے حد عزیز تھے۔ اس نے اپنے گھر ''گل آباد'' کو واقعی ہر قسم کے پھولوں سے سجا رکھا تھا۔ گلاب کے پھولوں کی باڑ اس کے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ تھی۔ صبح ہی صبح کھڑکی کھول کر اس فضا میں سانس لینا اسے ہمیشہ ہی ایک نئی کیفیت سے دوچار کرتا تھا۔ سرخ گلابوں کی یہ بھینی بھینی خوشبو اسے اپنی سانسوں کے ساتھ روح کو بھی معطر کرتی محسوس ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا، اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہو، جو اسی کیفیت کو محسوس کر کے اس کے ساتھ اس عالم میں محو ہو جائے۔ اس کی تنہائی اور اطراف میں پھیلا سکوت کسی اور وجود کا بھی طلب گار ہونے لگا تھا، مگر ایسا کون ہو سکتا تھا..... یہاں آ کر وہ بے بسی سے سوچنے لگتا۔ ذہن کے پردے پر معدوم سی شبیہ ابھرتی۔ نامکمل سا خاکہ..... جس میں رنگ بھرنے کا اختیار جیسے اس کے پاس نہیں تھا اور پھر کبھی وہ اس میں اپنی پسند کا ہر رنگ بھرنا چاہتا تھا' لیکن جب اپنے اردگرد نگاہ دوڑاتا، تو کوئی رنگ بھی اسے اپنے خیال کے اس دلکش خاکے میں بھرنے کے قابل نہ لگتا۔

آج کل اس کی یہی کیفیت رہنے لگی تھی۔ اس لیے موسم بہار بھی کچھ خاص اثر نہیں دکھا رہا تھا۔ رات بھر بے مقصد جاگتے رہنے کے بعد صبح اپنے دل پسند منظر سے نظریں چرانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اب بھی وہ نیند کی بانہوں میں اپنی موجودہ بیزار کیفیت سے فرار پائے ہوئے تھا۔ تبھی اس کے دوست کاشان

نے آ کر اسے جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کی۔

''سونے دو! ابھی نہیں اُٹھنا مجھے۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر کروٹ بدل کر پھر سو گیا۔

''تم پوستی کب سے بن گئے، ہو۔ کیا تمہیں یاد نہیں ہے کہ آج کیا دن ہے؟'' کاشی نے قدرے جھنجھلا کر جیسے اسے کچھ یاد کرانے کی کوشش کی۔

''یاد ہے، آج سنڈے ہے۔ یار سنڈے کو تو میری جان چھوڑ دیا کرو۔'' شارب نے نیند سے بوجھل آنکھوں کو زبردستی کھولنے کی ناکام کوشش کی۔ آواز میں ہنوز بیزاری تھی۔

''ٹھیک ہے تم سوتے رہو اور میں تمہاری اس چڑیل بہن کو جا کر کہہ دیتا ہوں، کہ تمہارا جن بھائی سارے شہر کے گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہا ہے لہٰذا تم خود اپنی برتھ ڈے کے لیے ارینجمنٹ کر لو۔''

کاشی اسے دھمکاتا ہوا مڑا، تو اگلے ہی پل وہ جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔

''او مائی گڈنیس! آج تو جینی کی برتھ ڈے ہے۔ تم پہلے نہیں آ کر جگا سکتے تھے۔'' شارب نے اپنا غصہ بھی کاشی پر نکالا۔ ساتھ ہی روم کلاک پر نگاہ بھی ڈالی۔ بارہ بجنے والے تھے۔

''کب سے تو جگانے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر تم نجانے کس دنیا کے خواب دیکھ رہے تھے۔ انیلا پھوپھو بھی ناراض ہیں۔ کیا نیند میں بھی جہاز اُڑاتے رہتے ہو جو واپس زمین پر آنے کو دل نہیں کرتا۔'' کاشان نے خاص خفگی سے استفسار کیا۔

''نہیں، بس یار..... او کے، چلو چلتے ہیں۔ ابھی تو میں نے کیک وغیرہ کا بھی آرڈر نہیں کیا۔ جینی تو واقعی ناراض ہو رہی ہوگی۔'' شارب احمد فوراً سے بستر سے نکل کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ناراض، اس چڑیل نے صبح سے میرا جینا حرام کیا ہوا ہے۔''

''او اسٹوپڈ! تم بار بار میری بہن کو چڑیل کیوں کہہ رہے ہو۔''

شارب نے اسے بڑھ کر چپت لگائی۔ پھر اسی طرح سلیپنگ سوٹ میں چلنے کو تیار ہو گیا، تو کاشی نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

''اس طرح؟ اس حالت میں چلو گے، کیوں میرا مذاق اڑواؤ گے۔ صبح سے تمہاری شخصیت کا رعب ڈال ڈال کر اپنی ساری کزنز کا منہ بند کروا رکھا ہے، اور تم اسی طرح جا کر میری درگت بنواؤ گے۔ وہ سب تو میرے ویل ڈریس، ڈیشنگ چارمنگ دوست کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہوئی جا رہی ہیں۔ جس کے لیے سارا کام چوپٹ پڑا ہے۔''

''تمہاری کزنز آ بھی گئی ہیں؟ تمہیں کس نے کہا تھا، کہ ان کے سامنے میری تعریفوں کے پل باندھو اب جاؤ تم، آ جاؤں گا میں خود ہی ارینجمنٹ کر کے۔'' شارب نے استفسار کرتے کرتے ساتھ ہی خفگی کا مظاہرہ بھی کیا اور پھر بیڈ پر بیٹھ بھی گیا۔

''شرافت سے باتھ روم میں گھسو۔ میں جینی کو جا کر بتاتا ہوں کہ تم اُٹھ گئے ہو۔''

کاشی نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور پھر اسے زبردستی باتھ روم کے اندر دھکیل کے خود واپس چلا گیا۔ اب اسے کوئی فکر نہیں تھی۔

کاشان، شارب احمد کا گہرا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ کلاس فیلو بھی تھا اور دونوں کے گھر بھی ساتھ ساتھ تھے۔ بچپن اکٹھے گزرا تھا۔ کاشان کی چھوٹی بہن جینی کے لیے اس کی محبت بہنوں سے بڑھ کر تھی۔ آج جینی کی برتھ ڈے تھی اور شارب نے اس کی برتھ ڈے کی ساری ارینجمنٹ اپنے ذمے لے رکھی تھی اور یہ بات رات تک تو اسے یاد تھی، مگر پھر وہ بھول گیا تھا۔ اب کاشان کے یاد دلانے پر وہ افراتفری میں تیار ہو کر نکلا، تو انیلا پھوپو نے حیرت سے استفسار کیا۔

''اب کہاں جا رہے ہو۔ ناشتہ نہیں کرو گے؟''

احمد حسن نے بھی اخبار سے نظریں ہٹا کر اکلوتے بیٹے کو مشفق نگاہ سے دیکھا۔

''نہیں آج نہیں۔ پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔'' اس نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھی فروٹ باسکٹ سے اپنے لیے سیب اٹھا کر جواب دیا۔

''کس لیے دیر ہو گئی ہے۔ بیٹھو آرام سے۔''

''نہیں پھوپو پلیز۔ جینی پہلے ہی ناراض ہو رہی ہے۔''

''کیوں بھئی وہ کیوں ناراض ہے؟'' احمد حسن نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

''پا..... پا..... آپ بھول گئے؟ آج اس کی برتھ ڈے ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ صبح سب سے پہلے میں اسے وش کروں گا، مگر.....'' اس نے سیب دانت سے کترتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''او..... ہاں یار..... کیا کروں یادداشت کمزور ہو گئی ہے میری، بوڑھا ہو گیا ہوں نا۔''

''پاپا، مجھ جیسے بیٹے کی موجودگی میں بھی آپ خود کو بوڑھا کہہ رہے ہیں۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ شارب کے پاپا پھر سے جوان ہو گئے ہیں۔'' شارب کچھ لمحے کے لیے ان کے قدموں میں بیٹھ کر شرارت سے بولا، پھر کچھ یاد آنے پر یکدم کھڑا ہوا۔ ''میں نے آپ سے کچھ پیسے بھی مانگے تھے۔''

احمد حسن اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ شارب نے کبھی ان سے بلاضرورت کچھ نہیں مانگا تھا۔ آج کے نوجوانوں کے مقابلے میں وہ بہت قانع اور سلجھا ہوا تھا۔

''تمہارے والٹ میں رکھ دیئے تھے میں نے۔'' احمد نے ہاتھ میں پکڑا اخبار پھر سے نظروں کے سامنے کیا۔

''سوری پاپا! پاپا میں نے اپنا والٹ چیک ہی نہیں کیا۔ او کے پاپا، پھوپو میں چلتا ہوں۔ کاشی اگر پھر آئے تو بتا دینا کہ میں بازار گیا ہوں۔''

وہ اپنے پاپا کے گال چھو کر انیلا پھوپو کو بانہوں کے گھیر میں لے کر ان کے ساتھ باتیں کرتا لاؤنج سے نکل گیا۔ احمد حسن نے چہرے کے آگے سے اخبار ہٹا کر اپنے خوبرو بیٹے کو جاتے ہوئے دیکھا۔ شارب کا وجود ان کی زندگی کی توانائی تھا۔ شارب کو ہنستے مسکراتے دیکھ کر انہیں زندگی سے ہر شکایت بھول جاتی تھی۔ وہ ان کی طاقت، ان کا مان تھا۔

اپنی اور کاشان کی مشترکہ پلاننگ کے تحت بہت رازداری سے اس نے جینی کی برتھ ڈے کی

ارینجمنٹ'' کاشان ولاز'' کے عقبی لان میں کروائی تھی۔ گھر کا وہ لان کبھی کبھار ہی استعمال ہوتا تھا۔ ساری ارینجمنٹ کے بعد وہ تیار ہو کر جب کاشان ولاز میں داخل ہوا، تو جینی کے تمام کزنز آ چکے تھے۔ جینی کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے نجانے کون اس سے اس بُری طرح ٹکرایا تھا، کہ شارب کی انگلیوں پر تھرکتا کی رنگ ہی اچھل کر دُور نہیں گرا تھا، بلکہ وہ خود بھی جھٹکے سے دو قدم پیچھے دھکیلا گیا تھا۔ شارب کی اس سارے قصے میں غلطی نہیں تھی۔ اس سے ٹکرانے والی ہی اُلٹے قدموں پر چلتی ہوئی اس سے آ کر ٹکرائی تھی۔ شارب نے لب بھینچ کر اسے دیکھا، اس کے لیے یہ صورتِ حال بالکل نئی اور انوکھی تھی۔ کوئی لڑکی پہلی بار اس کے اس قدر قریب کھڑی تھی۔ اس کے اِرد گرد خوشبو کا حصار تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' گلاب کی پنکھڑیوں سے ہونٹ نیم وا ہو کر آواز کا ترنم بکھیرنے لگے۔

''شاید غلطی میری بھی ہے۔ میں اپنے دھیان میں تھا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی شارب کے لبوں سے معذرت ادا ہوئی۔ وہ جو کوئی بھی تھی، اپنے لائٹ گرین جدید طرز کے ملبوس میں سبز پری لگ رہی تھی اور شارب احمد کے دل کی دھڑکن بھی بے ترتیب کر رہی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں بھی شارب احمد کے لیے پل بھر میں شوق کا جہاں آباد ہو گیا تھا۔

شارب احمد کی قیامت خیز شخصیت نے لمحہ بھر میں ہی اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، کہ یہ ڈیشنگ اور ڈائنامک پرسنالٹی کون ہے، جس کی نشیلی غزالی آنکھیں وقت کو تھام کر اپنی پلکوں تلے رکھنے کی طاقت رکھتی ہیں۔

کاشان نے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے دونوں کو کوریڈور میں ایک دوسرے کے سامنے جامد دیکھا، تو کھنکھار کر آگے بڑھ آیا۔ وہ جو کوئی بھی تھی، پیچھے مڑ کر دیکھے بنا ایک طرف سے ہو کر نکل گئی۔ شارب کو بھی لگا تھا، جیسے کائنات رک کر یکدم گردش میں آ گئی ہو۔ کاشان نے چٹکی بجا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''اے ڈیئر! صحیح سلامت ہو کہ نہیں۔''

''ہوا زشی؟'' شارب نے سوال کے جواب میں سوال کیا، تو کاشی نے معنی خیزی سے دیکھ کر کہا۔

''توڑ پھوڑ زیادہ ہو گئی ہے؟ ویسے تم جان کر کیا کرو گے، کہ وہ پری وش کون تھی۔ تمہارے انٹرسٹ کی چیز نہیں ہے۔''

''جینی کی فرینڈ ہے کوئی؟'' شارب نے وہیں کھڑے ہو کر اندازہ لگایا۔

''نہیں ہماری کزن ہے' خالہ زاد۔''

''میں نے پہلے تو نہیں دیکھا اسے۔'' شارب کے استفسار میں اُلجھن تھی۔

''جینی آئی مین عنیہ زیادہ تر ہاسٹل میں رہی ہے۔ اتفاق ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ جب کبھی بھی ہماری طرف آئی، تو تم ہماری طرف نہیں آئے۔ یونو وہ ہمارے خاندان کی سب سے ماڈرن' اسٹائلش اور پریٹی گرل ہے۔ اسی لیے ہم سب اسے آفت شے کہتے ہیں، کیونکہ اس کے ''متاثرین'' کافی کزنز رہ چکے ہیں۔ کہیں تم بھی تو اس کے ''متاثرین'' کی فہرست میں شامل نہیں ہونا چاہ رہے۔''

کاشی نے اس کے چہرے کو پڑھ کر جو اندازہ لگایا، فوراً کہہ بھی دیا۔ جواباً شارب اسے گھور کر رہ گیا۔

''مجھے گھورنے سے کیا ہوگا، اپنے دل کو سنبھالو' میں تو سمجھتا تھا کہ تمہارے اس اسٹون ہارٹ پر کوئی حسین مہ جبیں ضرب نہیں لگا سکتی، مگر مجھے لگ رہا ہے۔ یہ کمال عینی نے کر دیا ہے۔''

''شٹ اپ۔ اپنی بکواس بند رکھو۔'' شارب اسے گھور کر جھڑک کر واپس ہو لیا۔

پھر اس نے دیکھا۔ صرف وہی بے خود نہیں تھا' عینی بھی بار بار اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ کاشی کی معنی خیز نگاہیں دونوں کے تعاقب میں تھیں۔ رسمی تعارف سبھی سے ہوا تھا۔ کاشی اور جینی نے عنیہ سے بھی اس کا تعارف کروایا تھا۔ جس پر وہ مسکرا کر بولی تھی۔

''آئی ڈونٹ نو' آپ میرے بارے میں کچھ جانتے ہیں یا نہیں' بٹ میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ سنا ہے کافی ایکسپوشنز ہیں آپ۔''

اس کی مسکراہٹ واقعی متاثر کن تھی۔ پل میں مسحور کر دینے والی۔ شارب اس کی اس مسکراہٹ میں صحیح طرح جکڑا گیا تھا۔ اس کے ذہن میں جو شبیہ تھی، اس کے خاکے میں رنگ بھرنا شروع ہو گئے تھے۔

''نہیں بس ایک خواب ہے، جس کی تکمیل چاہتا ہوں۔'' وہ اپنے کہے پر خود ہی چونک اٹھا۔ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ کاشان کی دوستی کا پاس تھا، اپنے بے خود رویے پر وہ خود کو سرزنش کرتا وہاں سے ہٹ گیا۔

پھر سارے فنکشن میں دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے پر رہیں۔ شارب کے لیے اپنی یہ کیفیت عجیب و غریب تھی۔ دل میں ایک سرخوشی کا عالم تھا۔ کچھ پانے کی تمنا مچلنے لگی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا، کہ کوئی یوں اچانک نگاہ سے دل میں اترنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ بلکہ کامیاب کوشش۔ وہ یک بہ یک بہت سی اَن کہے اَن جانے محسوسات میں گھرا ہوا تھا۔ اسے اپنے اردگرد بھی رم جھم ساون رت کی پھوار برستی محسوس ہو رہی تھی اور کبھی گرما کی تپتی دوپہر کا گمان ہونے لگا تھا۔

تقریب کے اختتام پر سبھی نے شارب کو گھیر لیا۔ سبھی جانتے تھے کہ اس کی آواز بہت اچھی ہے اور اس موقع پر اس سے کوئی گیت' غزل یا گانا سنے بغیر کوئی چھوڑنے والا نہیں تھا۔ کاشی پہلے ہی اپنا گٹار اٹھا لایا تھا۔ جینی بھی مسلسل اصرار کر رہی تھی۔ ایک دو بار عینی نے بھی کہا، تو اسے تیار ہونا پڑا، حالانکہ اس وقت اس سے گانا مشکل ہو رہا تھا۔ ویسے بھی ابھی وہ اپنے اس نوخیز جذبے کو کسی پر عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لان میں سب اس کے اردگرد گھیرا ڈالے بیٹھے تھے اور وہ درمیان میں کرسی پر کچھ متذبذب تھا۔ بہت مشکل سے اس نے جینی کی سالگرہ کے دن کی مناسبت سے کچھ دعائیہ اشعار ذہن میں دہرائے، پھر کاشی کو بتا کر اس نے اپنی آواز کا سحر پھیلانا شروع کیا۔ سب کی آوازیں یکدم ہی رک گئی تھیں۔ عینی کے علاوہ سبھی لڑکیاں دم بخود اسے دیکھ اور سن رہی تھی۔ اس کی آواز کی کشش نے سبھی کو باندھ لیا تھا۔ کاشی گٹار کے تاروں سے ابھرتے ہوئے موسیقی کے بہاؤ کو اس کی آواز کے ساتھ ملانے کی کامیاب کوشش کر رہا تھا۔

میری دعا ہے پھولوں سی تو کھلے!

ہوں تیری زندگی میں خوشیوں کے سلسلے
رنگ سجے تیرے آنچل پہ خوشبو مہکے
رہیں سدا تیرے آنگن میں جگنو کے قافلے
زندگی تیری بنی رہے چاند کی چاندنی
رستہ جو بھی ملے پھولوں بھرا ملے!
تیری باتیں تیرا چہرا تیرا لہجہ
یادیں بن کر بھی مانند شمع جلے
میری دعا ہے پھولوں سی تو کھلے

تالیوں' سیٹیوں کے شور میں اس نے اپنا گیت ختم کیا۔ جینی فوراً ہی گرمجوشی سے اس کے کندھوں سے لگی۔

''تھینک یو..... تھینک یو شاری بھائی آپ کا یہ گفٹ تو واقعی میرے لیے انمول ہے۔''

''بٹرنگ مت کرو' جاؤ پہلے ہمارے لیے پانی لے کر آؤ' گا گا کر گلا سوکھ گیا ہے ہمارا۔ بہنوں کو خوش کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے نا شاری۔'' کاشی بھی کندھے پر گٹار رکھے قریب آ گیا۔

''آپ نے کب گایا ہے، جو آپ کا گلا سوکھ گیا ہے۔'' جینی نے منہ بنا کر بھائی سے استفسار کیا۔

''گایا نہیں' گٹار تو بجایا ہے۔ کیا اپنے بھائیوں کو تم ایک گلاس پانی نہیں پلا سکتیں۔'' کاشی نے اس پر رعب جمایا، تو خاموش کھڑے شارب نے لب کشائی کی۔

''رہنے دو جینی میں بس گھر جا رہا ہوں۔''

''آپ ابھی گھر جا رہے ہیں۔ میرے گفٹ نہیں دیکھیں گے؟''

''کل آ کر دیکھ لوں گا۔ ابھی تمہارے کزنز ہیں۔'' شارب نے عذر پیش کیا۔

''تو پھر کیا ہوا؟'' جینی نے معصومیت سے دیکھا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ ایکچوئلی میں تھک گیا ہوں۔ سارا دن یہیں رہا ہوں۔ پھوپو میرا انتظار کر رہی ہوں گی اور.....'' اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ جینی قریب چلی آئی تھی اور آتے ہی کاشان سے چلنے کے لیے بلکہ گھر چھوڑنے کی فرمائش کی۔

''کاشی بھائی! اب آپ مجھے گھر تو چھوڑ کر آؤ۔''

''چھوڑ آؤں گا، مگر تمہاری باری سب سے آخر میں آئی ہے۔''

''جی نہیں! آج پہلے مجھے چھوڑ کر آئیں۔ اپنی منگیتر اور ان لاز کو بھی خوش کرتے رہنا۔'' کاشان کی منگنی اپنی چچازاد شرمین سے ہوئی تھی۔ وہ انہیں گھر چھوڑنے کی ذمہ داری لے چکا تھا۔ جینی کے خفگی بھرے انداز پر اسے مزید جلانے کو ہنسا۔

''یہ ہو نہیں سکتا۔ ہو نہیں سکتا۔''

اس کی گنگناہٹ پر وہ واقعی بھنا گئی۔ ''مگر آج ہو گا..... صبح مجھے کالج ضروری جانا ہے پونو میں

صرف جینی کی وجہ سے آئی ہوں۔ مجھے رات کو ڈرائیونگ کی پرمیشن نہیں ہے، ورنہ مجھے آپ سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' غصے سے بولتے بولتے اسے یکدم شارب کی موجودگی کا احساس ہوا، تب وہ نرمی سے بولی تھی۔

''سوری کزن کچھ بھی ہو' میں آپ کو بعد میں ہی چھوڑ کر آ سکتا ہوں۔'' کاشان نے کندھے اچکا کر اپنی مجبوری واضح کی۔ ''او کے شاری! صبح ملتے ہیں۔'' کاشان نے لاپروائی سے قدم اندر کی جانب بڑھائے۔

جینی کا غصے کے مارے برا حال تھا، جب کہ جینی بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔

''آئندہ کبھی نہیں آؤں گی تم لوگوں کے کسی پروگرام میں۔ اسٹوپڈ کاشی بھائی کے کسی فنکشن میں۔ فیانسی کو خوش کرنے کے لیے کتنے بے چین ہیں اور میری کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ مما نے کہا بھی تھا کہ ڈرائیور کو بھیج دینا، مگر انہیں اپنے بھانجے پر بہت ٹرسٹ ہے۔''

کاشان کے ہر اٹھتے قدم پر جینی کا پارہ بھی اوپر اٹھ رہا تھا اور زبان غصے کے اظہار میں بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ جینی الگ اس کی ناراضگی سے پریشان ہو رہی تھی۔ مجبوراً اس نے شارب کی طرف دیکھا، جو نجانے کس جذبے کے تحت بندھا کھڑا جینی کو دیکھ اور سن رہا تھا۔

''شاری بھائی! پلیز آپ جینی کو چھوڑ آئیں۔''

''تم اپنے بھائی کو تو کچھ کہہ نہیں سکیں۔ اب انہیں کیوں زحمت دے رہی ہو۔'' شارب کے کسی جواب سے پہلے جینی نے جینی پر غصہ نکالا۔

''یہ بھی میرے بھائی ہی ہیں۔ پلیز بھائی۔''

جینی نے اتنے مان سے کہا تھا کہ شارب انکار نہ کر سکا۔ وہ خود بھی بہ یک وقت دہری کیفیت میں جتلا تھا۔ دل اس حسینہ کی قربت چاہ بھی رہا تھا اور اس سے دور بھی جانا چاہتا تھا۔

''آیئے مس! میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' شارب نے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ جینی نے پہلے لب بھینچ کر دور جاتے شارب کو دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے جینی کو وش کر کے اس کے پیچھے لپکی۔ وہ پورچ میں گاڑی اسٹارٹ کیے فرنٹ ڈور کھولے بیٹھا تھا۔

''میری وجہ سے آپ کو اس وقت کافی تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔'' جینی نے گاڑی سڑک پر رواں دواں ہوتے ہی پہلی بات کی۔

''ڈونٹ مائنڈ' جینی کے لیے میں اس سے بھی زیادہ تکلیف اٹھا سکتا ہوں۔'' شارب احمد نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

''اس کا مطلب ہے مجھے چھوڑنے جانا واقعی آپ کے لیے تکلیف دہ ہے۔'' جینی یکدم ہی شکوہ کناں ہوئی۔

''میں نے ایسا نہیں کہا۔ میرے لیے یہ اپنی بہن کی خوشی تھی۔ جینی مجھے کچھ کہے اور میں نہ مانوں تب مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کی مان کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔'' شارب نے دل کی بات کو گھما پھرا کر کہا

تھا۔

"عینی آپ کے بارے میں صبح چرچے کرتی ہے۔"

"بہنوں کو تو عادت ہوتی ہے، بھائیوں کی بلاوجہ تعریفیں کرنے کی۔"

"کچھ سچائی تو ہے اس کی تعریفوں میں مجھے حیرت ہے میں پہلے آپ سے کیوں نہیں ملی۔ اچھے دوست کی دوستی مجھے بھی میسر رہتی۔" عینی نے بے دھڑک اپنے دل کی بات کہی تو شارب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"دوستی کے لیے جلدی ملنا شرط تو نہیں۔ دوستی کی شرط تو فقط خلوص ہوتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے میری آپ سے دوستی ہو سکتی ہے۔ ریئلی میں بھی بہت پُرخلوص ہوں' آزما کر دیکھ لیں۔" عینی کے اتنی جلدی دوستی کے مطالبے پر وہ زیرلب ہنسا۔ لڑکیاں اسی طرح اس کی دوستی کی طالب رہا کرتی تھیں اور اب عینی بھی...... مگر اس کا انداز جداگانہ تھا۔

"یار ساری لڑکیوں کے تمہارے لیے جذبات ایک سے ہیں۔ ایک ہم ہیں۔ ایک بھی پذیرائی نہیں کرتی۔" کاشی کی کبھی کہی بات اسے یاد آتی تو وہ ہنس دیا۔ عینی اس کی مسکراہٹ محسوس کر کے کھل اٹھی۔

"آپ کو ہمارے گھر کا ایڈریس معلوم ہے؟" عینی کو گھر کا خیال آیا۔

"آپ بتائیں گی تو معلوم ہوگا۔" شارب کے لہجے میں خوشگواری اتر آئی تھی۔ عینی بھی اس سے بے تکلف ہو گئی تھی اور اپنے گھر کا راستہ سمجھاتے ہوئے اسے بار بار اپنے گھر آنے کی تاکید بھی کر رہی تھی۔ گھر کے گیٹ پر شارب کی گاڑی رکتے ہی پھر اصرار کرنے لگی۔

"میں آپ کا انتظار کروں گی' آپ نے ضرور آنا ہے۔"

"میں ہی کیوں؟ آپ کیوں نہیں۔ کاشان ولاز کے ساتھ ہی تو ہمارا گل آباد ہے۔"

شارب نے پہلی بار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی لڑکی کو گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ تبھی اس کی دھڑکنیں بے حد شور کر رہی تھیں۔ جن سے وہ گھبرا بھی رہا تھا اور محظوظ بھی ہو رہا تھا۔

"آپ...... آپ کر کے تم تکلف بڑھا رہے ہو۔ او کے' تمہارے گل آباد میں پہلے میں ہی قدم رکھوں گی۔ فی الحال تو میں تمہیں تھینکس ہی کہہ سکتی ہوں۔" عینی کی بے تکلفی نے نئے احساسات جگائے تھے۔ اس کے گیٹ سے اندر جاتے ہی وہ پلٹ آیا۔

پھر وہ رات شارب احمد حسن کے لیے احساسات و جذبات سے آشنائی لے کر آئی۔ آج وہ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے کسی خیالی پیکر کے تصور میں گم نہیں ہوا تھا۔ پہلی بار ایک حسین چہرہ اپنے رنگ رعنائی کے ساتھ اس کے خیالوں میں ہمقدم و ہمدم بنا تھا۔ زندگی میں کل رات تک جو خالی پن محسوس ہوا کرتا تھا۔ وہ آج یکدم بھر گیا تھا۔

رات جس سکون سے کٹی تھی۔ صبح نئی بے کلی کے ساتھ طلوع ہوئی تھی۔ سہانے خواب نیند کے ساتھ تحلیل ہو گئے تھے۔ اب تو ایک اضطراب' بے چینی سی دل پر حاوی تھی۔ اسے اپنے امڈ پڑنے والے جذبے

کا ادراک بھی تھا اور اس کی صداقت کا یقین بھی۔ عینی کے لیے اس کے دل میں جو طلب ابھری تھی۔ وہ وقتی نہیں تھی، مگر عینی کے دل میں اس کے لیے کیا تھا۔ اس سے وہ بے خبر تھا۔ اس نے تو فقط اس کی دوستی طلب کی تھی' رفاقت نہیں۔ دل کا اضطراب اسی وجہ سے تھا کہ کہیں شارب کے دل کی لگی عینی دل لگی نہ سمجھے۔

وہ چاہتے ہوئے بھی عنیبہ سے رابطہ نہ کر سکا۔ کاشان سے بھی وہ اپنی پریشانی نہ کہہ سکا کہ کہیں اس کے جذبے اپنا آپ منوانے سے پہلے ہی رسوا نہ ہو جائیں، حالانکہ کاشان نے چھیڑ چھاڑ میں اس سے سب کچھ اگلوانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ ابھی کسی سے کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا تھا۔ سو اپنے دل کے اندر اٹھتے ہر احساس سے خود ہی نبرد آزما تھا۔

فون کی گھنٹی کب سے بج رہی تھی، مگر وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔ چونکا اس وقت، جب انیلا پھوپو نے کارڈلیس لا کر اسے تھمایا۔

"کہاں گم ہو۔ فون ہے تمہارا۔ ریسیو کیوں نہیں کر رہے۔"

انیلا پھوپو کافی دن سے اسے گم صم دیکھ رہی تھیں۔ کھانا پینا بھی برائے نام ہو گیا تھا۔ جب کہ باہر جانا دوستوں سے ملنا بھی تقریباً بند تھا۔

"بچے بات کرو' کون ہے پوچھو۔ نجانے کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اسے فون تھما کر ٹی وی لاؤنج سے نکل گئیں۔

شارب نے پہلے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز کم کی، پھر ہاتھ میں پکڑا ریسیور کان سے لگایا۔

"ہیلو شارب احمد اسپیکنگ۔"

"تو بولیے میں سن رہی ہوں۔" خوبصورت نسوانی آواز ائیر پیس سے اس کی سماعت کے ذریعے دل کے تار جھنجھنا گئی۔ دل خوش گماں کو ذرا آسرا ہوا تھا۔

"کون بول رہا ہے؟"

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

"کون ہے؟ کس سے بات کرنی ہے؟"

کر بھی دے اظہارِ محبت انکار کب تک کرے گا تو
زندگی کے سنگِ میل تنہا نہ دیکھ سکے گا تو

ایک اور شعر اس کی سماعت میں اترا، تو ساتھ ہی تازگی کا نیا احساس بھی اس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔

"کون؟ عنیبہ فیاض؟" اس کے استفسار میں خود بخود یقین بولنے لگا تھا۔

"شکر ہے تم نے پہچانا تو سہی۔ ورنہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ مکر جاؤ گے۔ تھینکس تمہیں میرا نام یاد

رہا۔"

"اس میں بھولنے والی کیا بات تھی۔" شارب ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا، کہ جو آتش اس کے اندر سلگ رہی تھی اس کا دھواں عنیہ کے دل سے بھی اُٹھ رہا تھا۔

"اسی لیے مجھے یاد رکھنے کے لیے تمہیں ہر بار کون ہے؟ کہنا پڑا۔" عنیہ نے خفگی سے شکوہ کیا۔

"ایسی بات نہیں۔ میں سمجھا کہ رانگ نمبر ہے تبھی۔"

"اوہ تو تمہیں رانگ نمبرز بھی اسی قسم کے آتے ہیں، تبھی تم پر ہم جیسے سینئر لوگوں کا اثر نہیں ہوتا۔" اس کی آواز میں مزید خفگی نمایاں تھی۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے عنیہ۔" شارب کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے۔

"دوستی میں تکلف تو نہیں چلتا۔ تم بھی مجھے عینی کہہ سکتے ہو۔ تم پوچھو گے نہیں میں نے تمہیں کیوں فون کیا؟"

"دوستی میں پوچھنا بھی اچھا نہیں لگتا۔" شارب زیر لب ہنسا۔

"رئیلی۔ تم نے مجھے اپنا دوست مان لیا ہے؟ اس کے لیے بھی بنڈل آف تھینکس، ایکچولی میں تم سے کچھ شیئر کرنا چاہ رہی ہوں، کیا ہم مل سکتے ہیں؟" اس کے لہجے میں خواہش تھی۔ سوال تھا یا کیا تھا، شارب سمجھ نہیں پایا تھا۔ البتہ دل میں اُمید کی کئی شمعیں جھلملانے لگی تھیں۔

"ابھی ملنا ہے؟" شارب نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ گھڑی کلاک پر گئی تھی۔ ساڑھے دس بجے کا وقت تھا۔

"نہیں..... نہیں، اب اتنی بھی بے چین نہیں ہوں میں تم سے شیئر کرنے کے لیے کہ رات کو ہی آ جاؤں۔ صبح، ہاں صبح آؤں گی میں تمہاری طرف، کیا تم انتظار کرو گے؟"

"یس آف کورس، موسٹ ویلکم۔" شارب کے دل سے صدا ابھری تھی۔ زندگی نے خود اسے نئی راہ دکھائی تھی۔ وہ کیسے پیچھے قدم ہٹا سکتا تھا۔

عینی کو خدا حافظ کہنے کے بعد سے وہ ایک ایک پل گننے لگا تھا۔ صبح کا انتظار اسے شدت سے تھا۔ نجانے وہ اس سے کیا شیئر کرنا چاہتی ہے۔ دل کے یقین کے باوجود ذہن بار بار ایک ہی خیال سے پریشان کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آج کی رات اس کے ہمراہ نئی بے چینی اور نیا اضطراب تھا۔ عینی نے اپنے انداز میں تو اقرار محبت کیا تھا۔ اب اسے پیش قدمی کرنا تھا۔ اس نے عینی کی چاہت کا اقرار کرنے کا عزم کر لیا تھا، تبھی اس کے دل کو مسرت اور ذہن کو سکون نصیب ہوا تھا اور وہ نیند کی بانہوں میں سما گیا تھا۔ خوابوں کے آسماں پر اس کی روح اڑتے ہوئے بہت آسودگی محسوس کر رہی تھی۔

بہت دنوں بعد وہ سحر ہوتے دیکھ رہا تھا۔ نئی تازہ پھولوں سے مہکتی فضا، سانسوں کے سنگ روح کے زندگی کی نوید دیتی سیراب کر رہی تھی۔ زندگی کے بے شمار رنگ چہرے اور آنکھوں کو رونق و شگفتگی بخش گئے تھے۔ صبح کے بعد اس سے وقت کاٹنا مشکل ہو رہا تھا۔ ہر آہٹ پر عینی کی آمد کا گمان ہونے لگتا۔ کبھی وہ وہم میں گھر جاتا کہ اگر وہ نہ آئی تو.....

اپنی بے چینی پر جب اسے اختیار نہ رہا، تو وہ لان میں آ بیٹھا۔ ہاتھ میں مصروفیت کا بہانہ نیوز پیپر تھا، مگر نگاہیں تو مسلسل گیٹ پر لگی تھیں۔ تک سک سے تیار ہو کر کسی کا منتظر ہونا یہ اس کے لیے نیا تجربہ تھا۔ کئی بار اپنی بے قراری پر خود کو ہی سرزنش کر چکا تھا، مگر دل تو بے تاب تھا۔ پہلا سپنا سچ ہونے کا یقین اسے مزید خواب دکھائے جا رہا تھا۔ آنکھیں موندے وہ جاگتے میں خواب دیکھ رہا تھا یا حقیقت تھی۔ خوشبو کے تیز جھونکے نے مشام جاں کو ہی نہیں، روح کو بھی اپنی جانب کھینچا تھا۔ شارب نے فوراً ہی آنکھیں کھول دیں۔ وہ سراپا ستم اپنی تمام حشر سامانیوں سمیت قریب کھڑی مسکرا رہی تھی۔ لان چیئر پر بیٹھا شارب احمد کسی خواب کے گمان میں اسے تکے گیا۔ عینی نے بے تکلفی سے ہاتھ لہرا کر اسے چونکا دیا۔

"اے، ہیلو..... میں آ گئی ہوں، تم کہاں ہو؟"

شارب تیز ہوتی دل کی دھڑکنیں سنبھالتا ہوا سیدھا ہو بیٹھا۔ پھر اپنی صفائی میں بولا۔

"آئی ایم سوری، ایکچولی میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔"

"شاید تم میرا آنا قبول نہیں کر رہے تھے، ہے نا؟"

"نہیں، تمہارے آنے کا یقین تھا مجھے، میں ایک خواب دیکھ رہا تھا۔"

"کیسا خواب؟" شارب کے پُریقین انداز پر عینی کے لب خود بخود کھل اٹھے اور اس نے ادائے ناز سے پوچھا۔

"پھر کبھی بتاؤں گا۔ آؤ اندر آؤ، گل آباد دیکھو گی؟"

"دیکھوں گی ضرور دیکھوں گی، مگر ابھی نہیں، چلو کہیں چلتے ہیں۔"

"کیوں؟ یہاں اچھا نہیں لگ رہا کیا؟" شارب کا بس نہیں چل رہا تھا، کہ اس کا ہاتھ تھام کر گھر کا کونہ کونہ دکھائے مگر ابھی اسے محبوب کی مرضی بھی دیکھنا تھی، جو بیقراری تھی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا شاری۔ میں تم سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" عینی کی بے تکلفی مزید بڑھی۔

شارب دل ہی دل میں حیران تھا۔ وہ لڑکی ہو کر خود پر اختیار کھو رہی تھی، جب کہ وہ ابھی تک اپنے جذبوں کو خود پر عیاں کرنے کی کشمکش میں تھا۔

"تنہائی تو یہاں بھی ہے۔" شارب نے نجانے کس کو آزمایا تھا۔

"نہیں یہاں نہیں۔ جہاں صرف ہم ہوں۔" عینی بے قراری سے بولی۔

اس نے سنا تھا محبت اسی طرح بے قرار و بے اختیار کر دیتی ہے۔ وہ خود کو روکنے کے باوجود بھی اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔ اس ڈگر پر قدم تو رکھ ہی چکا تھا، اب تو ہمسفر کے ساتھ منزل تک پہنچنا تھا۔

عنیہ کی نگاہوں میں اپنے ساتھ چلتے شارب کے لیے ستائش تھی۔ چاکلیٹ براؤن پینٹ اور لائٹ کریم کلر کی ٹی شرٹ میں اس کا سنہرا رنگ اور چمکدار ہو گیا تھا۔ آنکھوں کی چمک میں مزید کشش بھر گئی تھی۔ عینی کے رگ و پے میں فخر لہو بن کر گردش کرنے لگا۔ وہ جو چاہ رہی تھی ویسا ہی ہو رہا تھا۔

شارب کی گاڑی سیاہ چکنی سڑک پر رواں دواں تھی۔ عینی مسحور، مگر خاموش اس کے برابر بیٹھی اپنے

اندر اترتی شارب کی خاموش زبان سے کہی باتیں محسوس کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی عینی کو خاموشی کھلنے لگی۔ وہ شارب کے بولنے کی منتظر تھی، مگر وہ چہرے پر نرم مسکراہٹ سجائے ڈرائیو کرنے میں مصروف تھا۔

''شارب! تم پوچھو گے نہیں میں تم سے کیا شیئر کرنا چاہتی تھی۔'' عینی نے بھی اپنی ہار مان کر خاموشی میں اپنی آواز کا سحر پھیلایا۔

اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہی..... شارب کی خاموشی نے چیخ کر جواب دیا، مگر وہ ابھی بھی جیسے خود پر ضبط کیے بیٹھا تھا۔

''آئی تھنک تم شیئر کرنے ہی تو آئی ہو، اگر مناسب سمجھو گی تو کہو گی، ورنہ میں دوستی میں بلاوجہ دوستوں کو پریشرائز نہیں کرتا کہ میرا کوئی بھی دوست ضرور ہی مجھ سے اپنی ہر بات شیئر کرے۔'' شارب نے اس کی بیقراری و جھنجلاہٹ کو نظر انداز کر کے بہت سہولت سے بات کی۔

''لیکن شارب یہ صرف دوستی کی بات نہیں ہے۔ نہ ہی کسی اور کی بات ہے۔ میں تم سے..... تم سے تمہارے بارے میں ہی شیئر کرنا چاہتی ہوں۔'' عینی اس بار اپنی جھنجلاہٹ چھپا نہ سکی۔

''میرے بارے میں.....؟ کیا.....؟'' شارب نے انجان بن کر سوال کیا۔ عینی نے اس کے آدھے رخ پر نظر ڈالی۔

''سنو شارب! میرے پاس اظہار کے لیے الفاظ نہیں ہیں، جو میری دلی کیفیت تم پر عیاں کر سکیں۔ آج تک میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ میں کبھی خود کسی کی طرف نہیں بڑھی۔ تم میں نجانے کیا بات ہے، جو مجھے اپنی طرف کھینچ لائی ہے اور میں خود پر اختیار کھونے لگی ہوں۔ تمہارے رونے نے مجھے مایوس بھی کیا ہے، مگر میرا دل میری سنتا ہی نہیں اور دل تو تمہارا بھی تمہاری نہیں مان رہا۔ تم مجھ سے نظریں چرا سکتے ہو، مگر کیا اپنے آپ سے احتجاج کر سکتے ہو؟ تم خود بھی جانتے ہو کہ تم اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پھر خود کو اس راہ پر چلنے سے کیوں روک رہے ہو، جو حاصل زیست ہے۔'' عینی کی آواز ہی نہیں آنکھیں بھی نم ہو چلی تھیں۔ اپنے آپ سے ہارنے کا کرب واضح طور پر اس کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

شارب کے دل میں ایک نئی کسک اٹھی تھی۔ وہ محسوس کر سکتا تھا، کہ کسی لڑکی کے لیے اپنی محبت میں پہل کرنا کس قدر مشکل ہوتا ہوگا۔ وہ خود ابھی تک اپنی ہمت جمع کرنے کی کوشش میں تھا۔ عینی کے نمناک لہجے پر کئی بے رنگ سائے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک پل میں گزر رہے تھے۔ کرب کی کئی منزلیں ایک ساعت میں طے کرنے کے بعد وہ گویا ہوا۔

''عینی میرا تو خیال تھا کہ محبت اور اس سے وابستہ جذبات کسی زبان کے محتاج نہیں ہوتے۔ آتی جاتی سانسوں کے ردھم سے ہی ایک دوسرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایک کے دل کی تڑپ بلاواسطہ دوسرے کے دل میں پہنچ کر اسے بھی بے چین کر دیتی ہے۔ میں تمہارے جذبات کی صداقت کو جھٹلا نہیں رہا تھا۔ بس خود کو ہی شاید آزما رہا تھا، کہ جو میں محسوس کر رہا ہوں وہ حقیقت ہے یا خواب۔ میں مانتا ہوں محبت کی نہیں جاتی' ہو جاتی ہے' جو وقت موسم یا دنیا کا انتظار نہیں کرتی۔ یہ تو بے موسم بھی سبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ بس ذرا توجہ کا پانی اور چاہت کی ہوا میسر آنے کی دیر ہے' یہ تو خود بخود لہلہانے لگتی ہے' تم جو

محسوس کر رہی ہو، اس دن، اس پل گھڑی سے میں بھی اسی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔ مجھے لگا تھا بنا کہے ہی ہم ایک دوسرے کی بات سمجھ جائیں گے۔ ویل اچھا ہوا! تم نے دیر نہیں لگائی، ورنہ شاید میں اپنے دل کی بات دل میں ہی دبائے رکھتا۔'' شارب کہنا شروع ہوا، تو اپنا آپ عیاں کرتا چلا گیا۔

عنیہ کی بیقراری اس کے اظہار پر پل بھر میں مٹ گئی تھی۔ مسرت کے چناروں سے خوش رنگ کونپلوں کی کئی ڈالیاں اس کے دامن میں آ گری تھیں۔ شارب احمد کی محبت پانے کی سرشاری عنیہ فیاض کے انگ انگ میں رچ بس گئی تھی اور یہی سرور شارب احمد کے رگ و پے میں بھی دوڑ رہا تھا۔

دن رات کی بے چینیاں اب ختم ہو گئی تھیں۔ ان کا دن میں کئی بار فون پر باتیں کرنا۔ ہر روز جینی اور کاشان سے بھی چھپ نہیں سکا تھا۔ جینی عنیہ کا شارب کی طرف رجحان دیکھ کر حیرت میں تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی، کہ عینی کی فطرت میں جولانی ہے۔ وہ ایک شخص یا اس کی محدود خوبیوں سے متاثر ہونے والی لڑکی نہیں ہے۔ ابھی شاید وہ شارب احمد کی دلکش شخصیت سے متاثر تھی۔ اس کی سنجیدگی اسے متاثر کن لگ رہی تھی، لیکن ابھی اگر اس کے سامنے کوئی اپنی فطری شوخی کے ساتھ مائل ہو جائے، تو اسے شارب احمد کی یہ خوبیاں، جو اسے سب سے منفرد بنائے ہوئے ہیں۔ ایکدم بوگس اور عامیانہ لگنے لگیں گی۔ عینی کے حوالے سے وہ شارب احمد سے کھل کر کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ ویسے بھی شارب احمد اس قدر خوش وضع تھا، کہ اس کے دل سے ہزار خدشات کے باوجود اس کی محبت امر ہو جانے کی دعائیں تھی۔ جینی نے تو خود کو شارب سے کچھ کہنے کے لیے روک لیا تھا، مگر کاشان خود کو روک نہیں پایا تھا۔ اپنے آفس سے سیدھا گل آباد آ گیا تھا۔ شارب احمد توقع کے مطابق فون پر مصروف اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ کاشان کو اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھ کر اس نے فون پر معذرت کر کے رابطہ منقطع کیا۔

''آؤ یار وہاں کیوں کھڑے ہو۔ بڑے دنوں بعد چکر لگایا۔''

شارب کے چہرے پر پھیلی خوشی اور روشنی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا، کہ وہ ابھی کچھ دیر قبل کس سے محو گفتگو تھا۔

''ہاں! سنا تھا آج کل تم بہت مصروف ہو اس لیے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

کاشی کی سنجیدگی میں کچھ تھا۔ شارب چونک اٹھا۔

''یار کیوں بے کاروں کا مذاق اڑا رہے ہو۔ جانتے تو ہو۔ فلائنگ ٹریننگ کے بعد دو تین فضائی کمپنیوں میں ٹرائل دینے کے بعد آج کل انتظار کی گھڑیاں گزار رہا ہوں۔ دیکھو قسمت کہاں لے جاتی ہے۔''

''مگر مجھے تو اطلاع ملی ہے، بلکہ میں نے تو تمہیں خود بہت اونچا اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔'' کاشی اس کے سامنے بے تکلفی سے آ بیٹھا، مگر سنجیدگی ابھی تک برقرار تھی۔ شارب اس کی بات کا مطلب سمجھ کر خود بھی سنجیدہ ہو گیا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''تم اتنے انجان تو نہیں ہو۔ میں عینی کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔'' کاشان نے اس بار واضح بات کی۔

''کیا تم مجھے اپنی کزن کے قابل نہیں سمجھ رہے؟'' شارب نے حیرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''نہیں! میں اپنی کزن کو تمہارے قابل نہیں سمجھ رہا۔ شارب پلیز تم مجھے غلط مت سمجھنا۔ ہماری دوستی بچپن سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہماری دوستی میں کسی کی وجہ سے دراڑ آئے۔'' کاشان پہلے کی طرح بولنے لگا۔

''میں ابھی بھی نہیں سمجھا۔ کاشی تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ رئیلی بلیوی عینی کے ساتھ میری انگیجمنٹ ہارٹلی اور سینسیئر لی ہے۔ مجھے ہماری دوستی کا پاس ہے۔ میں عنیبہ کو سیریسلی چاہتا ہوں اور میں اسے پرپوز بھی کر چکا ہوں۔ سنو تمہیں میری وجہ سے اپنی فیملی میں کبھی شرمندگی نہیں ہوگی۔''

شارب فوراً اپنے جذبات عیاں کرنے لگا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ کاشان کے بدلے رویے کا سبب یہی ہے، کہ کہیں وہ اس کی کزن کے ساتھ وقت گزاری نہ کر رہا ہو۔

''شارب مجھے تمہارے حوالے سے کوئی خدشہ نہیں ہے۔ دیکھو عینی کی تربیت مختلف ماحول میں ہوئی ہے۔ اس کا لائف اسٹائل اس کی تھنکنگ اس کے بی ہویئر سبھی ہم سے چینج ہیں۔ سچ پوچھو تو ہماری خالہ نے اسے اچھی لڑکیوں والی کوالیٹیز کے ساتھ پروان ہی نہیں چڑھایا۔ میں تو اسے نارمل لڑکی مانتا ہی نہیں ہوں۔ وہ اپنی ایک پسند پر اپنی رائے مستحکم نہیں رکھ سکتی۔ اسی لیے میں تمہیں آج سمجھانے آیا ہوں کہ اگر تمہاری سوچ اتنی دور نہیں گئی، تو یہ تعلق دوستی تک رہنے دو پلیز۔''

کاشان نے ہمت و جرأت سے ان باتوں کو واضح کیا تھا۔ بار بار شارب کی دل شکنی کا خیال بھی آ رہا تھا، کہ وہ اسے غلط سمجھ کر اپنی اور اس کی بچپن کی دوستی ختم نہ کر دے۔

شارب اسے کافی سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ محبوب کی برائی سننا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ خواہ بُرائی کرنے والے آپ کا عزیز از جان دوست ہی کیوں نہ ہو۔

''شاید پھوپو کو معلوم نہیں ہے کہ تم آئے ہو۔ میں چائے کے لیے کہہ کر آتا ہوں۔ تم آفس سے سیدھے آ رہے ہو نا۔ فریش ہو جاؤ۔'' شارب نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر فی الحال منظر سے غائب ہونا مناسب سمجھا۔ باوجود خواہش کے، کاشان اسے روک نہ سکا۔

دو منٹ بعد ہی ملازمہ بانو اس کے ساتھ چائے کی ٹرے اور لوازمات لے کر داخل ہوئی۔

''یار اس سب کی ضرورت نہیں تھی، میں بس گھر جا رہا ہوں۔'' کاشان پہلے ہی جانے کے لیے کھڑا تھا۔

''تو یہ چائے کون پیے گا۔ آرام سے بیٹھو یہاں، ورنہ پھوپو کو بلاتا ہوں۔'' شارب نے صوفے پر بیٹھ کر چائے کی ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔

''شاید تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو؟'' کاشان نے سامنے بیٹھے ہوئے اس کی سنجیدگی ملاحظہ کی۔

''نہیں بھئی کون کہہ رہا ہے۔'' شارب نے چائے میں چینی ملا کر اس کے سامنے رکھی۔

''تمہارا رویہ.....''

''کاشی تم مجھے سمجھنے میں غلطی کر رہے ہو۔ نہ میں تم سے ناراض ہوں اور نہ ہی مجھے تمہاری کوئی بات بری لگی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ایک شخص کے بارے میں تمہاری جو رائے ہو، اس سے میں یا کوئی اور بھی متفق ہو۔ یار ویسے بھی ہر انسان میں وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے۔ بہرحال عینی کے بارے میں میری رائے تو بہت اچھی ہے۔'' شارب نے آخر میں ذرا شوخی سے کہا، تو کاشان اسے دیکھ کر رہ گیا۔ سمجھ تو گیا تھا، کہ موصوف سمجھنے سمجھانے کی حدود سے نکل چکے ہیں، سو اسے دعا دینے لگا۔

''آئی وش، تمہاری رائے ہمیشہ اچھی رہے۔''

''تھینکس، مجھے تمہاری دعاؤں ہی کی ضرورت ہے۔'' شارب کا دل بھی اگلے پل صاف ہو گیا تھا۔ پھر دونوں اپنی دلچسپی کی دوسری باتیں کرنے لگے۔ کاشان اس دن بہت دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہا۔

شارب احمد نے عنیبہ کو پرپوز تو کر دیا مگر عینی نے خلاف توقع اس انداز میں پذیرائی، گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''ابھی تم سیٹل ہو جاؤ اور میری اسٹڈی تو کمپلیٹ ہونے دو، پھر اس ٹاپک کو بھی ڈسکس کریں گے، بلکہ پھر تو ہمارے پاس یہی ٹاپک ہوگا۔'' عنیبہ نے بڑی ادائے بے نیازی سے شارب کو شادی کے موضوع سے ہٹایا تھا۔

فون کالز کا سلسلہ جاری تھا اور ملاقاتیں بھی پہلے سے سوا تھیں۔ شارب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید بے چین رہنے لگا تھا۔ عنیبہ کی چاہت وہ اپنے لیے ہر لمحہ، ہر وقت دیکھنا چاہتا تھا۔ اس دوران اس کا برسوں پرانا خواب پورا ہو رہا تھا۔ اسے پاکستان ایئر لائنز کی طرف سے اپائنٹمنٹ لیٹر ملا تھا۔ اسے اسی ہفتے میں اپنی ڈیوٹی جوائن کرنی تھی۔ شارب احمد کی خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی۔ وہ اپنی خوشی سب سے پہلے عینی سے شیئر کرنا چاہتا تھا، مگر آج وہ نہ فون پر مل رہی تھی، نہ ہی خود رابطہ کیا تھا۔

اس خواب کو اس نے بچپن سے دیکھنا شروع کیا تھا، کہ وہ فضاؤں میں اپنا جہاز اڑا رہا ہے۔ اس کے بچپن کے کھلونوں میں زیادہ تر ہوائی جہاز ہی ہوا کرتے تھے۔ اس نے سوچا تو یہ بھی تھا کہ وہ پی اے ایف جوائن کرے، مگر شومئی قسمت جس دن اسے پی اے ایف کے لیے ٹیسٹ دینے جانا تھا، اس دن پاپا کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ انجائنا کا ایک یکدم ہی حملہ آور ہوا تھا اور اس طرح وہ اپنے خواب کو ادھورا چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا، لیکن پھر پاپا نے بھی اس کا شوق اور اس کا خواب دیکھتے ہوئے اسے کمرشل فلائنگ کی ٹریننگ دلوائی تھی۔ حالانکہ احمد حسن چاہتے تھے کہ شارب اب اپنے کاروبار پر توجہ دے، مگر وہ

صرف فضاؤں میں اڑنا چاہتا تھا۔ یہ تو عنیہ کے زندگی میں آنے سے اس کا جنون کچھ کم ہوا تھا، ورنہ تو وہ سوتے جاگتے ایک ہی خواب دیکھا کرتا تھا، جو کہ اب کہیں پورا ہو رہا تھا۔

انیلا پھوپو کب سے اس کی بے چینی بھانپ رہی تھیں۔ وہ پورے گھر میں چکراتا پھر رہا تھا۔ بار بار فون کا کوئی نمبر ملاتا اور پھر جھنجلا جاتا تھا۔ آخر ان سے رہا نہیں گیا، تو پوچھ ہی لیا۔

''کیا بات ہے بچے' کسی کا انتظار ہے جو اس قدر بے چین ہو؟''

''جی..... نہیں..... نہیں تو پھوپو۔''

''کوئی بات تو ہے۔''

''کیا بات ہو گی پھوپو۔ پاپا آفس سے آ گئے؟'' اس کی اپنی حرکتیں مشکوک تھیں۔ سارا دن گھر پر تھا' دیکھ رہا تھا، ابھی اس کے پاپا نہیں آئے' پھر بھی پوچھ رہا تھا۔

''کیا تمہیں بھائی جان کا انتظار ہے؟ جو بات بھی ہے کیا اپنی پھوپو سے شیئر نہیں کر سکتے؟ ویسے تم کچھ کہو نہ کہو' ہمیں خبر تو ہے۔'' انیلا پھوپو اپنے رنگ برنگے دھاگوں کی ٹوکری اور فریم میں لگا دوپٹہ لیے سامنے آ بیٹھیں۔

شارب نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا' دل میں دو دو چور تھے۔ ایک عنیہ اور دوسرا اپائنٹمنٹ لیٹر۔

''پھوپو' ریلی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میرا پی آئی اے سے اپائنٹمنٹ لیٹر آ گیا ہے نا تو میں اسی لیے پاپا کا پوچھ رہا تھا۔''

''کیا واقعی' خدایا شکر' میں تو کل ہی بھائی جان سے کہہ رہی تھی، کہ تمہیں زبردستی آفس لے جائیں، مگر کہنے لگے کہ اسے اپنا شوق پورا کرنے دو' آخر تو اسے ہی سنبھالنا ہے، مگر تم تو خوش ہونے کے بجائے کچھ پریشان لگ رہے ہو۔'' انیلا پھوپو اس کا باریک بینی سے جائزہ پہلے ہی لے چکی تھیں۔ ''دل نہیں مان رہا تو رہنے دو۔ بھائی جان کے ساتھ بزنس سنبھالو۔''

''پھوپو..... پھوپو یہ بات نہیں ہے۔'' وہ زچ ہوا۔

''تو پھر؟ بچے جو بات ہے' ہمیں بتا دو۔ کوئی لڑکی وڑکی پسند ہے تو کہہ دو، ورنہ ہم آج کل اس مشن پر نکلنے والے ہیں۔'' انیلا پھوپو پہلے بھی اسی انداز میں اس سے بات کر چکی تھیں۔ اب پھر انہوں نے یہ موضوع چھیڑا، تو اس بار وہ خفگی دکھانے کے بجائے مسکرا دیا۔

''پھوپو جان! ابھی مجھے سیٹل تو ہونے دیں، پھر کر لینا آپ اپنا مشن بھی پورا۔ پلیز ابھی اس ٹاپک کو رہنے دیں۔''

''اور کیسے سیٹل ہو گے۔ اللہ کا دیا سبھی کچھ تو ہے۔ شکر الحمد للہ! اب تو خیر سے روزگار بھی لگ گیا ہے۔ گھر میں رونق کا سبب پیدا کرنے میں کیا حرج ہے۔'' وہ آج اسے بخشنے والی نہیں تھی۔

''خدا کے لیے پھوپو' اس گھر کا امن و امان کچھ عرصہ تک تو برقرار رہنے دیں۔ رونق میلے کے لیے عمر پڑی ہے۔ ابھی تو مجھے ڈیوٹی جوائن کرنے کی تیاری کرنے دیں۔ اچھا میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا

ہوں۔'' وہ ان سے جان چھڑا کر فوراً ہی گھر سے بھاگا۔

پھر اسے لگا تھا کہ زندگی کی ہر خوشی اس کے دامن میں سمٹ آئی ہے۔ اس نے زندگی میں جس چیز کی تمنا کی تھی، وہ اسے مل گئی تھی۔ عینی کا پیار اور اپنے خوابوں کی تکمیل..... عینی اس کی چاہتوں کے سفر میں ہم سفر تھی اور اسے کیا چاہیے تھا۔ اسی لیے تو اس نے کاشان کی باتوں پر کان نہیں دھرے تھے' نہ ہی کسی کے رویے کو نوٹ کیا تھا۔ وہ تو مگن و مست تھا۔ منزل اس کے قدموں تلے تھی اور اپنی ہر کامیابی پر اس کی لگن مزید بڑھ رہی تھی۔

وہ پہلی انٹرنیشنل فلائٹ لے کر جا رہا تھا۔ اس بار پھوپو اور پاپا نے وارننگ دی تھی، کہ وہ اب اس کی شادی کے لیے سنجیدگی سے عملدرآمد کا سوچ رہے ہیں۔ اس کی فلائٹ لندن کی تھی۔ لندن میں اس کی مدیحہ ایپا بھی رہتی تھیں اور وہ چاہ رہا تھا، کہ اپنے دل کی بات ان سے کہہ کر فی الحال پاپا اور پھوپو کو اس معاملے پر عمل پیرا ہونے سے باز رکھے۔ عینی کے گریجویشن مکمل کرنے میں ابھی چھ سات ماہ باقی تھے۔ تب تک وہ عینی کو ایسے فیصلے کے لیے مجبور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سو مدیحہ ایپا کو مختصراً اپنی مجبوری بتا کر ان سے مدد طلب کر کے وہ سب کے لیے کئی تحائف لے کر لوٹ آیا تھا۔ اس بار بھی اس کی خواہش تھی، کہ وہ سب سے پہلے عینی سے ملے' اس پر اپنی بے چینیاں و بے قراریاں عیاں کر دے، جو چند روز میں مزید شدت اختیار کر گئی تھیں، مگر اس سے رابطہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا موبائل آف تھا یا کیا تھا' وہ اس سے مل نہیں پا رہی تھی۔ لندن سے بھی کئی بار اس نے فون کیا تھا، مگر عینی سے رابطہ ہی نہیں ہو سکا تھا۔ کافی بار کوشش کرنے کے بعد اس نے اس کے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ آج تک وہ بے دھڑک اس کے گھر گیا تو نہیں تھا، مگر آج کی بے تابیوں کے ہاتھوں مجبور تھا۔ وہ تیار ہو کر نکلا ہی تھا، کہ گیٹ پر کاشان مل گیا۔ وہ اسی سے ملنے آ رہا تھا۔

''لگتا ہے کہیں جا رہے ہو۔ اوکے میں بعد میں آ جاؤں گا۔''

''بعد میں کیوں' تم ابھی آؤ نا' بلکہ میرے ساتھ چلو' اچھا ہے تم ساتھ ہو گے تو مجھے جھجک نہیں ہو گی۔'' شارب نے فوراً ہی فرنٹ ڈور کھول دیا۔ کاشی کو نا چار بیٹھنا پڑا۔

''کہاں جا رہے ہو۔ عینی کی طرف.....''

''ہوں۔ اس سے میرا رابطہ نہیں ہو رہا۔ وہ ٹھیک تو ہے' کہیں گئی تو نہیں ہوئی؟'' شارب نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

کاشان کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔

''آئی ڈونٹ نو۔ ہماری طرف بھی وہ کافی دنوں سے نہیں آئی۔ آئی تھنک' لاسٹ ٹائم تمہارے ساتھ ہی آئی تھی۔''

کاشان نے مجبوراً جواب دیا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ عینی کے حوالے سے وہ خبر اپنے دوست کو سنا

دے، جس نے ان سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا، مگر وہ شارب کو یکدم کسی جذباتی ہیجان میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں میرے ساتھ بھی وہ کومٹ نہیں کر پا رہی۔ ویل اب چل رہے ہیں، تو دیکھ لیتے ہیں کیا بات ہے۔ کاشی کہیں اس کے مام ڈیڈی تو ناراض نہیں ہیں، ہمارے اس تعلق سے؟" شارب کو ایکدم خدشہ لاحق ہوا۔

"آئی ڈونٹ نو۔" کاشی نے اپنی جان چھڑائی۔

"کاشی مجھے خود بھی اچھا نہیں لگتا۔ وہ اچھی فیملی کی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ چوری چھپے ملنا...... اس کے پیرنٹس کو ضرور برا لگتا ہوگا۔ پاپا اور پھوپو شادی کے لیے بہت اصرار کر رہے ہیں۔ عینی سے کہتا ہوں کہ میں اپنی فیملی کو بھیج رہا ہوں۔ فی الحال منگنی تو ہو جائے' شادی ہوتی رہے گی۔ کاشی یہ ٹھیک رہے گا نا؟"

شارب اپنے دل کے جذبے عیاں کرتے ہوئے، کاشی کے متغیر چہرے اور خاموشی کو محسوس نہ کر سکا۔ کاشی سے رہا نہ گیا تو بول اٹھا۔

"ہاں! اس کی منگنی تو ہو چکی ہے۔ شادی بھی ہو جائے گی۔"

"کس کی منگنی؟ کاشی تم کس کی شادی کی بات کر رہے ہو؟"

شارب کو لگا تھا اس نے غلط سنا ہے۔ گاڑی کے ٹائرز زبردست انداز میں چرچرائے تھے اور گاڑی بیچ سڑک پر رک گئی تھی۔ شکر تھا کہ سڑک زیادہ مصروف نہیں تھی ورنہ ایکسیڈنٹ ہونے کا خطرہ تھا۔

"کنٹرول یور سیلف' شارب ایزی۔"

"تم...... تم کیا کہہ رہے تھے ابھی؟ منگنی ہو چکی...... شادی بھی ہو جائے گی...... یہ تم کس کے بارے میں کہہ رہے ہو؟" شارب کے حواس مختل ہونے لگے۔ کاشان کا انداز گفتگو مبہم نہیں تھا، جو وہ نہ سمجھ پاتا' پھر بھی وہ جیسے اپنی سماعت کو جھٹلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم کار اسٹارٹ کرو پھر کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" کاشان نے اس کا کندھا سہلا کر جیسے اسے حوصلہ دینا چاہا۔

"پلیز کاشی جلدی بتاؤ کیا بات ہے۔ تمہیں میری کنڈیشن کا اندازہ نہیں ہے شاید۔" شارب کے چہرے کا رنگ پل میں اڑ گیا تھا۔

"مجھے اندازہ ہے' تبھی تو کہہ رہا ہوں۔ اچھا تم ادھر آؤ میں ڈرائیو کرتا ہوں۔" کاشان فرنٹ سیٹ سے اتر کر گھوم کر شارب کی طرف گیا۔ شارب کسی معمول کی طرح ساتھ والی سیٹ پر کھسک گیا۔

اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ کاشان کی سنجیدگی اور باتیں اب واضح ہو رہی تھیں۔

کاشان نے جیسے ہی گاڑی اسٹارٹ کر کے واپس موڑی' شارب نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

"کاشی پلیز میرے صبر کو مت آزماؤ' کیا بات ہے' صاف صاف کہو۔" کاشی نے گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کر کے اپنے سارا رخ شارب کی طرف موڑا، مگر اس سے شارب کی آنکھوں میں دیکھا نہیں گیا۔

"شارب اس ویک اینڈ پر عنیہ کی منگنی اپنے ڈیڈی کے نئے بزنس پارٹنر اسد زمان سے ہو گئی ہے اور......"

"کک...... کیسے؟ عینی نے بتایا نہیں کہ وہ میرے ساتھ انوالو ہے۔ وہ مجھ سے کمٹمنٹ کر چکی ہے...... پھر کیسے کاشی...... تم سب جانتے تھے، پھر بھی کیوں...... میں زیادہ دن تو اس سے دور نہیں رہا، پھر یہ اتنی جلدی سب کیسے ہو گیا؟"

شارب کے لیے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ "کاشی کہیں تمہارے انکل نے اسے پریشرائز تو نہیں کیا۔ اپنے بزنس انٹرسٹ کے لیے، اس کی خوشی اور مرضی جانے بغیر اس پر اپنا فیصلہ تھوپ دیا ہو...... ایسا ہو سکتا ہے نا کاشی؟ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ہمارے سسٹم میں ابھی تک لڑکیوں کی خوشیاں اپنے مفاد پر قربان کر دی جاتی ہیں، لیکن وہ عینی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

شارب احمد کا یقین لڑکھڑا کر پھر سے سنبھل گیا تھا۔ خوش گمانی نے اسے گرنے نہیں دیا تھا۔ کاشان نے دکھ و افسوس کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اپنے دوست کو دیکھا۔

"شارب اس بارے میں' میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب عنیہ کی مرضی اور خوشی سے ہوا ہے۔ وہ اسد زمان کی خود میں دلچسپی اور اپنے ڈیڈی کے ارادوں کو بہت پہلے سے جانتی تھی۔ اسی لیے میں تم سے کہتا تھا کہ اتنی دور مت جاؤ کہ پھر پلٹنا بھی مشکل ہو جائے۔"

کاشی نجانے مزید کیا کیا کہہ رہا تھا۔ وہ تو صرف اسی بات میں اُلجھا ہوا تھا کہ یہ سب عنیہ کی مرضی سے ہوا ہے۔ دکھ کی تیز لہر نے اس کے وجود اور ذہن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کاشان اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے اسے دوبارہ گل آباد لے آیا تھا۔ کاشان نے اسے بہت سمجھایا تھا، مگر وہ تو جیسے ٹوٹ کر بکھر سا گیا تھا۔ سرد و سپاٹ انداز میں کاشان کو بھی جانے کے لیے کہا اور خود اپنا کمرا بند کر کے بیٹھ گیا۔ اس کے اندر صرف ایک ہی سوال اُٹھ رہا تھا کہ آخر عنیہ نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا...... اسے اپنی جانب بلا کر راستہ کیوں بدل لیا...... وہ تو اس کے ساتھ زندگی کی ہر مسافت طے کرنا چاہتا تھا اور وہ ابتدائے سفر میں ہی ہاتھ چھڑا کر نئی منزلوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔ کیوں آخر کیوں......

غم و غصے کی تیز لہر اس کے دل سے اٹھ کر اسے بے قرار کر رہی تھی۔ عینی سے اپنے ہر سوال کا جواب مانگے بغیر اسے قرار نہیں آ سکتا تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنی وحشتوں کو خرد کے بند باندھتا عینی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"شا...... رب احمد تم اس وقت...... واپس کب آئے؟" اپنے گھر کے لان میں کھڑی عنیہ فیاض کی حیرت غیر یقینی سی تھی۔

شام کی ساری اداسی اس وقت شارب احمد کی ذات سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے ملازم کو کہہ کر عنیہ کو بلایا تھا۔ عنیہ اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے سامنے آئی تھی۔ لگتا تھا کہیں جانے کی تیاری میں ہے۔

"میں ہمیشہ کے لیے تو نہیں گیا تھا۔" اس کے جواب میں ہزاروں شکوے پنہاں تھا۔ "مجھے واپس

تو آنا ہی تھا۔''

وہ ضبط کرتا ہوا عنیہ کو دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ندامت کا کوئی رنگ تھا اور نہ ہی ملال کا کوئی عکس..... اس کے چہرے پر آج بھی وہ نکھار تھا، جسے کبھی شارب نے بہاروں کا نام دیا تھا۔

''شاید تمہیں علم ہو گیا ہے۔ میں ڈیڈی کے فیصلے پر احتجاج نہیں کر سکتی تھی۔ انہوں نے آناً فاناً سب ارینج کیا۔ مام نے بھی میری ایک نہیں سنی۔ مام کہتی ہیں: پیار' محبت' صرف چند دن کا چارم ہوتا ہے۔ لائف اپنے اسٹیٹس سے ایک انچ نیچے اتر کر بھی نہیں گزاری جا سکتی جب کہ.....''

وہ نجانے اسے کیا سنا رہی تھی' کیا بتا رہی تھی' شارب احمد کا دماغ گھوم گیا۔

''تمہارے اور میرے اسٹیٹس میں کیا فرق ہے؟ اور اگر فرق ہے تو تم نے میرے ساتھ کمٹمنٹ کرتے ہوئے یہ سب اپنی مام سے پہلے ڈسکس کیوں نہیں کر لیا تھا۔''

''شارب احمد! تمہیں اس طرح شاؤٹ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' عنیہ نے بھی فوراً ماتھے پر آنکھیں رکھ لیں۔

''اور تمہیں بھی کوئی حق نہیں تھا مجھ سے' میرے جذبات میری فیلنگز سے کھیلنے کا..... آج تمہیں میرا اسٹیٹس خود سے کم لگ رہا ہے؟ اس وقت تمہاری نظروں کو کیوں دھوکا ہوا تھا، جب تم میری طرف بڑھ رہی تھیں۔ تمہاری مام کو ہماری ریلیشن شپ کا علم بہت پہلے ہو گیا تھا۔ انہوں نے کیوں نہیں تمہیں روک لیا؟ مجھے دیکھ کر تمہیں لگا کہ میں کسی فقیر خاندان کا ہوں؟ میں تم پر ہزاروں نہیں لاکھوں لٹا سکتا تھا، مگر مجھے لگا کہ یہ سب کسی رشتے اور تعلق کی بنا ہو تو زیادہ اچھا ہو گا اور تم..... تم نے سمجھ لیا کہ میں.....''

''شٹ اپ' اٹس الف' پلیز گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔'' عنیہ کا غصہ بھی عود کر آیا۔ شارب نے شاید اسے آئینہ دکھا دیا تھا۔ وہ اس کے اسٹیٹس کے باب میں چھپے ہر سبق کو اچھی طرح سمجھ کر اس پر واضح جو کر رہا تھا۔ ''مام از رائٹ' تم جیسے مرد لڑکیوں سے محبت کا صرف ڈھونگ کرتے ہیں۔ تم جیسوں کی محبت جھوٹا دھوئی ہی ہوتی ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے ورنہ.....'' پھر عنیہ رکی نہیں خود ہی اندر پلٹ گئی۔

شارب مٹھیاں بھینچے کئی لمحے تک کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ پھر بہت وقت سے اس نے اپنے قدم موڑے تھے۔ اس کی پہلی محبت کا یہ انجام ہو گا۔

یہ اس نے سوچا نہ تھا۔ اس کا ہر خواب ٹوٹ کر کرچیوں کی صورت اس کے جسم و جاں میں پیوست ہو رہا تھا۔ یہ زخم اس نے خود لیے تھے۔ یہ درد اس نے خود خریدا تھا۔ کس کس نے نہیں اسے روکا تھا۔ معصوم سی جینی تک نے اس سے ایک روز کہا تھا۔

''شاری بھائی! آپ کو برا تو لگے گا، مگر میں دل کی بات روک نہیں پا رہی۔ مجھے نا عینی آپ کے ساتھ اچھی نہیں لگتی۔ آپ کی نیچر بہت سوفٹ کیئرنگ ہے، جب کہ عینی کو کسی کی پروا نہیں ہوتی۔ ہر اچھے لڑکے کے پیچھے پڑ جاتی ہے اور پھر خود پیچھے بھی ہٹ جاتی ہے۔ مجھے ایسی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں، آپ کو بھی تو اچھی نہیں لگتی ناں۔''

سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ جینی کی باتیں سن کر اسے ہنسی آئی تھی۔ وہ جانتا تھا جینی یعنی ناجیہ اس سے

بہنوں سے بڑھ کر محبت کرتی ہے۔ شارب کے حوالے سے اس کے بالکل بہنوں والے ارمان تھے۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا، جینی نے اپنی معصومیت سے کیے اظہار میں اسے خبردار بھی کیا تھا، لیکن وہ اس وقت چاہت کے خوش رنگ موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے نہ آندھی کا خوف تھا اور نہ ہی کسی طوفان کا خطرہ تھا۔ اتنی جلدی یہ موسم بدل جائے گا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تمناؤں کے پھول ایک گرم جھونکے سے کملا جائیں گے۔ زندگی سیراب کرتے کرتے اس سراب تک لے جائے گی' یہ تصور کب کیا تھا۔

وہ بہت بکھرا ہوا واپس لوٹا تھا۔ انیلا پھوپو بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ پریشانی ان کے چہرے پر بھی پھیلی ہوئی تھی۔

''کہاں چلے گئے تھے اچانک۔'' انہیں سامنے دیکھ کر اسے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وہ ان کی طرف دیکھے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ''بھائی جان بھی تمہارا پوچھ رہے تھے۔''

''پھوپو' میری طبیعت اچھی نہیں ہے۔ پلیز' مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔'' آج سے پہلے اس کے رویے میں اس قدر ٹھنڈک کب پیدا ہوئی تھی۔ انیلا پھوپو کی حیرت مزید سوا ہوئی۔

''کیا ہوا طبیعت کو' شام تک تو تم ٹھیک تھے۔ کسی سے جھگڑا کر کے آئے ہو؟''

''پلیز..... پلیز پھوپو' مجھے کچھ دیر تنہا رہنے دیں، بلکہ مجھے کسی بھی چیز کے لیے ڈسٹرب مت کرنا۔'' وہ اسی سرد مہری کا مظاہرہ کرتا اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔

انیلا پھوپو کے لیے اس کا رد یہ تکلیف دہ ہونے سے زیادہ فکر انگیز تھا۔ بہت دنوں بعد اسے خود سے، دنیا سے، بلکہ سبھی سے بے زار دیکھا تھا۔ وہ تو اس کی پچھلے کچھ عرصے کی خوشگواری پر شکر ادا کرتی تھیں۔ اسے ہنستے بولتے دیکھ کر ان کا بھی خون بڑھ جاتا تھا، ورنہ احیہ بھابی کی موت کے بعد تو شارب کو زندگی کی طرف لانا مشکل ہو رہا تھا۔ بہت وقت سے آہستہ آہستہ وہ اپنے پاپا اور پھوپو کی خاطر زندگی کی طرف بڑھا تھا اور اس کی کوشش بھی انیلا پھوپو کے ساتھ کاشان اور جینی نے کی تھی۔ اب بھی انہوں نے فون کر کے کاشان کو بلا بھیجا۔

''کیا وہ باہر گیا تھا؟'' کاشان نے آتے ہی پوچھا۔

''ہاں! ابھی تو آیا ہے۔ بے حال سا۔ چہرے پر وحشت لپک رہی تھی۔ میں نے پوچھا بھی کہ رہا ہے، طبیعت ٹھیک نہیں ہے' تنہا چھوڑ دیں' ڈسٹرب نہ کریں۔ کیا تم دونوں کا کوئی جھگڑا ہے؟''

''نہیں..... نہیں پھوپو' ایسا کبھی ہوا ہے۔ شاید وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو گی۔''

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو ڈاکٹر کو بلاتے ہیں۔ اس طرح کمرے میں بند ہونا..... بھائی جان کو کیا کہوں۔ وہ تو پریشان ہو جائیں گے۔'' انیلا پھوپو خود بھی روہانسی ہو رہی تھیں۔

''انکل سے کچھ مت کہیں۔ بس اتنا بتائیں تھکا ہوا ہے' سو گیا ہے۔ پھوپو اسے ابھی ڈسٹرب مت کریں تو اچھا ہے۔ صبح تک وہ نارمل ہو جائے گا۔'' کاشان نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''کوئی مسئلہ ہے؟ بتاؤ نا بچے کیا بات ہے۔''

''معلوم نہیں پھوپو' میں اس سے پوچھوں گا، تو آپ کو بتاؤں گا۔ ویسے آپ پریشان مت ہوں۔ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہوگا۔ بہت دنوں بعد گھر لوٹا ہے ڈسٹرب تو ہوگا ہی۔'' کاشان نے انہیں بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کی۔

انیلا پھوپو کے اطمینان کے لیے یہ کافی نہیں تھا' پھر بھی وہ فی الحال خاموش ہوگئی تھیں، مگر اندر سے بے چین بھی تھیں۔

اسے ایک پل چین و قرار نہیں آرہا تھا۔ زندگی اتنی بے کیف پہلے کبھی نہ تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ محبت کا سرور اتنی جلدی ختم ہو کر تلخی میں بدل جائے گا۔ عنیہ فیاض اسے ٹھکرا کر کسی اور کا ہاتھ تھام کر اسے یقین دلا تو رہی تھی، کہ زندگی میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ زندگی میں اپنی پسند سے سب کچھ پانے کا نشہ چند روز سے زیادہ مسحور نہیں رکھتا۔ اسے خود پر ہی حیرت تھی، کہ اس نے عنیہ فیاض کو سمجھنے میں غلطی کیوں کی اور کس طرح..... وہ تو کھلی کتاب کی مانند سامنے تھی۔ خود کو بے باکی سے عیاں کرتی' اپنی ترجیحات کی فہرست گنواتی ہوئی..... اسے اپنی زندگی میں صرف محبت نہیں چاہیے تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سب کچھ بھی چاہیے تھے، جو دنیا میں اسے سب سے اعلیٰ و نمایاں کر دے۔ شارب احمد اسے سب کچھ دے سکتا تھا، مگر اس نے تو آزمایا بھی نہیں اور دامن چھڑا کر الگ ہوگئی تھی۔ ایک ساتھ دیکھے خوابوں کے محل کو اپنی بے وفائی کے پتھر سے چکنا چور کر دیا تھا اور اسے ملال بھی نہ تھا۔ اپنے غصے سے نکلنے کے بعد شارب کو اسی دکھ نے گھیر لیا تھا، کہ اس کے جذبے ایک بے وفا حسینہ پر لٹے تھے۔

یہ رات اس کی کروٹیں بدلتے اضطراب میں گزری تھی۔ وہ سگریٹ نہیں پیتا تھا، لیکن کچھ دوستوں کی فرمائش پر لائے ہوئے سگریٹ اس نے رات بھر میں پھونک ڈالے۔ بے کلی تھی کہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ کروٹ کروٹ کانٹوں کی چبھن نے اس کا وجود چھلنی کر دیا تھا۔ وہ کبھی لیٹتا کبھی اُٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ اسی عذاب کو جھیلتے رات کٹ گئی۔ صبح جاگنے لگی تھی، مگر اداس و منتشر سورج کی پیلی پیلی کرنوں نے فضا کو مزید مغموم و بیمار بنا دیا تھا۔

کھڑکی میں کھڑے ہو کر اس نے دیکھا موسم بہار رخصت ہو رہا تھا' اسی لیے خزاں اس کے وجود سے لپٹ گئی تھی۔ پھر اس کی نظر اپنے پاپا پر گئی۔ وہ لان کی گھاس پر بہت سست روی سے ٹہل رہے تھے۔ لگتا تھا وہ کسی گہری سوچ میں مبتلا تھا۔

شارب کو یکدم اپنے رویے کا احساس ہونے لگا۔ اپنی لغزشوں کی سزا وہ اپنے پاپا اور پھوپو کو کیوں دے رہا تھا۔ وہ دونوں اسی کی خاطر زندہ تھے۔ انیلا پھوپو نے نوجوانی میں بیوگی کا دکھ اٹھانے کے بعد اپنی زندگی شارب کے لیے وقف کر دی تھی اور پاپا کی ہر اُمید و آرزو کا محور ہی وہ تھا اور وہی انہیں ملال اور دکھ دے رہا تھا۔ اپنے زخم خوردہ دل پر دلاسے کا مرہم رکھتے' خود کو سمجھاتے وہ فریش ہو کر خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کرتا، اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ احمد حسن حسب معمول لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھنے میں

مصروف تھے۔ آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا۔

''السلام علیکم پاپا! آئی ایم سوری میں آپ سے کل رات مل نہیں سکا۔ ایکچوئلی میں بہت تھک گیا تھا تو.....'' وہ سامنے بیٹھ گیا۔

''اٹس آل رائٹ بیٹا' تھکن تو لگتا ہے ابھی بھی نہیں اتری' آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ کوئی میڈیسن لے لیتے۔''

وہ پاپا کی اس قدر محبت پر ان سے نظریں چرانے لگا۔ ایک بے وفا کی خاطر وہ اپنے اتنے پیارے رشتوں کو نظر انداز کر رہا تھا۔

''اب ٹھیک ہوں پاپا' صبح بخیر پھوپو' ناشتہ تیار ہے؟'' احمد حسن کو جواب دے کر وہ کچن سے آتی پھوپو کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ ''کیا ہوا؟ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں' کیا میں بدل گیا ہوں؟'' شارب نے اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی۔

''شاید۔'' وہ فوراً ہی واپس پلٹ گئیں۔ شارب بھی اٹھ کر ان کے پیچھے لپکا۔

''پھوپو پلیز' آئی ایم سوری۔ میں رات بہت ڈسٹرب تھا۔'' شارب نے جا کر انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

''کیوں..... کیوں تھے ڈسٹرب؟ اتنے دنوں بعد گھر آ کر کوئی ڈسٹرب ہوتا ہے؟'' انیلا پھوپو نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

''بس ہو گیا تھا ناں' ایکچوئلی مجھے امی جانی یاد آ گئی تھیں اس لیے۔'' شارب نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے جھوٹ بولا اور پھر فوراً ہی ان کے پاس سے ہٹ کر کچن سے باہر آ گیا۔

وہ ٹیرس پر کھڑا سگریٹ پیتے ہوئے اپنی سوچوں میں اس قدر منہمک تھا، کہ اسے جینی کے آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ چونکا اس وقت، جب وہ سائیڈ سے آ کر حیرت سے چیخ کر بولی تھی۔

''شاری بھائی! آپ بھی اسموکنگ کرتے ہیں۔''

جینی کو دیکھ کر شارب کے ہاتھ سے سگریٹ نکل کر نیچے جا گرا۔ جس دن سے وہ عنیہ سے مل کر آیا تھا' کاشان ولا نہیں گیا تھا۔ کاشی ہی دو تین بار آیا تھا' احساسِ شرمندگی کے گہرے احساسات چہرے پر سجائے۔ عنیہ کی بے وفائی کے لئے وہ نجانے خود کو مجرم کیوں سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ شارب نے اسے کوئی الزام دیا تھا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی شکوہ کیا تھا۔ وہ تو اپنے درد کو اپنے دل میں دبا کر جینے کی کوشش کر رہا تھا۔

''بھائی! آپ جینی کے لیے یہ زہر اپنے اندر اتار رہے ہیں؟ آپ تو کاشی بھائی کو اسموکنگ سے منع کرتے ہیں۔ اب خود ہی.....'' جینی اسے اس طرح بکھرا ہوا دیکھ کر روہانسی ہو رہی تھی۔ ''آپ ایک بے وفا لڑکی کی خاطر اپنے آپ کو، ہمیں سب کو سزا دے رہے ہیں۔ کیا آپ کی زندگی صرف ایک لڑکی کے

فریب سے شروع ہوکر اس کی بے وفائی پر ختم ہو جاتی ہے۔ میں آپ کو اتنا کم ہمت نہیں سمجھتی تھی بھائی۔'' وہ آنسوؤں سے رونے لگی۔

شارب جو شرمندگی سے سر جھکائے کھڑا تھا' اس کی رندھی آواز پر اسے دیکھنے لگا۔

''یہ کیا؟ جینی پاگل ہوگئی ہو۔ ایسا کچھ نہیں ہے، جیسا تم سمجھ رہی ہو۔'' شارب نے اسے بڑھ کر اپنے بازو میں سمیٹا۔ ''دیکھو! اس کی بے وفائی سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔ میں اپنی لائف روٹین سے گزار رہا ہوں۔ کھاتا ہوں' پیتا ہوں۔ فلائنگ کرتا ہوں۔ تمہیں کیوں لگ رہا ہے کہ میں خود کو سزا دے رہا ہوں۔''

''تو پھر یہ سب کیوں...... ہمارے گھر کیوں نہیں آتے آپ؟ پپا مما آپ کے نہ آنے پر حیران ہوتے ہیں۔ ہم انہیں کیا بتائیں کہ......'' وہ آنسو پونچھتی پھر سے اس کے سامنے کھڑی سوال کر رہی تھی۔

''آؤں گا' ضرور آؤں گا۔ تم سب سے دور یا الگ تو نہیں رہ سکتا۔ دیکھو میری پیاری بہنا یادوں کی پرچھائیاں مٹانے کے لیے کچھ وقت تو لگتا ہے اور مجھے بھی تھوڑا سا وقت تو چاہیے ناں۔''

''تو پھر آپ وعدہ کیجئے آئندہ کبھی اس طرح اداس اور اکیلے نہیں رہیں گے۔ معلوم ہے کاشی بھائی بھی آپ کو فیس کرتے ہوئے گلٹی فیل کر رہے ہیں۔''

''وہ تو اسٹوپڈ ہے۔ میرے ساتھ جو ہوا' میری اپنی جلد بازی کی وجہ سے ہوا۔ فارگیٹ اٹ۔ میں وہ سب بھول جانا چاہتا ہوں۔ تم لوگ بھی بھول جاؤ۔'' شارب نے اسے مسکرا کر دیکھا تو وہ بھی ہنس دی۔

''ویسے گڈ حکلنگ بھائی' رئیلی مینی مجھے شروع سے ہی ناپسند تھی۔ اچھا ہوا آپ کی جان چھوٹ گئی۔''

''کم ان نیچے چلتے ہیں۔ میرا فون بھی نیچے ہی ہے۔ شیزی کا فون آنا تھا۔ مائی گاڈ میں بھول کیسے گیا۔'' شارب اس کا ہاتھ تھام کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

''یہ کون ہے؟ کون ایئر ہوسٹس؟ سنا ہے بہت بیوٹی ہوتی ہے آپ لوگوں کے اردگرد۔''

''جینی کی بچی' وہ میرا دوست ہے شہزاد۔ میرے ساتھ فلائٹ پر ہوتا ہے اور تم نا' اِدھر اُدھر کی سننے کے بجائے اپنی اسٹڈی پر توجہ دو' فیل ہوگئی تو پکڑ کے شادی کر دیں گے۔'' بہت دنوں بعد شارب پہلے والے انداز میں لوٹا تھا۔ جینی منہ بنا کر رہ گئی۔

''اوہیں۔ اتنی جلدی شادی کبھی نہیں کروں گی میں۔ آپ بھی مما کی باتیں کم سنا کریں ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی اور آرام سے شام کو ہمارے گھر آجائیں۔ میں انتظار کروں گی۔''

وہ اس سے پہلے اتر کر چلی گئی جب کہ شارب کو کچھ لمحے خود کو سنبھالنے میں لگے تھے۔ کتنا مشکل ہے اپنا درد چھپانا اور اس سے بھی مشکل مسکرانا......

وہ حسب وعدہ کاشان ولاز میں شام ڈھلے موجود تھا۔ جینی کو ناراض کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

کتنے دنوں بعد وہ سب ایک ساتھ ایک جگہ پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ کاشان کے پاپا محمود ایاز اس کی مما رخسانہ آنٹی اس کی آمد پر خوش ہونے کے ساتھ گزشتہ دنوں کی غیر حاضری پر شکوہ کناں بھی تھے۔ شارب اور عنیہ کے درمیان قائم ہوئے تعلق اور پھر ٹوٹنے والے مراسم کی کسی بڑے کو خبر نہ تھی۔ کاشان کے چند ایک کزنز ہی عنیہ اور شارب کی دوستی سے واقف تھے اور شاید وہ بھی اس تعلق ناپائیدار کے انجام سے واقف تھے، تبھی کسی نے اس بات و معاملے کو زیادہ نہیں پھیلایا تھا۔ تبھی تو اسے محمود انکل اور آنٹی رخسانہ کی پذیرائی میں نہ فرق محسوس ہو رہا تھا اور نہ ہی کسی مصنوعی پن کا احساس ہوا تھا۔ اس کے دل میں اپنے دوست کے لیے مزید محبت بڑھ گئی۔

جینی بار بار باہر ڈنر کے لیے اصرار کر رہی تھی۔ کاشان اور شارب کے لاکھ ٹالنے کے باوجود وہ مان کے نہ دی۔ آخر انہیں اس کی بات مان کر ہمراہ لانا ہی پڑا۔ تینوں ہی کھانا کھاتے ہوئے ہلکی پھلکی گفتگو میں معروف تھے، تبھی شارب کی پشت پر کھڑے ہو کر عنیہ نے کاشان کو بہت خوشدلی سے مخاطب کیا۔

''ہائے کزن! اکیلا اکیلے ڈنر اڑایا جا رہا ہے۔''

مانوس آواز پر شارب کا چہرہ ایکدم ہی متغیر ہوا اور پھر اگلے ہی پل وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جینی نے بھی عجیب تاثرات کے ساتھ اس کی آمد و مداخلت پر اسے دیکھا۔

''ہیلو جینی' کیسی ہو؟ انگیجمنٹ فنکشن کے بعد تم آئی نہیں۔ اوہ آپ بھی ہیں۔'' عنیہ کے چہرے اور لہجے میں بھی تناؤ آیا۔

شارب اسے ایک نظر دیکھ کر خود کو کھانا کھانے میں مگن ظاہر کر رہا تھا۔

''آؤ بیٹھو! ڈنر شیئر کرنا چاہو تو موسٹ ویلکم!'' کاشان نے مروت نبھائی۔

''نو تھینک یو' اسد میرے ساتھ ہیں۔'' اسی پل اسد زمان بھی ان کی طرف چلا آیا۔ رسمی علیک سلیک اور شارب سے رسمی تعارف کے بعد وہ دونوں معذرت کر کے ان کی میز سے ہٹ گئے۔ عنیہ کے رویے میں خاصا غرور جھلک رہا تھا۔

''اس مصیبت نے بھی ابھی نازل ہونا تھا۔'' جینی کا موڈ بھی خراب ہو گیا تھا۔

''جینی' ایسا نہیں کہتے۔'' شارب نے اسے ٹوکا۔

''بھائی آپ بھی نا' کیا ساری اخلاقیات ہمارے لیے ہیں؟''

''لیو اٹ' جلدی سے کھانا ختم کرو' پھر آئس کریم بھی کھانی ہے یا نہیں۔''

شارب حتی الامکان کوشش کر رہا تھا کہ اس کے رویے سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو، ورنہ زخم تو ابھی نیا تھا۔ چھیڑنے پر ٹیس دینے لگتا تھا، جبکہ وہ تو اس کے زخم پر نمک پاشی کرنے کو اس کے بالکل سامنے والی میز پر ہنستی کھلکھلاتی بیٹھی تھی۔ کاشان پھر سے شرمندگی میں گھر اتھا۔ شارب نے اسے غیر محسوس انداز میں اسے اس شرمندگی سے نکال لیا۔ جو باب اس کی زندگی سے نکل چکا تھا' اسے دہراتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں

تھا۔سو وہ بھی زندگی کو پھر سے جینے میں کوشاں ہو رہا تھا۔

''شاری' مدیحہ نے ہمیں ایک خوش خبری سنائی تھی۔ ہمیں وہ خوشی دیکھنے کو کب ملے گی؟''

انیلا پھوپو کے انداز پر وہ یکدم چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ تینوں رات کے کھانے سے فارغ ہو کر لان میں آ کر بیٹھے ہی تھے، کہ انیلا پھوپو نے یکدم یہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔ وہ تو بھول ہی گیا تھا، کہ وہ مدیحہ آپی سے کوئی اس قسم کی بات کر کے آیا ہے اور اس کے لیے گھر والوں کے سامنے جواب دہ بھی ہونا پڑے گا۔

''برخوردار! کہاں گم ہو' انیلا کچھ پوچھ رہی ہے۔'' احمد حسن کی دلچسپی بھی خاص طور پر تھی۔

''جی پاپا!'' وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''مدیحہ کہہ رہی تھی' تمہارا بھائی اب بڑا ہو گیا۔ اس پر اب گھر بار کی ذمہ داری ڈالیں، بلکہ کہہ رہی تھی تم ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہو۔'' احمد حسن نے زیر لب مسکراہٹ سے بیٹے کو دیکھا، تو وہ سر ہلا کر رہ گیا' پھر سنجیدگی سے بولا۔

''پاپا' میں نے آپی سے مذاق کیا تھا۔ آپی بھی بس..... رئیلی بلیوی' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی مجھے شادی وادی نہیں کرنی۔'' اس نے یقین دلانے کی پوری کوشش کی۔

''پھر کب کرو گے؟ کوئی پسند ہے تو بتا دو۔ تم تو جانتے ہو' ہمیں تمہاری پسند پر اعتراض نہیں ہوگا۔ آخر زندگی تو تمہیں گزارنی ہے۔''

انیلا پھوپو نے اس کی مشکل آسان کرنا چاہی، مگر وہ سختی سے سر نفی میں ہلانے لگا۔ ''کہہ رہا ہوں نا' میں نے آپی سے ایسے ہی مذاق کیا تھا۔ ابھی میری پلاننگ میں شادی نہیں ہے۔ پلیز' مجھے اپنی لائف اچھی طرح انجوائے کرنے دیں۔ آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے۔ شادی بھی جب ہونی ہوگی' ہو جائے گی۔''

اس کے قطعیت بھرے انداز پر احمد حسن اور نیلا پھوپو تو وقتی طور پر چپ ہو گئے تھے، مگر پھر بعد میں سبھی دوست اسے شادی پر اکسانے لگے۔ کاشی کی بھی شادی ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھی پائلٹ شہزاد کی بھی شادی ہو رہی تھی۔ ایسے میں ہر کوئی اس سے یہی سوال کرتا کہ تم کب ہمیں اپنے نکاح کے چھوہارے کھلاؤ گے۔ بعض دفعہ وہ ہنس کر ٹال دیتا۔ کئی بار چڑ کر انکار کر دیتا۔ عینی کی شادی کے کارڈ نے اس کے شادی نہ کرنے کے ارادے کو مزید پختہ کر دیا تھا۔

اس کے لیے اپنے ان احساسات کو جھٹلانا' بھلانا آسان نہیں تھا جو عنیہ کا نام لے کر رفتہ رفتہ خون میں گردش کرنے لگے تھے۔ وہ خوابوں خیالوں میں عنیہ فیاض کا ہاتھ تھام کر یادوں کی حسین بستیوں کو بسا چکا تھا۔ اس کے ساتھ اپنی چاہتوں کے محل کی تعمیر کر چکا تھا۔ یہ تو عنیہ نے ہی اس محل کو چکنا چور کر دیا تھا، ورنہ وہ تو ابھی بھی خود کو یہ یقین دلانے سے قاصر تھا کہ اسے اپنی طرف مائل کر کے محبت کا ایقان بخشنے والی وہ ساحرہ اسے اپنے سحر سے آزاد کیے بغیر ہی کسی اور سمت' کسی اور دل کی سلطنت پر اپنے ساحرانہ حسن کے

جھنڈے گاڑنے چلی گئی تھی۔ سب کہتے تھے کہ عنیہ نے شادی کر لی ہے' تم بھی شادی کر لو..... وہ کیسے بتاتا کہ وہ کتنا بے بس و مجبور ہے۔ باوجود چاہ کے بھی اس بے وفا کی محبت اپنے دل سے نکال نہیں پا رہا۔ لاکھ کوشش کے بعد بھی اپنے ذہن سے اس کی یادیں جھٹک نہیں سکتا۔ وہ شاید ابھی بھی اسی کا منتظر تھا، کہ وہ پلٹ کر آئے اور پھر سے اس کے اضطراب و بے کلی کو اپنی چاہت کی پھوار سے معدوم کر دے۔ اس کی رگ رگ کو ڈستی ہوئی یادوں کو اپنا لمس دے دے.....

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا اداس کی سیاہ رات آسمان پر پھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اس کے احساسات و جذبات پھر سے اذیتوں میں تھے۔

یادیں..... یہ یادیں انسان کو ڈستی ہوئی
آکاش بیل کی مانند
روح انسان کے گرد
اپنا حصار تنگ کرتی ہوئی
اپنا زہر رگ رگ میں سموتی ہوئی
انجان بنا کر بہت آہستگی سے
عطرۂ غم سے نمو پا کر
پھیل جاتی ہیں غیر محسوس انداز میں
جسم سے جاں تک
جان سے روح تک
روح سے زندگی
زندگی سے خوشی کو بھی زہریلا بنا دیتی ہیں یادیں
پھر پل پل تڑپاتی ہیں یادیں!

رات کی سیاہی اس کے اندر اتر آئی تھی، حتیٰ کہ اسے اپنی آنکھوں میں بھی دھندلاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ تبھی وہ اپنی تڑپ کو دلاسوں کی تھپکیاں دیتا بمشکل بستر پر دراز ہوا تھا۔

''شارب بھائی! کاشی بھائی کی شادی میں مجھے کیوں پھنسایا جا رہا ہے؟''

شارب ابھی ابھی کاشان ولاز کے لاؤنج میں داخل ہوا تھا، جہاں رخسانہ آنٹی' کاشی اور جینی بھی موجود تھے۔ جینی کا چہرہ رویا ہوا تھا اور شارب کو دیکھ کر شکایتی انداز میں مدد بھی مانگی تھی' جینی کے لیے ان دنوں کئی پرپوزل آئے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کوئی پرپوزل فائنل ہو چکا تھا۔ تبھی وہ اس طرح رو بسور رہی تھی۔ شارب کو صحیح طرح معاملے کا علم نہیں تھا۔ اس نے آنکھوں کے اشارے سے کاشی سے پوچھا' مگر اس سے بھی پہلے رخسانہ آنٹی بول اٹھیں۔

"بیٹا! تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ' بھائی کے ساتھ اگر ہم اس کے بھی فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے تو کیا حرج ہے؟ پڑھائی کا کیا ہے' کرتی رہنا اپنے شوق پورے سسرال جا کر۔"

"آپ ماں ہو کر میرے شوق پورے کرنے سے کترا رہی ہیں، تو سسرال تو سسرال ہی ہوتی ہے نا۔" وہ روتے روتے ذرا خفگی سے بولی۔

"بے وقوف ہو تم' کتنا مجبور کر رہے ہیں وہ لوگ' چاہت سے بیاہ کر رہے ہیں۔ روایتی سسرالی تھوڑی بنیں گے۔ تمہارے پاپا کے اچھے جاننے والے ہیں۔ چھ ماہ بعد بھی تو ہمیں تمہاری شادی کرنی ہے نا۔"

رخسانہ آنٹی جیسے عاجز آئی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا، اس کے ساتھ بہت مغز ماری کر چکی تھیں۔ کاشی کی شادی کا ہنگامہ اُٹھا ہوا تھا۔ ایسے میں جینی کی شادی کا بھی فیصلہ کیا جا رہا تھا۔ آورش کی ایما پر اس کے گھر والوں نے بھی منگنی کے بجائے شادی کا مطالبہ کر دیا تھا۔ سبھی رضامند تھے، سوائے جینی کے، کیونکہ اس کا ابھی گریجوایشن کمپلیٹ نہیں ہوا تھا اور اس کا سب سے بڑا یہ اعتراض تھا، کہ وہ کاشی بھائی کی شادی کو انجوائے نہیں کر سکے گی۔

"شاری بھائی! آپ تو کچھ بولیے نا! کہیے مما سے ابھی میری شادی مت کریں۔ میں بھائی کی شادی کیسے انجوائے کروں گی اور وہ جو میں نے اتنے ڈھیروں پروگرام بنائے ہیں' ان کا کیا ہوگا؟"

"ان پر عمل ہوگا اور کیا ہوگا اسٹوپڈ گرل' تمہاری شادی ہم دو تین دن بعد رکھیں گے۔" اس بار کاشان نے مداخلت کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ شارب اب تک خاموش تھا۔

"کاشی بھائی! آپ تو چپ ہی رہیں۔ آپ کے تو دل کی مراد پوری ہو رہی ہے۔ آپ مزے میں ہیں۔ میرا آپ کو کیا خیال ہوگا، بلکہ آپ تو خوش ہیں' آپ کی بیوی آ کر دندناتی پھرے گی۔" وہ غصے کا شدید اظہار کرتی وہاں سے ہی چلی گئی، جب کہ آنٹی رخسانہ اس کے منہ پھاڑ کر اس طرح کے غصے پر ارے...... ارے ہی کرتی رہ گئی تھیں۔

"دیکھ رہے ہو تم دونوں' کیسی منہ پھٹ ہو رہی ہے۔ تم دونوں نے سر چڑھا رکھا ہے، ورنہ میں تو اسے ایک منٹ میں سیدھا کر دوں۔ سسرالیوں کے ساتھ اس طرح منہ ماری کرے گی، تو دوسرے دن گھر بٹھا دیں گے وہ لوگ۔" آنٹی رخسانہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"آنٹی! آپ غصہ نہ کریں' جینی ابھی بچی ہے' آہستہ آہستہ ہی سمجھے گی۔" آنٹی رخسانہ شارب کی سفارش پر مزید بھڑک اٹھیں۔

"بچی بچی کہہ کے تم لوگ اس کی گستاخیاں نہیں چھپا سکتے۔"

"آنٹی جان! وہ ایسی نہیں ہے۔ آخر وہ آپ کی بیٹی ہے' ہماری بہن ہے' اچھا میں اسے سمجھاتا ہوں۔ آؤ کاشی! اس سے پوچھیں تو سہی کیا مسئلہ ہے۔ ہم صرف اس کے بھائی نہیں دوست بھی تو ہیں۔"

شارب' کاشان کو اٹھا کر جینی کے کمرے میں لے آیا، جہاں وہ اپنے اردگرد کشن وغیرہ بکھرا... ایک کشن کو گود میں دبوچے رونے میں مشغول تھی۔

"جینی! یہ کیا ڈیئر سسٹر' تم تو کہتی تھی۔" رونا بزدلوں کا کام ہے۔" شارب نے اس کے دائیں بیٹھ کر اسے پکارا۔ کاشی بھی بائیں طرف بیٹھ گیا۔

"تمہیں نہیں معلوم یار' لڑکیاں تو ہوتی ہی بزدل ہیں' دل کی بات کہنے سے ڈرتی ہیں۔" کاشی نے اسے چھیڑا تو وہ اسے خفگی سے دیکھنے لگی۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔ میرے جو دل میں ہوتا ہے' کہہ دیتی ہوں۔"

"اسی لیے مما کی ڈانٹ بھی کھاتی ہوں۔" کاشی نے بسورتے لہجے میں اس کی نقل اتاری، تو وہ کشن پٹخ کر ان کے بیچ سے اٹھ کر اپنے بیڈ پر جا بیٹھی۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں مما کی بیٹی نہیں ہوں۔"

وہ اس بات شدت سے رونے لگی، تو شارب نے کچھ ناراضگی سے کاشی کو گھورا۔

"پاگل' ایسی باتیں نہیں سوچتے۔ تمہاری شادی ہو جائے، پھر تم ان کی محبت دیکھنا۔ ابھی انہیں ایک آپشن دیا گیا ہے، تو وہ کیا کریں۔ تمہارے سسرال والوں کی یہ پلاننگ ہے۔ آنٹی نے تو ابھی ایسا نہیں سوچا تھا نا۔"

"تو مما' ان لوگوں کی بات نہیں مانیں ناں' کہہ دیں ابھی صرف کاشی بھائی کی شادی ہوگی۔" اس نے آستین سے اپنی ناک رگڑی۔

"کیسے کہہ دیں۔ انکل نے ان سے مشورہ کب کیا تھا۔ پہلے ہی ہامی بھر لی تھی۔ اب تم اپنے پاپا کو تو شرمندہ نہیں کروا سکتیں ناں؟ اگر تم کہو تو میں انکل اور تمہارے ہونے والے سسر بلکہ ہاف بیٹر سے بات کر لیتا ہوں۔ کہہ دیتا ہوں ابھی ہماری بہن کو گریجویشن کرنا ہے۔ ماسٹرز کرنا ہے اگر موڈ بنا تو پی ایچ ڈی بھی کر لے گی' اسی لیے آپ لوگ انتظار کریں، ورنہ کسی اور کے گھر جھانکیں۔ ہمیں آپ کے کہے پر بالکل اعتبار نہیں ہے، کہ آپ ہماری بہن کو گریجویٹ ہونے کے اعزاز سے ہرگز محروم نہیں رکھیں گے۔"

شارب کے کہنے کے انداز پر وہ زیرلب ہنسی ضبط کر کے مصنوعی خفگی سے اس پر تکیہ اچھال کر رہ گئی۔

"آپ دونوں اچھے بھائی ہی نہیں ہیں۔"

"ہائیں' میں کیوں نہیں اچھا...... شادی تو یہ خبیث کاشی کر رہا ہے۔ اسی کی وجہ سے تمہاری شامت آئی ہے۔" شارب نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"تو تم بھی کر لو شادی' تمہیں کوئی منع کر رہا ہے۔" کاشی فوراً ہی شارب کے پیچھے پڑ گیا۔ جینی دونوں کی لڑائی دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"یہ لڈو تم ہی چکھو' میں باز آیا۔" شارب نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"کیوں تم کیوں باز آئے' تمہیں تو ہم سے بھی جلدی تھی۔" کاشی نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچایا۔

"میری قسم نے مجھے بچا لیا۔ اچھے اچھوں کو روتے دیکھا ہے۔"

"تو بھائی' آپ مجھے بھی رلانا چاہتے ہیں؟" جینی بھی ان کی لڑائی میں کود گئی۔

''بی بی! یہ مردوں کے رونے کی بات کر رہا ہے۔ تمہارا شمار تو دلانے والوں میں سے ہے۔'' کاشی نے ایک بار پھر جینی سے پھڈا مول لیا۔

''میں آپ کو ایسی لگ رہی ہوں؟ بس میں نے کہہ دیا ہے اگر شاری بھائی بھی شادی کرنے کا وعدہ کریں گے تو میں بھی ہامی بھروں گی ورنہ میں پاپا سے بھی کہہ دوں گی کہ جب تک بھائی کی شادی نہیں ہوگی' میری بھی ہرگز نہیں ہوگی۔'' دونوں نے حیران ہو کر جینی کو دیکھا۔

''ہیں..... یہ میں' میری شادی کہاں سے ٹپک پڑی۔ دیکھو جینی' تم سب جانتے ہو مجھے شادی نہیں کرنی۔'' اپنی حیرت کے اظہار کے بعد وہ سنجیدگی سے بولتا ایک طرف بیٹھ گیا۔

''بھائی! یہ کیا بات ہوئی' آپ نے کیوں نہیں شادی کرنی' وہ تو مزے میں ہے۔ شادی کرا کر تو اور اترانے لگی ہے چڑیل۔'' جینی نے منہ بنایا۔

''جینی! تم اس طرح کی باتیں کرتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔''

''جینی.....!'' کاشی نے اسے خفگی سے ٹوکا۔ شارب کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔ ''مما ٹھیک کہتی ہیں' تم دن بہ دن تمیز بھولتی جا رہی ہو۔''

''ہاں..... ہاں! میں بری ہوں' سب سے بری ہوں' نکال دیں مجھے گھر سے' کر لیں سب اپنے ارمان پورے۔ میں بھی پھر کبھی نہیں آؤں گی۔'' جینی نے زور و شور سے رونا شروع کر دیا۔

دونوں ہی اس کے اس رونے سے خائف و پریشان ہو اٹھے۔ وہ پہلے ہی زود رنج ہو رہی تھی۔

''جینی! دیکھو کاشی کے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔'' شارب نے منانے کی کوشش کی۔

''آپ دونوں مجھ سے بات نہیں کریں۔ آزما لیا ہے میں نے آپ دونوں کو' بہت کہتے تھے۔ ''جینی کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں' مگر میں نے دیکھ لیا ہے آپ لوگوں کو میری کوئی پروا نہیں ہے۔ میری ایک خواہش نہیں پوری کر سکتے۔'' جینی نے اپنے کندھے سے شارب کا ہاتھ جھٹکا۔

''دیکھو میرے حوالے سے تمہاری خواہش بالکل غلط ہے۔ ابھی میں شادی کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتا۔ بے وقوفی میں اگر میں نے ایک غلط اسٹیپ لے لیا تھا' تو آئندہ تو مجھے سنبھل کے چلنا چاہیے یا نہیں۔ اچھا پلیز' ناراض مت ہو' آئی پرامس یو' جیسے ہی مجھے کوئی لڑکی اس قابل لگی' کہ وہ میرے ساتھ ساری زندگی گزار سکتی ہے' تو میں تمہاری خواہش پوری کر دوں گا' مگر پلیز اب آنٹی کو تنگ مت کرو۔''

شارب واقعی اسے ناراض نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بظاہر جینی نے منہ پھلائے رکھا تھا' مگر گردن ہلا کر اس کی بات مان لینے کا احسان کر دیا تھا' بلکہ شارب سے چھپ کر اس نے کاشی کو وکٹری کا نشان بنا کر دکھایا۔ دونوں ہی چاہتے تھے کہ شارب بھی نارمل زندگی کی طرف لوٹ آئے۔ اس کی ہلکی براؤن غلافی آنکھوں میں ٹھہری اداسی انہیں بھی مغموم رکھتی تھی۔

اور پھر جینی نے اس کی جان نہیں چھوڑی تھی۔ شادی کی تقریبات میں آئی اپنی دور و نزدیک کی تمام کزنز کو اس سے بطور خاص متعارف کراتے ہوئے اسے اس کا وعدہ یاد دلانا بھی نہ بھولتی۔ شارب اس کے بچپنے پر کبھی اسے گھور کر دیکھتا' کبھی ہنس دیتا۔ وہ خود بھی محسوس کر رہا تھا کہ کاشی کی کئی کزنز اس کی طرف مائل

ہیں' مگر وہ ابھی تک درد الفت کی پہلی کسک سے ہی چھٹکارہ نہ پا سکا تھا' پھر کسی نئی چوٹ کو سہنے کا حوصلہ کہاں سے لاتا..... اور اس کے حوصلے تو ویسے بھی عنیہ اسد کی بھرپور شرکت نے توڑنے کی کوشش کی تھی اور وہ خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے بھی بے وفا دلدار پر واضح کرنا تھا کہ اب وہ بھی اسے بھول چکا ہے۔

''یار' ایک بات ہے' دولہا میں ہوں' مگر دیکھ لو امپورٹنس تمہیں دی جا رہی ہے۔ یار' ان کی غلط فہمی دور کرو نہیں تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔'' دولہا بنے اسٹیج پر بیٹھے کاشان نے قریب ہی براجمان شارب کے کان کے پاس سرگوشی کی۔

ابٹن' مہندی اور اب بارات تک سبھی لڑکیوں اور لڑکیوں کی ماؤں کی نگاہیں شارب احمد پر نہ صرف ٹکی تھیں' بلکہ سبھی اس سے راہ و رسم بڑھانے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھیں۔ کئی ڈھونڈ چکی تھیں۔ شارب احمد کا پرکشش وجیہ سراپا لڑکیوں کی دھڑکنیں بے ترتیب کر دیتا تھا' خصوصاً جب وہ اپنے ہلکی براؤن آنکھوں سے قدرے ناراضگی کا تاثر دیتا۔ چہرے پر احتجاجی بے رخی سجا لیتا' تو وہ مزید بے تابی سے اس کی جانب کھنچنے لگتی تھیں۔ اب کاشان کے سسرال میں شادی ہال میں بھی اس کی پذیرائی دولہا سے بڑھ کر ہو رہی تھی۔ تبھی کاشان نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔

''تم بے فکر رہو' ایسی غلطی نہیں ہو سکتی۔ دولہا ہونے کا ٹریڈ مارک تمہارا یہ اکلوتا ہار اور تمہارے چہرے سے ٹپکتا ہونق پن کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ سب کو اچھی طرح علم ہے' آج دولہا شریف کون ہے۔'' شارب نے فوراً ہی بدلا لے لیا۔

''تمہیں تو میں بعد میں پوچھوں گا۔'' کاشی نے گردن ہلانے کے ساتھ اسے دھمکی دی' تو شارب نے پھر اسے چھیڑا۔

''کنٹرول یار' لوگ سمجھیں گے دولہا صاحب قبول ہے' کہنے کو بہت ہی بے چین ہے۔ قاضی صاحب کے پوچھنے سے پہلے ہی ریہرسل میں گردن ہلا رہا ہے۔ شاید بے چارہ بول نہیں سکتا۔''

''شا..... ری.....!'' کاشان اسے کچھ کہتے کہتے رک گیا اور پھر خود بھی اس کے ساتھ مسکرانے لگا۔

''یار' تم میرے دوست ہو کہ..... کہیں میری کسی سالی سے ساز باز تو نہیں کر لی؟''

''لاحول ولا قوۃ!'' شارب فوراً ہی بے مزہ ہو گیا۔ ''تمہارے اور جینی کے پاس بس یہی ٹاپک ہے۔ اس سے جان چھڑاتا ہوں' تو تم شروع ہو جاتے ہو۔ تم دونوں کے پاس میرے ساتھ بات کرنے کو کئی اور ٹاپک نہیں ہے۔'' اس کے چہرے سے ایک سیکنڈ میں ہی مسکراہٹ رخصت ہوئی تھی۔

''دیکھ نا یار! اب ہم دونوں کی لائف میں کسی دوسرے کی پارٹنر شپ ہو گئی ہے۔ ہم سے نا تمہارا اکیلا پن دیکھا نہیں جاتا۔ ویسے بھی تجھ پر کتنی خوب صورت من موہنی لڑکیاں مرتی ہیں اور تم ہو کہ کسی کو بھی لفٹ نہیں دیتے۔ میں اگر تمہاری جگہ ہوتا تو کم از کم چار لڑکیوں کے دل تو ٹوٹنے سے بچا ہی لیتا۔ شرع میں اجازت ہی چار کی ہے کیا کروں۔'' کاشان کے گھورنے پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس وقت اسے اپنے اسٹیج پر

بیٹنے کا ذرا بھی خیال نہیں رہا تھا۔

''شرم کرو کاشی! ابھی ایک کمنٹ تم سے نبھائی نہیں گئی۔ ابھی جا کے شرمین بھابی سے کہہ دوں کہ تمہارے کیا ارادے ہیں تو بیٹھے رہ جانا۔ یہیں حسینوں کے ٹوٹے دل بچانے کے لیے۔''

شارب نے اسے مصنوعی خفگی سے جھاڑا، تو وہ منہ سیدھا کر کے بیٹھ گیا۔ ویسے بھی قاضی صاحب سٹیج پر آ رہے تھے۔ مووی کیمرے اور فلش لائٹس کا سیلاب بھی ساتھ ہی امڈ آیا تھا۔ کاشان جو کچھ دیر پہلے نارمل تھا' اب پزل ہونے لگا تھا۔ شارب نے اسے آرام سے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ جانتا تھا' اب نکاح کے بعد دیگر رسومات کے ذریعے کاشی کی درگت بننے والی ہے۔ یہ خوب صورت دن ان کے لیے بھی خوشگواری لے کر آئے تھے۔ شارب اپنے غم بھلا کر سب کے ساتھ خوش و مگن تھا۔ کاشی اپنی نئی زندگی کی ابتداء میں بھی اپنے دوست کی خوش آئند زندگی کا متمنی نظر آ رہا تھا۔ اسے سب کے ساتھ ہنستے بولتے گاتے دیکھ کر اس کے اندر بھی اطمینان اتر رہا تھا۔ اسے یقین تھا شارب جلد ہی زندگی کے اصل رخ کا بھی نہ صرف سامنا کر لے گا، بلکہ پوری آمادگی سے اپنی زندگی کی شروعات کرے گا۔

''بھئی! یہ کیا؟ بنی محمود کی رخصت ہوئی ہے' اداسی ہمارے گھر میں پھیلی ہوئی ہے۔'' احمد حسن نے شارب کے کمرے میں جھانکا۔

کل رات وہ خاصا اداس و مغموم نظر آ رہا تھا۔ اب دوپہر ہونے کو آئی تھی۔ جاگنے کے باوجود بھی اپنے بستر پر کسلمندی سے لیٹا تھا۔ انیلا پھوپو آخر تھک کر اس کے کمرے میں اس کا ناشتہ لے آئیں۔ پھوپو اور باپ کو دیکھ کر وہ فوراً ہی اٹھ بیٹھا۔

''پھوپو! ابھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔'' ابھی بھی اس کے چہرے پر اداسی بھرا تاثر تھا۔

''تمہارے دل کا کیا کروں؟ ایک تو ویسے ہی اب تم ہمیں کم کم ہی دستیاب ہوتے ہو اور جب ہوتے ہو تب بھی تمہارے کھانے پینے کا کوئی وقت مقرر نہیں رہا۔ کبھی کہتے ہو بھوک نہیں ہے' کبھی کہتے ہو دل نہیں چاہ رہا۔ بچے' کیا ہوا ہے تمہارے دل کو؟ ہم ہی کسی معالج کا بندوبست کریں، یا کوئی ڈاکٹر خود ہی ڈھونڈ رکھا ہے۔''

انیلا پھوپو نے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے اسے پیار سے چھیڑا، تو وہ زیرلب مسکراہٹ دبا کر انہیں مصنوعی خفگی سے دیکھنے لگا۔ احمد حسن بھی اس کے کمرے میں چلے آئے۔

''انیلا! میں تو تمہیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' اس کے سب دوستوں کے گھر آباد ہو رہے ہیں۔ دل میں خیال آتا ہوگا، کہ گھر والوں کو اس کی ہی فکر نہیں ہے۔ بھئی کوئی کوشش کرو' ہمارے گھر میں بھی رونق اترے' ہم بھی چار دن خوش ہو لیں۔''

''پاپا! میں نے پہلے ہی کہا تھا' ابھی اس موضوع پر بات نہیں ہوگی۔ پلیز ڈونٹ وری' میرے دل میں کوئی خیال نہیں تھا' میں ایسے ہی خوش ہوں۔'' وہ کچھ لاڈ سے بولا۔

''مگر ہم ایسے خوش نہیں ہیں۔ بزنس تمہارا ہے، مگر میں دیکھ رہا ہوں' گھر آتا ہوں تو تم نہیں ملتے ہو۔ آخر کب تک ایسے چلے گا۔ آئی تھنک بیٹا! اب تم اپنی ذمہ داری سنبھالو' مجھے اور اپنی پھوپو کو بھی کچھ سکون دو۔ اپنی بہو سے خدمت کا حق ہمارا بھی ہے کہ نہیں۔''

''آپ کا مطلب ہے' میں جاب چھوڑ کر بزنس دیکھوں؟ اور شادی کر کے خود بے سکون ہو جاؤں؟ پاپا! پھوپو! کیا گارنٹی ہے کہ آنے والی آپ دونوں کی خدمت کرے گی؟''

''گارنٹی تو بیٹا کسی چیز کی بھی نہیں ہے' ہماری بھی نہیں ہے' کل ہوں گے یا نہیں' یہ تو خدا کو خبر ہے۔'' احمد حسن نے سنجیدگی سے کہا۔

''ایسی باتیں مت کریں پاپا' مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔''

وہ بستر سے اتر کر فوراً ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ دل کو یہ سوچ کر ہی کچھ ہوا تھا۔

''اور ہمیں بھی تمہاری اور تمہارے بچوں کی خوشیاں دیکھنے کا ارمان ہی نہیں' ضرورت بھی ہے۔ اچھا آؤ! یہ باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' وہ کچھ سوچتا ہوا پھوپو کے کہنے پر میز کے قریب پڑے کشن پر جا بیٹھا۔

''کوئی پسند ہے تو بتا دو، ورنہ کئی لڑکیاں ہیں میری نظر میں۔ دو تین تو جینی کی شادی میں ہی اچھی لگی ہیں مجھے۔''

''پھوپو! اتنی جلدی کیا ہے آپ کو۔'' وہ زچ ہوا تھا۔

''جلدی.....؟ بچے ڈیڑھ سال پہلے تمہاری نوکری لگی تھی، تب بھی تم سے پوچھا تھا، تو تم نے کہا تھا کہ ابھی نہیں۔ اب پھر کہہ رہے ہو ابھی نہیں۔ مدیحہ اور بچے آنا چاہ رہے ہیں۔ تابش تو کہہ رہا تھا۔

''ماموں کی شادی ہوگی تو آئیں گے۔ فریحہ بھی ہر بار پوچھتی ہے کہ بھائی مانا کہ نہیں۔'' انیلا پھوپو نے جیم لگے سلائس کا ٹکڑا توڑ کر زبردستی اس کے منہ میں ٹھونسا۔

''پاپا! زبردستی ہے کوئی۔ ابھی نہیں کرنی نا شادی..... جب کرنی ہوگی تو ریلی میں فوراً کہہ دوں گا' تب تک پلیز مجھ پر رحم کریں۔ اچھا لائیں جلدی سے چائے دیں۔ میں چائے پی کر کاشی کی طرف جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے! تم اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتے ہو تو ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن بچے زیادہ دیر نہیں۔''

انیلا پھوپو نے پیار بھری خفگی سے کہا، تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

زندگی کا یہ سوال اس سے حل نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا دل مائل تھا نہ ذہن..... گھر والوں کی خواہش پوری کرنے کا اسے جب بھی خیال آتا، چشم سے آنکھوں کے سامنے عنیہ کی بے رخی و بے وفائی آ جاتی' پھر کوئی اور چہرہ اور وجود اس قابل ہی نہ لگتا، جسے وہ اپنا ہمسفر بنا کر پاپا اور پھوپو کی آرزو پوری کر دیتا۔ کوئی بھی تو اسے اپنے ساتھ زندگی کی کٹھن راہوں پر چلنے والا نظر نہیں آ رہا تھا، جو اس کے جذبات سے سمجھوتہ کرتا۔ اس کی فطرت سمجھ کر اس کے غم و مجبوریوں سے بھی سمجھوتہ کرتا، مگر اسے سب ہی کچھ فریب جھوٹ نظر

آنے لگا تھا۔ اپنی طرف بڑھنے والا ہر ہاتھ اسے سراب لگتا تھا۔ ماضی کی تلخ یادوں نے اس سے آج کو جینے اور کل کی امید خوش آئند سے خائف کر دیا تھا۔

زندگی کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ کاشان وغیرہ بھی اپنی شادی شدہ زندگی کے ابتدائی خوبصورت دور میں مگن و مطمئن تھے، مگر دونوں بہن بھائی ابھی بھی شارب سے غافل نہیں تھے۔ جینی تو پھر سے کمر کس کر اسے شادی کے لیے رضامند کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اس کے ہر فون پر ملاقات میں کسی سسرالی عزیزہ کا ذکر خیر، بلکہ اس کے حسن لاثانی کے قصیدے پڑھے جاتے تھے۔ شارب کبھی تو اسے خفگی سے ڈانٹ دیتا تھا اور کبھی ہنس ہنس کر ہر نئی لڑکی کے ذکر پر خود ہی اس کی خوبیاں گنوانے لگتا تھا' پچھلے کئی دن سے آورش کی کوئی کزن مسلسل اسے فون پر تنگ کر رہی تھی۔ شارب اسے ڈانٹ ڈانٹ کر تنگ آ چکا تھا۔

فلمی ڈائیلاگ' فلمی گانوں کے مصرعے' ٹھنڈی آہوں کے ساتھ سنائے جاتے۔ آخر زچ آ کر اس نے فون اٹینڈ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس نے یہ شکر کیا تھا کہ محترمہ کے پاس اس کا موبائل نمبر نہیں تھا ورنہ وہ گھر سے باہر بھی اسے پریشان کر چھوڑتی۔ اب وہ لندن کی فلائٹ لے کر جا رہا تھا' اس لیے اسے اطمینان تھا کہ اس مصیبت سے جان چھوٹے گی، جو نجانے دل میں کیا ٹھانے ہوئے تھی۔ کاشان اور جینی کو اس نے اس بارے میں آگاہ نہیں کیا تھا، ورنہ وہ اس کے پیچھے ہی پڑ جاتے۔

''ہم نے تو سوچا تھا' اب تم نہیں تمہاری شادی کا انویٹیشن ہی آئے گا۔ دیر کیوں کر رہے ہو بھائی' پاپا بھی اب ٹھیک نہیں رہتے۔'' وہ ایک دن کے لیے مدیحہ آپی کے گھر آیا تھا۔ انہوں نے بھی حال احوال پوچھ کر وہی موضوع چھیڑا، جس سے وہ بچتا آ رہا تھا۔

''آپی! آپ بھی مجھے خوش نہیں دیکھ سکتیں؟''

''خدانخواستہ میں ایسا کیوں چاہوں گی۔''

''ہر کوئی میری شادی کی فکر میں جتا ہے۔ ابھی مجھے کوئی لڑکی اچھی نہیں لگ رہی ہے، تو میں کیا کروں۔'' وہ آج تنگ آ کر بہت بیزاری سے بول رہا تھا۔

''تو کب اچھی لگے گی تمہیں لڑکی؟ بچے تو نہیں رہے' چوبیس پچیس سال کے تو ہو رہے ہو، پھر پاپا کا بھی خیال کرو' پھوپو کو بھی سوچو' وہ کب تک گھر سنبھالیں گی۔''

''کہہ تو رہا ہوں' جب کوئی پسند آئے گی تو کر لوں گا۔''

''ہر بار یہی کہتے ہو۔ میں وہاں ہوتی تو کب کی تمہاری شادی کروا چکی ہوتی۔ پاپا نے میری اور فریحہ کی شادی انٹر کے بعد ہی کر دی تھی اور تمہاری پسند کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ خیر میں آ رہی ہوں دو تین ماہ میں' پھر دیکھتی ہوں کیسے خیر مناتے ہو۔''

''بالکل ٹھیک مما' ماموں ایسے ہی مانیں گے، کب سے ہم لوگ ویٹ کر رہے ہیں اپنی می می کا۔'' سولہ سالہ تابش نے بھی گرمجوشی سے حصہ لیا۔

''اسٹوپڈ می می نہیں مامی جان!'' اس سے چھوٹی تابعہ نے سنجیدگی سے بھائی کی تصحیح کی۔

''آئی نو' بٹ میں ماموں کی وائف کو می می ہی کہوں گا۔''

''میرے بچو! خیالی پلاؤ پکانے سے پہلے اپنے ماموں سے تو پوچھ لو کہ یہ پلاؤ دم کب لگے گا؟''

''آپ پاکستان آئیں پھر کچھ سوچتے ہیں۔ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔'' شارب نے تنگ آ کر نیم رضامندی دے دی تھی اور یہی غنیمت تھا۔ حالانکہ اس کا دل و ذہن ابھی بھی آمادہ نہیں تھا، مگر بہنوں کے اصرار اور پاپا کی صحت نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اب اپنے نہیں دوسروں کے بارے میں سوچے۔

وہ ہمیشہ بہت سنبھل کے ڈرائیونگ کرتا تھا اور کچھ عرصہ سے تو اس کی احتیاط مزید بڑھ گئی تھی۔ ابھی بھی وہ مگن سا اپنے آپ میں گم اسٹاف پارکنگ سے اپنی گاڑی نکال کر ایئرپورٹ سے باہر جاتی سڑک پر ڈال ہی رہا تھا، کہ نجانے کون اور کیسے اس کی گاڑی کے سامنے آ گیا۔ بروقت بریک لگا کر اس نے کسی بھی قسم کے حادثے سے خود کو ہی نہیں' مقابل کو بھی بچا لیا تھا۔ وہ فوراً ہی گاڑی سے اتر کر ٹکرانے والے کی طرف بڑھا' پھر چند قدم پر ہی مبہوت کھڑا رہ گیا۔ وہ بھی حیران و ہراساں، کبھی گاڑی کو دیکھ رہی تھی اور کبھی اپنے بکھرے ہوئے بیگ کو..... یہی بیگ پہلے گاڑی سے ٹکرایا تھا۔ وہ اپنے حیران تاثرات کے ساتھ بھی حسن کا مکمل شاہکار لگ رہی تھی۔ اس کے حسن کا حزن ہی اسے اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ شارب احمد ملکوں ملکوں پھر چکا تھا، مگر ایسا حسن اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شام کے بڑھتے ہوئے سایوں کی طرح اس کے چہرے پر بے شمار رنگ امڈ رہے تھے' جو حسن کی سوگواری کو مزید پرکشش بنا رہے تھے۔ شارب احمد نجانے کب تک اس کے حسن کے سحر بند حار ہتا، کہ اس کی رس گھولتی شیریں آواز اس کے رگ و پے میں ہلچل مچا گئی۔

''آئی ایم سوری! غلطی میری ہی ہے' مجھے دھیان نہیں رہا۔'' وہ جھک کر اپنے شولڈر بیگ سے نکل کر بکھر جانے والی چیزیوں کو سمیٹنے لگی۔

''اٹس اوکے' کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ آئی تھنک میں بھی اپنے دھیان میں گم تھا۔''

شارب کے لب غیر محسوس انداز میں مسکرائے۔ اس کا دل اس لڑکی کی طرف نئی کشش میں کھنچ رہا تھا۔ اسے خود نہیں معلوم تھا، کہ وہ اس لڑکی کو دیکھ کر کس احساس میں بندھ رہا ہے، جہاں اسے اپنی خبر نہیں رہی تھی۔ اس جذبے سے وہ پہلی بار آشنا ہوا تھا۔ ایسا تو اس نے تب بھی محسوس نہیں کیا تھا' یہ بے خودی تو تب بھی اس پر طاری نہ ہوئی تھی، جب وہ عنیہ فیاض کی دید پا کر جذبہ جنوں سے آشنا ہوا تھا۔ وہ اپنے بیگ کو سمیٹ کر سیدھی کھڑی ہو کر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔

''مس! آئی ہیلپ یو؟'' شارب کو یہ اجنبی لڑکی اپنے دل سے قریب محسوس ہو رہی تھی۔ چند

ساعتوں میں ہی شارب کو لگ رہا تھا، کہ اس کے مقابل کھڑی یہ لڑکی صدیوں سے اس کے ساتھ ہے۔ اس کی روح میں بسی ہے۔

وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ ''آ.....ں.....نو تھینک یو!''

وہ اُلجھن سے بھری آنکھیں لیے باہر کی طرف بڑھ رہی تھی اور شارب کو حیران کھڑا چھوڑ گئی تھی، مگر شارب کی آنکھوں میں' دل میں' روح میں اس کی تصویر ثبت ہو گئی تھی۔ اس کا اُلجھا اُلجھا سراپا' کمر تک جھولتی بالوں کی چوٹی' میک اپ سے بے نیاز چہرہ' اداسی کے بھرپور رنگ سے سجا تھا۔ اس کے نیم گلابی ہونٹوں کا خم پھول کی پنکھڑی سے بھی زیادہ خمیدہ اور دلآویز تھا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں کی گمبھیری پلکوں کی لرزش اس کے اندرونی اضطراب کی غماز تھی اور اس کی آنکھیں کچھ کھو دینے کے احساس سے لبریز تھیں۔ حسن کے حزن میں ایسی رعنائی بھی ہو گی' شارب کو کب معلوم تھا۔ وہ مشرقی حسن کے اس رنگ کو دیکھ کر ششدر سا کھڑا رہ گیا تھا۔

شہزاد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔ ''یار! وہ جا چکی ہے۔''

''کون.....کیا.....؟'' شارب کو جیسے کسی نے زبردستی نیند سے جگایا تھا۔

''یار! کون تھی وہ، جو تم اتنے بے خود ہو رہے ہو؟''

''آئی ڈونٹ نو۔'' شارب نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے اور آنکھوں کو مسلا' جیسے اپنی تھکن اتار رہا ہو۔

''وہاٹ؟ یار' حیرت کی بات ہے' تم جانتے بھی نہیں ہو، لیکن اس کی طرف ایسے متوجہ تھے، جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔'' شارب کی حالت دیکھ کر شہزاد نے خاصی حیرت کا اظہار کیا۔

''شیزی بعض ہستیاں اجنبی ہوتے ہوئے بھی اجنبی نہیں لگتیں' بالکل اپنوں جیسی لگتی ہیں۔ دل سے قریب ہم دم و دوست' زمانہ' حالات' وقت' کوئی بھی انہیں جدا نہیں کر سکتا۔'' شارب ابھی تک اس کے تصور میں گم تھا۔

شہزاد کو شارب کا یہ نیا انداز اچنبھے میں ڈال رہا تھا۔ وہ اب تک دیکھتا آ رہا تھا، کہ شارب لڑکیوں سے ہی نہیں لڑکیوں کے ذکر سے ہی کوسوں دور بھاگتا تھا اور آج اچانک سرِ راہ ملنے والی ایک انجان لڑکی کے لیے اس قسم کے جذبات کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ شہزاد جو اسے کچھ کہنے آیا تھا' اسے اس طرح بے خود دیکھ کر اپنی بات ہی بھول گیا تھا۔ شارب بھی رسمی علیک سلیک کے بعد پھر سے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ اس کا ذہن ابھی تک اس اجنبی آشنا لڑکی کے خیال میں گم تھا۔

گھر پہنچ کر بھی وہ اپنے اس نئے انوکھے احساس سے نہیں نکل پایا تھا، بلکہ رات کو اپنے بستر پر لیٹ کر بھی اس نے پھر آج درپیش معمولی سے حادثے کو بار بار دہرایا تھا۔ اس معمولی سے حادثے نے اس کے زندگی پر چھائے گزشتہ برسوں کے جمود کو توڑ دیا تھا۔ اس کے احساسات و جذبات بے وفائی کے جس گلیشیر تلے دب گئے تھے، وہ حسن کی ذرا سی آنچ پر پگھلتے چلے جا رہے تھے۔ یہ پگھلاؤ حسن کی آنچ سے پیدا ہو رہا تھا، یا پھر محبت کی نئی آگ اس کے اندر دہک اُٹھی تھی۔

اس کا فیصلہ ابھی وہ کر نہیں پا رہا تھا کہ اس کی زندگی کا چند برس پہلے کا وہ احساس جنوں سچا تھا، یا پھر ابھی جو طوفان اس کے اندر اٹھا تھا' اس کی طغیانی اس کا بہاؤ صحیح سمت میں ہے کہ نہیں..... مگر شارب کو لگ رہا تھا' وہ سب ایک خواب سراب تھا۔ زندگی کے یہ پل' ساعتیں' حقیقت ہیں' حاصلِ زیست ہیں۔ اسے آج ابھی اپنے آپ پر' اپنے جذبوں کی صداقت پر مکمل اعتبار آیا تھا.....

اب سے پہلے اسے لگا تھا' وہ کہیں گم ہے' اپنے آپ سے ہی بچھا ہوا ہے، مگر اس آشنا اجنبی کو دیکھ کر آج اس کی خود سے ملاقات ہو گئی تھی۔ وہ بے کلی و اضطراب میں بھی نیا مزہ محسوس کر رہا تھا۔ تصور و خیال میں مسلسل اس کا حزن میں لپٹا سراپا ٹھہرا ہوا تھا اور ذہن و دل مسلسل اس سے ہمکلام تھے۔ شارب کو لگ رہا تھا، وہ اس کے سامنے بیٹھی ہے اور اس کے فسانۂ غم کو سن رہی ہے' تبھی وہ بار بار ایک شعر دہرا رہا تھا:

منتشر میں بھی ہوں مضطرب تیری آنکھیں بھی
رشتہ غم تو ایک ہے پھر رہیں کیوں ہم جدا

اس کی زندگی میں ایک نئی لگن' نئی آس جاگی تھی۔ گو کہ وہ اسے نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے۔ کہاں سے آئی ہے؟ پھر بھی خوش امیدی نے جیسے اس کے دامنِ دل میں کئی پھول کھلا رکھے تھے' اس کی نگاہ شوق ہر راہ' ہر سمت' ہر گاہ اس کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگی تھی۔

شہزاد کے علاوہ کاشان بھی اس کی اس بے خودی سے آگاہ ہو چکا تھا۔ دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے اسے چھیڑا بھی تھا۔

''شارب! اس طوفانی عشق کا آخر انجام کیا ہو گا؟ جس حسینہ کو ایک بار دیکھ کر تم پاگل ہو رہے ہو' وہ مل گئی تو کیا ہو گا؟ وہ نہ ملی تو.....''

شارب نے ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے ٹوکا۔

''یہ مت کہو' وہ مجھے ضرور ملے گی۔ میرا ایقان راسخ ہے اور امید بھی باقی ہے۔ کاش تم اسے ایک بار دیکھ لیتے تو تمہیں بھی میرے جذبِ دل کی شدتوں کی صداقت کا یقین آ جاتا۔ اس کے حسین چہرے کے خدوخال میں صبیح رنگت کے ساتھ پھیلا حزن بھی عجیب سی کشش رکھتا تھا۔ شاید وہی کشش مجھے کھینچ رہی ہے۔ مجھے کئی بار افسوس ہوا ہے' وہ یہیں کہیں میرے بہت پاس سانس لیتی ہے۔ میں اس کے دل کی دھڑکن اپنی ساعتوں میں محسوس کرنے لگا ہوں۔ وہ میری نگاہوں کے آسمان سے زمین دل پر اتری ہے، تو ہمارا ملن تو ہو گا نا۔'' اس کی آنکھوں میں لہجے میں سچائی تھی۔

کاشان اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر جو احساس تھا' وہ اس نے اس وقت بھی نہیں دیکھا تھا، جب وہ عنیہ سے متاثر نظر آتا تھا۔

''انشاء اللہ!''

کاشان نے بے ساختہ اسے دعا دی۔

''کاشی.....!''

شارب کی آنکھوں میں یکدم مایوسی لہرائی تھی۔

''ہوں' کیا ہوا؟''

کاشان نے بھی لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

''وہ اگر مجھے نہیں ملی تو..... تو میں جیوں گا کیسے؟ کاشی' تم مجھے کہنا چاہتے ہو گے' اس دیوانگی کا شکار میں ایک بار پہلے بھی ہوا تھا کاشی' تو میں کہوں گا۔'' وہ واقعی دیوانگی تھی۔ میں نے مدہوشی میں ایک تمنا کی تھی اور اپنی تمناؤں کا مرکز' جس ہستی کو بنانا چاہا تھا' وہ اس قابل نہیں تھی۔ وہ نیند کا خواب تھی' مگر یہ میری زندگی کی سچی حقیقت ہے۔ اسے پانے کی تڑپ بھی سچی ہے۔ دعا کرو کاشی وہ مجھے مل جائے' میں اب کوئی زخم سہنے کی سکت نہیں رکھتا۔ تم دعا کرو کاشی' کہ.....'' شارب کی آنکھیں ہی نہیں' لہجہ بھی نم ہو گیا تھا۔

کاشان اپنے دوست کے درد کو اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا۔ اس کے دل سے اس کے لیے دعائیں نکلی تھیں' کہ اب کی بار وہ ناکام نہ ہو۔ وہ جسے چاہ رہا ہے' جس کی تمنا کر رہا ہے' وہ اس کے سامنے آ جائے' مل جائے۔

''ڈونٹ وری یار' کوشش کرو گے تو مل ہی جائے گی آخر وہ اسی شہر میں ہے۔''

''مگر کیسے یار' میں اسے کہاں ڈھونڈوں؟ کہاں ملے گی وہ مجھے؟'' شارب کی امیدیں بے دم ہونے لگی تھیں۔

''ایک کام کر یار' فلمی ہیرو کی طرح گریبان چاک کر لے اور گلی گلی پکارتا پھر..... آخر کہیں سنے تو مجنوں کی لیلیٰ بازیاب ہو جائے گی۔'' کاشان نے ماحول کی اداسی کم کرنے کے لیے شارب کو چھیڑا تو وہ گھور کر دیکھنے لگا۔

''شاری بھائی! ہمیں جو اطلاع ملی ہے' وہ صحیح ہے؟''

جینی اپنے سسرال سے رہنے آئی ہوئی تھی اور کچھ دیر بعد ہی شرمین کے ساتھ گل آباد آ دھمکی تھی۔ شرمین سے شارب کی موجودہ کیفیات کے بارے میں سن کر وہ خوش بھی تھی اور بے چین بھی۔

''کون سی اطلاع؟''

شارب کا معمول آج کل دیر سے اُٹھنے کا تھا۔ رات بھر سوتے جاگتے گزارتا تھا' اس لیے صبح دیر سے اٹھتا تھا' جب اس کی کوئی فلائٹ نہیں ہوتی تھی۔ جینی اور شرمین کی ساڑھے گیارہ بجے آمد ہوئی تھی اور وہ تب ناشتہ کر رہا تھا۔

''ایک تو یہ کہ آپ آج کل رات بھر سوتے نہیں ہیں' اس لیے برنچ کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ آپ اکیلے نہیں جاگتے بلکہ.....'' شرمین نے بھابیوں والی شرارت سے اسے دیکھا' تو شارب اس کی شوخی پر خفگی میں سر ہلانے لگا۔

''میں تو سمجھتا تھا کہ صرف عورتیں ہی پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں' مگر آج معلوم ہوا مرد حضرات بھی اس صفت سے عاری نہیں ہوتے۔''

اسے سمجھ آ گئی تھی کہ کاشی ان تک اس کے دل پر گزری اس نئی قیامت کو پہنچا چکا ہے۔

''ویسے شاری بھائی! ہمیں آپ سے یہ امید نہیں تھی' چوری چوری سب معاملہ طے کر لیا اور ہمیں بتانا تک گوارہ نہیں کیا؟''

جینی نے مسلسل منہ پھلا رکھا تھا۔ اس کی چائے کی آفر کو بھی رد کر دیا تھا۔ انیلا پھوپو ان کے لیے بھی چائے وغیرہ لے آئی تھیں اور پھر کچن میں مصروفیت کا عذر پیش کر کے جلد ہی واپس بھی چلی گئی تھیں۔

''کون سا معاملہ' کیا کہہ رہی ہو؟''

''اب زیادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے بھائی! ہمیں سب معلوم ہو گیا ہے۔''

''ایک تو کاشی میں واقعی بری عادتیں ہیں' باہر کی ہر بات گھر آ کر عورتوں کو بتانا ضروری تو نہیں ہوتا' مگر اسے کوئی بات ہضم کہاں ہوتی ہے۔'' جینی کو چڑانے کے لیے اس نے شرمین کو اشارہ کر کے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

''شارب بھائی! تو کیا آپ ہمیں بے خبر رکھنا چاہتے تھے؟ اگر کاشی بھائی ہمیں نہ بتاتے تو آپ نے اعتراف ہی نہیں کرنا تھا نا۔'' جینی کا منہ ابھی بھی پھولا ہوا تھا۔

''کس بات کا اعتراف؟ بھابی' کاشی نے کیا کہا ہے آپ دونوں سے؟ ریئلی' کوئی بات نہیں ہے۔'' شارب نے اپنی طرف سے بہلانے کی کوشش کی۔

''کوئی بات نہیں ہے' تو وہ کون مہ جبیں ہے' جسے آپ شہر بھر میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور جس کی خاطر رات رات بھر تارے گنتے رہتے ہیں؟'' شرمین نے اپنی مخصوص شوخی سے پوچھا۔

''بھابی! آپ بھی..... جینی' میں تم لوگوں کو کیا بتاؤں' جس کے بارے میں' میں خود ابھی نہیں جانتا' اس کے بارے میں آپ لوگوں کو کیا بتاتا' کسی کو اتنے بڑے شہر میں ڈھونڈنا آسان تو نہیں۔''

''نیت صاف اور منزل آسان۔ بہنوں کی دعائیں لے کر نکلیے' مل جائے گی آپ کو آپ کی منزل..... بھائی پلیز! اب جلدی سے شادی کر لیں' ورنہ ہمیں زبردستی کرنا پڑے گی۔'' جینی یکدم ہی خوشی سے بولنے لگی تھی۔

''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کسی لڑکی سے اس طرح سرِ راہ اظہارِ محبت کروں گا' مگر مجھے آپ کے کھو جانے کا ڈر ہے۔ اس خوف نے مجھے بے دم کر رکھا ہے۔ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا۔ پلیز' آپ میرا اور میری محبت کا اعتبار کریں۔''

شارب کی آواز میں نمی کے ساتھ اور بھی بہت کچھ تھا' جو گم صم بیٹھی غزل حسان کے حساس دل اور بیکراں روح پر تیزی سے اثر دکھا رہا تھا' لیکن یقین و اعتبار کے لیے ابھی عقل و ذہن کب راضی ہوئے تھے۔ تبھی وہ دم سادھے جامد و ساکت ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کی خاموشی محسوس کر کے شارب کی سانس بھی

اٹکنے لگی تھی۔

"دیکھیے! میرے پاس اپنی صداقت کی گواہی کے لیے دنیا کا کوئی پیمانہ کوئی ہستی نہیں ہے، لیکن میرا خدا گواہ ہے کہ میں آپ کے لیے اپنے دل میں اخلاص اور زندگی میں چاہتوں کے خزینے رکھتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میری وفائیں صرف آپ کے لیے ہوں گی، پلیز آپ کچھ تو بولیے۔" شارب اس کی خاموشی سے گھبرا اٹھا تھا۔

گھبرا تو غزل عثمان بھی گئی تھی' اس لیے گڑبڑاتے ہوئے بولی۔ "پلیز! آپ مجھے یہیں اتار دیجیے۔"

"یہاں؟" شارب نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ اردگرد نہ آبادی تھی اور نہ ہی کوئی سواری ملنے کا امکان...... "یہاں سے آپ کیسے گھر جائیں گی؟"

"یہ میری پرابلم ہے۔ پلیز آپ کار روکیں۔" اس نے برہم لہجے میں کہا۔

"آپ بے شک مجھے اپنے گھر تک مت لے جایئے' مگر مجھے اپنے ساتھ وہاں تک تو جانے دیجیے، جہاں سے آپ کو بآسانی کنوینس مل جائے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" وہ زِچ ہو اٹھی۔

"میں اپنے دل کا حال آپ سے کہہ چکا ہوں۔ میں آپ پر اپنی مرضی نہیں ٹھونس رہا۔ بس اتنا چاہتا ہوں آپ ایک بار مجھے ضرور پرکھیے۔ آپ چاہیں تو ہم دوستی سے ابتداء کر سکتے ہیں۔ یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ اس پر گھر کا اور میرے موبائل فون کا نمبر بھی درج ہے' اگر آپ کو کبھی احساس ہو جائے کہ شارب احمد آپ کی دوستی کے لائق ہے تو پلیز' پھر دیر مت کرنا۔" شارب نے معروف ترین جگہ پر سڑک کے ایک طرف گاڑی پارک کی اور پھر اس کے اترتے ہی گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

شارب احمد کا وزیٹنگ کارڈ ابھی تک غزل عثمان کی انگلیوں میں پھنسا ہوا تھا اور وہ سڑک کے کنارے کھڑی اپنے ساتھ پیش آنے والے اس عجیب و غریب واقعے کو سوچ رہی تھی اور حیران ہو رہی تھی۔ اس کی زندگی میں اس سے پہلے بھی کالج اور یونیورسٹی کے کئی لڑکوں نے اظہار کیا تھا، مگر اس طرح دھڑلے سے کوئی بھی اپنا آپ منوانے کے درپے نہیں ہوا تھا۔ شارب احمد تو اپنی مسحور کن شخصیت اور جادوبیانی سے اسے بے بس سا کر گیا تھا، جہاں صرف تنہائیاں اور خاموشیاں پہرا دے رہی تھیں' جہاں محرومیوں کے سائے سایہ فگن ہو کر اسے ہر دم ہولاتے رہتے تھے۔ ایک اماں سکینہ کا دم غنیمت تھا، ورنہ اکثر تو اسے لگتا کہ اسے اس گھر کی ویرانی ہی نگل لے گی۔

"کیا گل ہے دھی رانی' کج پرشان (پریشان) ہو؟"

"نہیں! نہیں اماں! ایسے ہی بس تھکن ہے۔"

اماں سکینہ اسے چپ چاپ دیکھ کر متفکر سی تھی، جب کہ وہ ان کی وجہ سے خود کو سنبھالے ہوئے تھی، ورنہ دل تو مچل مچل کر رونے کو بے تاب تھا۔ خوشی اس کے در پر دستک دینے آئی تھی اور وہ اپنی حرماں نصیبی سے ڈری ہوئی، اسے اندر آنے کی اجازت بھی نہ دے سکی تھی۔

"اماں! میں تھوڑی سوؤں گی پلیز' ٹیوشن والے بچے آ جائیں گے مجھے جگا دینا' اچھا۔" وہ برآمدے سے اٹھ کر اپنے چھوٹے سے کمرے میں چلی آئی۔ دروازہ بند کر کے بستر پر لیٹتے ہی آہوں کے ساتھ سسکیاں بھی اس کے وجود میں کروٹیں لینے لگیں، مگر وہ تو کھل کر روتی بھی نہیں تھی، کہ کہیں اس کے آنسو اس کا بھرم گنوا دیں۔ شارب احمد نے کہا تھا کہ میرا اور میری محبت کا اعتبار کریں۔ اسے تو اپنوں کا اعتبار نہیں ملا تھا' وہ کسی اجنبی کا اعتبار کیا کرتی۔ زندگی کی راہیں اس کے لیے دشوار گزار بنانے والے اس کے اپنے تھے۔ یہ تنہائیاں' محرومیاں دینے والے اس کے نصیب میں خسارہ لکھ کر خود سود سمیت نفع کماتے ہوئے اپنی خوشیاں سمیٹ رہے تھے اور وہ تھی بے بسی اور کم مائیگی کے زیر بار بے بس و مجبور......

شارب احمد کی غیر معمولی توجہ درد نے اسے پھر سے ماضی کی اذیتوں کو دہرانے کا موقع دیا تھا، ورنہ تو وہ کبھی کا عہد کر چکی تھی کہ اب کبھی پلٹ کے پیچھے نہیں دیکھے گی، لیکن ذہن و دل اپنے اختیار میں کب رہتا ہے اور درد دبانے سے کب رکتا ہے۔ سو وہ بھی خود پر اختیار کھو رہی تھی۔ بچپن اور پھر اب تک کے واقعات کسی فلمی ریل کی طرح اس کے ذہن میں چلنے لگے تھے۔ اسے یاد آیا اس کا بھی ایک بڑا سا گھر تھا، جہاں امی' ابو کی شفقتوں کے سائے اس پر چھائے رہتے تھے۔

گاؤں کی حویلی کسی محل سے کم نہ تھی۔ دادا ابو کی وفات کے بعد تایا جان نے حویلی کا بٹوارہ کر لیا تھا۔ محل سی حویلی کے درمیان کھنچی دیوار کی حد شاید ذہنوں اور دلوں میں بھی اٹھ چکی تھی۔ تبھی تایا جان اور تائی زرینہ کی محبتوں میں کمی اس نے اپنی کچی اور معصوم عمر میں محسوس کرنی شروع کر دی تھی۔ اس کے تایا زمان چوہدری ویسے ہی بڑے رعب داب والے اور کچھ جھگڑالو سے تھے۔ اکثر مخالفوں سے ان کے جھگڑے چلتے رہتے تھے۔ ویسے بھی زمینداروں میں یہ جھگڑے معمول کی بات تھی۔ جب کہ اس کے ابو عثمان چوہدری کا مزاج ان کے برعکس تھا۔ دھیما ٹھنڈا لہجہ' نہایت رکھ رکھاؤ اور سبھاؤ والے عثمان چوہدری کی فطرت سب سے الگ اور مختلف تھی۔ اسے ابھی طرح یاد تھا کہ ابو کسی ملازم پر بھی کبھی ناراض نہیں ہوئے تھے' پھر نجانے کیا ہوا تھا کہ وہ مخالفوں سے زمینوں کے جھگڑے میں شدید زخمی ہو کر چند دنوں میں ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ آٹھ سالہ غزل اور اس کی امی صالحہ عثمان خاموش ہو کر رہ گئی تھیں۔ زندگی کی ساری خوشیاں جیسے ان کی زندگی سے رخصت ہو گئی تھیں۔ تایا زمان چوہدری کی کرختگی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ ان کی اجارہ داری بھی مزید پھیل گئی تھی۔ حویلی کے درمیان کھنچی دیوار ایک بار پھر گر گئی تھی اور ان کا گھر' پیارا گھر تایا زمان کی دسترس میں چلا گیا تھا اور وہ اس کی امی ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ نجانے یہ کیسا دستور تھا کہ اس کی امی کو زندگی گزارنے کے لیے چند شرائط کے تابوت میں مقید کر دیا گیا تھا۔ وہ بچپن میں ہی شعور پانے لگی تھی۔ امی کی خاموشی اور بے بسی کو سمجھنے لگی تھی۔ اس کی امی صالحہ نے اس کے ابو سے پسند کی شادی کی تھی اور اپنے پیچھے واپسی کے راستے بند کر آئی تھی، جس کا فائدہ اب تایا جان اٹھا رہے تھے۔ انہیں یہ کہہ کر کاروبار زندگی سے الگ کر دیا گیا تھا کہ بھائی کی بیوہ ہونے کی حیثیت سے اور اپنے دستور کے مطابق وہ اب نان و نفقہ تک ان کی ذمہ داری ہیں حتیٰ کہ وہ اب زندگی کے ہر فیصلے کے لیے ان کی پابند ہیں۔ مزید آٹھ نو سالہ غزل کی زندگی کا فیصلہ بھی اسی وقت ہو گیا تھا۔ انہوں

نے غزل کو اپنے اکلوتے بیٹے اسد زمان کے ساتھ مانگ کر باقاعدہ اعلان کر دیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی امی کے خیالات اس وقت کیا تھے البتہ بعد میں کئی بار اپنی امی کا دبا دبا احتجاج اس کے کانوں میں پڑتا رہتا تھا۔ اسد زمان اس وقت میٹرک میں تھا اور شہر کے اسکول میں پڑھتا تھا۔ اس وقت اسے پروا نہیں تھی کہ اس کے بڑے کیا فیصلہ کر رہے ہیں۔ ویسے بھی گاؤں میں اسی طرح کم عمری میں زندگی کے اہم فیصلے کر دیئے جاتے تھے، البتہ غزل عثمان کے لیے یہ بندھن اور اس سے وابستہ پابندیاں جان کا آزار بن گئی تھیں۔ اس کے معصوم بچپن کو آگہی کی دھوپ نے جھلسا دیا تھا۔ اس پر اس کی امی کی بے بس خاموشی اسے وقت سے پہلے ہی بڑا کر گئی تھی۔ اپنے ابو کی باتیں اور یادیں اس کی ہمدم و ہمجولی بنی رہتیں یا پھر اسکول کی کتابیں اس کی دلچسپی کا مرکز تھیں۔ تایا زمان کی بیٹیاں اس سے ہی نہیں اسد زمان سے بھی بڑی تھیں اور ان تینوں کی شادیاں بھی کبھی کی ہو چکی تھیں۔ گاؤں میں پہلے اسکول مڈل تک تھا' کچھ عرصہ پہلے ہی ہائی اسکول بنا تھا۔ اسے یاد تھا اسے کس مشکل سے اسکول میں پڑھنے کی اجازت ملی تھی اور پھر جب اس نے میٹرک میں فرسٹ ڈویژن لی تو ایک نئی خواہش اس کے اندر سر ابھار چکی تھی۔ آگے پڑھنے کی تمنا اس کی شدید ترین تھی مگر گھر کا ماحول اور فرسودہ رواج اس کی تمنا کی راہ میں ہمیشہ حائل رہے تھے۔ اس بات تو اس کی امی بھی اس کے لیے ڈھال بننے سے انکاری تھیں۔

''بس بیٹی! اتنا بہت ہے۔ تو' تو جانتی ہے' زمان بھائی مانے گا نہیں۔ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں جانتی ہوں وہ لوگ تجھے شہر بھیجنے پر راضی نہیں ہوں گے۔''

اس کی امی صالحہ نے جس بے بسی سے اسے جھڑکا تھا، وہ اس کے لیے بہت ہی تکلیف دہ تھا۔ وہ کچھ تو سمجھ بوجھ رکھتی تھی۔ جانتی تھی تایا جان نے اس کی امی اور اسے صرف زمینوں جائیدادوں کے لیے پابند بنا رکھا ہے۔ وہ جانتے تھے، اگر صالحہ یہاں سے کسی طرح چلی گئی، تو پلٹ کر نہیں آئے گی۔ وہ اتنی آسانی سے زمینوں کو کسی اور کی دسترس میں کیسے جانے دیتے۔ ویسے بھی ان کے تینوں بیٹے یہ سب کچھ ان کے بیٹے کا ہی تو تھا، جو تعلیم سے فارغ ہو کر مزید تعلیم کے لیے ان دنوں باہر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا اور اسی سلسلے میں کچھ دنوں سے گاؤں میں بھی آیا ہوا تھا، ورنہ تو اس نے اپنا سارا وقت شہر میں گزارا تھا۔ اس کا رہن سہن' بود و باش بالکل بدل چکا تھا۔ گاؤں آتے ہوئے ہزار نخرے کرتا اور پھر جتنے دن رہتا احسان جتاتا رہتا۔ ویسے بھی زمان چوہدری کا دبدبہ بیٹے کے سامنے ذرا کم ہی تھا۔ اسے شہری اور ولایتی بابو بنانے کا جنون زمان چوہدری کو ہی تو تھا اور اب وہ ویسا ہی بنتا جا رہا تھا، تو زمان چوہدری کی گردن مزید اکڑتی جا رہی تھی۔ غزل اپنی امی کے بے بس انکار پر آنکھوں میں آنسو لیے کمرے سے باہر نکلی تو راستے میں اسد زمان سے ٹکرا گئی۔ گھبراہٹ کے مارے اس کے آنسو آنکھوں میں ہی منجمد ہو گئے تھے۔ اسد زمان نے بھی پہلی بار اسے غور سے دیکھا تھا۔ اس کے حزن بھرے حسن میں عجیب سی کشش تھی۔ اسد زمان کے ساتھ پڑھنے والی لڑکیاں حسن سے زیادہ ادائیں رکھتی تھیں۔ سو غزل کا اداؤں سے عاری روپ ہمیشہ بے کشش لگا کرتا تھا لیکن اب وہ ٹھٹک کر اسے دیکھ رہا تھا اور اس کا راستہ بھی روکے کھڑا تھا۔

''کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو؟'' اسے مڑتے دیکھ کر آخر اسد زمان کو پوچھنا بھی پڑا۔ وہ واپس اپنے

مخصوص کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ ''غزل میں تم سے بات کر رہا ہوں۔''

''کچھ نہیں! بس ایسے ہی۔'' اس پر گھبراہٹ طاری تھی۔ تائی زرینہ کی نصیحتیں کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ''اسد کے سامنے بے دھیانے نہ پھرا کرو۔ سرکج کے بیٹھا کرو۔ پہلے کی گل ہور تھی' ہن تو جوان ہے۔ اپنی ماں کی طرح پہلے ہی رجھانے کی کوشش نہ کرنا۔ ویلے سر سارے چاؤ پورے ہو جائیں گے۔''

ان باتوں کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے۔ وہ پہلے بھی اسد کے آنے پر اپنے کمرے سے کم ہی نکلتی تھی۔ اب تائی کی برچھیوں جیسی باتوں نے اسے زخمی کرنے کے ساتھ مزید محتاط کر دیا تھا، اس لیے وہ اس سے بات کرتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ وہ جس بات سے گھبرا رہی تھی' وہی ہوئی۔ تائی اسد کے پیچھے ہی چلی آئی تھی اور اسے گھور کر دیکھنے کے بعد اسد سے مخاطب تھی۔

''اسد پتر! ادھر کیا کر رہے ہو؟''

''چاچی جی سے ملنے آیا تھا۔ اسے کیا ہوا' یہ کیوں رو رہی تھی؟''

''اپنے نصیبوں کو روتی رہتی ہے ماں دی۔ تو آ' فیرل لینا۔'' تائی زرینہ نجانے کیوں غزل کے حسن سے خائف رہنے لگی تھیں۔ انہیں لگتا تھا ان کا بیٹا اس کے حسن میں بندھ کر سب کچھ بھلا بیٹھے گا۔ وہ بیٹے کو کھینچ کر اپنی طرف لے گئیں۔

اسد کچھ حیران سا تھا۔ نگاہ میں ابھی تک پلکوں پر لرزتے موتی اور تھرتھراتے یاقوتی لب تھے۔

''اماں جی! کوئی بات تو ہو گی۔ پوچھنا تو چاہیے نا کہ وہ کیوں رو رہی تھی۔ چاچی جی تو ٹھیک ہیں ناں؟''

''اسے کیا ہونا ہے۔ خیری صلا چنگی بھلی کھاتی پیتی ہے' بس اس کڑی کو ہی بخار چڑھا ہوا ہے۔''

''غزل کو؟'' اسد نے حیرت سے استفسار کیا۔ ''کب سے' ڈاکٹر کو دکھایا؟''

تائی زرینہ سے اس کی فکرمندی برداشت نہیں ہوئی تھی۔ ''یہ ڈاکٹر کے بس کی گل نہیں ہے۔ یہ ہور ہی گل ہے۔ کہتی ہے ہور پڑھے گی' تیری طرح شہر جائے گی۔ لو بھلا یہ منڈوں کا مقابلہ کرے گی۔ تو نے کوئی اس سے افسری کرانی ہے۔ میں تو تیرے ابے سے کہہ رہی تھی۔'' پتر باہر جا رہا ہے تو جانے سے پہلے واجے شاجے بجوا دیں۔ دس جماتاں جو بہت ہیں، ہماری کڑیوں کے لیے۔''

تائی زرینہ کی آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی اور اسد حیرت سے سن رہا تھا۔ پہلی بار بھی دلچسپی لینے پر اسے بہت سی باتوں اور ماحول کے فرق کا احساس ہو رہا تھا۔ جس قسم کی سوچیں اس کی ماں کی تھیں اور جیسا یہاں کا ماحول اور نظام تھا' اس نظام کی پروردہ لڑکی کے ساتھ وہ ساری زندگی کیسے گزر سکتا تھا۔ اپنے ماحول کی خامیاں شہر میں مستقل رہنے کی وجہ سے وہ فراموش کر ہی چکا تھا۔

''تو اماں جی! اس میں حرج ہی کیا ہے۔ وہ مزید پڑھنا چاہتی ہے' تو پڑھنے دیں۔'' اسد نے فوراً ہی اپنی رائے دے دی۔

''لو گل سن لو' اپنے ابے کے سامنے یہ بات نہ کر دینا، ایویں تیری عزت کر دیں گے۔''

''کیوں؟ میں تو ابا جی سے بات کر کے جاؤں گا۔'' اسد اپنی بات پر قائم سا تھا اور وہ دونوں ماں

بیٹی اپنے کمرے میں بیٹھی لرز رہی تھیں۔

''کیا بات ہے پتر جی؟'' زمان چوہدری خوشگواری سے کہتے باہر آئے تھے اور آتے ہی بیٹے کے برابر پڑے مخملیں پایوں والے اونچے پیڑھے پر بیٹھ گئے تھے۔

''کج نئیں چوہدری جی! کج نئیں۔ سکینہ' دیکھ چوہدری جی کے لیے لسی لے کے آ۔ نکیو! کج آپ وی دھیان رکھ لیا کرو۔''

تائی زرینہ نے حتی المقدور کوشش کی تھی کہ اسد اپنی بات نہ کہے، اس لیے وہ اماں سکینہ کو ڈانٹ ڈپٹ رہی تھیں۔ اماں سکینہ فوراً ہی لسی کا گلاس لیے حاضر تھی۔ چوہدری زمان نے لسی کا گھونٹ بھر کے پھر سے بیٹے کو مخاطب کیا۔

''ہاں پتر جی! کیا گل بات کرنی ہے اپنے اباجی سے؟''

اسد اماں کی گھوریاں نظر انداز کر کے اپنے اباجی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ویسے ہی چند لمحوں میں وہ اپنے مستقبل کے حوالے سے بہت کچھ سوچ چکا تھا۔

''اماں جی بتا رہی ہیں کہ غزل مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے، تو اسے کالج میں داخلہ دلوا دیں۔ اس کے نمبرز بھی بہت اچھے آئے ہیں۔ آرام سے ایڈمیشن ہو جائے گا اس کا۔'' اسد زمان بہت آرام سہولت اور روانی سے اپنی بات کہہ رہا تھا۔

تائی زرینہ پھٹی آنکھوں اور کھلے منہ سے بیٹے کو دیکھ رہی تھی، جب کہ تایا زمان کی پیشانی پر سلوٹ پڑ گئی تھی۔

''میں نے تجھے خود کدھر بتایا پتر' تو نے پچھا تو بتا دیا۔ وہ شودھی دی تو رو رو کے ڈھنڈورا پٹ رہی ہے کہ.....'' تائی زرینہ نے اپنی جانا بچانا چاہی' انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں شوہر کا غصہ ان پر نہ نکلے۔

''تو اماں جی! وہ صحیح رو رہی ہے۔ اسے پڑھنا ہے تو پڑھنے دیں۔''

اسد زمان کی بات میں ابھی بھی روانی تھی۔ اسے نہ اماں کی ناراضگی کی پروا تھی اور نہ ہی اباجی کے غصے کا خوف..... غزل بھی اپنے کمرے سے نکل کر دیوار کی اوٹ میں آ کھڑی ہوئی تھی، حالانکہ اس کی مستقل دبی دبی آواز میں اسے واپس آنے کا کہہ رہی تھیں۔

''دیکھ پتر! ہماری کڑیاں زیادہ نئیں پڑھیں۔ تو بھل (بھول) گیا' تیری بہنیں تو پنج پنج جماتاں نئیں پڑھیاں۔ یہ تو دس جماتاں پڑھ گئی، جو بہت نئیں ہے؟'' تائی زرینہ نے سمجھانے والے انداز مداخلت کی۔ اصل میں وہ چوہدری زمان کے غصے سے بچنے اور بچانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہی تھیں۔

''تیری ماں ٹھیک کہہ رہی ہے کاکے' اس گل کو یہیں ٹھپ دے۔ کڑی کا رونا دیکھ کر ہم اسے نئیں بھجوا سکتے۔ یہاں کالج شالج ہوتا تو پھر سوچ لیتے۔'' چوہدری زمان نے بیٹے کو قدرے خفگی سے رہنے کی صلاح دی تھی۔

''تو اباجی! شہر بھیجنے میں کیا حرج ہے۔ وہاں بھی لڑکیوں کے الگ اسکول اور کالج ہوتے ہیں۔''

''پتر! تیری تو مت ماری گئی ہے۔ ہم نہیں بھیج سکتے اپنی نودھی کو یوں کلم کلا (اکیلے)۔'' تائی

اٹھی تھیں۔ بیٹا کچھ سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔

''اماں جی! مت میری نہیں' آپ لوگوں کی ماری گئی ہے۔ مجھے اباجی آپ نے شہر پڑھنے بھیجا ہے' اب باہر بھی بھجوا رہے ہیں اور مجھے پابند بھی کر دیا ہے کہ شادی کروں تو چاچی کی بیٹی سے کروں۔ اباجی! آپ صاف سن لیں' مجھے شہر میں ہی رہنا ہے۔ پڑھ کر آؤں گا، تو شہر میں ہی اپنا بزنس کروں گا۔ اگر آپ لوگوں نے غزل سے ہی میری شادی کروانی ہے، تو اسے کوئی طور طریقے تو سکھائیں۔ شہر میں اپلے نہیں تھوپے جاتے اور نہ ہی لسی' مکھن' ساگ پر گزارا ہوتا ہے۔''

اسد زمان کا بے باک لب و لہجہ دونوں کو حیرت میں ڈال رہا تھا۔ بیٹا اتنی بے شرمی سے اپنے مستقبل اور شادی کے پروگرام بیان کر رہا تھا۔

''ہائے! تو کیا تو ہماری نوکو شہر میں رکھے گا؟'' تائی زرینہ نے برملا اپنی حیرت کا اظہار کر دیا۔

''ظاہر ہے' میں شہر میں رہوں گا، تو وہ بھی وہیں رہے گی۔''

اسد زمان کا دوٹوک قطعیت بھرا انداز چوہدری زمان کو مشکر تو کر رہا تھا، مگر ابھی وہ بیٹے کو کچھ کہہ کر ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''اوٹھیک ہے پتر! جیویں تیری مرضی۔ پر کڑی کو یہ کالج شالج بھیجنے والی گل رہن دے۔ دھی دھیانی کلی گھر سے دور جائے گی' یہ چنگی گل نہیں ہے۔''

''اباجی! آپ میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں۔ بیٹا ولایت سے پڑھ آئے اور اس کی بیوی نری گنوار رہے۔ یہ بات انصاف کی تو نہیں ہے۔ اباجی! اب پرانا دور نہیں ہے کہ بڑوں کے کیے فیصلے پر کسی ان پڑھ جاہل کے ساتھ لڑکے گزارہ کر لیتے تھے۔ میں نے آپ سے کہہ دیا ہے، اگر آپ کو اپنا فیصلہ منوانا ہے، تو میری بات بھی ماننی پڑے گی۔ اسے شہر بھیجیں' وہاں رہے گی تو کچھ سیکھے گی ورنہ.....''

اسد زمان کا فیصلہ کن انداز چوہدری زمان کو مشکر کر گیا۔ اگر بیٹے نے کہیں اور شادی کر لی، تو ان کے تو منصوبوں پر پانی پھر جاتا اور برادری میں الگ تھو تھو ہوتی۔ مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ اس کی بات مان لی جاتی۔ یوں تایا جان بیٹے کے ہاتھوں مجبور ہو کر بہت بے دلی کے ساتھ اسے کالج میں داخل کروایا تھا۔ تائی زرینہ نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس بار بھی دل کی چیدتی نصیحتیں کی تھیں۔ اسے پڑھائی کے لیے تو ان کی ہر شرط ہر نصیحت گوارا تھی۔ دراصل اس کی فطرت گاؤں کے ماحول میں رچ بس نہیں سکی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح وہ اس ماحول سے نکل جائے، جہاں اس کا دم گھٹتا تھا۔ پہلی بار اسے اسد زمان اچھا لگا تھا۔ جس کے کہے پر اسے زندگی کی نوید ملی تھی۔ وہ بہت آگے جانا چاہتی تھی۔ بچپن سے ہی اسے تصویریں بنانے کا شوق رہا تھا۔ اس کی ڈرائنگ بنا سیکھے سکھائے بہت اچھی تھی۔ اسد زمان نے خود جانے سے پہلے اس سے اس کی دلچسپی کے مضمون پوچھ کر، بلکہ اس کی اسکیچ بک دیکھ کر اسے فائن آرٹس میں داخلہ دلوایا تھا۔ اسد کو معلوم ہی نہیں تھا کہ گاؤں میں ساری زندگی گزارنے والی بظاہر سیدھی سادی' خاموش طبع لڑکی کے ہاتھوں میں اس قدر مہارت اور صفائی ہے۔ وہ جانتا تھا اگر اسے صحیح گائیڈ مل جائے، تو یہ بہت نام کما سکتی ہے۔

شہر اور ہاسٹل کا ماحول گاؤں سے یکسر مختلف تھا۔ یہاں بھی بہت تضادات تھے' اس نے پھر بھی اپنی لگن اور شوق کی خاطر اپنے آپ کو اس ماحول میں رچایا نہیں تھا' تو خود کو اس سے الگ بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی امی نے بھی اسے کئی نصیحتیں کی تھیں۔ اپنی اور خاندان کی عزت کی حفاظت کی قسم دی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی لغزش سے ان کی تربیت یا خون پر کسی قسم کی کوئی آنچ آئے۔ انہیں اپنی بیٹی کے لیے اسد داماد کی صورت میں قبول تھا۔ وہ بہت اچھا اور اعلیٰ اخلاقیات کا حامل شخص نہیں تھا تو برا بھی نہیں تھا۔

اس میں جو خامیاں تھیں' وہ چوہدریوں کے خون میں شامل ہوتی ہیں۔ سو اسد زمان اپنی ہر خامی خوبی سمیت اس کا نصیب تھا اور اس نے اپنے نصیب کے لکھے پر سر جھکا لیا تھا' خواہ دل میں کوئی امنگ و جذبہ پنپ سکا تھا یا نہیں' اسے ہر حال میں اسد کی ہونا تھا تو وہ کسی اور کے بارے میں کیسے سوچتی اور کسی کی راہ پر جا کر اپنی اور امی کی مشکلات کیوں بڑھاتی' اس لیے اس کی ساری توجہ اپنی تعلیم پر مرکوز ہو گئی تھی اور اسی تعلیم نے اسے مزید آگہی سے نکھارنا' سنوارنا شروع کر دیا۔ اس کی شخصیت نئے انداز میں ڈھلی تھی۔ اس کا اعتماد رفتہ رفتہ بڑھنے لگا تھا۔

دو سال بعد اسد واپس لوٹا تو وہ کافی حد تک بدل چکا تھا۔ وہاں کی آزادی نے اسے مزید بے باک کر دیا تھا۔ اس کے خیالات بھی خاصے بدل چکے تھے۔

غزل کو دیکھ کر اسے باپ کے بے وقت فیصلے پر جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ نکھر ضرور گئی تھی' مگر اس کی سادگی وہی تھی۔ اس میں بانکپن نہیں آیا تھا۔ وہ بالکل کٹی ہوئی چھوئی موئی سی لڑکی لگی تھی۔ جسے اپنے مگنیتر سے ملنے کی کوئی بے تابی نہ تھی جس کے طرزِ عمل سے ذرا سی بھی گرمجوشی ظاہر نہ ہوئی تھی۔ وہ تو صنفِ مخالف کے عجب عجب جلوے اور نظارے دیکھ کر آیا تھا بلکہ دو سال تک خود بھی سنہری زلفوں اور نیلی ہری آنکھوں والیوں سے جی بھر کے محبتوں کے کھیل کھیل کر آیا تھا۔ اپنی زندگی سے نتھی اپنی کزن کی خوب صورت سیاہ گہری جھیل سی آنکھوں میں اسے گھبراہٹ دیکھ کر اُلجھن ہونے لگی تھی۔ اس کے دوپٹے سے جھانکتی سیاہ بالوں کی چوٹی اور بکھری زلفیں چھونے کی حسرت پیدا کرنے کے ساتھ اسے اس کی بے بسی کا احساس بھی دلاتی تھیں' کہ وہ بے دھڑک انہیں چھو نہیں سکتا' تبھی اس نے عزم کیا تھا غزل عثمان کو اپنے رنگ میں رنگ کر دکھائے گا۔ اس کے واپس آتے ہی شادی کا شور پھر اٹھا تھا' لیکن ابھی اسد اپنا بزنس سیٹ کرنا چاہتا تھا۔ تبھی غزل کو مزید مہلت مل گئی تھی اور اس نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

غزل نے اس بار اسد میں بہت تبدیلی محسوس کی تھی۔ وہ ہاسٹل میں ہر ویک اینڈ پر اس سے ملنے آ جاتا تھا۔ اس کے لیے ہمیشہ کئی چیزیں بھی اس کے ہمراہ ہوتی تھیں' جن میں جدید طرز کے ملبوسات بھی ہوتے تھے۔ اس کی روم میٹ تو حیران رہ جاتی' بلکہ اکثر رشک و حسد سے کہہ بھی جاتی۔

''تمہارا یہ منگیتر پہلے کہاں سو رہا تھا۔ بڑی دیر سے اسے تمہارا خیال آیا ہے۔''

تب وہ جز بز ہو کر رہ جاتی۔ اس نے اسد کو دبے دبے انداز میں منع بھی کیا تھا' بلکہ لڑکیوں کی ذہنیت کا بھی بتایا تھا' جسے اس نے لاپروائی سے یہ کہہ کر اڑا دیا تھا۔

''جلتی ہوں گی تم سے' تم کیوں کیئر کرتی ہو۔ دیکھو غزل خود میں کانفیڈنس پیدا کرو۔ تمہیں اب شہر

میں ہی رہنا ہے۔''

اس کے نہ نہ کرنے پر بھی اسد زبردستی اسے اکثر لنچ وغیرہ کے لیے کالج سے لے جاتا تھا۔ اس کا مؤقف تھا کہ ''ہمیں اب ساتھ رہنا ہے تو تمہیں میرا لائف اسٹائل اپنانا پڑے گا۔'' اور وہ ڈری سہمی سی اس کی باتیں سننے پر مجبور ہوئی رہتی۔ کبھی وہ اس کے ہر وقت سر پہ دوپٹہ جمانے پر اعتراض کرتا' کبھی اس کے ایک ہی طرز کے سارے ملبوسات پر۔ کبھی وہ اسے اس کے دراز گھنے بالوں کو نیا اسٹائل دینے کا مشورہ دیا کرتا' ایسے میں غزل حیرت سے تکنے لگتی۔ اسے اسد سے ڈر لگنے لگا تھا۔ خصوصاً جب وہ اسے اپنے ساتھ آؤٹنگ کے لیے لے کر آتا اور پھر روانی سے اسے یورپ کے ماحول کی رنگینی کے قصے سنانے لگتا' ایسے میں وہ شرم سے لال ہو کر سر جھکانے اور خود میں سمٹنے پر مجبور ہو جاتی۔ اسد زمان کو اس سے بہت سی شکایتیں تھیں' خاص طور پر اس کی چپ اور گہری خاموشی سے وہ چڑنے لگا تھا بلکہ اکثر اسے غصے میں کہہ بھی جاتا تھا۔

''میں نے سوچا تھا' تمہیں شہر میں پڑھنے کے لیے ابا جی سے اجازت دلوا کر میں اپنا ہی بھلا کر رہا ہوں' مگر تم تو وہی گاؤں کی گنوار ہی ہو۔ شہر میں دیکھتی ہو نا کہ لڑکیاں کس طرح اپنے دوستوں کے ساتھ گھومتی پھرتی ہیں اور تم میرے ساتھ دن کے وقت بھی اس طرح ڈری سہمی بیٹھی ہوئی ہو جیسے میں تمہیں کڈنیپ کر کے لایا ہوں۔''

تب وہ مزید سہم جاتی۔ کیسے کہتی کہ اسے اس کے ساتھ تحفظ کا احساس نہیں ملتا۔ وہ اس سے خوفزدہ ہے' اس کے انداز و اطوار اسے ڈراتے ہیں۔ وہ تو اس بات سے بھی ڈرتی رہتی تھی کہ کہیں کسی روز تایا اور تائی جی کو علم ہو گیا کہ وہ اسد کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے تو نجانے اس کا کیا حال ہو گا اور اس کی امی کی تو گویا شامت ہی آ جائے گی' جو پہلے ہی نجانے کس روگ میں مبتلا دھیرے دھیرے گھلتی جا رہی تھیں۔

اور پھر اس کا خوف غالب آیا تھا' یا پھر اس کے نصیب کی ستم ظریفی تھی۔ تایا کا فون آیا تھا کہ اس کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' وہ اسد کے ساتھ گاؤں آ جائے۔ تایا جی کے فون کے بعد اس نے اسد کے موبائل پر کئی بار فون کیا تھا' مگر اس کا موبائل آف تھا' گھر پر بھی کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ سو رہا ہو گا۔ امی کی بیماری نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ دل چاہتا تھا اڑ کر گاؤں پہنچ جائے۔ اس کی روم میٹ اسے اسد کے گھر جانے کا مشورہ دے رہی تھی۔ اس کی اکلوتی سہیلی (جو کالج کے ان تین سالوں میں بنی تھی) سومیہ وہ بھی اسے یہی کہہ رہی تھی کہ اسد اپنے گھر پر ہی ہو گا' وہ وہیں چلی جائے۔ وہاں سے وہ اسے گاؤں لے کر چلا جائے گا۔ سومیہ نے ہی اسے چھوڑنے کا ذمہ لیا تھا۔ سومیہ شہر کی پروردہ خود اعتماد لڑکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ رکشے میں اسد کے گھر تک آ گئی تھی۔ ملازم نے بتایا تھا کہ وہ گھر پر نہیں ہے' جب وہ مایوس ہو کر پلٹ رہی تھی' تبھی وہ باہر سے آ رہا تھا۔ پہلے تو وہ غزل کو اپنے گھر پر دیکھ کر حیران ہوا۔ غزل آج تک اسد ولاز میں نہیں آئی تھی۔ نہ ہی وہ اسے ادھر لے کر آیا تھا۔ شاید ایک بار باہر سے گھر دکھایا تھا۔ اسد کا حلیہ و انداز قابلِ دید نہیں تھا۔ سرخ آنکھیں' بکھرے اُلجھے بال' شکن زدہ لباس' غزل نے خود کئی بار محسوس کیا تھا کہ وہ ڈرنگ کرتا ہو گا۔ کئی بار اس کی فون پر دوسرے لوگوں سے

باتوں کے ذریعے یہ بھی اس ادراک ہوا تھا، کہ وہ جواُ وغیرہ بھی کھیلتا ہوگا، مگر وہ اس کی ان خامیوں پر سوائے جلنے اور کڑھنے کے کیا کر سکتی تھیں۔ اب بھی اس کی ایسی حالت دیکھ کر رات بھر گھر سے غائب رہنے کی وجہ سمجھ آ رہی تھی، مگر فی الحال اسے امی تک پہنچنے کی جلدی تھی۔

''وہ..... میں..... تایا جی کا فون آیا تھا۔ گاؤں آنے کے لیے کہا ہے آپ کے ساتھ۔ میں نے فون کیا تھا آپ کو مگر.....'' وہ رونے کے قریب تھی۔

اسد ہنوز حیران سا تھا۔ اپنی حیرت میں وہ یہ بھی فراموش کیے ہوئے تھے کہ غزل کے ساتھ آئی اس کی فرینڈ اسی رکشے میں واپس چلی گئی۔ اور غزل گیٹ سے باہر کھڑی اپنی آمد کی وضاحت دے رہی تھی۔

''وہ امی کی طبیعت خراب ہے اس لیے۔''

اسد کو اس کی بات سمجھ آئی تو گہری سانس کھینچی تھی۔ ''او کے..... او کے تم اندر تو آؤ۔''

وہ اپنی گاڑی لے کر کھلے گیٹ سے اندر لے گیا تھا۔ غزل بھی اس کے پیچھے پیچھے لپکی تھی۔ اسد نے گاڑی سے اتر کر مغموم و ملول غزل کو دیکھا، جس کی دلکشی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا، جس کے صبیح چہرے کے نکھار اس وقت اسے کچھ اور سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''آئی ایم سوری' میرے سیل فون کی بیٹری ڈاؤن تھی۔ چاچی جی کی طبیعت زیادہ خراب ہے تو ابا جی انہیں یہاں شہر لے آتے۔ میں انہیں فون کرتا ہوں کہ چاچی جی کو یہیں لے آئیں' یہاں ہسپتال میں ان کا علاج بہتر ہوگا۔ یو ڈونٹ وری۔ ویسے انہیں ہوا کیا ہے؟'' اسے بے تکلفی سے اپنے ساتھ لگا کر آگے بڑھنے لگا تھا' اس نے غزل کی ہچکچاہٹ و گھبراہٹ، بلکہ اس کا کسمسانا بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ اسد نے پہلی بار اس قدر بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ دل میں غصے کے علاوہ کچھ نہ کر سکی تھی۔ اسے اسد کے قرب سے الجھن و کراہت بیک وقت محسوس ہو رہی تھی۔

پھر اسد نے اندر آ کر تایا جی کو فون کر کے اس کی امی کو شہر لانے پر مجبور کیا تھا، جب کہ تایا جی نے صاف کہہ دیا تھا کہ گاؤں کے ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا، کہ وہ زیادہ دیر کی مہمان نہیں ہے۔ اسد کو اس سے زیادہ غرض نہیں تھی۔ اسے بس غزل کا وجود اپنے گھر میں دیکھنا اچھا لگ رہا تھا، یا کیا تھا جب کہ غزل سے وہاں وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔

خدا خدا کر کے اس کی امی کافی خراب حالت میں تایا جی کے ساتھ آئی تھیں۔ ان کے پیٹ میں اپنے غموں اور دکھوں کا ناسور بن چکا تھا، جو کہ شاید پھٹ بھی چکا تھا۔ اسی لیے ان کی حالت مردوں جیسی ہو رہی تھی اور پھر اس کی امی کو شہر کے اسپتال میں داخل تو کروا دیا گیا تھا، مگر وہاں کے ڈاکٹروں نے بھی کہہ دیا تھا کہ ان لوگوں نے دیر کر دی ہے۔ دیر تو واقعی ہو گئی تھی۔ اس کی امی صرف چند گھنٹے ہی شہر آ کر جی سکی تھیں اور اس دوران بھی وہ اپنی امی سے نہ کچھ کہہ سکی تھی اور نہ بتا سکی تھی کہ وہ اسے جیسے آزاد و بے باک انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ اسے ان زنجیروں سے رہائی دلوا دیں، جو صرف اس کے وجود کو ہی محصور نہیں کیے ہوئے تھیں، بلکہ اس کی سانسوں کو بھی پابند کرتی تھیں۔

امی اس دنیا سے کیا رخصت ہوئی تھی' اس کے سر سے جیسے سائبان ہٹ گیا تھا۔ تائی زرینہ کا رویہ ہی

وقتی طور پر ہمدردی آمیز تھا، ورنہ اسد اور تایا کے لیے تو جیسے یہ سانحہ عام سی بات تھی۔

وقت اپنی رفتار سے بڑھتے ہوئے رستے زخموں پر پھاہے تو رکھ رہا تھا مگر زخم تھے کہ مندمل نہیں ہو رہے تھے۔ غزل کے لیے یہ صدمہ سہنا آسان نہیں تھا۔ صبر و قرار جیسے روٹھ گیا تھا اور وہ گاؤں میں اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی کئی کلاس فیلو اور ٹیچرز اس سے اظہار افسوس کرنے اور صبر و تحمل کے ساتھ معمولاتِ زندگی کی طرف واپس آنے کا حوصلہ دے کر چلی گئی تھیں۔ وہ بجھ تو گئی تھی، پھر بھی اسے کچھ عرصے میں ہی گاؤں کی گھٹن تنگ کرنے لگی تھی' پھر تائی زرینہ کا بھی اٹھتے بیٹھتے ایک ہی مطالبہ رہنے لگا تھا، کہ اب کسی بھی طرح اسد کی شادی ہو جائے' ابھی اس کے زخم ہرے تھے اور پھر اس کا تغافل اسے محسوس ہو رہا تھا۔ سومیہ نے اسے بتایا تھا کہ کاروباری حلقے میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ اسد اپنے بزنس پارٹنر کی بیٹی سے شادی کر رہا تھا۔

غزل کو اس بات کا دکھ نہیں تھا کہ اسد کسی اور لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ اسد کی فطرت کو کافی حد تک سمجھ گئی تھی۔ اسے فکر اس بات کی تھی، کہ اسے بھی ناچار اسد زمان کی دلچسپی کا وقتی سامان بننا پڑے گا، جو کہ اسے گوارا نہیں تھا۔ اس کا شعور پختہ ہو رہا تھا۔ اس پر آگہی کے در وا ہو چکے تھے۔ وہ اس طرح کی دوغلی زندگی نہیں جینا چاہتی تھی۔ تبھی وہ واپس شہر چلی آئی تھی اور پھر سومیہ کی باتوں کی تصدیق اپنی آنکھوں سے بھی کر لی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اس کے پاس احتجاج کے لیے زبان نہ تھی اور پھر اس کی قسمت اچھی تھی یا کیا تھا' اسد نے گھر والوں کو بتائے بغیر اپنے بزنس پارٹنر کی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ اسد کی یہ چوری چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ اپنے بیٹے کی چوری پکڑے جانے کے باوجود تایا' اسد اور غزل کی شادی کے لیے نہ صرف بضد تھے، بلکہ اس مقصد کے لیے غزل کو ایک بار پھر ہاسٹل چھوڑنے اور گاؤں آنے کے لیے مجبور کر دیا گیا تھا۔ تایا کو معلوم تھا اگر غزل کی شادی اسد کے علاوہ کسی اور سے ہوگی، تو اس کا شوہر اور سسرال والے ان سے قانونی طور پر زمین جائیداد حاصل کر لیں گے، جو کہ انہیں گوارا نہ تھا۔ انہیں نہ بیٹے کا احتجاج نظر آ رہا تھا اور نہ ہی غزل کے آنسو۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ اپنی امی کے کمرے میں دیواروں سے لپٹ لپٹ کر روئی تھی اور پھر آخری کوشش کرتے ہوئے وہ اسد کے سامنے بھی گڑگڑائی تھی۔ وہ گاؤں زبردستی لایا گیا تھا۔ غزل بمشکل موقع دیکھ کر اس کے سامنے آئی تھی۔

''اسد! آپ اپنی زندگی کا فیصلہ کر چکے ہیں، پھر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟''

اسد نے چونک کر اسے دیکھا تھا پھر کندھے جھٹک کر بولا۔

''مجھے خود نہیں معلوم' شاید تمہاری خوشی کے لیے یا پھر اپنی خوشی کے لیے۔''

''خوشی کے لیے؟ نہیں! یہ سب انا کے لیے ہو رہا ہے۔ اس زمین کے لیے' اس حویلی کے لیے۔ یہ شادی کسی کی خوشی نہیں بن سکتی نہ آپ کی نہ میری۔ پلیز' تایا جان کو روکیے۔ میں آپ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔'' اسد زمان کی مردانگی پر چوٹ لگی تھی۔ وہ کم ہمت زندگی کے سبق پڑھتی نوآموز لڑکی اپنے حق کے لیے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''تو کیا میں تمہارے ساتھ خوش رہ سکتا ہوں۔ تم جیسی ڈل' بور' امیچور لڑکی میرے لیول کی ہو بھی نہیں

سکتی۔ میں تو کہہ چکا ہوں۔ ابا جی سے یہ پھندا میرے گلے میں مت ڈالیں' میں تو گھٹن سے ہی مر جاؤں گا، مگر انہیں میری زندگی سے زیادہ بڑائی کے کیے وعدے اور اس گاؤں کی سو ایکڑ زمین پیاری ہے جو تمہارے حصے میں آئی ہے۔"

وہ جلا ہوا تھا۔ چند ہفتوں کی شادی اور نئی نویلی بیوی کے ناز نخروں کی تڑپ و چبھن جسم و جاں کو سلگا رہی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ نہ یہ زمین نہ یہ گھر اور نہ ہی مجھ پر زندگی تنگ کرتے یہ رشتے' میں سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہوں۔ میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔ اب آپ کو عمل کرنے کی ضرورت ہے۔" غزل کی بے بسی میں بھی ہمت و حوصلہ تھا۔ اسے انجام کی پروا نہیں تھی۔ جینے کی کوشش کی آخری جدوجہد وہ کرنا چاہتی تھی۔

تایا نجانے کب اس کے پیچھے آئے تھے۔ تائی زینہ بھی ہکا بکا کھڑی سن رہی تھیں' پھر سارا الزام اس کے سر آ گیا تھا۔ انہیں بیٹے کا احتجاج اور سرکشی نظر نہیں آ رہی تھی۔ زبردستی کر کے دونوں کو باہم کرنے کی کوشش کی تھی۔ غزل نے ان کے سامنے بھی سب کچھ لکھ کر دینے کے عوض اس بندھن سے نجات چاہی تھی، جس کا پابند بنا کر وہ لوگ اسے زندہ درگور کر رہے تھے۔ اسد تو پہلے ہی اپنی راہ الگ کر کے منزل پر پہنچ چکا تھا۔ اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ تایا کو بھی غزل سے زیادہ اس کی زمین جائیداد کی حرص تھی۔ غزل کی پیشکش پر تھوڑی حیل و حجت کے بعد انہوں نے دستبرداری کے کاغذات پر دستخط کروا کر اسے حویلی سے بے دخل کر دیا تھا۔ غزل کو مطلبی دنیا کے خود غرض رشتوں پر شدید دکھ کے ساتھ رونا تو آیا تھا، مگر وہ زندگی بھر کے رونے سے چند پل کے رو لینے میں ہی عافیت سمجھ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا زندگی اس پر تنگ ہو جائے گی۔ بے آسرا جینا اور بے یار و مددگار اس بھیڑ میں چلنا بہت مشکل ہوگا۔

وہ اپنی امی کے سارے زیورات اور جمع پونجی لے کر شہر چلی آئی تھی۔ اسے ہر حال میں اپنی تعلیم مکمل کرنا تھا۔ سومیہ کو پہلی بار اس نے اپنے سارے دکھ بتائے تھے۔ اپنوں کے چہرے کا نقاب اتارا تھا۔ سومیہ نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔ سومیہ کی امی کی دلجوئی نے اسے آگے بڑھنے کی لگن دی تھی۔ اس نے سارے زیورات بیچ کر ایک چھوٹا سا گھر لینے کا ارادہ کیا تھا۔ ہاسٹل میں قیام مزید چند ماہ کا تھا، پھر اسے کہیں تو ٹھکانہ کرنا تھا۔ حالات کی سنگینی نے اس کے شعور و آگہی کا رخ پلٹ دیا تھا۔ زندہ رہنے کے لیے ضروریاتِ زندگی کی اہمیت کا احساس اسے اب ہونے لگا تھا۔ تنہا رہنا اتنا آسان نہ تھا۔ اسے دو کمروں کا چھوٹا سا گھر تو مل گیا تھا، مگر اس کے لیے وہاں تنہا رہنا بہت کٹھن تھا۔ سو اس کے ذہن میں ایک مہرباں کا خیال آیا تھا۔ اماں سکینہ نے اسے بچپن سے پالا تھا، اس کا اور اس کی امی کا بہت خیال رکھا تھا۔ ان کی خدمت کی تھی۔ اماں سکینہ کا آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ سو اماں سکینہ اس کے بلاوے پر چلی آئی تھیں۔ زندگی اپنی نرمی گرمی دکھاتی رواں دواں ہو گئی تھی۔

غزل عثمان ایک اکیڈمی میں شام کے وقت ٹیوشن دینے لگی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا شوق بھی جاری و ساری تھی۔ یہی شوق اب اس کی ضروریات بن گیا تھا۔ اس کی پینٹنگ زندگی کی عکاسی کرتی تھی۔

کالج سے وہ یونیورسٹی میں آ گئی تھی۔ اس دوران کئی ہاتھ اس کی دوستی کی چاہ میں بڑھے تھے۔ کچھ اس کی خوب صورت شخصیت سے متاثر تھے اور کچھ حقیقتاً اس کے لیے دل میں خلوص و چاہت رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک سومیہ کا بھائی شہریار ساجد بھی تھا، مگر وہ اپنی واحد اکلوتی سہیلی کو کھونا نہیں چاہتی تھی، جو اس کے دکھ سکھ کی شریک تھی اور وہ بتا چکی تھی کہ شہریار کی شادی سومیہ کی متوقع سسرال میں ہونے کی توقع ہے، بلکہ اس کی ممی دل و جان سے شہریار کے لیے سومیہ کی نند کو پسند کر چکی ہیں۔ تبھی اس نے شہریار کے بولتے جذبوں کو ان سنا کر دیا تھا۔ زندگی میں مزید کچھ کھونے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔

جس روز وہ شارب احمد حسن سے ٹکرائی تھی' اس دن وہ اسلام آباد میں ہوئے ایک ایگزیبشن میں شرکت کر کے لوٹی تھی۔ اس کی پینٹنگز کو کافی سراہا گیا تھا، بلکہ کئی پینٹنگز تو اس کی فروخت بھی ہو گئی تھیں' چند ایک پینٹنگز اس نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تصویریں اس کے ماضی کی یادوں سے جڑی تھیں۔ سومیہ اپنی بیماری کی وجہ سے اس کے ساتھ جا نہیں سکی تھی۔ اس کی غیر موجودگی سے غزل کافی حد تک نروس تھی اور واپس آنے پر بھی اسے ایئرپورٹ پر موجود نہ دیکھ کر اسے تشویش و پریشانی ہوئی تھی۔ وہ اسے ادھر ادھر ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ اپنے آپ پر غصہ بھی تھا، کہ اس نے سومیہ کو یہاں پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ اس پریشانی میں اس کا بھی سر دکھنے لگا تھا، پھر وہ خود ہی بنا سمت کا تعین کیے چل پڑی تھی اور پھر شارب احمد کی گاڑی سے اس کا بیگ ٹکرایا تھا اور وہ بمشکل بچی تھی۔ شارب احمد کو دیکھ کر اس کے اندر عجیب سا احساس اترا تھا، جسے وہ اس وقت سمجھ نہیں پائی تھی اور آج شارب احمد کی آنکھیں پڑھ کر اسے کچھ سمجھ آیا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں تھا، تو اسیر تو وہ بھی اس کی ہوئی تھی۔ صدیوں سے انتظار کا ٹھہرا موسم وصال دید میں خلل ہو رہا تھا اور وہ حیران تھی۔ سوئے ہوئے جذبے بیداری کے ساتھ ایک نئی سمت روانہ ہو رہے تھے۔ اس کی حیرتیں سمٹ نہیں رہی تھیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنے منتظر اس شخص کو اس کو کوئی سرا تھما دے، یا پھر اس کی ساری امیدیں توڑ دے۔ وہ ایک نئی کشمکش میں تھی۔

✻ ✻ ✻ ✻

اے اجنبی! تو بھی کبھی آواز دے کہیں سے
میں یہاں ٹکڑوں میں جی رہا ہوں
تو کہیں...... ٹکڑوں میں جی رہی ہے

وہ کب سے آنکھیں موندے اس گیت کو بار بار سنتے ہوئے، اس پر سر دھننے کے ساتھ پیروں کی جنبش سے بھی اس گیت کی اثر انگیزی کو ظاہر کر رہا تھا۔ آج کل اس کے کمرے سے اسی گیت کی گونج سنائی دیتی تھی' عجیب سی بے کلی و اضطراب اس کے وجود اور روح کو گھیرے ہوئے تھے۔ یہ گیت مکمل طور پر اس کے جذبات کی ترجمانی تھا۔ اس کی تلاش' اس کی امید' اس کی آس' اس کے ہر لفظ میں سموئی ہوئی تھی۔

انیلا پھوپو اور احمد حسن کو اس کی یہ کیفیت پھر سے بے چین کر رہی تھی۔ وہ کسی سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ نہ ہی کچھ بتا رہا تھا' بس ایک چپ سی اسے لگی ہوئی تھی۔ معمولاتِ زندگی بھی وہ ناچار نبھا رہا تھا۔ اس

کی یہ خاموشی انہیں کڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

''بچے! یہ کیا طریقہ ہے؟ تمہارا فون کب سے بج رہا ہے اور تمہیں کوئی ہوش ہی نہیں؟''

انیلا پھوپو نے قدرے برہمی سے کہتے ہوئے آ کرسی ڈی پلیئر آف کر دیا، تو وہ فوراً ہی سیدھا ہو کر چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ اس بار انہوں نے اس کا سیل فون ہاتھ میں تھما دیا۔ فون کی ٹون بند ہو گئی تھی۔ شارب نے بے توجہی سے فون اپنے پہلو میں رکھا۔ انیلا پھوپو مسلسل اسے ناراضگی سے تک رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟ کیوں ناراض ہو رہی ہیں؟ کچھ منگوانا ہے؟ برکت (ملازم) نہیں آیا واپس؟'' وہ دوپہر میں بازار سے کچھ منگوانے کا کہہ رہی تھیں، ساتھ ہی ملازم کی شکایت بھی کر رہی تھیں۔ وہ ان کی ناراضی کی وجہ یہی سمجھ رہا تھا یہ بھلائے بغیر کہ ناراضگی کی اصل وجہ وہ خود ہے۔

''شارب بچے! ایسا کب تک چلے گا؟ تمہاری اس حالت نے تو ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ آخر بتاتے کیوں نہیں ہو؟ کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ ہم خود جا کر اپنے بچے کی خوشیوں کی بھیک مانگ لیتے ہیں۔ میرے چاند! مجھ سے تمہاری یہ بے زاری دیکھی نہیں جاتی۔ بھائی جان الگ پریشان ہیں۔''

انیلا پھوپو برہمی سے بولتے بولتے آبدیدہ ہو گئیں۔ شارب کو شرمندگی نے گھیر لیا۔

''پھوپو جانی! کوئی بھی نہیں ہے۔ جینی اور کاشی کو تو فضول میں کہانیاں گھڑنے کی عادت ہے۔''

''اچھا! انہیں کہانیاں گھڑنے کی عادت ہے اور تمہیں کہانی بُننے کی..... بچے! اس گود میں تمہیں کھلایا ہے۔ سب جانتی ہوں، اگر کوئی نہیں ہے، تو پھر ہمیں اپنی خوشی پوری کرنے دو، بس بہت ہو گئی من مانی۔ جینی سے کہتی ہوں، بھائی کے لیے جلدی سے لڑکی ڈھونڈے، اب انتظار نہیں ہوتا۔''

انیلا پھوپو کے دبنگ انداز پر وہ گڑبڑا گیا۔ ابھی اس کی آس باقی تھی، امید قائم تھی، یقین بھی اٹل تھا، کہ وہ اسے ملے گی اور ضرور ملے گی۔ اس کے نصیب کا تارہ، وہی ستارہ آنکھوں اور پھول سے چہرے والی ہو گی، اس کی آواز کا پرنم شارب کو اپنی جامد زندگی کی خاموشیوں کو توڑتا ہوا سا لگ رہا تھا۔

اسے دھوکہ نہیں ہوا تھا۔ وہ وہی تھی، گزشتہ دنوں میں وہ جس طرح اسے سوچتا اور محسوس کرتا رہا تھا، اب وہ اس کے ہونے نہ ہونے کو بند آنکھوں سے بھی جان سکتا تھا۔ الحمرا آرٹ گیلری کے منیجر آفس سے وہی نکلی تھی۔ حزن و ملال میں ڈوبی ہوئی.....

کاشان کے ساتھ وہ زبردستی اِدھر آیا تھا۔ کاشان کو اپنے نئے آفس کے لیے کچھ پینٹنگز پسند کرنا تھیں۔ کچھ فرمائشیں اس کی بیوی شرمین کی بھی تھیں۔ ہینڈی کرافٹ کے چند نمونے وہ گزشتہ دنوں پسند کر کے گئی تھی اور اب کاشان کو حکم ملا تھا۔ اپنی بیگم کی یہ فرمائش اسے خاصی مہنگی پڑی تھی، تبھی وہ مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔ شارب کو اپنے ساتھ نہ چلتے دیکھ کر وہ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ کاشان واپس اس کے پاس آیا پھر اسے ٹہوکا دیا۔ ''یار، وہ جا چکی ہے۔''

''اونو.....!'' شارب فوراً ہی اس طرح لپکا جس طرف غزل عثمان گئی تھی۔

''ایکسکیوزمی مس!'' شارب نے بے اختیار پکارا۔

''میں کئی بار کہہ چکی ہوں، مجھے وہ پینٹنگ نہیں بیچنی، پھر آپ کیوں مجھے پریشان کر رہے ہیں؟''

نجانے وہ کس کے دھوکے میں تھی۔ پلٹ کر دیکھا تو لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی۔

''اوہ، آئی ایم سوری، میں سمجھی کہ.....''

اپنی سہیلی کے ٹہوکا دینے پر وہ سنبھل کر معذرت کرنے لگی۔ شارب بھی اس کی بات سے اس کے بارے میں فوراً ہی جان گیا۔ اس کی گہری براؤن آنکھوں میں اسے دیکھ لینے کی خوشی کی چمک کے ساتھ حیرت بھی لہرا رہی تھی۔

''آئی تھنک، آپ نے میرے نمبرز مس کر دیے ہوں گے، پھر بھی دیکھ لیں، میں نے آپ کو ڈھونڈ لیا ہے۔'' اِدھر کاشان اور اُدھر غزل کی دوست سومیہ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ مجھے کیوں تلاش کر رہے ہیں مسٹر! میں ایسی اعلیٰ و نایاب ہستی تو نہیں ہوں۔'' لہجے میں برہمی سے زیادہ کسی دکھ کی آمیزش تھی۔

کاشان بھی اسے دیکھ کر سمجھ گیا تھا، کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کے لیے شارب حسن دیوانہ بنا پھر رہا ہے۔ شارب احمد کی دیوانگی غزل عثمان کو دیکھ کر سمجھ آئی تھی۔ وہ کسی شاہکار سے کم نہ تھی۔

''میرے لیے تو آپ نایاب ہی ہو گئی ہیں۔ ایک ریکوئسٹ کی تھی میں نے آپ سے۔''

شارب اِرد گرد سے بے گانہ ہو رہا تھا، جبکہ غزل جز بز ہو رہی تھی۔ سومیہ اور کاشان دونوں ہی اس صورتِ حال کو سمجھ رہے تھے اور معاملہ نمٹانے کے بارے میں غور و خوض کر رہے تھے۔ آخر سومیہ نے ہی پیش رفت کی۔

''مسٹر! میں نہیں جانتی کہ آپ غزل کو کیسے جانتے ہیں؟ پلیز، یہ باتیں ایسی جگہ پر کرنا مناسب نہیں ہے۔ غزل کی ریپوٹیشن کا خیال تو کیجیے۔'' وہ غزل کی ترجمان بنی ہوئی تھی۔ غزل خود اسے یکدم سامنے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

''تو آیئے کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ مجھے بھی سرِ راہ بات کرنا مناسب نہیں لگتا، مگر.....''

شارب، غزل کے چہرے پر چمکی خفگی کی لالی دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔

''میں آپ سے پھر بات کروں گی۔'' اس کی جلت میں خوف تھا، شاید سومیہ کی غلط فہمی کا۔

''کب؟ کہاں؟ آپ کو تو بار بار گم ہو جانے کی عادت ہے شاید۔'' شارب کی بے تابی کم نہ ہو رہی تھی۔

''آپ کیوں اس طرح میرے پیچھے پڑے ہیں؟'' جھنجلاہٹ میں غزل عثمان کی آواز قدرے اونچی ہو گئی تھی۔ راہداری سے گزرتے لوگوں نے ذرا کی ذرا ٹھہر کر توجہ دی تھی۔ سومیہ نے لب بھینچ کر اِرد گرد دیکھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر باہر کی جانب چل پڑی۔ شارب بھی، جیسے کسی کشش سے بندھا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ کاشان وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ لڑکیوں کے ہاتھوں ذلیل ہونے کا ''شوق'' اب اسے نہیں تھا۔ سومیہ کو بھی اس کا پیچھے پیچھے آنا غصہ دلا رہا تھا۔

''مسٹر! اس طرح ہمارے پیچھے پیچھے آنے کا آخر مقصد کیا ہے؟ شکل صورت سے تو آپ ڈیسنٹ لگتے ہیں، مگر آپ کی حرکت بالکل لوفروں والی ہے۔'' سومیہ نے پلٹ کر اسے اچھی طرح لتاڑا۔

''مسٹر! مجھے خود اپنی ایسی حرکتوں سے شرمندگی ہو رہی ہے، لیکن دیکھیے' میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ میں کب سے انہیں تلاش کر رہا ہوں' یہ مجھے نظر آتی ہیں اور پھر کھو جاتی ہیں۔ دیکھیے آپ جب تک مجھ سے ملیں گی نہیں' مجھ سے بات نہیں کریں گی' آپ کو کیسے یقین آئے گا کہ میرے جذبوں میں صداقت ہے؟ میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے' میرے اندر کوئی گواہی دیتا ہے کہ میری اور آپ کی منزل ایک ہے' راستے ایک ہیں' جبھی ہم بار بار مل رہے ہیں۔ کیا آپ کو نہیں لگتا کہ قدرت ہمیں بار بار سامنے لا کر کوئی سگنل دے رہی ہے۔''

سومیہ حیرت سے آنکھیں پھیلائے اور منہ کھولے سامنے کھڑے نوجوان کی سچائی سے مہکتی آواز اور جادو بیانی سن رہی تھی، جبکہ غزل عثمان کی نگاہیں زمین پر گڑی تھی۔ اسے اپنی نظروں کے سامنے پھیلا شفاف آسمان ابھی بھی سراب لگ رہا تھا۔

''آپ ایک بار میری آنکھوں میں دیکھیے' آپ کو میری باتوں پر اعتبار آ جائے گا۔ میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں غزل' ہماری منزل ایک ہے۔''

پہلی بار اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر جس انسیت کا احساس ہوا تھا۔ اس نے غزل کو چونک کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شارب احمد کے چہرے پر سچا رنگ تھا۔ آنکھوں میں یقین کی چمک تھی۔ غزل کا سر اثبات میں ہلنے لگا۔

''اوکے آپ کل یونیورسٹی آیئے۔''

سومیہ کی حیرت مزید سوا ہو گئی۔ غزل کے مزاج سے وہ اچھی طرح آگاہ تھی۔ اس نے اچھے اچھوں کو گھاس نہیں ڈالی تھی۔ شارب احمد میں واقعی کوئی بات تھی، جو بندے کو اسیر کر لیتی ہے۔

''کل...... رئیلی؟ او تھینک یو' تھینک یو ویری مچ' تھینکس گاڈ!'' شارب کی خوشی دیدنی تھی۔ اس کا اظہار تشکر معصوم و بے ساختہ تھا۔

''اب پلیز' آپ ہمارا راستہ چھوڑ دیجیے۔'' غزل کے رویے میں نا سمجھ آنے والا ٹھہراؤ تھا۔

شارب یکدم ہی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ آگے بڑھ گئیں۔ شارب کے لیے محبوب کا بلاوا خوشی و زندگی کی نوید تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا' اب زمانے کی ساری خوشیاں اس کی بانہوں میں ہوں گی۔ کاشان کے ہمراہ وہ ایک نئے احساس کے ساتھ واپس لوٹ آیا تھا۔ اس کی زندگی پھر سے پر بہار ہو رہی تھی۔ کاشان نے راستے بھر اسے اس کی دیوانگی پر خوب تنگ کیا تھا۔ شارب کو اپنی بے ساختگی و بے اختیاری پر کوئی ندامت یا شرمساری نہیں تھی، بلکہ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا اور اس کی یہی مسکراہٹ دیکھ کر کاشان دعا گو تھا، کہ اس کی یہ ہنسی' یہ خوشی دائمی ثابت ہو۔ کاشان کو کچھ خدشات بھی تھے، کہ کہیں اس لڑکی غزل عثمان نے اسے چکمہ دینے کے لیے یونیورسٹی نہ بلوایا ہو، بلکہ کاشی نے مذاق میں اپنے خدشے کا اظہار بھی کیا تھا۔

''یار! اتنی بڑی یونیورسٹی میں تو اسے کہاں ڈھونڈے گا؟ ممکن ہے کہ وہ یونیورسٹی اسٹوڈنٹ ہی نہ

ہو۔'' جواباً شارب کا پُر اعتماد یقین سے لبریز لہجہ اسے مزید کہنے سے روک گیا تھا۔

''یار! اسے میں آنکھیں بند کر کے بھی کھوج لوں گا۔ خوشبو اپنا پتا خود بتا دیتی ہے اور مجھے نہیں لگتا' وہ مجھ سے جھوٹ بول رہی تھی۔''

شارب کے یقین کی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ صبح کی وہ تازگی' وہ فرحت پھر سے لوٹ آئی تھی، جو گئے سالوں کی مسافتوں میں کہیں گم ہو گئی تھی۔ آج وہ معمول سے بھی بہت پہلے اپنے کمرے سے نکل آیا تھا۔ اس کی رات جس بے چینی سے کٹی تھی' صبح مزید بے تابی سے طلوع ہوئی۔ رات بھر وہ سوچتا رہا تھا۔ غزل سے یہ کہوں گا' وہ کہوں گا' اس طرح اپنی چاہت کا یقین دلاؤں گا' اسے اپنا ہم سفر بنانے کے لیے ہر کٹھن راہ سے گزروں گا' اب اس کی طرف جاتے ہوئے بھی کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا۔ کہنے کی سکت تھی' حوصلہ تھا، مگر دید کی تمنا بھی انتہا کی تھی۔ ایک پل کو اسے خیال بھی آیا کہ یہ کیفیت' بے تابیاں عینی کے لیے بھی دل میں نہیں اٹھی تھیں۔ کیا وہ محبت نہیں تھی......؟ دماغ خاموش ہو گیا تھا' دل نے فوراً تردید کر دی تھی۔ نہیں' وہ محبت نہیں تھی' شاید کوئی وقتی جذبہ تھا' نوجوانی کی ڈگر پر پاؤں دھرتے ہوئے پہلا دلفریب نظارہ تھا جس کی کشش نے خواب کی طرح چند لمحے مسحور رکھا اور پھر بیدار ہوتے ہی حقیقتوں کو بے نقاب کر دیا تھا...... اسے لگتا تھا' اب اس کے اٹھتے قدم سبک و رواں ہیں اور صحیح سمت میں جا رہے ہیں۔

غزل عثمان نے بھی اسے یونیورسٹی بلوا تو لیا تھا، مگر خود کشمکش کا شکار تھی۔ دل شارب احمد کی ہر بات پر ایمان لے آیا تھا، جبکہ ذہن میں اپنے ہی حوالے سے کچھ الجھن' کچھ قباحت تھی۔ وہ شارب احمد کی طرف بڑھنا بھی چاہتی تھی اور خود کو روک بھی رہی تھی۔ سومیہ نے اس کی کشمکش سمجھتے ہوئے شارب احمد کو آزما لینے کے بعد فیصلہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ کیا بتاتی' شارب احمد سے زیادہ خود کو آزمانا ضروری ہے۔ شارب احمد تو دل و نگاہ میں پہلی بار ہی اعتبار وفا کا پیغام اترا تھا اور وہ تب سے اب تک بے چین و بے قرار تھی، کہ اسے اپنے قدموں تلے خود بخود آئی منزلوں کی مسافتیں سمیٹ لے یا، پھر بے سمت راہ میں خود کو گم کر دے۔ زندگی کی بھول بھلیوں میں بلاوجہ دوڑتے دوڑتے وہ بھی تھکنے لگی تھی۔ تنہائیوں کے آسیب اب اسے بھی ڈرانے لگے۔ اس کا بھی دل چاہنے لگا تھا، کہ کوئی ایسا کندھا ہو جس پر سر رکھ کر وہ اپنے سارے دکھ' سارے کرب عیاں کر دے...... شارب احمد وہی کندھا میسر کرتا نظر آ رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے بھی اسی کی طرف نکل آئی تھی۔ وہ اس کی ہر راہ میں کھڑا تھا۔

شارب احمد کو اس نے دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔ وہ کشاں کشاں اسی کی جانب آ رہا تھا۔ غزل پھر سے دہری کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ سومیہ شارب کو آتا دیکھ کر اسے سرگوشی میں حوصلہ مند رہنے کا کہہ کر ایک طرف چلی گئی۔

''ہیلو......! السلام علیکم! آپ کی فرینڈ کیوں چلی گئیں؟'' شارب کی آواز میں خوشیوں کے سوتے ابل رہے تھے۔ اسے اپنے سامنے دیکھ کر دل کی دھڑکنیں نئے انداز میں سرتال ملا رہی تھیں۔ اپنے یقین کے پختہ ہونے کا احساس ہی خوش کن تھا۔

''آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟'' غزل اپنی کشمکش سے جھنجلائی ہوئی تھی۔

''تمہاری رفاقت' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے..... دیکھو میں بہت بڑے بڑے دعوے نہیں کروں گا' نہ میں یہ کہوں گا کہ میں تمہارے بنا جی نہیں سکتا' ہاں! صرف اتنا کہوں گا کہ مجھے تمہارے بنا اپنی ذات' اپنا آپ' اپنی ہر خوشی' یہ زندگی ادھوری اور نامکمل لگتی ہے۔ تمہیں دیکھنے' تم سے ملنے کے بعد سے میں اسی احساس میں گھرا ہوں کہ صرف تم ہی ہو، جو میری ہم سفر ہو سکتی ہو۔''

شارب نے اس کے سامنے رک کر جذب دل سے اپنی بات کہی اور پھر اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''دیکھئے' میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں نے آپ کو یہاں صرف یہ بتانے کے لیے بلایا تھا کہ.....''

''.....کہ ہم ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں۔'' شارب نے اسے بات پوری نہ کرنے دی۔

''میں نے آپ سے یہ کب کہا؟''

''تم اپنی زبان سے جھوٹ کہہ سکتی ہو، مگر تمہاری آنکھیں..... انہیں سچ بولنے سے کیسے روکو گی؟ سنو غزل! زندگی میں جب بہار کا موسم آئے، تو اپنے آنگن کی بیلوں کو پانی دے دینا چاہیے، تاکہ وہ کچھ عرصہ ہی سہی' پھل پھول سکیں' مہک سکیں' لہلہا سکیں' اپنے ساتھ ماحول کو بھی رونق بخش سکیں' تم اپنے من آنگن کی بیلوں کو بھری بہار میں خزاں رسیدہ کیوں کر رہی ہو؟'' شارب نے اپنی سفید ہنڈا کار ڈسے ٹیک لگا کر جیسے غزل کو اندر تک پڑھ ڈالا تھا۔

غزل اس کے تجزیے پر حیران بھی تھی اور بے یقین بھی..... کوئی اتنی جلدی کیسے ذہن و دل کی ہر تحریر کو پڑھنے کی قدرت رکھتا ہے؟

''دیکھئے' آپ مجھے اس طرح پریشان مت کریں۔'' غزل عثمان کا احتجاج خاصا بودا تھا۔ آواز میں نمی اس کی بے بسی کا پتا دیتی تھی۔

''پریشان تو تم مجھے کر رہی ہو' مجھ میں کوئی کمی' خامی اگر تمہیں نظر آتی ہے تو مجھ سے صاف کہو۔''

''مجھے کیا معلوم' آپ میں کیا کمی یا خامی ہے؟ میں آپ کو جانتی ہی کتنا ہوں؟'' اس نے پھر سے بودا جواز گھڑا۔ شارب کا جواب بھی جانتی تھی۔

''تو تم جاننے کی کوشش کرو' ریئلی' میں تم سے اپنی کوئی خامی نہیں چھپاؤں گا۔ میں عام سا انسان ہوں' مجھ میں بہت سی کمزوریاں ہوں گی۔ میں اپنے ہنڈرڈ پرسنٹ پرفیکٹ ہونے کا دعویٰ نہیں کر رہا ہوں۔ ہاں میری محبت اور چاہت ہنڈرڈ پرسنٹ پرفیکٹ ہے' اس بات کا دعویٰ ہے مجھے' تم چاہو تو آزما لو۔''

شارب احمد کے لہجے کی سچائی خوشبو بن کر اس کی روح کو معطر کر رہی تھی۔ غزل نے پہلی بار آمادگی کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔ کوئی اس کے لیے اتنا پرخلوص ہو سکتا ہے..... اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ بدلتے احساسات کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں نمی چمک اٹھی تھی۔

''میں بھی عام سی لڑکی ہوں۔ معاشرے کا' ماحول کا سہم رہتا ہے مجھے۔ لوگوں کی پرکھ بھی نہیں ہے' بہت اپنوں نے محبت کے نام پر دھوکا دیا ہے، کبھی میں دنیا کی بھیڑ میں تنہا اکیلی ہوں۔''

غزل عثمان نجانے کیسے اس کے سامنے کھلنے لگی تھی۔ شارب اس کے کرب کو اپنی روح میں اترتا محسوس کر رہا تھا۔

''سنو! سچی محبت دھوکا نہیں دیتی اور نہ ہی تعلق داریوں کا بوجھ محبت ہوتا ہے۔ محبت روح میں خوشی بھرتی ہے۔ زندگی کو بوجھل نہیں بناتی' تم میرے قدم سے قدم ملا کر چلو' تمہیں معلوم ہو جائے گا زندگی محبت کے حصول کے بعد ہی خوب صورت بنتی ہے۔'' شارب احمد کو خود اپنے جذبات کا احساس پہلی بار ہو رہا تھا۔ عینی کو کب اس نے اپنی چاہت کی دلیلیں دی تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا' وہ غزل کے قدموں میں سارے جہان کی خوشیاں ڈھیر کر دے۔ اس کی نم ناک بھیگی آنکھوں میں آسمان کے سارے ستاروں کی چمک بھر دے۔

غزل پر الہام کی طرح یقین اترا تھا۔ اسے آگہی کہہ رہی تھی، کہ سامنے کھڑا شخص اپنی شدتوں سمیت سچا اور کھرا ہے' اس کا بڑھا ہاتھ تھام لو' یہی منزل ہے اور یہی راستہ اور یہی عنوانِ زیست ہے۔

فاصلے سمٹ گئے تھے۔ یقین پیہم تھا۔ وہ ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر آ رہے تھے اور دونوں ہی حیران تھے، کہ دو اجنبی اچانک مل جانے کے بعد یک جان دو قالب بھی بن جاتے ہیں۔ زندگی ایک نئے موڑ پر مڑنے کے بعد رواں دواں تھی۔

اماں سکینہ بھی غزل کی زندگی میں آتی بہاروں کو دیکھ کر خوش تھیں۔ وہ جو برسوں سے غزل کی خوشیوں کے لیے جلتی کڑھتی رہی تھیں' اب شارب کی محبت دیکھ کر مطمئن و متشکر تھیں۔ غزل اور اس کی امی کے صبر کا انعام شارب احمد کی صورت میں میسر آیا تھا، جو اپنی بہترین شخصیت سمیت چھا چکا تھا۔ اماں سکینہ اس کی آمد کی منتظر رہنے لگی تھیں۔

غزل اپنے بارے میں اسے سب کچھ بتا چکی تھی۔ شارب نے اپنے پرخلوص رویے سے اسے ملال سے نکال لیا تھا، پھر بھی غزل کبھی کبھی اپنی امی ابو کی یادوں میں کھو کر ان کے نہ ہونے کی کسک سے رونے مچلنے لگتی تھی۔ ابھی بھی وہ اپنی یادوں کو دھندلے عکس کو کینوس پر اتارتے ہوئے بہت کچھ کھو جانے کے گہرے دکھ میں مبتلا ہو کر تڑپ کر رونے لگی تھی' تبھی شارب احمد چلا آیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں اس قدر گم تھی کہ آہٹ پر بھی نہیں چونکی۔ اسے احساس تو تب ہوا جب شارب نے اس کے سامنے بیٹھ کر اس کی پلکوں سے ٹوٹتے موتیوں کو اپنی پور پر سمیٹنا چاہا۔

''آپ..... آپ کب آئے؟'' وہ یکدم ہی ٹھٹک گئی تھی۔

''تم رو رہی تھیں' کیوں؟ کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں' بس ایسے ہی.....'' غزل نے فوراً اپنا چہرہ دوپٹے سے صاف کیا۔

''ایسے ہی؟ ایسے ہی کون روتا ہے؟ کوئی مسئلہ یہ تو مجھے بتاؤ؟''

''نہیں نا' کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ چیئر پر بیٹھیں نا۔''

''تم پہلے مجھے بتاؤ' تم کیوں رو رہی تھیں؟'' شارب کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔

''کہہ تو رہی ہوں' بس جی بھر آیا تھا۔'' شارب کو سنجیدگی سے تکتا پا کر آخر اسے بتانا ہی پڑا۔ ''زندگی

میں اچھے وقتوں کی گئی یادیں اکثر رونے پر مجبور کر دیتی، ہیں جن کا بظاہر کوئی وجود' کوئی نشان بھی باقی نہیں رہتا، مگر پھر بھی دل و ذہن میں سانس لیتی رہتی ہیں۔ آج امی ابو ہوتے تو.....'' وہ پھر سے سسک اٹھی۔

''آج کوئی خاص دن ہے؟'' شارب نے اس کا ہاتھ تھپک کر جیسے اسے حوصلہ دینا چاہا۔ شارب کے استفسار پر وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''تم بھول رہی ہو' آج خاص دن ہی ہے۔'' اس نے آنسو پونچھتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ شارب کچھ لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''میں جس دن آتا ہوں' وہ تمہارے لیے خاص دن نہیں ہوتا۔''

اس کے سسپنس ختم کرنے پر غزل ہولے سے مسکرائی۔ ''ہوتا ہے بلکہ اپنی قسمت پر رشک بھی آتا ہے۔''

''اچھا' اپنی قسمت پر رشک آتا ہے، تو پھر آنکھوں سے اشک کیوں آتے ہیں؟'' شارب سامنے کرسی پر بیٹھ کر اسے مصنوعی خفگی سے دیکھنے لگا۔

''سنیں شارب! حال کی خوشیاں' ماضی کے ان غموں کو مٹا تو نہیں دیتیں ناں' جو جسم و جاں میں خون کی طرح گردش کرتے ہیں۔'' اس بار غزل پھر سے سنجیدہ ہو گئی تھی۔

شارب لمحہ بھر کو اس کی بات سن کر ٹھٹک گیا تھا، پھر چونک کر بہت کچھ سوچنے لگا تھا۔ غزل نے اسے اپنے ماضی کے حوالے سے سب کچھ بتا دیا تھا، جبکہ شارب نے اس سے عینی کے حوالے سرزد ہوئی حماقت کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔ آج وہ اپنا باقاعدہ پروپوزل بھجوانے کی بات کرنے آیا تھا۔ غزل کی بات نے اسے اپنے ماضی کی تلخ یادوں کو دہرانے کی ترغیب دینے کے ساتھ غزل کو آگاہ کرنے کا حوصلہ بھی دیا تھا۔

''غزل میں تم سے آج ضروری بات کرنے آیا ہوں۔''

''اس سے پہلے آپ مجھ سے غیر ضروری باتیں کرتے تھے؟'' غزل نے ماحول کی سنجیدگی ختم کرنے کو اسے چھیڑا۔

''دیکھو! میں اپنے ماضی کے حوالے سے کچھ بتانا چاہتا ہوں۔''

''کیا ماضی میں کسی اور سے بھی دعویٰ محبت کیا تھا؟''

غزل نے مذاق مذاق میں اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ شارب چند لمحے کے لیے خاموش رہ گیا۔

''میں چائے لے کر آتی ہوں۔ آپ ذرا کہانی ترتیب دے لیں۔''

غزل اسے پھر سے چھیڑ گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا' اسے کیسے بتائے۔ ماضی کی وہ بے معنی سی کہانی اس کے لیے قصہ پارینہ بن چکی تھی، مگر دل میں اب خدشہ بھی تھا کہ وہ قصۂ پارینہ غزل کے دل کو ٹھیس نہ پہنچا دے، لیکن بتائے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں تھا۔ آخر اس نے اپنی ہمت جمع کر ہی لی تھی۔ اسے غزل کے حوالے سے کشمکش ضرور تھی، مگر خود پر اعتماد بھی تھا کہ اپنی چاہت سے اس کی ہر بدگمانی مٹا دے گا۔

غزل چائے لے کر آئی تو شارب خود کو جیسے تیار کر چکا تھا۔

''غزل! ہم کہیں باہر چل سکتے ہیں؟''

''یہاں کوئی پرابلم ہے؟ کیا کوئی پریشانی والی بات ہے؟'' غزل اس کی سنجیدگی پر ٹھٹک گئی تھی۔

''کیا آپ کے گھر والے نہیں مان رہے؟'' اس کی خاموشی پر غزل نے پھر استفسار کیا۔

''نہیں نہیں! ایسی بات نہیں! میری خوشی میرے گھر والوں کی خوشی ہو گی۔'' شارب نے فوراً اس کی غلط فہمی دور کی۔

''پھر کیا؟''

''مجھے تمہاری طرف سے خدشہ ہے۔ اچھا آؤ' بیٹھو۔'' غزل اس کے سامنے چائے کا کپ رکھ کر ہنوز کھڑی تھی' اس کے کہنے پر سامنے بیٹھ گئی۔

''میری طرف سے آپ کو کیا خدشہ ہے؟ میں نے ایسا کچھ تو نہیں کہا، جو آپ کو مایوس کرے؟''

''غزل' اگر تمہیں کبھی کوئی کہہ دے کہ تمہارے علاوہ بھی میری زندگی میں کوئی آیا تھا تو.....''

غزل نے اس بار سر اٹھا کر بغور اسے دیکھا۔ ''کیا وہ ابھی بھی آپ کی زندگی میں موجود ہے؟''

غزل کو خود اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔ ایک لمحہ ادراک بن کر اسے آگہی دے گیا تھا۔

شارب نے پہلے نفی میں سر ہلایا' پھر بولنے لگا۔

''کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے نا کہ انسان بے سوچے سمجھے ایک سمت چلنے لگتا ہے۔ بہت دور جا کر اسے معلوم ہوتا ہے، جس طرف وہ جا رہا ہے' ادھر مسافتیں ہیں' منزل نہیں۔ میں بھی کچھ عرصہ پہلے اپنی منزل پانے کی دھن میں سراب راستوں سے اُلجھ گیا تھا، پھر ٹھوکر لگنے کے بعد سنبھل بھی گیا۔ گر کر سنبھلنے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، تو اسے پھر سے صحیح سمت چلنا چاہیے ناں۔'' غزل خاموشی سے اسے سنے جا رہی تھی۔ ''تمہیں دیکھا تو مجھے احساس ہوا تھا کہ سچی لگن سے ہر کٹھنائی دور ہو جاتی ہے۔ منزل خود بخود سامنے آ جاتی ہے' بس اوپر والے کی منشا پر منحصر ہے کہ وہ کب' کیسے نواز دیتا ہے۔'' شارب کو اب اس کی خاموشی کھلنے لگی تھی۔ ''تمہیں سن کر شاک لگا ہے نا' لیکن تم اگر یقین کرو کہ ماضی کا وہ باب میرے لیے نا آسودگی کے سوا کچھ نہیں، یا پھر ایسی بھول جس پر مجھے اکثر شرمندگی و پچھتاوا رہے گا، کہ میں نے اپنا آپ ہی پہچاننے کی غلطی کیسے کی تھی۔''

''چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ اماں' اماں سکینہ' پلیز دوسری چائے بنا دیں۔'' غزل نے بمشکل خود کو قابو کرتے ہوئے خود کو بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''غزل! پلیز' اس طرح بی ہیو مت کرو۔ تمہیں جو کہنا ہے' کھل کر کہو' مجھ پر غصہ کرو' مجھے برا بھلا کہو، مگر اس طرح مت کرو۔ میں تمہارے غصے و ناراضگی کو سہہ سکتا ہوں، مگر تمہاری خاموشی مجھ سے برداشت نہیں ہو گی۔'' شارب یکدم جذباتی ہو گیا۔

غزل نے اندر آتی اماں سکینہ کو پھر سے چائے بنانے کے لیے کہا اور خود اس کے سامنے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اماں سکینہ بھی ماحول کا تناؤ محسوس کر کے خاموشی سے چائے کی ٹرے اٹھا کر چلی گئیں۔

''شارب! جب آپ کا ماضی آپ کے لیے بے معنی ہو چکا ہے، تو میں اس کے بارے میں کیا

اظہار کروں؟ ٹھیک ہے' آپ کی زندگی کے اس رخ کو جان کر مجھے دکھ وصدمہ تو ہوا ہے، مگر میں وقتی جذباتیت میں آپ کے موجودہ خلوص ومروّت کو تو فراموش نہیں کر سکتی۔ مجھے آپ کے ماضی کے حوالے سے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے، کیونکہ ایک عرصے تک میں بھی کسی سے منسوب رہی ہوں' خواہ میرے ذہن ودل کی پوری آمادگی تھی یا نہیں' آپ نے بھی تو میرے ماضی کو فراموش کیا ہے، تو پھر میں کیسے نہیں؟''

غزل نے ٹھہر ٹھہر کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا کہ شارب احمد کو کھونے کا یارا تو اس میں بھی نہ تھا۔

''اوووف.....!'' شارب نے سہولت سے گہری سانس کھینچی۔ ''تھینکس گاڈ! تھینک یو غزل! تم نے مجھے جینے کی نوید دے دی ہے ورنہ میں..... اوکے' اب میں اپنے گھر والوں کو بھیج رہا ہوں' تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' شارب' غزل کے خیالات سن کر یکدم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

''پتر! اسے کیا اعتراض ہوگا' میں تو کہندی ہوں' دھی دھیانی جتنی جلدی اپنے گھر بار کی ہو جائے' اتنا چنگا ہوندا ہے۔''

اماں سکینہ' شارب کی بات سنتی اندر داخل ہوئی تھیں اور پھر خوشی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ غزل نے جھینپ کر انہیں آنکھوں کے اشارے سے مزید کہنے سے روکا تھا، مگر وہ شروع تھیں۔ زمانے کے دستور شارب کی وقت بے وقت آمد پر اردگرد لوگوں کی چہ مگوئیاں' سبھی کچھ آج شارب احمد کے گوش گزار کر رہی تھیں۔ غزل اٹھ کر کمرے سے ہی نکل گئی تھی۔

جانے سے پہلے شارب احمد اسے کچن میں ملنے چلا آیا، جہاں وہ خوامخواہ چیزیں الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

''اگر میرا ساتھ اور میری دوستی منظور ہے، تو ادھر دیکھو۔'' شارب کو اس کا کترانا سمجھ آ رہا تھا' اس لیے اسے جان بوجھ کر متوجہ کیا۔

''آپ نے اماں سکینہ کی باتیں سن لی ہیں نا' اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل اماں کی سوچیں گاؤں والی ہیں۔''

''نہیں! مجھے اماں کی باتوں سے اتفاق ہے۔ دھی دھیانی کو جلدی اپنے گھر بار کو آ کر سنبھالنا چاہیے۔ میرے گھر والے خود تمہیں دیکھنے کو بے چین ہیں۔ بلکہ مجھ سمیت اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کرنے کو..... فی الحال تم میری دوستی کو سنبھالو۔''

شارب نے جیب سے ایک خوب صورت وائیٹ گولڈ کا بریسلیٹ نکال کر زبردستی اس کی کلائی میں پہنایا، جس میں زرخون جڑے تھے۔

''شاید کل شام کو پاپا اور پھوپو وغیرہ کو لاؤں؟ تم نروس نہیں ہونا' اوکے۔''

شارب احمد کا یہ دوستانہ انداز غزل کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ اس نے کب سوچا تھا کہ زندگی میں شارب احمد جیسے انسان کی رفاقت ومحبت مقدر ہوگی۔ اس نے خوابوں خیالوں میں جیسے ہم سفر کو اپنے ہم قدم دیکھنا چاہا تھا' ایسا ہی رفیق اب اس کے ساتھ ساتھ چلنے والا تھا۔ اپنے مقصد پر اسے سچ مچ رشک آ رہا تھا۔

شارب ابھی گھر آ کر بیٹھا ہی تھی کہ جینی' شرمین اور کاشی چلے آئے۔ انہیں دیکھتے ہی شارب سر ہلانے لگا۔ مقصد کاشان کو دھمکانا تھا، اسے راستے میں فون کر کے خوش خبری جو سنا دی تھی۔

''بھائی! آج آپ فیصلہ کر ہی لیں کہ کب تک اس کے گھر کے چکر لگانے ہیں اور.....''

شرمین نے جینی کی بات اچک لی۔

''اور کب تک ہمیں بے خبر رکھنا ہے؟ اب تو فلم اینڈ پر ہے۔ ڈھول باجے بجیں گے یا نہیں.....؟ یا پھر آپ کی لو اسٹوری جدائی کے موڑ پر اختتام پذیر ہوگی؟''

شارب نے پہلے دل میں اللہ نہ کرے کہا اور پھر کاشی کو گھورا۔

''جس نے آپ لوگوں کو گھر کے چکر بتائے ہیں' وہ آپ لوگوں کو اس کے گھر بھی لے جائے۔ میں نے منع کیا ہے۔''

''ایسے تو ہم نہیں جائیں گے' خاص تیاری کے ساتھ ہی جائیں گے۔'' جینی نے گردن اکڑا کر مصنوعی نخرہ دکھایا۔

''تو ٹھیک ہے' تم اپنی خاص تیاری کل تک پوری کر لو، پھر شکایت مت کرنا کہ بتایا نہیں تھا۔''

''رئیلی؟ کل..... اتنی جلدی۔ بھائی! اتنی جلدی کیا کیا ہوگا؟'' جینی سن کر خوشی سے پاگل ہو گئی۔

''کیا کیا کرنا ہے آپ کو؟'' شارب کی اپنی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

''اپنی پیاری بھابی سے ملنے اس طرح تھوڑی جاؤں گی۔''

''کہاں جایا جا رہا ہے بچو.....؟''

انیلا پھوپو چلی آئیں۔ جینی خوشی سے انہیں بتانے لگی۔

''پھوپو جانی! شاری بھائی اپنی پسند ہم سے ملوانے پر تیار ہو گئے ہیں۔ کل جانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔''

شارب احمد کے سہرے کے پھول دیکھنے کی تمنا انیلا پھوپو سے زیادہ کس کو ہوگی۔ پل بھر میں یہ خبر احمد حسن تک بھی پہنچ گئی تھی اور سبھی بہت گرم جوشی سے آئندہ کل کا پروگرام مرتب کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ شارب احمد کا ناطقہ بھی بند کیا جا رہا تھا۔ کاشان بھی ان کے ساتھ مل کر شارب کی حالت زار سے حظ اٹھا رہا تھا۔ بہت مشکل سے وہ اپنی جان چھڑا سکا تھا۔

غزل عجیب سی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے اندر پہلی بار خوشی رقصاں تھی، جو اسے مسرور ومسحور کر رہی تھی۔ زندگی میں چند مشکلات کے بعد جو آسانیاں سلسلہ در سلسلہ چلی آ رہی تھیں' اس سے اسے اپنی خوش نصیبی پر یقین آ گیا تھا۔ وہ جو اکثر سومیہ کے سامنے اپنی کم نصیبی پر نم ناک ہو جاتی تھی' کبھی کبھی زبان سے شکوہ بھی پھسل جاتا تھا، کہ اسے کبھی بھی محبت جی بھر کر نہیں ملی نہ ماں باپ کی نہ رشتے داروں کی اور نہ ہی کسی اور کی، مگر اب اپنے شکووں کو بھلائے وہ سومیہ کے سامنے ہی شکر ادا کر رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ

سب لوگ ہو کر گئے تھے۔ انیلا پھوپو نے بہت چاہت سے اس کے ہاتھ میں شارب احمد کے نام کی انگوٹھی پہنائی تھی۔ اسے انگوٹھی پہننے کے بعد شاید احساس ہوا تھا کہ وہ محض ایک انگوٹھی نہیں تھی، بلکہ شارب احمد کی محبت تھی، جو اسے احساسِ محبت و اعتماد بخش رہی تھی۔ ان کے رویوں اور خلوص کو دیکھ کر سومیہ کے دل کے خدشات بھی ختم ہو گئے تھے۔ اپنی دوست و ہم جولی کے لیے وہ ایسا ہی گھر اور شریک سفر کی تمنا رکھتی تھی۔ تمنا تو سومیہ کی یہ بھی تھی، کہ یہ گہری سیاہ بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی اس کی بھابی بنتی، مگر اسے اپنی ماما سے اپنی تمنا کے اظہار کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور جب اس نے کچھ کہنا چاہا تھا، تو بہت دیر ہو چکی تھی' سو غزل کی خوشیوں کی پائیداری کی دعائیں اس کے لبوں پر بھی مہک رہی تھیں۔ شارب احمد نے اسے پھولوں کے زیور کے تحفے کے ساتھ ایک پیغام بھی بھیجا تھا۔ پیغام یہ تھا کہ وہ اس کا پھولوں سجا یہ روپ دیکھنا چاہتا تھا۔ سومیہ نے اسے فوراً چھیڑا تھا۔

''یار غزل! تمہارا مجنوں تو خاصا شریف بندہ ہے۔ دیدار سے پہلے اجازت مانگ رہا ہے۔ تم سے محبت بھی اجازت مانگ کر کیا کرے گا۔''

جواباً غزل نے جھینپ کر اسے کشن کھینچ کر مارا تھا۔ غزل کو سوچ سوچ کر ہی شرم آ رہی تھی، کہ وہ اپنے اس سجے سنورے روپ کے ساتھ شارب کا کس طرح سامنا کرے گی۔ سومیہ کو بمشکل اس نے روک رکھا تھا۔ وہ بار بار جانے پر بضد ہو جاتی بلکہ اسے بھی چھیڑ دیتی۔

''یار! مجھے کباب میں ہڈی کیوں بنا رہی ہو؟ ویسے بھی تمہارا رومیو مجھے دیکھ کر بے مزا ہونے کے ساتھ سو صلواتیں بھی دل ہی دل میں سنائے گا۔''

''شارب ایسے نہیں ہیں۔'' غزل نے فوراً حمایت کی۔

''ایسے نہیں ہیں تو تم کیوں مری جا رہی ہو؟ پہلی دفعہ تو وہ تمہیں نہیں دیکھے گا۔ پلیز' آٹھ بج گئے ہیں' ماما نے بھائی کو بھی بھیج دیا ہے۔ اور دیکھو! بارش بھی تیز ہو رہی ہے۔ آئی پرامس' نیکسٹ ٹائم تمہاری شادی پر تمہارے ساتھ ساتھ ہی رہوں گی بلکہ رخصتی کے بعد بھی تمہارے ساتھ ساتھ جاؤں گی۔''

''جاؤ مرو.....'' غزل نے دانت کچکچا کر کہا۔

''اور یاد رکھنا! کل ساری رپورٹ سنوں گی' او کے۔'' سومیہ جلدی سے اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی' تبھی اس نے گہری سانس کھینچی۔ ''اوہ! لگتا ہے تمہارے ''وہ'' آ گئے ہیں۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ غزل' منع کرنا بھئی' اپنا اعلان کرتی خوشبوئیں مت لگایا کریں' ویسے تمہیں تو معلوم ہو گا کون سی خوشبو لگاتے ہیں ہمارے جیجا جی۔''

''روز ایونگ۔''

غزل کے بجائے اندر آتے شارب احمد نے جواب دیا، تو دونوں ہی دھک سے رہ گئیں۔ سومیہ تو فوراً ہی خدا حافظ کہنے لگی۔

''آپ مجھے دیکھتے ہی ہمیشہ غائب ہو جاتی ہیں۔ مجھ سے کوئی شکایت ہے؟'' شارب نے خاصی اپنائیت سے شکوہ کیا۔

''نہیں! آپ سے کیا شکایت ہو گی۔ دراصل صبح سے آئی ہوئی ہوں' آپ نے دیکھا ہو گا' بے چارے بھائی بھی باہر انتظار میں کھڑے ہیں، پھر آپ کو دیکھ کر غائب نہیں ہوں گی۔'' سومیہ نے نظر بچا کر غزل کو شرارت سے دیکھا اور پھر فوراً ہی غزل کے کمرے سے نکل گئی۔

غزل جھینپی کھڑی تھی۔ شارب' سومیہ کے جاتے ہی غزل کی جانب متوجہ ہوا۔ غزل کو اس نے پہلی بار ہلکے میک اپ اور اچھی طرح ڈریس اپ ہوتے دیکھا تھا۔ آف وائٹ سوٹ پر کندن کے نفیس کام کی چمک اس کی آنکھوں میں بھی نظر آ رہی تھی۔ مزید بہار پھولوں کے دیدہ زیب زیور نے کھلا دی تھی۔ مبہم خاموشی سے گھبرا کر غزل پہلو بچا کر باہر جانا ہی چاہتی تھی کہ شارب نے اس کی کلائی تھام لی۔

''کہاں جا رہی ہو؟ میں تم سے ملنے آیا ہوں اور تم.....'' شارب اپنے رگ و پے میں عجیب سی فرحت اترتی محسوس کر رہا تھا۔ ''سنا ہے' آج ہماری دوستی نئے رشتے میں ڈھل کر مضبوط تر ہو گئی ہے۔'' شارب اس کے سامنے آ ٹھہرا۔

''پہلے آپ کو ہماری دوستی کی پائیداری پر یقین نہیں تھا؟'' غزل نے پلکیں اٹھا کر کچھ خفگی سے شکوہ کیا۔

''تھا یار! مگر کچھ ڈر بھی تھا۔''

''کیسا ڈر؟''

''اپنی خوشیوں کے کھو جانے کا..... اکثر میری خوشیاں میرے ہاتھ میں آ کر پھسل جاتی ہیں۔ تمہیں پا کر کھونے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے' اس لیے جلدی سے گھر آنے کی تیاری کرو ورنہ.....'' شارب سے اپنے جذبات کا اظہار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بے خود ہونے لگا تھا۔

''میرا ہاتھ چھوڑیں۔'' غزل نے مصنوعی خفگی سے کہا تو شارب نے الجھن سے دیکھتے ہوئے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

''اتنے فری مت ہوں۔ آپ نے مجھے دیکھ لیا' تسلی ہو گئی؟ اب خدا حافظ!''

شارب آنکھیں پھیلائے اسے دیکھے گیا۔ ''کیا؟ تمہارا مطلب ہے' اب میں چلا جاؤں؟ اتنی دور سے ان سب شیطانوں سے بچ بچا کے میں اس لیے یہاں آیا ہوں، کہ تم مجھے دروازے سے چلتا کر دو؟''

''دروازے سے؟ آپ میرے کمرے میں موجود ہیں اور وہ بھی کتنی دیر سے..... معلوم ہے' اماں سکینہ کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کیا کہہ رہی تھیں؟''

''یہی کہ آپ اپنی آمد و رفت پر کنٹرول کریں۔ پہلے کی بات اور تھی' اب سب کو علم ہو جائے گا کہ ہماری منگنی ہو گئی ہے' اس لیے وہ باتیں بھی بنائیں گے کہ.....''

''لوگوں کی ایسی کی تیسی' تم میرے سامنے بیٹھو' آج مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔'' شارب اس کے بیڈ پر جا کر آرام سے بیٹھ گیا۔

''کیسی باتیں کرنی ہیں؟ اچھا! میں پہلے اماں سے کھانے کے لیے کہہ دیتی ہوں۔ کھانا تو کھائیں

گے نا آپ؟'' غزل اس کی پرشوق نگاہوں سے گھبرا رہی تھی اس لیے بہانے تلاش کر رہی تھی۔

''کچھ نہیں کھانا میں نے۔ پہلے میری باتیں سنو! میں تمہیں نجانے کیا کیا بتانے کے لیے بے تاب ہوں اور تمہیں کھانے کی پڑی ہے؟'' وہ جھنجلا اٹھا۔

''شارب کچھ باتوں کے لیے مواقع دیکھنے پڑتے ہیں۔ آپ کو کیا پتا' مجھے اس طرح آپ کو فیس کرنا کتنا مشکل ہو رہا ہے؟'' وہ بھی اپنی شرم و جھجک کی وجہ سے جھنجلا اٹھی تھی' پھر شارب کے سامنے اس طرح بیٹھنا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔

''تمہیں اب ہمیشہ ایسے رہ کر مجھے فیس کرنا پڑے گا پھر کیا کرو گی؟ اور مواقع کی بھی خوب رہی۔ آج ہماری زندگی کا اہم دن ہے' اس خاص موقع پر میں تم سے اپنے دل کی بات نہیں کہہ سکتا۔'' شارب اس کی مشکل نہیں سمجھ رہا تھا۔

''یہ جو آج ہوا ہے' یہ آپ کے دل کی بات نہیں تھی؟'' غزل بھی اسے زچ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''افوہ! تم بھی بالکل اسٹوپڈ ہو' لڑکیاں اپنے منگیتروں سے تعریف سننے کے لیے بے تاب رہتی ہیں' اور تم ہو کہ.....''

''نہیں! میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے اپنے فیانسی کی نہیں' ہزبینڈ کی تعریف خوشی دے گی۔ آپ کو ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ میں اور طرح کی لڑکی ہوں۔''

''لیکن میں بہت عام سا بندہ ہوں' اپنے جذبات کا فوراً اظہار کرنا مجھے اچھا لگتا ہے جیسا کہ ابھی میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تم سے کہوں کہ آج تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ میں تمہارے حسن کا قصیدہ پڑھوں' تم میری محبت' میرے عشق کو سراہو۔''

''اتنی رومینٹک باتیں اور آپ.....؟ لگتا ہے' آج کل عشقیہ گانے کچھ زیادہ ہی سنے جا رہے ہیں۔''

''غزل! او کے' شادی ہونے دو' پھر اچھی طرح پوچھوں گا بلکہ تمہیں خود ہی احساس ہو جائے گا کہ تم نے اپنی سنہری یادوں کو محفوظ کرنے کا چانس خود ہی مس کیا تھا۔''

جواباً وہ مسکرا دی۔ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی کہ وہ جذبات کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہو رہا ہے۔

''شارب! پلیز' ڈونٹ مائنڈ' اب آپ کو جانا چاہیے۔'' غزل نے بہت منت سے کہا۔ ''آپ کے فرینڈز وغیرہ آپ کی راہ تک رہے ہوں گے' بلکہ پاپا اور پھوپو بھی پریشان ہو رہے ہوں گے۔'' غزل اسے وقت کا احساس دلانے لگی۔

''سب کی پریشانی کا خیال ہے مگر میری کوئی پروا نہیں ہے تمہیں؟'' شارب نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''آپ جائیے ناں۔'' غزل بدک کر پیچھے ہٹی۔

''اتنی بے زار ہو تو چلا ہی جاتا ہوں مگر یاد رکھو' کل سے تمہیں ڈرائیونگ سیکھنی ہے۔ میں کل سے تمہارا کوچ بن کر آ رہا ہوں' او کے۔''

''کل کی کل دیکھی جائے گی۔''

''وہ تو ظاہر ہے' کل تمہاری ذہانت کا امتحان بھی ہے۔'' شارب شرافت سے اٹھ کھڑا ہوا۔

غزل اس سے پہلے ساتھ والے کمرے میں چلی گئی جہاں اس کی پینٹنگز ہوتی تھیں۔ اگلے چند لمحوں میں ہی وہ ایک پینٹنگ لے کر چلی آئی جو کہ خوبصورت کاغذ میں ملفوف تھی۔

''یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے۔'' شارب کو پینٹنگ پکڑاتے ہوئے اس کے چہرے پر خوبصورتی سی چمک تھی۔

''کیا اپنی تصویر سے بہلاؤ گی مجھے؟'' شارب نے اسے چھیڑا۔

''یہ تو آپ پر ڈیپنڈ کرتا ہے' آپ اسے بہلاوا سمجھیں یا میرے دلی جذبات کی عکاسی۔ اوں ہوں' یہاں نہیں' گھر جا کر دیکھیے گا اور بارش ابھی بھی ہو رہی ہے اس لیے رش ڈرائیونگ مت کیجیے گا۔''

''اور کوئی نصیحت؟'' شارب نے پینٹنگ کو احتیاط سے تھاما۔

''خدا حافظ!'' دروازے تک چھوڑ کر وہ پلٹ آئی۔

شارب نے گھر پہنچتے ہی بلکہ گاڑی پورچ میں روکتے ہی اس کی پینٹنگ کو دیکھنا چاہا' خوب صورت ریپر کے اندر موجود پورٹریٹ دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ غزل نے اسے اس کی پورٹریٹ تحفہ دی تھی۔ اس کی حیرت خوشگوار تھی۔ غزل کے ذہن پر اس کا ہر نقش اس طرح ثبت تھا کہ اسے شارب کو سامنے بٹھانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ غزل کی مہارت کا بھی قائل تھا۔ اس نے بے جان تصویر میں اپنے جذبوں کے رنگ سے جان ڈال رکھی تھی۔ شارب نے فوراً ہی اپنے موبائل پر اس کے گھر کا نمبر ملایا۔

''تھینک یو غزل' تھینک یو ویری مچ' تم جیسا فنکار میں نے پہلی بار ہی دیکھا ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے تم جیسا ساتھی آئندہ حیات کے سفر کے لیے میسر آیا ہے' ورنہ میں تو سراب کے پیچھے بھاگتا رہا ہوں۔ پلیز' کچھ مت بولو' مجھے اپنے دل کی بات کہنے دو' آئی لو یو' رئیلی آئی لو یو۔ تمہیں معلوم ہے' تمہارے جذبوں کا یہ اظہار مجھے کتنی خوشی دے رہا ہے۔ تم نے کیسے مجھے مجھ سے چرا لیا تھا۔''

شارب واقعی بے پناہ خوشی میں گھر گیا تھا۔ زندگی اسے اتنا پیار' اتنی چاہت لوٹائے گی' اسے اس کا اعتبار کب تھا' مگر اب یقین اس کے اندر گھر کرتا جا رہا تھا۔

خوشیوں بھرے یہ دن جیسے پر لگا کر اڑے جا رہے تھے۔ بہانے بہانے سے غزل کی دید کے باوجود اسے لگتا' وہ بالکل پیاسا ہے۔ غزل کو اس نے لاکھ احتجاج کے باوجود ڈرائیونگ سکھا دی تھی اور اس کے فائنل ٹرائل کے لیے اسے راستہ بتاتے بتاتے گل آباد تک لے آیا تھا اور جب شارب نے اسے بتایا کہ وہ اسے اپنے گھر لے آیا ہے تو وہ جھجک گئی۔

''شارب.....! مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔''

''اپنے گھر میں جانا اچھا نہیں لگ رہا؟ یہ کیا بات ہوئی؟'' شارب نے قدرے خفگی کا مظاہرہ کیا۔

''پلیز' شاری! مجھے مجبور مت کرو۔'' دونوں میں اس عرصے میں تکلف ختم ہو چکا تھا۔ غزل بھی اسے تم کہتی تھی۔

''کیوں' کیا وجہ ہے؟'' شارب نے اسی طرح استفسار کیا۔

"زرائی تو انڈر اسٹینڈ کی۔ میں پاپا اور پھوپو کو فیس نہیں کر سکتی۔ وہ کیا سوچیں گے؟"

"تمہاری تو منطق ہی نرالی ہے غزل' جس سے شرم کرنی چاہیے' اس کے ساتھ گھومتی ہو اور جن سے نہیں کرنی چاہیے' ان سے کترا رہی ہو؟" شارب غصے میں بے سوچے سمجھے بول گیا۔

غزل کے چہرے پر فوراً ہی پھیکا پن آ گیا۔ "یہی بات میں تم سے شروع سے کہہ رہی ہوں کہ ہر بات کا مناسب وقت ہوتا ہے مگر تم...... میں اسی لیے تمہارے ساتھ کہیں آتی جاتی نہیں تھی۔ تم خود ایسا سوچ سکتے ہو تو دوسرے......"

غزل کی آواز بھیگ گئی۔ اسے سچ مچ شارب کی بات کا دکھ ہوا تھا۔ شارب کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"سوری' ویری سوری' دیکھو! تم اپنے ہی گھر میں جانے سے پس و پیش کرو گی، تو مجھے تو غصہ آئے گا ناں' دیکھو سوری اگین' بلیو می' میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے' اور پاپا اور پھوپو تو خود تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گے۔ کئی بار وہ مجھے کہہ چکے ہیں کہ میں تمہیں تمہارے گھر لے کر آؤں۔ او کے پلیز' اندر چلو نا' آئی پرامس یو آئندہ تمہیں اپنے گھر میں پورے پروٹوکول سے ہی لے کر آؤں گا۔ اس طرح نہیں لاؤں گا۔ یار! اب اور کتنی منتیں کراؤ گی؟ کہتی ہو تو فون کر کے قاضی کو ہی بلا لیتا ہوں' نکاح کے بعد تو جانے سے شرمندگی نہیں ہو گی۔"

جواباً غزل نے ڈیش بورڈ سے کیسٹ کور اٹھا کر اسے کھینچ مارا۔

"تم تو جارحیت پسند بھی ہو' کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"تم بہت بے ایمان انسان ہو۔ اگر مجھے پہلے بتا دیتے تو......" غزل آخر پھٹ ہی پڑی۔

"کس کے بارے میں' قاضی جی کے بارے میں؟ یار! ان کا خیال تو تمہارا غصہ دیکھ کر آیا ہے۔"

"بات نہیں کرو مجھ سے۔" وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی' پھر پوری طاقت سے بند بھی کیا۔ دھماکے سے شارب نے فوراً کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

"مائی گاڈ......! غزل......! اس دھماکہ خیزی سے اپنی فرسٹ اینٹری مت دو' سب کو تشویش ہو گی۔" شارب نے باہر نکل کر اسے شرارت سے دیکھا، تو وہ بھی اپنی اس حرکت پر شرمندہ سی نظر آئی۔ شارب نے اسے زچ ہی اس طرح کیا تھا۔

"اچھا بابا! ناراضگی' غصہ ختم' پہلے بتاؤ' کس سے ملنا ہے؟"

"اب آ گئی ہوں تو سب سے ہی ملوں گی۔" غزل نے خود کو سنبھالتے سنبھالتے اس کے ساتھ قدم آگے بڑھائے۔ شارب کی خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ ٹی وی لاؤنج میں پہنچ کر تو وہ بھی بے قابو ہو گیا تھا۔ زور زور سے پھوپو اور پاپا کو آواز دے رہا تھا۔ غزل نروس ہو رہی تھی۔ انیلا پھوپو اور احمد حسن اس کی آواز پر جہاں بھی تھے' نکل کر آ گئے اور پھر اس کے ساتھ غزل کو دیکھ کر خوشی و حیرت سے تکنے لگے۔ انہیں بھی جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"شکر ہے' آج ہماری بہو کو بھی ہم سے ملنے کا خیال آ گیا، ورنہ تو میں بھائی جان سے کہہ رہی تھی

کہ ہمیں خود ہی جانا چاہیے۔" انیلا پھوپو نے بڑھ کر اسے بانہوں میں لے کر پیشانی پر بوسہ لیا۔

"پھوپو! آپ کی بہو کو خیال نہیں آیا' شرم آ رہی تھی' میں زبردستی لے کر آیا ہوں۔" شارب نے قریب آ کر انہیں مطلع کیا۔

"کیوں بیٹا! اپنے گھر میں آتے ہوئے شرم کیسی؟" احمد حسن نے بھی آگے آ کر اس کا سر شفقت سے تھپتھپایا۔

غزل کا سر مزید جھک گیا۔ ان کی محبتیں عقیدت بڑھانے کے ساتھ ساتھ شرمندہ بھی کر رہی تھیں۔ وہ ابھی تک اسی سوچ میں تھی، کہ یہ سب کیا سوچیں گے کہ میں شارب کے ساتھ گھومتی پھرتی ہوں...... بہت دیر میں پاپا اور پھوپو کی اپنائیت بھری باتوں سے اس کی جھجک ختم ہوئی تھی۔ شارب اس کی حیا بار پلکوں کی لرزش دیکھ دیکھ کر ہی محظوظ ہو رہا تھا۔ پھوپو نے اسے ڈنر کے بغیر جانے نہیں دیا، بلکہ جاتے ہوئے اسے خوب صورت سوٹ اور گولڈ کی چین بھی تحفتاً دی، جسے لیتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اپنائیت کے بھرپور احساسات اسے اپنوں کی یاد دلا گئے تھے۔ اس کے احساسات سمجھتے ہوئے شارب اسے لے کر فوراً نکل آیا۔

"آئس کریم کھانے چلو گی؟" واپسی پر وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں! میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ پلیز' مجھے گھر چھوڑ دو۔" غزل نے ہولے سے پیشانی سہلائی۔

"سر درد ہے تو آئس کریم نہیں کھاتے' کافی پیتے ہیں' او کے۔"

"نہیں! پلیز' مجھے گھر چھوڑ دو' اس وقت کافی یا چائے لوں گی تو ساری رات جاگوں گی۔" غزل نے پھر سے ماتھا مسلا۔

"تمہارے سر میں واقعی درد ہے؟" شارب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔ "ڈاکٹر کے پاس لے چلوں؟"

"نہیں! اب اتنا زیادہ بھی نہیں ہے' گھر جا کر ڈسپرین لے لوں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔ جب میں خود اپنے ایموشنز پر زیادہ کنٹرول کروں تو ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ پوری نیند لوں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی' پلیز ڈونٹ وری۔"

"تمہیں رونا آ رہا تھا تو رو لیتیں' کیوں خود پر کنٹرول کیا؟" شارب اس کی کیفیت سمجھ گیا تھا۔ "او کے' ٹیک کیئر آف یو' طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر کے پاس ضرور جانا، بلکہ مجھے فون کر دینا۔ میں کل شام کو فلائٹ لے کر جاؤں گا' اس سے پہلے تم مجھے بلا سکتی ہو۔" شارب نے گاڑی اس کے گھر کے پاس روکی۔

"شارب' کہہ رہی ہوں نا' اتنی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صبح تک بالکل ریلیکس ہوں گی' تم بے شک فون کر کے اماں سکینہ سے پوچھ لینا' او کے۔ خدا حافظ!"

"میں خود آ جاؤں گا۔ خدا حافظ!" شارب نے اس کے اترنے سے پہلے اس کا ہاتھ تھام کر مصافحے

کے سے انداز میں دبایا۔ غزل نے آنکھوں کے اشارے سے خفگی کا اظہار کیا۔ شارب کے لیے اس کی یہی جھجک' شرم وحیا تو کشش رکھتی تھی' ایک دوسرے سے گہری وابستگی کے باوجود غزل کی طرف سے ایک حد جو قائم تھی' شارب کو اس کا احترام عزیز تھا' اسی لیے اس کی خفگی پر کانوں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگ کر وہ گاڑی موڑ لے گیا تھا۔

اگلے دن صبح ہوتے ہی شارب نے فون کر کے اس کی خیریت معلوم کی تو غزل سرشار ہوگئی۔

''شائی' میں نے کہا تو تھا کہ زیادہ فکر والی بات نہیں ہے۔'' اس کی طبیعت ابھی بھی بوجھل تھی' مگر شارب کی پریشانی کا خیال کر کے اس نے اپنا لہجہ بشاش بنایا۔

''اس کا مطلب ہے' تم بالکل فریش ہو پھر تو تمہیں وہ خبر دی جاسکتی ہے۔'' غزل کو شارب کا لہجہ سنجیدہ لگا تھا۔

''کون سی خبر.....؟'' غزل نے پریشانی سے پوچھا۔

''پاپا اور پھوپھو نے ایک فیصلہ کیا ہے۔''

''کیسا فیصلہ؟'' شارب کی سنجیدگی اسے فکر میں مبتلا کر رہی تھی۔

''پاپا اور پھوپو کا خیال ہے کہ میں روز روز تمہاری گلیوں کے پھیرے لگا کر خاندان کی عزت کو خاک کر رہا ہوں' اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ.....''

شارب نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی تھی۔ غزل کی سانس اٹکنے لگی تھی۔

''میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ میں آپ کے قابل نہیں ہوں شارب احمد!'' غزل کی آواز رندھ گئی۔

''اسٹوپڈ! تم کس قابل ہو' یہ میرے دل سے پوچھو اور اب درمیان میں مت بولنا' میری بات پہلے سنو' بلکہ پاپا اور پھوپو کا فیصلہ جان لو۔ اسی ماہ کے لاسٹ میں وہ ہم دونوں کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ دو تین دن میں پھوپو وغیرہ آئیں گے۔ زیادہ نخرے نہیں کرنا' اچھا۔'' شارب نے مصنوعی رعب جھاڑا۔ غزل تو سن کر ہی گنگ ہوگئی۔ شارب نے اسے کس طرح پریشان کیا تھا۔

''اے.....! بولتی کیوں بند ہوگئی ہے؟ کہیں شادی مرگ تو طاری نہیں ہوگیا؟ یو نو' رات پاپا نے مجھ سے کہا تو میری بھی یہی کنڈیشن ہوگئی تھی مگر میں نے خود پر کنٹرول کر لیا تھا کیونکہ ادھر بھی شیطان جمع تھے' لیکن تمہیں کنٹرول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دل چاہ رہا ہے تو بھنگڑا شنگڑا ڈال لو۔'' شارب کی مسلسل شرارت پر وہ چیخ اٹھی۔

''یو.....چیٹر.....تم آؤ ذرا پھر میں تمہیں پوچھوں گی۔''

''رئیلی؟ میں آجاؤں؟'' اجازت طلب کرنے کا شریر انداز۔

''ہرگز نہیں..... میں پاپا اور پھوپو سے تمہاری شکایت کروں گی۔ اس طرح کرتے ہیں؟ میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو؟''

''تو میں خودکشی کر لیتا.....'' اس بار شارب نے سنجیدگی سے کہا۔

''شٹ اپ' بہت فضول باتیں کرتے ہو تم۔ پتا ہے' تمہارے اس طرح کے مذاق سے میری ہارٹ

بیٹ کتنی فاسٹ ہوگئی ہے۔ دھڑکنوں کا شور مجھے اپنے دماغ میں محسوس ہو رہا ہے۔'' غزل نے اپنے غصے کے ساتھ اپنی ناہموار سانس پر بھی قابو کیا۔

''اور مجھے اپنے کانوں میں تمہاری دھڑکنوں کا جلترنگ سنائی دے رہا ہے۔''

''میں فون بند کر رہی ہوں۔'' غزل نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔

''خبردار! میں نے فون کیا ہے' پہلے بند بھی میں ہی کروں گا اور اب سیریسلی' میری بات سنو' میں نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے' بالکل سچ کہا ہے۔ پاپا اور سب کی یہی خواہش ہے۔ تمہیں اسی ماہ میں اپنے گھر میں ہم دیکھنا چاہتے ہیں' اس لیے نو آرگومینٹس۔ تم خود کو پریپیئر کر لو' جینی اور پھوپو آئیں گی' تمہیں فائنل ڈیٹ بھی بتا دیں گے اور شاپنگ کے لیے بھی لے کر جائیں گے' اسی لیے میں تمہیں انفارم کر رہا ہوں تاکہ تم بعد میں مجھ سے جھگڑا نہ کرو۔''

''شارب.....! اتنی جلدی.....؟''

''جلدی.....؟ مجھ سے ایک پل گزارنا مشکل ہو رہا ہے' یو نو' فرسٹ ٹائم مجھے فلائٹ لے کر جانا اچھا نہیں لگ رہا۔ ویل' ڈونٹ وری' میں واپس آجاؤں پھر ہم مل کر اپنی یہ خوشیاں سیلیبریٹ کریں گے۔ او کے' فیک کیئر آف یو' پھوپو ناشتے کے لیے آوازیں دے رہی ہیں' میرا ابھی فون بند کرنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ خدا حافظ!''

''تم بھی اپنا خیال رکھنا۔ خدا حافظ!'' غزل نے سرشاری کے عالم میں فون کریڈل پر رکھا۔ زندگی میں خوشیاں اسے بن مانگے مل جائیں گی' اس کا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ شارب احمد نے اس کی بے رنگ زندگی میں محبت کے جو رنگ بھرے تھے' اسے ان کی پختگی کا یقین تو تھا مگر عجب سا دھڑکا ہر وقت دل کو لگا رہتا تھا۔ اپنی خوشیوں کے کھونے یا ادھورے رہ جانے کا وہم کئی بار سپنا بن کر بھی اس کی نیندوں کا اچاٹ کر چکا تھا لیکن پھر شارب احمد کی محبت' اس کی دوستی اسے ہر وہم وگمان سے نکال لاتی تھی۔

احمد حسن تاریخ مقرر کر چکے تھے۔ شارب کے لندن سے آنے کے چار روز بعد ان کی شادی تھی۔ پہلی بار غزل کے لئے شارب کا انتظار جان لیوا ہو رہا تھا۔ اسی انتظار کی کیفیت میں رہتے ہوئے وہ رفتہ رفتہ اپنی ضروری چیزیں سمیٹ کر پیک کر رہی تھی جن میں اس کی یادوں کی عکاس وہ پینٹنگز بھی تھیں، جنہیں وہ اپنے ساتھ ہمیشہ رکھنا چاہتی تھی۔

سومیہ بھی ہر روز اس کے پاس ضرور چکر لگاتی تھی۔

''تمہارے رومیو نے کب تک آنا ہے، فون آیا کہ نہیں۔''

''سومی اس طرح مت کہا کرو اور تمہیں کیا بے چینی رہتی ہے۔ میں نے خود منع کیا ہے شارب کو کہ زیادہ فون نہ کریں۔''

''بھئی رومیو کو رومیو نہ کہوں تو کیا کہوں، یاد نہیں آرٹ گیلری میں موصوف کس طرح پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ ویسے بھئی تم یہ سب کیوں سمیٹ رہی ہو، کیا سب صفایا کر کے جاؤ گی۔ اماں سکینہ خالی گھر میں رہیں گی؟'' سومی نے اسے دوبارہ اسٹول پر چڑھتے دیکھ کر حیرانگی سے استفسار کیا۔

''بتایا تو تھا تمہیں کہ اماں سکینہ واپس گاؤں جانا چاہتی ہیں۔ بس میری شادی تک یہاں رہیں گی۔'' غزل نے افسردگی سے بتایا۔

''تو یہ گھر بیچ دو گی؟'' سومیہ نے اس سے تصویر لی۔

''ابھی تو نہیں، شارب کے مشورے سے ہی کچھ کروں گی۔''

''تمہارے تایا کو خبر تو ہو گئی ہو گی کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ کوئی آیا نہیں ادھر سے؟''

''کون آئے گا سومی۔ انہیں مجھ سے اب کیا غرض ہے۔ ویسے بھی رشتوں میں پڑی دراڑیں آسانی سے کب بھرتی ہیں۔ بھرنے کی کوشش کی بھی جائے تو بدنمائی تو سامنے ہی رہتی ہے۔''

غزل مزید ملول ہو گئی، گزشتہ دنوں سے اسے پھر یہی غم ستانے لگا تھا کہ کیا تھا، کہ اگر اس کے اپنے محض دنیاداری نبھانے کی خاطر ہی اس سے واسطہ تعلق رکھ لیتے، تو اس وقت اسے اپنی خوشیوں کی دہلیز تن تنہا تو پار نہ کرنی پڑتی۔ وہ بھی دوسری لڑکیوں کی طرح اپنوں کی بانہوں اور دعاؤں کے حصار میں اپنے نئے سفر پر گامزن ہوتی تو دل میں اس قدر گمان و وسوسے تو نہ ڈیرہ ڈالتے۔

''ڈونٹ وری یار تمہیں ایسے رشتہ داروں کی اب ضرورت بھی کیا ہے۔ شارب بھائی جیسے محبت کرنے والے انسان کے حوالے سے تمہیں جو چاہتیں مل رہی ہیں، وہی تمہارے لئے کافی ہیں۔''

''ہاں سومی شارب کے حوالے سے تو میں خود کو بہت خوش قسمت سمجھتی ہوں۔ شارب کی وجہ سے ہی تو مجھے جینے کا حوصلہ ہوا ہے ورنہ.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ اماں سکینہ ان کے کہنے پر بازار سے سموسے لینے گئی ہوئی تھیں۔ انہی کی واپسی کی توقع تھی اسی لئے غزل نے سومی کو ہی دروازہ کھولنے کے لئے کہا اور خود بھی اسٹول سے چھلانگ لگا کر اترنے لگی۔ نجانے کیا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں زمین پر صحیح نہیں پڑے تھے۔ وہ ایک دھماکے سے دھڑم سے گری تھی۔ سر اس کے بیڈ سے ٹکرا کر پھٹ گیا تھا۔ خون پیشانی سے بہنے لگا تھا۔ اذیت و تکلیف کے احساس سے وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ دھماکے کی آواز سن کر سومیہ دروازہ کھولے بغیر ہی پلٹ آئی اور پھر غزل کو فرش پر بے سدھ پڑے دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو اٹھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، گھنٹی پر کوئی ہاتھ رکھ کر کھڑا تھا۔ اس سے وہ مزید بوکھلا اٹھی تھی۔

''غزل..... غزل کیا ہوا ہے، کیسے گری ہو تم۔ میرے خدا میں کیا کروں۔'' وہ کبھی دروازے کی طرف جانے کی کوشش کرتی، کبھی بے ہوش پڑی غزل کو ہوش دلانے کی۔

اماں سکینہ اب دروازہ بھی زور زور سے پیٹنے لگی تھی۔ سومیہ نے گھبراتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ سامنے شارب احمد کے ساتھ اماں بھی کھڑی تھیں۔ سومیہ رونے والی تھی۔ شارب کو فوراً ہی غیر معمولی احساس ہوا۔

''کیا ہوا اتنی دیر سے دروازہ کیوں کھولا ہے؟'' اماں نے اندر قدم رکھتے ہی پوچھا۔

''وہ اماں..... وہ شارب بھائی غزل اسٹول سے گر گئی ہے۔ اس کے سر سے خون بھی بہہ رہا ہے اور .....''

''کیا؟ کہا..... ں..... ہے وہ.....''

شارب کے ہاتھ میں جو تحائف تھے، وہ ہاتھ سے نکل کر اس کے قدموں میں بکھر گئے تھے۔ وہ بے اختیاری کمرے کی طرف بڑھا اور پھر اسے اس طرح پڑے دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے اسے بھی اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی تھی، مگر اگلے پل وہ غزل کو بازوؤں میں اٹھا کر دیوانہ وار باہر نکلتا چلا گیا۔ سومیہ بمشکل اس تک پہنچ سکی تھی۔ اماں بھی چیختی ہوئی پیچھے رہ گئی تھیں۔ وہ اسے گاڑی میں ڈال کر سیدھا ہسپتال پہنچا۔

کچھ دیر پہلے ہی وہ فلائٹ سے واپس آیا تھا اور آتے ہی فریش ہو کر غزل کو سرپرائز دینے کی چاہ میں بنا بتائے آیا تھا، اسے کیا خبر تھی غزل اسے اس طرح ملے گی۔ ہسپتال میں اس کے ماتھے کے زخم کی ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ ضروری ٹریٹمنٹ بھی دی جا چکی تھی۔ پھر بھی نجانے کیوں وہ مسلسل چار گھنٹے سے بے ہوش تھی۔ جس پر ڈاکٹرز کو بھی تشویش تھی اور وہ خود بھی پریشان سا چکراتا پھر رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے اپنے تئیں غزل کے تمام ٹیسٹ بھی فوری طور پر کرا لئے تھے اور اس کے بعد وہ شارب سے مسلسل پوچھ رہے

تھے۔کیا ہوا؟ کیسے گری؟ سومیہ نے ہی تمام صورت حال بتائی تھی۔

وہ پانچ گھنٹے بعد ہوش میں آئی تھی۔ بظاہر کوئی بڑی انجری نہیں تھی۔ پھر بھی ڈاکٹر اظہر غزل کے لئے نجانے کیوں متفکر سے لگ رہے تھے۔ وہ اس سے بھی پوچھ رہے تھے۔

''کیا ہوا تھا آپ کو، کتنی اونچائی سے گری تھیں؟''

''اسٹول سے، شاید تین ساڑھے تین فٹ اونچا ہوگا وہ۔'' وہ بمشکل بتا پائی۔ اس کی رنگت میں زردی یکدم ہی محسوس ہونے لگی تھی۔ بکھرے بکھرے حلیے میں شارب کو وہ بے حد کمزور اور بیمار لگی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر آرزدہ ہو رہا تھا۔

''آپ نے جمپ کیا ہوگا، کیئر کرنی چاہئے بی بی۔'' ڈاکٹر اظہر نے اس کی نبض دیکھتے ہوئے اسے مسکرا کر کہا۔

''میں نے جمپ تو نہیں کیا، شاید میرا پاؤں پھسل گیا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہے۔ میں بلائنڈ ہوگئی ہوں اور میری رگوں میں جیسے خون بھی منجمد ہو رہا ہے تبھی مجھے لگا تھا کہ میرے پاؤں زمین پر نہیں پڑے اور.....'' اس سے ٹھیک طرح بولا نہیں جا رہا تھا۔

''ایسا پہلے کبھی محسوس کیا ہے؟'' ڈاکٹر نے توجہ سے پوچھا۔

''نہیں البتہ کبھی کبھی سر میں شدید درد اٹھتا ہے۔'' غزل کو ابھی بھی سر میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ شارب کو اس کی تکلیف کا احساس تھا، تبھی وہ ڈاکٹر کو مخاطب کر بیٹھا۔

''ڈاکٹر صاحب غزل کے سر کے علاوہ تو کوئی انجری نہیں ہے نا؟''

''نہیں بظاہر تو کوئی نہیں ہے۔ آئی تھنک اندرونی چوٹ بھی کوئی نہیں ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد ان کا زخم ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کتنے دن میں ٹھیک ہوگا۔ اسی ویک میں ہماری شادی بھی ہے۔'' شارب نے بے چینی سے پوچھا۔

''او..... ہو..... بھئی شادی تو آپ کو چند دن آگے کرنا ہوگی۔ ہاں اگر آپ سر پر پٹی بندھی دلہن افورڈ کر سکتے ہیں تو دوسری بات ہے۔'' ڈاکٹر اظہر نے اپنی حیرت کے اظہار کے بعد لطیف انداز میں کہا۔

شارب اب کیا کہتا، غزل کو بھی اب شارب کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ دل کی کلی فوراً ہی کھلی تھی۔ حیرت انگیز طور پر اس کے پھیکے چہرے پر گلابی پن چھلکا تھا۔

''دو تین دن تو انہیں لازمی ہسپتال میں رہنا ہوگا۔ یہاں ان کی ٹریٹمنٹ اچھی ہوگی اور یہ جلد صحت یاب ہوں گی۔''

ڈاکٹر اظہر اس کی کیس ہسٹری چارٹ پر کچھ لکھ کر اسے آرام کرنے کا کہہ کر کمرے سے چلے گئے۔ سومیہ کے گھر والے بھی آ گئے تھے۔ اب اماں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ سومیہ صبح آنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔ وہ خود شام سے ٹینس تھی۔ شارب نے ہی اسے جا کر آرام کرنے کی تاکید کے ساتھ بھیجا تھا۔ غزل سے زیادہ بات چیت نہیں ہو رہی تھی پھر اس کے سر میں درد بھی تھا اس لیے اس کے آرام کی خاطر شارب

خواہش کے باوجود وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔ اماں سکینہ البتہ وہیں تھیں۔

پھوپو اور پاپا کو جب غزل کے بارے میں معلوم ہوا، تو وہ بھی بے چین ہو اٹھے۔ فوراً جانے کے لئے تیار تھے۔ شارب نے بمشکل انہیں صبح جانے کے لئے روکا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پاپا اور پھوپو غزل کو اس طرح دیکھ کر خود بھی پریشان ہو جائیں۔

شارب سے رات گزارنا مشکل ہو رہی تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ اسپتال جانے کو تیار تھا۔ پھوپو نے بھی ساتھ جانا چاہا تھا، مگر انہیں بعد میں آرام سے آنے کا کہہ کر وہ اسپتال پہنچا۔ غزل جاگ رہی تھی۔ کل رات سے بہتر بھی نظر آ رہی تھی، مگر اس کے چہرے کا نکھار قدرے ماند سا تھا۔ شارب کو دیکھتے ہی البتہ اس کے چہرے اور آنکھوں کی چمک میں یکدم اضافہ ہو گیا تھا۔

''کیسی ہو، درد تو نہیں ہے اب۔'' شارب نے بہت آہستگی سے اس کی پیشانی کو چھوا۔ وہ آنکھوں کے اشارے سے نہ کرنے لگی۔

''میں ٹھیک ہوں تم بیٹھو، اتنی صبح صبح کیسے اٹھے ہو۔'' غزل اب رات کی نسبت سہولت سے بات کر رہی تھی۔ اماں سکینہ بھی کافی رات تک جاگنے کے بعد دوسرے بستر پر سو رہی تھیں۔ شارب اس کے بیڈ پر ہی بیٹھ گیا۔

''میں رات بھر ٹھیک سے سویا ہی کہاں ہوں۔''

''کیوں؟ کیوں نہیں سوئے۔''

''تمہیں نہیں معلوم کیوں؟ میں تمہیں سرپرائز کرنے آیا تھا، مگر تم نے تو مجھے ہی دہلا کے رکھ دیا۔ ضرورت کیا تھی اچھل کود کرنے کی۔ چوٹ لگوا کے بیٹھ گئی ہو اب۔'' شارب نے اسے خفگی سے دیکھا۔

''قسمت میں تھی یہ چوٹ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اچھا اب منہ تو مت پھلاؤ، ذرا اچھے نہیں لگ رہے۔ تمہارا یہ ٹور کیسا رہا۔ آپی آ رہی ہیں نا؟'' غزل نے موضوع بدل کر اس کا موڈ بدلنا چاہا۔

''ظاہر ہے آئیں گی کیوں نہیں، اکلوتے بھائی کی شادی ہو رہی ہے۔''

''پاپا اور پھوپو کیسے ہیں؟''

''ان کا بہت خیال ہے تمہیں۔ میرا حال نہیں پوچھو گی۔ میں کتنی مشکل سے وقت گزار رہا ہوں۔ میں کتنے پروگرام بنا کر آیا تھا مگر تم نے سارے پروگرامز پر پانی پھیر دیا۔''

''میں نے پاپا اور پھوپو کا پوچھا ہے اور تم اپنی رام کہانی سنانے بیٹھ گئے ہو۔ بھئی اب جو ہو گیا ہے اس پر میرا اختیار تھا؟'' غزل بھی سنجیدگی سے بولی۔ شارب نے اس کے چہرے سے اس کی خفگی پڑھی پھر زیر لب مسکرا دیا۔

''نہیں تھا یار، کسی کا اختیار نہیں تھا۔ او کے ریلیکس۔ پاپا اور پھوپو بھی آتے ہی ہوں گے۔ ہمیں لڑتے ہوئے دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے۔''

''یہی کہ تم کتنے لڑاکا ہو۔ میری بیماری کا بھی تمہیں احساس نہیں ہے۔'' غزل نے اسی سنجیدگی سے اسے چڑایا۔

''غز.....ل.....یور آر رونگ۔ ایسا خیال کبھی دل میں مت لانا، جس دن مجھے تمہارے حوالے سے اپنی کسی کوتاہی کا احساس بھی ہو گیا تو ریلی میں خود کو معاف نہیں کروں گا۔ میں تم سے نہ ناراض ہوں نہ لڑ رہا ہوں۔ بس تمہاری تکلیف نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔'' شارب نے اس کا ہاتھ تھام کر جذب سے کہا۔ غزل کی آنکھیں تشکر سے بھر آئیں۔ ''نو.....نو مینرز۔'' شارب نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔ وہ ہولے سے مسکرائی۔

''دیٹس لائک اے گڈ گرل، یار میں بھی کتنا اسٹوپڈ ہوں۔ خود تو ناشتا کیا نہیں تمہارے لئے بھی کچھ نہیں لایا۔ اوکے میں پھوپو کو فون کرتا ہوں، کہ وہ آتے ہوئے ہمارے لئے ناشتا لے کر آئیں۔'' شارب بیڈ سے اٹھ کر اپنے موبائل پر گھر کے نمبر ملانے لگا۔

پھر پھوپو، پاپا، کاشی وغیرہ سبھی اس سے ملنے اسے دیکھنے آئے۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق غزل کے ماتھے کا زخم ٹھیک ہونے میں تقریباً ایک ہفتہ لگ سکتا تھا، جب کہ ان کی شادی کی تاریخ چار دن بعد کی تھی۔ احمد حسن کو مجبوراً ان کی شادی کے دن بڑھانے پڑے۔ مدیحہ، فریحہ آپی بھی بال بچوں سمیت آ چکی تھیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ان کا جوش بھی ماند پڑ گیا تھا۔ البتہ غزل سے مل کر انہیں بھائی کی پسند اچھی لگی تھی۔

''شاری کب گھر جاؤں گی میں؟''

غزل تیسرے دن ہی اکتا گئی تھی۔ اس کے زخم میں زیادہ درد تو نہیں تھا، بس ڈاکٹر نے ہی مزید چند ٹیسٹ لینے کے لئے اسے روک رکھا تھا۔ ابھی وہ اپنی آئی سائٹ چیک کروا کر شارب کے ساتھ واپس اپنے روم میں آئی تھی۔

''میں نے تمہارے سامنے ڈاکٹر اظہر سے کہا تو تھا، کہ ہمیں آج فارغ کر دیں، مگر وہ ایک دو روز کا مزید کہہ رہے ہیں۔'' شارب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے آج کا اخبار اٹھا لیا۔

''میں اب ٹھیک ہوں نا، درد بھی نہیں ہے۔ اب تو.....تم کہو ہم آج جائیں گے۔ اسپتال والوں کو تو ویسے ہی اپنے چارجز بڑھانے کے بہانے چاہئے ہوتے ہیں۔ یہ ٹیسٹ، وہ ٹیسٹ۔ معمولی سی چوٹ لگی تھی مجھے اور یہ لوگ نجانے کس وائرس کو مجھ میں تلاش کر رہے ہیں۔'' غزل نے اس سے اخبار جھپٹ کر اپنی بات سنائی تو شارب اس کی اکتاہٹ دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''یار ان لوگوں کو اپنی تسلی کرنے دو۔ انشاء اللہ کل تک گھر چلیں گے۔ ڈونٹ وری پاپا نے ڈیٹ بڑھا دی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے بڑھا دی ہے ڈیٹ۔''

''یہ غصہ اسی لئے تو نہیں آ رہا کہ ہماری شادی کل کی تاریخ میں ہونے کے بجائے نیکسٹ ویک ہو گی۔'' شارب نے اسے چھیڑا۔

''شٹ اپ۔ شرم تو نہیں آتی۔'' وہ جھینپی بلکہ خفا ہوئی۔

''آتی تو ہے، مگر چلی جاتی ہے تمہارے پاس۔''

''تمہیں گھر والے روکتے نہیں۔ ہر وقت یہیں ہوتے ہو۔''

''جی نہیں میرے گھر والے بہت اچھے ہیں۔ انہیں معلوم ہے میں ایک مریضہ کی تیمارداری کر کے کتنا ثواب کما رہا ہوں۔ جن کے وہ بھی حصے دار ہیں۔''

''خدا کے لئے اب آپ گھر پر بیٹھو، بہت ثواب کما لیا ہے۔ مجھے تو سوچ کر ہی شرمندگی ہوتی ہے، آپی وغیرہ کیا سوچتی ہوں گی کہ چند دن بھی صبر نہیں ہوتا۔''

''کتنی دفعہ بتاؤں ہماری فیملی میں کوئی بھی نیرو مائنڈڈ نہیں ہے۔ رہی میرے صبر کی بات تو صاف بات ہے میں تمہیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ موقع ملے گا تو نکاح سے پہلے بھی تمہیں دیکھنے پہنچ جاؤں گا۔'' شارب نے زچ کیا۔

''مجھے گھر جانے دو، وہاں شادی تک اب تمہاری انٹری بند ہو گی۔''

''یہ تو وقت بتائے گا۔'' غزل کے جواب دینے سے پہلے ہی نرس نے ڈاکٹر اظہر کا پیغام دیا۔ ڈاکٹر نے شارب کو بلایا تھا۔

''ابھی تو تم آرام کرو پھر آ کر تم سے پوچھتا ہوں کہ میری انٹری کیوں بند ہو رہی ہے۔''

''تم پھر ڈاکٹر سے کہنا مجھے آج ہی ڈسچارج کر دیں۔ میرا یہاں دل نہیں لگ رہا۔ میرا کچھ پینٹنگ کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔''

''ایزل، کلر، برش یہیں لا دوں؟ کیا پینٹ کرنا چاہ رہی ہو۔'' شارب نے دلچسپی سے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ بینڈیج ہوئے سر کے باوجود اس کی دلکشی ویسی ہی تھی۔

''نہیں.....نہیں.....یہاں نہیں لانا، یہاں کچھ اچھا نہیں بن سکے گا۔'' غزل نے بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا تو شارب نے سر ہلایا۔

''شارب میں تمہیں بہت تنگ کر رہی ہوں نا۔'' غزل نے شارب احمد کی محبت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے عجیب سے احساس میں گھر کر کہا۔ اسے لگا تھا جیسے شارب اسے حد سے زیادہ، بہت زیادہ چاہت دے رہا ہے اور وہ خود کو ابھی تک اس قابل نہیں سمجھ رہی تھی۔ شارب کا اس کی خاطر رات دن کی تفریق بھلا کر یہاں موجود رہنا۔ بھاگ دوڑ کرنا، اس کا خیال رکھنا سبھی اسے اپنی طلب سے زیادہ لگ رہا تھا۔ وہ شکر گزاری کے ساتھ ساتھ احسان مند بھی ہو رہی تھی۔

''فکر نہ کرو چند دن بعد میں تمہیں تنگ کرنے والا ہوں۔ پھر تم پناہ مانگتی پھرو گی۔''

''تم بھی بس.....'' وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر جھینپ کر مسکرائی۔

''تمہیں اگر کچھ چاہئے تو مجھے بتا دو میں تھوڑی دیر کے لئے گھر جا رہا ہوں۔'' شارب نے اس کی مسکراہٹ کو دل و نگاہ میں بساتے ہوئے محبت سے استفسار کیا، جواباً وہ نفی میں گردن ہلانے لگی۔

شارب اسے خدا حافظ کہہ کر ڈاکٹر اظہر کے کمرے میں آ گیا۔

''جی ڈاکٹر صاحب آپ نے مجھے بلایا۔''

''یس آیئے بیٹھیے۔'' شارب ڈاکٹر کی میز کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ ڈاکٹر اظہر اپنے سامنے کچھ کاغذات پھیلائے گہری سنجیدگی میں مستغرق ہو گئے تھے۔

''جی ڈاکٹر اظہر آپ نے مجھے بلایا تھا۔ غزل کب تک ڈسچارج ہو گی؟''

''آج ان کے سر کا بینڈیج کھل جائے گا۔ کل آپ بے شک انہیں لے جائیں۔ ایکچوئلی میں نے آپ کو غزل کی رپورٹس کے رزلٹ کے بارے میں بتانے کے لئے بلایا ہے۔'' ڈاکٹر اظہر کے انداز سے شارب کو یکدم کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ وہ سراپا سوال بنا ڈاکٹر اظہر کی طرف متوجہ تھا۔

''اس کی بلڈ رپورٹ تو.....'' شارب سے بولنا دشوار ہو گیا۔

''کیپٹن شارب آپ اپنی منگیتر سے کتنی محبت کرتے ہیں؟'' شارب ڈاکٹر کے سوال پر بہت حیرت سے دیکھنے لگا۔

''یہ کیسا سوال ہے۔ محبت کسی پیمانے سے نہیں ناپی جا سکتی اور میری محبت کی تو نہ کوئی حد ہے نہ شمار، تو بس اتنا جانتا ہوں میں غزل کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔'' اس کی حیرتوں میں بھی اس کی محبت کی شدت عیاں تھی جو کہ سچی اور کھری تھی۔

''اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی محبت نہیں مل سکتی تو؟'' شارب کو ڈاکٹر اظہر کا پہیلیاں بجھوانا عجیب لگ رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب آپ جانتے تو ہیں ہماری شادی ہونے والی ہے، ایسا کیسے ممکن ہے۔ سبھی خوش ہیں ہماری خوشی پر۔'' شارب عجیب سی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ ذہن سے غزل کی رپورٹس یکسر نکل گئی تھیں۔

''آپ فرض کریں آپ دونوں کا ملاپ نصیب میں نہ ہو تو۔ قدرت اس میل پر خوش نہ ہو تو.....''

''ڈاکٹر اظہر آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' شارب جھنجلا کر بولا۔ ''آپ مجھے صاف صاف بتائیں کیا بات ہے۔ غزل کی رپورٹس کا رزلٹ کیا ہے؟''

ڈاکٹر اظہر اس کے متوحش انداز پر مزید کشمکش میں پڑ گئے۔

''اچھے لڑکے میں تم سے کیا کہوں؟ کیا بتاؤں.....؟ محبتوں کی انتہا کبھی کبھی جدائی کے موڑ پر آ جاتی ہے اور زندگی پل بھر میں دھوکا دے جاتی ہے۔''

شارب ان کی بڑبڑاہٹ پر چونک اٹھا۔ کسی طوفان کی آہٹ اسے محسوس ہو رہی تھی۔

''کیپٹن شارب احمد، مس غزل کی معمولی چوٹ سے طویل بے ہوشی نے مجھے کچھ فکرمند کر دیا تھا۔ تبھی میں نے ان کے مختلف ٹیسٹ کروائے تھے۔ آج مجھے جو رزلٹ ملا ہے، وہ ظاہر کرتا ہے کہ غزل کو بلڈ کینسر ہے۔''

ڈاکٹر اظہر نے بمشکل اپنی بات پوری کی۔ ان کی آنکھوں میں معصوم سی لڑکی کا چہرہ آن ٹھہرا تھا، جو اپنی زندگی کی خوشیوں کی طرف بڑھنے کی چاہ میں پہلے قدم پر ہی ٹھوکر کھائے بیٹھی تھی۔ پہلی بار کسی مریض کے حوالے سے انفارم کرتے ہوئے انہیں اذیت ہو رہی تھی اور اس اذیت نے ان کے چہرے کی دلکشی کو

جیسے مسخ سا کر دیا تھا۔

شارب جسے بے یقین سا انہیں دیکھے گیا۔ ان کی اطلاع اس کی گویائی چھین لے گئی تھی۔ اسے لگا تھا کوئی بم سا اس کے سر پر پھوٹا ہے، جس نے اس کے پرخچے اڑا دیئے ہیں یا پھر جیسے اس کا وجود آندھیوں کے زور آور تھپیڑوں سے زرد پتوں کی طرح اڑنے لگا ہے۔ اسے یکدم ہی لگا تھا، وہ گھنی چھاؤں سے نکل کر کڑی دھوپ میں آ نکلا ہے۔ چمکتے سورج کی تپش سے اسے اپنا آپ جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے اپنی زندگی جلتی ہوئی سامنے نظر آ رہی تھی، اسے محسوس ہو رہا تھا، وہ تنہا اکیلا لق و دق صحرا میں جاں کنی کا عذاب سہہ رہا ہے اور کوئی اس کا ہمدرد و مددگار بھی نہیں ہے، جو اسے دو بوند جھوٹ کے امرت ہی پلا دے اور وہ کچھ اور جی لے۔

ایک بات نے ایک لمحے نے، ایک خبر نے اسے لمحہ بھر میں ہی صدیوں کی اذیت بخش دی تھی اور وہ خود کو اس اذیت سے بچانے کی مزاحمت بھی جیسے کھو رہا تھا۔ ڈاکٹر اظہر اس کی حالت دیکھ کر قدرے فکرمند ہو گئے۔ وہ پسینے میں شرابور تھا اور متوحش تھا۔

''شارب احمد خود کو سنبھالو۔'' انہیں اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں شارب احمد کو کچھ نہ ہو جائے۔

''آپ شیور ہیں ڈاکٹر؟'' دل نے ایک ساعت میں بہت عجز سے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ڈاکٹر کہہ دے ''نہیں'' مگر دل کی پکار سے پہلے کاتب تقدیر جو کچھ رقم کر چکا تھا، اسے بدلنا آسان نہیں تھا شاید۔

''یس آئی ایم شیور.....'' ڈاکٹر اظہر کا لہجہ لڑکھڑایا۔

''ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ میرے ساتھ، مجھے خوشی دے کر وہ واپس کیسے چھین سکتا ہے؟ اس کی صفت تو دینا ہے، بانٹنا، تقسیم کرنا ہے پھر مجھ سے۔'' شارب کے اندر اس کے دکھ نے اضطراب جنوں بھرنا شروع کر دیا تھا۔

''فیک اٹ ایزی شارب احمد، ہوش سے کام لو۔ لو یہ پانی پیو۔'' ڈاکٹر اظہر نے اسے دلاسے کے ساتھ پانی بھی پیش کیا۔ اس کی تشنگی نے اسے گلاس لبوں سے لگانے پر مجبور کر دیا۔

شاید یہی میری پیاس بجھا سکے.....ایک سانس میں گلاس خالی کرتے ہوئے اس نے سوچا۔ حواس ابھی اس کے قابو میں تھے۔ سو وہ خود کو سنبھالنے لگا۔

''پلیز شارب احمد اس طرح حوصلہ مت ہارو۔'' ڈاکٹر نے اونچے لمبے کڑیل جوان شارب احمد کی گہری براؤن آنکھوں کے سمندر میں بیکراں لہروں کو متحرک ہوتے دیکھا تو اسے حوصلہ مند رہنے کی تلقین کی۔

''اس کی بیماری ابھی ابتدائی اسٹیج پر ہے۔ آئی ہوپ کہ بہتر علاج اور تمہاری بھرپور توجہ و محبت اسے اس موذی مرض سے نجات دلا دے گی۔'' ڈاکٹر اظہر نے خوش امیدی کا جیسے ناٹک اسے پلا دیا تھا۔ ابھی زندگی کی خوشیاں اس کی دسترس سے نہیں نکلی تھیں۔ ''اس اسٹیج پر یہ مرض، انجکشن اور میڈیسن کے ذریعے کنٹرول ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت میں بلڈ ٹرانسپلانٹیشن سے بھی مریض کی زندگی کو بقا مل سکتی ہے۔ یہ

طریقہ علاج بہت مؤثر ہوتا ہے، بس اس عمل میں مریض کی دل پادر کو گرون اپ کرنا ضروری ہے۔'' ڈاکٹر اظہر اسے سنبھلتے دیکھ کر اسے غزل کے علاج کے بارے میں تفصیل بتا رہے تھے۔

''مگر ڈاکٹر صاحب، میں..... میں غزل کو کس طرح بتا سکتا ہوں کہ وہ..... نہیں ڈاکٹر صاحب وہ تو سن کر ہی مر جائے گی کہ..... میں اسے اس اذیت میں نہیں دیکھ سکتا، وہ تو سنتے ہی مجھ سے دور ہو جائے گی۔ وہ کس قدر حساس ہے، یہ میں جانتا ہوں۔ میں اسے مرتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں اسے ہر صورت میں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو کیا بتاؤں وہ نہ رہی تو میں بھی.....'' شارب احمد کی آواز اس کے کرب سے رندھنے لگی تھی۔

''ایسی باتیں نہیں کرتے۔ میں نے اگر آپ کو اس کی بیماری کے بارے میں بتایا ہے، تو اس کا علاج بھی بتایا ہے۔ انشاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ اسے علاج کے لئے آمادہ کریں، مجھے امید ہے وہ صحت یاب ہو جائے گی۔'' ڈاکٹر اظہر نے شارب کی حالت کے پیش نظر اسے بہت تسلی آمیز لہجے میں سمجھایا تھا۔

''آپ نہیں جانتے ڈاکٹر صاحب اسے میری نہیں، مجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسے ٹھیک ہونا پڑے گا، اسے میرے لئے جینا ہی ہوگا۔ اس کے بغیر تو میں بالکل ادھورا ہوں۔ اس کے بنا تو میں ایسے چراغ کی مانند ہوں جس میں روشنی نہ ہو۔ ایسا پھول ہوں، جس میں خوشبو نہ ہو۔ میری تازگی و شگفتگی تو وہی ہے۔ میں اسے اس طرح خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔ اسے میرے ساتھ میری خوشیوں کا جہان آباد کرنا ہی ہوگا۔''

شارب احمد بے خود ہو رہا تھا۔ کرب کی حالت بھی اس کے جذبوں کو روک نہیں سکی تھی۔ آنکھوں میں نمی تھی۔ لہجے میں لرزش تھی۔ حالت میں نیم دیوانگی تھی اور زندگی کی ہر کٹھنائی سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ و عزم اس کے انداز سے چھلکنے لگا تھا۔ ڈاکٹر نے اٹھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ جما کر جیسے اس کے عزم و حوصلے پر اسے خاموش داد دی۔ پھر کچھ توقف کے بعد اسے مخاطب کیا۔

''شارب احمد غزل کی صحت یابی میں آپ کا یہی حوصلہ کارفرما رہے گا۔''

شارب نے خود کو سنبھالتے ہوئے سر ہلایا۔

''ڈاکٹر صاحب میری آپ سے ایک ریکویسٹ ہے۔ پلیز غزل کی بیماری کے حوالے سے میرے علاوہ کسی سے بھی ڈسکس مت کیجئے گا اور پلیز ڈاکٹر، غزل کو تو اس بات کا ایک نقطہ بھی معلوم نہیں ہونا چاہئے اس کی ٹریٹمنٹ آپ رازداری سے شروع کر دیجئے یا کسی کنسلٹنٹ کے پاس جانا پڑے گا؟''

شارب نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ غزل کی زندگی کے لئے، بلکہ اپنی زندگی کے لئے اسے حوصلہ پکڑنا ہی تھا۔ ایک پل میں وہ سوچ کی گہرائیوں سے ہو آیا تھا۔

''پرائیویٹ ٹریٹمنٹ کے لئے آپ ڈاکٹر فوزیہ راحیل سے کنسلٹ کر لیں۔ میں ان سے فون پر غزل کا کیس ڈسکس کر لوں گا۔ وہ آپ کے حسب منشا کو آپریٹ کریں گی۔''

''اوکے۔'' وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے ابھی خود کو مزید سنبھالنا تھا۔ اب اسے اپنی تمام تر ہمتوں

اور حوصلوں کے ساتھ غزل کے سامنے جانا تھا۔

وہ واپس گھر آ گیا تھا اور آتے ہی اپنے کمرے میں گھس کر کچھ دیر کے لئے خود کو بے بس چھوڑ دیا۔ زندگی ہمیشہ اس سے مذاق کرتی چلی آ رہی تھی۔ اس کی بے بسی پر قہقہے لگا کر دور کھڑی تماشا دیکھتی رہتی تھی اور وہ جب ٹوٹ کر بکھرنے لگتا تھا، تو شاید رحم کھا کر اسے سنبھالنے کے لیے کوئی نہ کوئی کمزور سہارا اس کے لئے فراہم کر دیتی تھی۔

اسے یاد آیا اس نے جب جب جس چیز یا انسان کو شدت سے اپنے لیے دیکھنا چاہا وہی اس سے دور ہو گیا۔ پہلے بھی اس کا دل خوش گماں محبت کی سنہری ڈور کی مضبوطی کو جانچے پرکھے بغیر وادی پرخار کی سیر کرتا رہا تھا۔ آسمان کی وسعتوں میں کھونے کی چاہ کرتا رہا تھا۔ آسمان کی وسعتوں میں کھونے کی چاہ کرتا رہا تھا۔ اسے ہوش تو تب آیا تھا، جب وہ سنہری ڈور بیچ راہ میں کٹ چکی تھی اور پھر وہ کٹی پتنگ کی مانند ادھر ادھر ہچکولے کھاتا رہا تھا۔ کسی بھی آسرے کی آس میں وہ لیر لیر ہونے لگا تھا، پھر محبت کی گوند نے اسے نئے سرے سے جوڑ کر چاہت کی نئی ڈور سے باندھا تھا۔ وہ پھر سے اڑنے کی چاہ رکھتا تھا۔ وسعتوں کو ناپنا اور بلندیوں کو چھونا چاہتا تھا، مگر اڑان سے پہلے ہی اسے ادراک و آگہی کی تیز ہوا نے بتا دیا تھا کہ اس کی ذات کی پتنگ سے بندھی ڈور کمزور ہی نہیں ناکافی بھی ہے۔ وہ پھر بھی اس کے ساتھ چاہت کے آسمان تک جانے کی تمنا رکھتا تھا۔ اس کے اندر امید بھی تھی اور یقین کی روشنی بھی کہ وہ اپنی محبت کے ساتھ زندگی کا جتنا سفر بھی طے کرے گا، وہی اس کی زیست کا حاصل ہوگا۔

بہت عرصے بعد وہ خدائے بزرگ و برتر کے آگے سربسجود ہوا تھا۔ اس کا روم روم سراپا دعا بن گیا تھا۔ غزل کے لئے اس کا گڑگڑانا اس کی سچی محبت کا گواہ تھا۔ جب اس نے دعا کے بعد ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے تھے، تو اسے محسوس ہوا تھا کہ اس کی دعا عرش بریں تک پہنچ گئی ہے، اس کی زندگی تک غزل اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ طمانیت و سکون نے اس کے مضطرب احساس و جنوں کو کچھ مطمئن کر دیا تھا۔ جاء نماز سے اٹھ کر وہ اپنے بستر پر آیا، تو نگاہ بیڈ سائیڈ پر رکھی غزل کی منگنی والے دن کی مسکراتی تصویر پر جا ٹھہری۔

''سوئیٹی تمہاری ذات تو اب میری امانت ہے، پھر تم نے اس موذی مرض کو اپنے وجود میں پناہ کیوں دے دی۔ کیا دکھ ہے تمہیں مجھے بتاؤ۔ میں تمہارا ہر غم اپنے وجود میں چھپا لوں گا۔ تمہارے سارے دکھ اپنے نام لکھوا لوں گا۔ تمہیں صرف میرے لئے میری محبت کی خاطر اس دشمن جاں سے پیچھا چھڑانا پڑے گا۔ ورنہ تم جانتی ہو نا، جس قدر دکھ تمہیں ہوگا اس سے بڑھ کر اذیت میں سہوں گا۔ تمہارے لبوں سے ادا ہوئی کراہ بھی مجھ پر تلوار کے وار سے زیادہ ہوگی۔ تمہیں زندگی کی طرف واپس آنا ہے سوئیٹی، ابھی تو میں نے تم پر اپنی چاہتوں کو عیاں نہیں کیا۔ ابھی تو میں نے تم سے اقرار محبت نہیں سنا، تم کیسے مجھے تشنہ و بے آب چھوڑ سکتی ہو، کیسے مجھے راہ محبت کے سفر پر تنہا چھوڑ سکتی ہو۔ سنو میری جان تمہیں اس راہ پر میرے ساتھ ہمیشہ میرے ساتھ ساتھ چلنا ہے اگر تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی، مجھے راہ میں تنہا چھوڑ دیا تو.....''

فون کی بیل نے اس کے خیالات بکھرا دیئے تھے۔ دوسری طرف کاشی تھا، جو غزل کی خیریت معلوم

کر رہا تھا۔ شارب نے بمشکل خود کو سنبھال کر اپنے ساتھ کا شان کو بھی بہلایا تھا۔

''آپ اب آ رہے ہیں؟ میں تو آپ کا انتظار کر کے اب جانے والی تھی۔'' سومیہ نے اسے دیکھ ہی شکوہ کیا۔ وہ شام ڈھلے کچھ دیر سونے کے بعد قدرے فریش ہو کر ہسپتال پہنچا تھا۔

''وہ ایکچوئلی میں کچھ دیر کے لئے سو گیا تھا۔ او کے اب تیمار دار حاضر ہے۔ آپ جا سکتی ہیں۔'' غزل کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''افوہ میں اس لیے تو آپ انتظار نہیں کر رہی تھی۔''

''پھر.....؟'' اس نے پہلے سومیہ اور پھر غزل کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''غزل ہسپتال سے جانا چاہتی ہے۔''

''وہ تو جانا ہی ہے، مگر کل صبح اور ہاں ڈاکٹر اظہر نے ایک شرط رکھی ہے۔ تمہیں گھر جا کر بھی کمپلیٹ ریسٹ لینا ہوگا۔ رونا دھونا بھی نہیں ہے اور تمہیں پراپرلی میڈیسن بھی لینا پڑیں گی۔ جب تک تمہارا ویکنس دور نہیں ہو جاتی۔ او کے۔''

''او کے۔ گھر جانے کے لئے مجھے سب کچھ منظور ہے۔'' غزل نے فوراً ہی ہامی بھری، وہ سر ہلا کر ہنسا۔

''یہ زبانی کلامی بات نہیں ہے۔ میں تم پر چیک رکھوں گا۔''

''وہ تو تم ہمیشہ ہی رکھتے ہو۔ بتانے کی کیا ضرورت ہے۔'' غزل نے چڑ کر کہا۔

''تمہیں گھر جانا ہے کہ نہیں۔'' شارب نے اسے مصنوعی طور پر دھمکایا۔

''پلیز سیز فائر۔ شارب بھائی آپ دونوں کی یہ بے سر و پیر کی لڑائی میں مجھے دیر ہو جائے گی ایکچوئلی گھر میں کچھ گیسٹ آئے ہیں۔ آپ اگر مجھے ڈراپ کر دیں تو.....'' سومیہ نے اٹھ کر ان کے درمیان جھگڑا پھیلنے سے پہلے اپنا مسئلہ بیان کیا، تو شارب فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''آف کورس، وائے ناٹ۔ تم چل رہی ہو غزل؟''

شارب نے اسے پیش کش کی تو وہ فوراً ہی تیار ہو گئی۔ ہسپتال کے ماحول سے خاصی اکتائی ہوئی تھی۔ ماسی کو وہیں رہنے کا کہہ کر وہ تینوں ہسپتال سے نکل آئے۔ سومیہ کو اس کے گھر ڈراپ کر کے کافی دیر تک وہ اس کے ساتھ سڑکیں ناپتا رہا۔ اسے مستقبل کے سہانے خواب دکھاتا رہا۔ اپنے اگلے پروگرام بتاتا رہا۔ غزل دل ہی دل میں خوش ہونے کے ساتھ اس کی باتیں خاموشی سے سن کر مسکراتی رہی۔

''غزل تمہیں میرے ساتھ بات کرتے ہوئے کیا ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی رائے نہ پسند ناپسند کا اظہار ہر بات پر سر ہلاتی جا رہی ہو اتنی بار سر ہلا کر سر نہیں دکھ رہا؟ اپنی زبان کو بھی زحمت دے لیا کرو۔'' شارب اس کی طویل خاموشی سے اکتا کر چڑے ہوئے انداز میں اسے کہہ رہا تھا۔ وہ پھر سے ہنس دی۔

''جب میں تمہاری کسی بات سے اختلاف کرتی ہوں، تب بھی تمہیں برا لگتا ہے۔ ویل مجھے تمہاری

کسی بات یا فیصلے سے کوئی اختلاف ہی نہیں ہے تو کیا کہوں اور تمہیں معلوم تو ہے میری عادت، مجھے خود بولنے سے زیادہ تمہیں سننا اچھا لگتا ہے۔''

''اور مجھے تمہیں، جب میں سفر پر نکلتا ہوں تو دل چاہتا ہے میرے ہمراہ تمہاری خوشبو بھری باتیں ہوں۔ جو میرے ایوان دل کو ہی نہیں میری سماعتوں کو بھی مہکاتی رہیں، مگر تم تو اپنی چاہت کے صندلی جھونکوں کو بھی پہرا بٹھا کر روکتی ہو۔''

غزل نے شرم سے بوجھل پلکوں کو مزید جھکا لیا۔ وہ جانتی تھی شارب اس سے اقرار محبت چاہتا ہے، لیکن اس کی حیا اس کی شرم ہمیشہ راستہ روکے کھڑی رہتی تھی۔ وہ چاہتی بھی تو شارب کی طرف بے اختیاری سے نہیں بڑھ سکتی تھی۔

''جہاں اتنا انتظار کیا ہے، کچھ دن اور نہیں کر سکتے، وقت آنے دو میری چاہت، میری محبت سبھی کچھ تمہارے لیے ہے۔''

اس کی زبان ابھی بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ بس پلکیں اٹھا کر اس نے شارب احمد کی بے کلی کو قرار دینا چاہا تھا۔ شارب بھی چند لمحے اس کی جانب دیکھنے کے بعد سر جھٹک کر رہ گیا۔ اسے صبر کا دامن پھر سے تھامنا تھا۔ دراصل اس نے اپنے اندر ابھرتے کرب کو جھٹک کر جھاڑا تھا، جو غزل کے دلکش سراپے اور رعنائی بھرے چہرے کو دیکھ کر اٹھنے لگا تھا۔

''سوئیٹی صبح سب کے سامنے کہہ نہیں سکوں گا۔ اس لیے ابھی کہہ رہا ہوں اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا۔'' وہ اسے دوبارہ ہسپتال لے آیا تھا۔

''ڈونٹ وری شارب، میں اب کیئر کروں گی، لیکن پلیز تم مجھے بار بار تنگ کرنے نہیں آنا، صرف فون الاؤڈ ہے سمجھے۔''

''یہ تو کل دیکھی جائے گی۔ تم ابھی اپنی میڈیسن لے کر سونا میں صبح آ جاؤں گا۔ او کے۔''

وہ جواباً سر ہلانے لگی۔ شارب سے کچھ کہنا سننا محال تھا۔ نجانے وہ کیوں اس کی طرف سے اس قدر فکر مند ہوا جا رہا تھا۔ غزل کو اس کی فکر مندی اچھی بھی لگ رہی تھی۔ وہ اس کی محبت کو مزید اپنے اندر اترتے محسوس کر رہی تھی۔

شارب احمد نے اپنا درد سب سے چھپا لیا تھا۔ اسے ہر حال میں غزل کو اپنے ساتھ ساتھ ہمقدم دیکھنا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کے نام لکھنے کے بعد اس کی ہمراہی کا لطف اٹھانے کے لئے سارے رستے گلاب کرنا چاہتا تھا اور اس عمل میں اس کے گھر والے بھی شریک کار تھے۔ تمام رسومات روایتی انداز میں ادا ہونی تھیں۔ لمحے لمحے کو انہوں نے بہت دلکشی سے مقید کر لیا تھا۔ غزل اپنی قسمت پر نازاں تھی۔ زندگی کے سفر کا ساتھی اسے جس چاہت سے اپنے ہمسفر کر رہا تھا، یہ عمل رشک آمیز ہی تھا۔ پھر بھی اپنوں کی کمی بار بار پلکیں بھگو دیتی تھی اور بار بار ہی شارب کا تسلی فون اسے روتے سے مسکرانے پر مجبور کر دیتا

تھا۔ رخصتی تک شارب احمد کا اسے نہ رونے کا مشورہ بلکہ وارننگ ملی تھی۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ لڑکیوں کے لیے اس وقت خود کو سنبھالنا کس قدر محال ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس جیسی لڑکی کے لیے جو اپنوں کے بجائے غیروں کے سہارے پیا دیس جا رہی ہو۔

گل آباد جھومر بنا ہوا تھا اور اس نور کی روشنی غزل بن کر گل آباد میں اتری تھی۔ اس کی پذیرائی بہت شاندار ہوئی تھی۔ سبھی کی اپنائیت نے اس کے دل سے تمام وسوسے خدشات نکال دیئے تھے جو کہ اسے اپنے تنہا ہونے کے حوالے سے ہمیشہ رہے تھے۔

شارب احمد کی بہنوں، بھانجے، بھانجیوں اور خصوصاً جینی کے محبت آمیز رویوں نے اسے جیسے بہت بڑی دولت دے دی تھی۔ وہ سب اس کے کمرے میں جمع اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے اور خود بھی آپس میں الجھ رہے تھے۔ تابش اور تابعہ کے لئے یہ سب بالکل نیا اور دلچسپ تھا۔ خصوصاً اپنی می می یعنی غزل کا حیا بار رویہ اور شارب ماموں کی بے چینیاں و بے تابیاں۔

پھر تمام دوریاں، فاصلے مٹائے اور بے تابیوں کے قرار کے لئے شارب احمد سب کی ڈیمانڈز پوری کر کے اس کے مدمقابل تھا۔ اس کے جذبوں میں آج ایک نئی ترنگ اٹھی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھا حسن مجسم صرف اس کی ملکیت تھا۔

آج اسے اپنے دل کی باتیں کہہ دینے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ غزل کی شرم و حیا بھی نہیں۔ غزل نے بوجھل پلکوں کو جنبش دے کر اس کی جانب دیکھا تھا، جہاں اس کے چہرے پر خوشیوں کا عکس تھا۔ من کی مراد پانے کی آسودگی تھی اور یہی آسودگی غزل کو آسودہ کرتی چلی گئی۔ آج کی رات وہ بھی شارب احمد سے اقرار محبت و وفا کرنے میں جھجکی نہیں تھی۔ زندگی اس قدر خوب صورت ہو جائے گی انہیں کب خبر تھی۔ شارب کے لئے تو ویسے بھی زندگی کی ہر رعنائی کا نام غزل ہو گیا تھا۔

غزل کو سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسے یکدم ہی گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا، جیسے کسی نے اس کے وجود میں اترنے والی آکسیجن کو روک کر اس کی ناک اور منہ کو بھی بند کرنے کی کوشش کی ہو۔ وہ مزاحمتی انداز میں بوکھلا کر اٹھی تھی۔ اس کے پہلو میں لیٹے کچی نیند کے زیر اثر شارب کو اس کی مزاحمت سے لگنے والے ہاتھ پاؤں نے جگایا تھا۔ پہلے تو اسے بھی کچھ سمجھ نہیں آئی تھی، جیسے ہی اس کی نظر غزل پر پڑی، تو وہ جیسے سہانے خواب سے جاگا تھا۔ شادی کے بعد کے یہ دس دن جس خوب صورتی اور دلکشی کے حامل رہے تھے، اس میں شارب بھی جیسے اپنے دل میں چھپے درد کو فراموش کر چکا تھا اور اب غزل کی حالت دیکھ کر اسے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا تھا۔ وہ فوراً اسی طرح غزل کو اٹھا کر ڈاکٹر اظہر کے ہسپتال لے آیا تھا۔ غزل کو ڈاکٹر اظہر نے فوری طبی امداد دینے کے بعد اپنا مؤقف پھر سے دہرایا تھا۔

''شارب احمد آپ اپنی مسز کی ٹریٹمنٹ فوری شروع کروائیں۔''

''جی ڈاکٹر صاحب! آپ میری ڈاکٹر فوزیہ راحیل سے اپائنٹمنٹ لے دیجئے۔ میں صبح ہی ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کیا غزل کی ایسی کنڈیشن بار بار ہوگی؟'' شارب احمد بہت فکرمند تھا۔

''نہیں ایسا ارلی اسٹیج میں ہوتا تو نہیں، بلکہ مریض میں اگر جینے کی لگن ہو تو بہت بعد تک بھی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔ آئی تھنک مسز غزل کی ایسی کنڈیشن کا ریزن کوئی خواب بھی ہو سکتا ہے، یا پھر لاشعور میں بیٹھا کوئی خوف۔ غزل کی طبیعت سنبھل جاتی ہے، تو ہم پوچھ لیتے ہیں۔ ویسے میرا مشورہ یہی ہے آپ فوری علاج شروع کرائیں۔ انشاء اللہ سب بہتر ہوگا۔'' ڈاکٹر اظہر کی تسلی نے اسے خاصا حوصلہ دیا تھا۔

''کیا ہوا تھا لٹل گرل۔'' ڈاکٹر اظہر نے اپنے مشفق انداز میں پوچھتے ہوئے اس کی دل کی دھڑکن چیک کرنے کے ساتھ نبض بھی ٹٹولی، وہ اب کافی بہتر تھی۔ بس دل کی دھڑکن معمول سے کچھ تیز تھی۔

''شاید میں نے کوئی بُرا خواب دیکھا تھا۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔ مجھے لگا تھا تایا زمان نے مجھے پانی میں پھینک دیا ہے اور مجھے تیرنا نہیں آتا۔ کوئی مجھے بچا ہی نہیں رہا۔'' غزل نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے بہت سوچ سوچ کر بتایا۔

''ڈونٹ وری کبھی کبھی ایسے خواب آ ہی جاتے ہیں، لیٹ کھانا مت کھایا کرو، ہیوی ڈائٹ بھی مت لیا کرو۔ میں شارب سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ کوئی خواب ہی ہوگا اور فریش جوسز کا استعمال بڑھا لو، تمہیں شارب نے بتایا نہیں تمہیں کافی ویکنس ہے۔ خون کی کمی بھی ہے۔ بے بی اپنی کیئر کرو۔'' ڈاکٹر اظہر نے اپنے روایتی پیشہ وارانہ انداز میں اسے مشورہ دیا۔ وہ سر ہلانے لگی۔

''بلکہ شارب آپ ایسا کرو کل اسے ڈاکٹر فوزیہ کے پاس لے جاؤ، خواتین، خواتین کی پرابلم اچھی طرح سمجھ بھی لیتی ہیں اور سولو بھی کر لیتی ہیں۔'' شارب نے تشکر بھری نظروں سے ڈاکٹر اظہر کو دیکھا۔ اسے ان کے تعاون کی ہی ضرورت تھی، ورنہ غزل کو علاج کی طرف لانا اس کے لئے بے حد مشکل تھا۔

''سوئیٹی اگر تمہارے لاشعور میں کوئی بات یا خوف ہے تو مجھ سے شیئر کر لو۔'' ہسپتال سے گھر واپس جاتے ہوئے شارب بہت محبت سے کہہ رہا تھا۔

''کوئی بات بھی نہیں ہے شاری اور تمہاری محبت پا کر تو مجھے کسی کا خوف بھی نہیں رہا۔ بچپن میں کبھی اس طرح کے خواب تنگ کرتے تھے۔ بہت عرصے کے بعد مجھے اس طرح فیل ہوا ہے۔ شاید ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ رات جینی کے گھر کتنی دیر سے کھانا کھایا تھا اور ساری ڈشز رچ تھیں۔ پھر میں نے واپس آ کر واک بھی نہیں کی تھی۔'' غزل نے شارب کو مطمئن کرنا چاہا۔

''ٹھیک ہے کل سے جلدی کھانا کھا لیں گے۔ ویسے بھی میری دو چار ہی چھٹیاں رہ گئی ہیں۔ تم اپنی صحت پر توجہ دو، پھر میں ہنی مون کے لئے مزید چھٹیاں لوں گا۔ ڈاکٹر اظہر نے جیسا کہا ہے ویسے عمل کرو۔'' شارب نے گاڑی کی اسپیڈ ذرا بڑھا کر کہا۔

''ڈاکٹر اظہر تو ایسے ہی میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اچھی بھلی تو صحت ہے میری اور یہ ڈاکٹر فوزیہ کے پاس میں کیوں جاؤں گی؟'' غزل نے چڑتے ہوئے جھنجلا کر استفسار کیا۔

''لیڈی ڈاکٹر ہیں۔ تمہیں اچھی طرح سے ٹریٹ کریں گی اور سنو ہماری صحت کے بارے میں ہمارے ڈاکٹرز زیادہ بہتر جانتے ہیں، اس لیے کوئی بحث نہیں۔ جیسا ڈاکٹر کہیں گے تمہیں ماننا پڑے گا۔'' شارب نے قطعی لہجے میں اسے چپ کرایا۔

''شاری مجھے کوئی سیریس ڈیزیز تو نہیں ہے، جو تم اتنے پریشان ہو؟''

''خدانہ کرے کہ تم کبھی سیریس بیمار ہو۔ سنو جانو میں تمہاری معمولی سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آج تمہاری جو کنڈیشن تھی، اس نے میری جان نکال لی تھی۔ ڈاکٹر اظہر جب کہہ رہے ہیں کہ تمہیں ڈیکلنس ہے، تو تمہاری ڈیکلنس دور کرنے کا علاج تو ضرور ہونا چاہیے۔''

شارب کے محبت سے لبریز لہجے پر وہ اسے دیکھے گئی۔ اتنی شدید محبت کا ارمان اس نے کب کیا تھا۔ رات کے تیسرے پہر اس کا دل شارب کی محبت و توجہ کے لیے اپنے رب کا شکر گزار تھا۔ جس نے زیست کے جلتے سفر میں آخر اسے گھنی چھاؤں کا مکمل احساس دے ہی دیا تھا۔

''اور سنو اگر گھر میں اس وقت کوئی جاگ گیا ہوگا، تو مت بتانا کہ ہسپتال سے آرہے ہیں۔ پاپا اور پھوپو ایسے ہی پریشان ہو جائیں گے۔''

شارب نے بہت ہلکا ہارن دیا۔ چوکیدار کے گیٹ کھولتے ہی وہ گاڑی اندر لے آیا۔ مہمان تو سبھی جا چکے تھے، بہنیں بھی اپنے اپنے سسرال گئی ہوئی تھیں۔ شارب بہت محتاط ہو کر اوپر والی منزل میں اپنے کمرے میں اس کے ساتھ داخل ہوا۔ شادی سے پہلے اس کا کمرا نیچے ہی تھا۔ شادی کے لیے اس نے اوپر والی منزل کو اپنے لیے اپنی پسند اور سہولت کے لیے سیٹ کروایا تھا۔

اگلی صبح ہی وہ پہلے خود ڈاکٹر فوزیہ راحیل سے ملا تھا اور غزل کے بارے میں ان سے رازداری کا وعدہ لیا تھا۔ وہ غزل کو ہر حال میں اس کے اندر پنپتے گاڑے اس خونی مرض سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ غزل وقت سے پہلے ہی جینے کی امنگ چھوڑ دے۔ وہ اسے ہر حال میں اس ذہنی اذیت سے بچانا چاہتا تھا، جو اسے اپنے مرض کے بارے میں جان کر ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر اظہر کے ریفرنس کی وجہ سے ڈاکٹر فوزیہ نے اس کے ساتھ تعاون اور مدد کا وعدہ کر لیا تھا اور پھر بہت بہتر انداز میں ڈاکٹر فوزیہ نے غزل کو چند ماہ کے لیے کچھ ادویات استعمال کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔

شارب احمد کی فکر دیکھتے ہوئے غزل نے خاموشی سے دوا لینا شروع کر دی تھی اور ساتھ ہی گل آباد کے معمولات میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ شارب کے علاوہ پھوپو نے بھی منع کیا تھا، مگر اب اسے بھی سب کی خدمت کا موقع چاہیے تھا۔ اس کے نزدیک تو سب کی محبت کے جواب میں اپنی ساری توجہ بھی کم پڑتی لگتی تھی۔ پاپا جب اسے بیٹی کہہ کر چائے کی فرمائش کرتے اس کا سیروں خون بڑھ جاتا۔ پھوپو جب اسے محبت سے سمجھاتیں کہ کس کو کس وقت کیا چاہیے، تو وہ سرشار ہو جاتی۔ خصوصاً وہ شارب کے حوالے سے اس کی پسند ناپسند سے اسے آگاہی دیتی رہتی تھی۔ شارب کی پسند کے سانچے میں ڈھلنا ہی

تو اس کا مقصد حیات تھا۔

''سوبیٹی شادی کے بعد صبح میری پہلی فلائٹ ہے۔ دعا کرنا کہ میں خیریت سے لوٹ آؤں۔''

غزل عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد دعا میں مصروف تھی۔ شارب نے اس کی دعا کو طویل ہوتے دیکھ کر شرارتی لہجے میں مداخلت کی۔ غزل نے فوراً ہی ملامتی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر آمین کے بعد منہ پر ہاتھ پھیر کر جاء نماز اٹھاتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

''کتنی بار کہا ہے دعا میں مت ٹوکا کرو اور تمہیں کیا لگتا ہے، میں تمہارے بارے میں دعا نہیں کرتی؟'' ابھی تک وہ خفا سی تھی۔

''میرے بارے میں یا میرے لیے۔'' شارب نے اس کی غلطی پکڑی۔

''تم بس میری غلطی نکالتے رہا کرو، بات سمجھ آ گئی تھی تو ٹھیک ہے نا۔'' وہ اس وارڈ روب کی طرف بڑھتے ہوئے اسی انداز میں بولی۔

''بات تو سمجھ آ گئی تھی مگر تمہارا انداز کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ مجھ سے لڑنے کو دل چاہ رہا ہے؟''

''یہ کیسی باتیں کرتے ہو تم، میرا تم سے کیوں لڑنے کو دل چاہے گا۔'' وہ اس کا یونیفارم لے کر مڑی پھر کمرے میں ہی موجود منقش لکڑی کے کام والے مختصر سے ڈریسنگ ایریا کی بریکٹ پر اس کا یونیفارم ٹانگ دیا۔

''اتنے دنوں بعد تم سے جدا جو ہونے لگا ہوں۔''

''یہ تو رومینٹک لائف ہے نا۔ اس میں لڑنے کی کیا بات ہے۔ شوہر کما کر نہیں لائے گا، تو بیوی عیش کیسے کرے گی۔'' وہ دل کھول کر ہنسی۔ شارب کو چھیڑ کر اس کا سارا چہرہ جگمگا اٹھا تھا۔ شارب نے دل میں اس کی مسکراہٹوں کے ہمیشہ رہنے کی دعا مانگی۔

''میری بیوی نے کیا عیش کرنے ہیں۔ نہ آؤٹنگ کا شوق ہے تمہیں اور نہ شاپنگ کا۔ تین وقت کا کھانا بھی شاید میری خاطر کھا لیتی ہو۔'' شارب آرام سے اپنے بستر پر دراز ہوا۔

''تمہاری خاطر کیوں، اپنی صحت کے لیے کھاتی ہوں اور تم بھول رہے ہو میرا پینٹنگ کا شوق ہی بہت مہنگا ہے۔ جب امی زندہ تھیں، تو بہت مشکل سے مجھے کلرز لے کر دیتی تھیں۔ کالج میں بھی تایا جی سے بہت منتیں کر کے پیسے لینا پڑتے تھے۔ پھر بھی مجھے کلرز اور برشز لینے کے لیے دو تین ٹیوشن دینا پڑتی تھیں۔ امی سمجھاتی رہتی تھیں کہ یہ امیروں والے شوق چھوڑ دوں۔ حالانکہ شاری ہم غریب تو نہیں تھے۔ بابا کی بھی زمینیں تھیں، کھیت تھے، مویشی تھے، حویلی تھی ہماری پھر بھی.....'' وہ روانی میں ماضی میں بہہ گئی تھی۔

''بس..... بس ساری تلخیاں بھلا دو، اپنے ہاتھ سے تم نے انہیں اپنا حق لکھ کر دیا ہے۔ اپنے دل میں کوئی ملال مت رکھو، یہاں جو کچھ بھی ہے ہمارا ہے، تمہارا ہے۔ تمہارے سارے شوق میں پورے کروں گا۔ تمہیں جب جس چیز کی طلب ہو، مجھے بس اشارہ کرنا میں حاضر کر دوں گا۔ تمہیں بس اپنا خیال رکھنا ہے پلیز خود کو ماضی کے ملال میں کبھی مت رکھنا۔ تمہاری زندگی میرے ساتھ ہے۔ تمہارا ماضی، حال، مستقبل میں ہوں، میری محبت میری چاہت اسے ہی اپنا سرمایہ حیات سمجھو باقی سب بھلا دو۔''

غزل حیرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ شارب کی محبت دن بدن شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے ایک پل کے ملال کو بھی سہنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

"شاری میں نے تو ایسے ہی بے دھیانی میں کہہ دیا تھا۔ میرا سب کچھ تم سے ہی تو وابستہ ہے۔ اچھا سب چھوڑو اور سونے کی تیاری کرو۔ اگر صبح لیٹ ہو گئے، تو مسافروں کے ساتھ اسٹاف بھی صلواتیں سنائے گا۔"

غزل نے اپنے ساتھ اسے بھی کچھ دیر پہلے کی باتوں کے اثر سے نکالنا چاہا۔ سکھ کے موسم کو اپنی زندگی پر سایہ فگن دیکھ کر وہ اندر باہر سے سرشار ہو گئی تھی۔

***

"یہ مسٹرڈ ساڑھی کیوں پہنی ہے تم نے۔ کوئی اور ساڑھی نہیں ہے تمہارے پاس۔" اپنی تیاری کے بعد اس کی نظر اپنے بالوں کی چوٹی گوندھتی غزل پر پڑی وہ اسے ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہی تھی۔ مسٹرڈ ساڑھی کے بارڈر پر براؤن ریشم کی خوب صورت ایمبرائیڈری کی ہوئی تھی اور غزل پر سج بھی بہت رہی تھی۔

"کیوں اچھی نہیں ہے کیا؟ تم ہی تو لائے تھے اپنی پسند سے۔" غزل نے یکدم گھبرا کر اپنے ہاتھ روک کر پوچھا۔

"اچھی ہے تبھی تو کہہ رہا ہوں دوسری پہنو، یہ والی میرے آنے پر پہننا۔" شارب نے اسے دلچسپی سے دیکھا، تو وہ اس پر برش اچھال کر رہ گئی۔

"ایک منٹ میں میری جان نکال لیتے ہو۔ چلو اب آرام سے، دیر ہو جائے گی تمہیں۔" وہ اس کا بازو کھینچتی نیچے کی طرف بڑھی۔

"میں تم سے آ کر پوچھوں گا۔ مجھ سے ایک دن کی جدائی کا ایکسپرینس کیسا رہا۔ آئی نو میرا تو بہت برا حال ہوگا۔ جب شیزی کی شادی کے بعد پہلی فلائٹ تھی، تو میں نے اسے بہت فول بنایا تھا۔ اب دیکھنا وہ میرا ریکارڈ لگائے گا۔ صبح سے تین فون تو کر چکا ہے۔ بار بار میسج لکھ بھیجتا ہے کہ "آنکھ کھلی کہ نہیں، نیند پوری ہوئی کی نہیں۔" شارب نے سیڑھیاں اترتے ہوئے اپنے موبائل پر آنے والے میسج کو پڑھنے کے بعد غزل کو اپنی بے تابی کا حال سنایا۔

"یہ تو پہلے ہی سوچنا چاہیے کہ دوستوں کو اپنے مذاق کا نشانہ بنانے کے بعد آپ کیسے بچ سکتے ہیں. ویسے میں آپ کو وارن کر رہی ہوں مسٹر، کیئرفلی فلائنگ کرنا۔ کل صبح انشاء اللہ واپس آ جاؤ گے۔ مجنوں بننے کی ضرورت نہیں ہے، بی پریکٹیکل۔"

"میں تمہاری نصیحتوں پر تب عمل کروں گا، جب تم میری باتیں مانو گی۔"

"کیا باتیں؟"

وہ اب کچن میں آ گئے تھے۔ غزل نے فریج سے اپنے اور اس کے لئے جوس نکال کر گلاسوں میں

انڈیلا۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ فریش جوس نکال کر رکھ گئی تھی۔

"تم نے پراپرلی میڈیسن لینی ہیں۔ کھانا بھی گول نہیں کرنا۔ پھوپو کے ساتھ شیئر کر لینا، بلکہ ان کے ساتھ ٹائم گزارنا تمہاری ذمہ داری رہنا۔ میں تمہیں فون کرتا رہوں گا۔"

"شاری تم ایک دن کے لیے جا رہے ہو۔ اچھا بابا میں نے تمہاری ساری نصیحتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے پلو میں باندھ لی ہیں۔ تم میری طرف سے بالکل بے فکر ہو کر جاؤ۔ تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا، خوش۔" وہ شارب کی خفگی سے ڈر کر فوراً ہی مصلحت سے بولنے لگی تو شارب بے اختیار ہنس دیا۔

"خوش بہت خوش۔ ہمیشہ اتنی سعادت مند رہنا۔" پھوپو بھی اٹھ چکی تھیں، انہیں آتے دیکھ کر شارب نے انہیں مخاطب کیا۔ "السلام علیکم پھوپو۔ غزل مجھے ڈراپ کرنے جا رہی ہے۔"

"وعلیکم السلام، خیریت سے جاؤ، ناشتا کیا؟"

"ناشتے کے نام پر آپ کی بہو نے ایک گلاس جوس پر ٹرخا دیا ہے۔"

"شارب...... پھوپو جان یہ خود ہی کہہ رہے تھے صبح صبح کچھ نہیں کھاتے اور اب۔" شارب کی شرارت پر وہ روہانسی ہو گئی۔

"صبح صبح کیا یہ تو بعد میں بھی کھانے پر تیار نہیں ہوتا۔ میں ہی زبردستی کرتی ہوں۔ اچھا جاؤ بچو دیر ہو جائے گی۔ آؤ گی تو اکٹھے ہی ناشتا کرتے ہیں۔"

"پھوپو آپ کو اس کے ساتھ بھی زبردستی کرنا پڑے گی۔ پلیز پھوپو جانی اپنے ساتھ اس کا بھی خیال رکھنا۔" وہ ان کے گلے لگ کر سرگوشی میں بولا۔

"تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے بچے، ہمیں معلوم ہے اپنی بچی کو کیسے سنبھالنا ہے۔ جاؤ اللہ کی امان۔" پھوپو نے محبت سے تھپک کر انہیں رخصت کیا۔

***

شارب صحیح کہہ رہا تھا۔ اتنے دنوں تک شارب کے ساتھ رہنے کے بعد پھر سے اکیلا ہونا خاصا صبر آزما تھا۔ پھوپو اور پاپا کی خاطر وہ کھاپی رہی تھی۔ روٹین کے کاموں میں مشغول تھی۔ دل پھر بھی بے کل سا تھا۔ ابھی سے اس نے شارب کی آمد کے پل گننا شروع کر دیے۔ انتظار کی کلفت کا مزا لیتے ہوئے بھی ایک کسک مسلسل دل میں چبھ رہی تھی۔ بہت سی ان کہی باتیں کہنے کو دل چاہ رہا تھا۔ دوری سہنا کس قدر مشکل امر تھا، اسے اب احساس ہو رہا تھا۔ پھوپو اس کی کیفیت بھانپتے ہوئے اسے بہلانے کی خاطر کاشان ولاز لے آئی تھیں۔ جہاں آ کر وہ واقعی بہل گئی تھی۔ شرمین اور کاشان کی نوک جھوک سے کافی لطف اندوز ہوئی تھی۔ کاشی تو شارب کے حوالے سے اسے بھی چھیڑ رہا تھا۔

"بھابی آپ یہاں اس کے بغیر بے چین ہیں، مگر وہ تو وہاں ایئرہوسٹس کے ساتھ مزے میں ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں اتنی سی دیر کے لئے انہیں سب کچھ معاف ہے۔" غزل کو معلوم تھا کاشان مذاق

کر رہا ہے۔

''غزل تم اتنی سی دیر کے لیے بھی ڈھیل دے کر پچھتاؤ گی۔ تمہیں معلوم نہیں مردوں کو تو موقع ملنا چاہیے۔ محبوبہ کو بیوی بناتے ہی نئی محبوبہ کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔'' شرمین نے جیسے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''شرمین مجھے معلوم ہے۔ شارب میری ڈھیل سے کبھی فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ میں شارب کی بیوی ہی نہیں دوست بھی ہوں۔ ان کی کمزوریوں کو بھی اچھی طرح جانتی ہوں، اگر کوئی مجھے کہے کہ شارب فلاں لڑکی کے ساتھ ہے، یا پھر میں اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لوں تو بھی مجھے یقین نہیں آئے گا۔''

''غزل اتنا یقین بھی اچھا نہیں ہوتا۔ بڑے چکر باز ہوتے ہیں یہ لوگ۔ میں تو کاشی پر ایک منٹ کا بھی اعتبار نہیں کر سکتی۔ تم تو بیوی والے انداز میں سوچتی ہی نہیں ہو۔''

''شرمین بے بنیاد باتوں کو ایشو بنا کر اختلافات بڑھانے کا کیا فائدہ۔ ہمارے ہاں بہت سی شادی شدہ خواتین اپنی اسی بے وقوفی کی وجہ سے اپنا مقام کھو دیتی ہیں، ورنہ اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں تو کبھی بھی شوہر اور بیوی کے درمیان اختلافات نہ بڑھیں۔ رہی میری سوچ اور یقین کی بات میں جانتی ہوں، کاشی بھائی مذاق کر رہے ہیں۔''

شرمین حیرت سے اسے دیکھے گئی۔ غزل بھرپور اعتماد سے کہہ رہی تھی۔ اس کے دل کی سچائی چہرے پر بھی پھیلی ہوئی تھی۔ شرمین نے پہلی بار کسی لڑکی کے ایسے خیالات سنے تھے۔ شوہر کے لیے ایسی اعلیٰ ظرفی رکھنے والی لڑکی ٹھوس حقیقت بن کر اس کے سامنے مجسم تھی۔

''بھابی وہ تو میں نے مذاق کیا تھا، لیکن آپ کو شاید یہ خبر نہیں ہے کہ کالج اور یونیورسٹی لائف میں آپ کے شوہر نامدار کے پیچھے کتنی مہ جبینیں تھیں اور.....'' کاشی نے اسے بھڑکانے کی ایک اور کوشش کی۔ اسے بھی غزل کا تحمل دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔

''کاشی بھائی لگتا ہے آپ میری اور شارب کی لڑائی کروا کر چھوڑیں گے۔ آنے دیں ذرا انہیں، میں اچھی طرح پوچھوں گی، کہ آپ کتنی نازنینوں کے پیچھے تھے۔'' غزل نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

''بلکہ ان سب کے نام بھی پوچھنا غزل۔ بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ.....'' شرمین نے اپنی بدگمانی کا برملا اظہار کیا۔

''یعنی بہت ہو گیا۔ کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔'' کاشی نے خفگی کے معمولی سے تاثر کے ساتھ اپنی بیوی کو ٹوکا۔

''دیکھا غزل اپنا نام آیا تو خفگی دکھائی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے تمہیں ورغلایا جا رہا تھا۔''

''ڈونٹ وری شرمین بھابی میں کسی کے بہکاوے میں نہیں آنے والی۔ ویسے بھی شارب نے مجھے اپنے افیئرز کے بارے میں بتا رکھا ہے۔''

''یعنی کے بارے میں بھی؟''

شرمین کا استفسار بے ساختہ تھا، اگلے ہی پل اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا۔ ابھی تک بات

مذاق میں چل رہی تھی۔ کاشان نے اپنی بیوی کو اس بار خاصی خفگی سے دیکھا تھا۔ غزل کو کشیدگی کا احساس ہو رہا تھا۔ دونوں کو اس اثر سے نکالنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

''شارب کا وہی تو ایک افیئر تھا۔ وہ بھی ون سائیڈڈ تبھی تو بیل منڈھے نہیں چڑھی۔ میں تو شارب کو چھیڑتی ہوں کہ آپ میں کسی لڑکی کو امپریس کرنے والی بات ہے ہی نہیں، یہ تو میں ہی تھی جو بنا سوچے سمجھے امپریس ہو گئی۔''

''بھابی اب ایسی بات بھی نہیں ہے، میرے دوست سے تو سینکڑوں امپریس تھیں۔ وہی بس اپنی شرافت میں سب کو ڈس کریج کرتا رہا ہے۔ ایک بار تو بے چارا اپنی کلاس فیلو کے ہاتھوں برا پھنسا تھا۔ ایک دوبارا۔ اپنے نوٹس کیا دے دیئے، موصوفہ تو نجانے کیا سمجھی، پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔''

''دیکھا شرمین بھابی اب خود ہی دوست کی شرافت کی گواہی دی جا رہی ہے۔ میں اگر ان کی باتیں سن کر شارب پر بھڑک جاتی، تو اپنا ہی نقصان کرتی نا۔'' غزل نے فوراً ہی شرمین پر اپنا یقین و اعتبار ثابت کرنے کی کوشش کی، پھر دلچسپی سے استفسار کیا۔

''کاشی بھائی وہ موصوفہ کامیاب ہوئی تھی کہ نہیں؟''

''اگر شاری انجانی رقیبہ نہ اپناتا تو وہ کامیاب ہی تھی۔ سبھی اس کی باتوں پر یقین کر رہے تھے اور اس کی ٹھوس وجہ بھی تھی۔ شارب کا ایک رومال، ایک پین اور ایک وائٹ گولڈ کا چھلا محترمہ کے پاس بطور ثبوت تھا، جو کہ آنٹی گل مہر کا (شارب کی مما) تھا۔ محترمہ کا دعویٰ تھا کہ شارب نے انہیں بطور ہمسفر چن لیا ہے، جب کہ یہ موصوف ہر بات سے بے خبر تھے اور خبر ہونے پر حیران و پریشان ہوا اٹھے تھے۔ اس وقت تو ہمیں لگ رہا تھا، کہ ایکٹنگ کی جا رہی ہے۔ اس لیے سبھی دوستوں نے مبارک باد دینے کے ساتھ ٹریٹ کا مطالبہ بھی کر دیا تھا۔ اُف شاری کا غصہ مجھے ابھی تک نہیں بھولتا، بے چاری کو ساری کلاس کے سامنے بے عزت کر کے رکھ دیا تھا۔ ویسے بھابی ہم دوستوں کا مشترکہ خیال تھا، کہ دال میں کچھ کالا ہے ضرور، ورنہ شاری کی چیزیں اس کے پاس کیسے پہنچیں۔''

''آپ شارب کے اتنے کلوز تھے، آپ کو نہیں معلوم ہوا کیسے شارب کی چیزیں اِدھر اُدھر ہوئیں۔'' غزل کی دلچسپی برقرار تھی۔

''بھابی اس قسم کے معاملات میں پہلے کلوز فرینڈز ہی تو دور ہوتے ہیں۔''

''چہ..... چہ آپ اپنے ہی دوست سے بدگمان تھے۔ ورنہ آپ کو تو فوراً جان لینا چاہیے تھا، کہ شارب کی وہ چیزیں کیسے حاصل کی گئیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے اس لڑکی کو وہ چیزیں اتفاقاً مل گئی ہوں گی۔ شارب کو ویسے بھی اپنی چیزوں کی کیئر نہیں ہوتی۔ ورنہ اگر شارب نے خود سے وہ چیزیں دی ہوتیں، تو کبھی نہ مکرتے نہ ہی پیچھے ہٹتے۔''

''غزل خدا کے لیے مجھے اتنا حیران مت کرو، پتہ ہے تمہارے جانے کے بعد کاشی نے مجھے تمہاری مثالیں دے دے کر پریشان کرتے رہنا ہے۔ بی بی ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ اس لیے اتنا اعتبار قائم ہے۔ ایک آدھ سال گزرنے دو پھر پوچھوں گی۔'' شرمین نے برملا اپنی حیرت کا اظہار کر کے اسے آئندہ

سے خبردار کرنے کی کوشش کی۔

''شرمین بھابی شارب کے بارے میں میرے خیالات کبھی نہیں بدل سکتے۔''

اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ پھوپو کاشان کی ممی کے پاس سے اٹھ کر آ گئی تھیں اور اسے گھر چلنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔

''پھوپو جان آج ڈنر ہمارے ساتھ کریں۔'' شرمین نے انہیں خلوص سے روکا۔

''نہیں بچے پھر سہی۔ بھائی جان آ گئے ہوں گے۔''

''تو انکل کو بھی اِدھر لے آتا ہوں میں۔''

''ٹھینک یو کاشی بھائی۔ شارب کا فون بھی آنا ہے، ورنہ ہم ضرور رکتے۔'' غزل نے سہولت سے معذرت کی۔

''شارب بھائی واقعی بہت لکی ہیں۔ شکر ہے عینی سے ان کی جان چھوٹ گئی۔ عینی کا فون آیا تھا۔ بتا رہی تھی کہ شعیرہ شوہر سے پھر روٹھ کر کافی دنوں سے خالہ جانی کے پاس رہ رہی ہے۔ ایک دن عینی کے پاس بھی جا کر رہی ہے۔ اس کا شوہر کیسے روز روز اس کا روٹھنا افورڈ کر لیتا ہے۔''

غزل کے جاتے ہی شرمین نے کاشان سے اظہار خیال شروع کر دیا، جس میں غزل کے لیے توصیف اور صعیرہ کے لیے تحقیری تھی۔

''یار بیوی کو منانا تو پڑتا ہی ہے۔ وہ افورڈ کر سکتا ہوگا، تبھی بار بار روٹھنے دیتا ہے، تم کیوں فکر میں دبلی ہو رہی ہو۔'' کاشان نے موضوع بدلنے کے لیے اپنی بیوی کو چھیڑا اور وہ واقعی اس سے اپنے شکوے شکایتیں دہرانے لگی۔

''میری غیر موجودگی میں تم اپنی طرف سے لاپروا کیوں ہو جاتی ہو۔'' وہ تین دن بعد گھر آیا تھا اور آتے ہی اسے غزل کو بخار اور فلو ہونے کی خبر نے پریشان کر دیا تھا۔ اپنی خفگی بھلا کر وہ اس کے لیے فکر مند ہوا جا رہا تھا اور ڈاکٹر فوزیہ راحیل سے اس کی کیفیت بیان کر رہا تھا، فوزیہ راحیل نے اپنے گھر سے قریب کلینک میں اسے لانے کو کہا تھا۔

''شارب موسمی بخار اور فلو ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو۔'' غزل اس کی پریشانی دیکھ کر زچ ہو رہی تھی۔

''میڈیسن لو گی تو ٹھیک ہو گا نا' چلو اٹھو ہم ابھی ڈاکٹر کے پاس چل رہے ہیں۔''

''اتنی رات کو؟ ابھی تو تھکے ہوئے آئے ہو تم' صبح چلیں گے۔ پھوپو جان نے مجھے جوشاندہ بنا کر دیا تھا۔ اب میں کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ پلیز تم آرام سے سو جاؤ۔''

''میں تمہیں کہہ رہا ہوں نا اٹھ جاؤ۔'' شارب نے اس کی ان سنی کر کے گاڑی کی چابی میز سے اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔

''شارب تم ضد کیوں کر رہے ہو۔ وائرل انفیکشن ہے' پہلے پاپا پھر پھوپو اس کی لپیٹ میں آئی تھیں اور اب میں۔ تھوڑی کیئر کروں گی، تو کل پرسوں تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' فلو اور بخار نے جسم سے جیسے طاقت کھینچ لی تھی، اس کا اُٹھ کر کہیں جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''وائرل انفیکشن کے لیے بھی اینٹی بایوٹیک لینی پڑتی ہیں اور کل پرسوں کی نہیں' ابھی کی بات کرو، میں تمہیں ابھی ٹھیک دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا بابا لے لوں گی اینٹی بایوٹک بھی۔ پتہ نہیں تمہیں میری ذرا سی تکلیف پر ہی مجھے ڈاکٹرز کے حوالے کرنے کا کیا شوق ہے۔ لوگ ڈاکٹرز سے پناہ مانگتے ہیں اور تم.....'' غزل جھنجلا کر بولتے بولتے پھر چیخنے لگی تھی۔

''سوئیٹی جب ہر بیماری کا علاج ہے، تو پھر خود کو تکلیف میں کیوں رکھا جائے۔ اٹھا نہیں جا رہا تو میں اٹھا کر لے چلتا ہوں۔''

''یہاں ارد گرد کوئی اور ڈاکٹر نہیں ہے۔ ایک ڈاکٹر فوزیہ ہی رہ گئی ہے میرے لیے۔ تمہیں اس پر اتنا ٹرسٹ کیوں ہے۔'' غزل شال لپیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مجبوری تھی شارب سر پر سوار تھا۔

''اوں ہوں..... وہ تمہاری مسیحا ہے۔ اس کے لیے بدگمانی اچھی بات نہیں ہے۔'' شارب نے مسکراتے ہوئے سرزنش کی۔

''اچھی مسیحا ہے۔ ایک چیک کی دوا کے ہی تم سے ہزاروں روپے لے لے گی۔'' غزل نے اسی انداز میں کہتے ہوئے کمرے سے باہر قدم رکھا۔

''تم پر تو میں لاکھوں قربان کر سکتا ہوں ڈارلنگ۔'' شارب نے فرط محبت میں اس کا ہاتھ تھاما۔

''مجھے تو کچھ اور لگ رہا ہے۔ آتے ہی فوزیہ راحیل کی ہڑک اٹھی ہے تمہیں' میرا فلو تو شاید بہانہ ہی ہے۔''

''شٹ اپ۔'' شارب بے اختیار ہنسا۔

''میں صحیح کہہ رہی ہوں۔ پوچھوں گی شادی کیوں نہیں کی اب تک۔ کہیں تم سے کوئی پرانی.....''

''انف غزل' تم سمجھ رہی ہو کہ تمہاری اس قسم کی باتیں سن کر میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر نہیں جاؤں گا، تو یہ تمہاری بھول ہے۔ جلدی چلو' بے چاری کو نیند سے جگایا ہوا ہے۔ انتظار کر رہی ہوگی وہ ہمارا۔''

''بے چاری کی نیند کا کتنا خیال ہے اور مجھے جو بستر سے بے وقت نکال کر لائے ہو' میں بے چاری نہیں ہوں۔''

''شش..... ش..... شور مت کرو آرام سے بیٹھو۔ کوئی جاگ جائے گا۔''

پھر شارب اسے سبک رفتاری سے لے کر ڈاکٹر فوزیہ کے کلینک پہنچا۔ وہ منتظر بیٹھی تھی۔ غزل کے چیک اپ کے بعد دوبارہ سے ٹیسٹ کروانے کا مشورہ دیا تھا۔

''ڈاکٹر فوزیہ مجھے ایسی کیا بیماری ہے، جو آپ بار بار میرے ٹیسٹ لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے ماہ ہی تو

میرے سارے ٹیسٹ ہوئے تھے۔" غزل ڈاکٹر کے سامنے بھی اپنی جھنجلاہٹ نہ روک سکی۔

"صحت مند زندگی گزارنے کے لیے نارملی ہر انسان کو اپنا چیک اپ کرواتے رہنا چاہیے، کہ ہمارے ماحول میں جو آلودگی پھیل چکی ہے، اس کے اثرات کہیں ہم پر مرتب نہیں ہو رہے، یہ جانچتے رہنا اچھا عمل ہے۔" ڈاکٹر فوزیہ راحیل نے اپنے دھیمے میٹھے لہجے میں جیسے اس مطمئن کرنا چاہا۔

"اور صرف فلو کے لیے آدھی رات کو اپنے ساتھ آپ جیسی اچھی ڈاکٹر کے آرام میں خلل ڈالنا یہ تو اچھا عمل نہیں ہے۔" ڈاکٹر فوزیہ اس کے جھنجلانے پر بے ساختہ ہنسی۔

"تمہاری اچھی ڈاکٹر کا آرام اپنے مریضوں سے بڑھ کر نہیں ہے۔ مجھے تبھی سکون ملتا ہے جب میں اپنے مریضوں کے پرسکون ہونے کی تسلی رکھتی ہوں۔ ویل تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہارا ہزبینڈ تمہارے فلو پر ہی فکرمند ہو جاتا ہے۔ ورنہ تو میں نے کئی ایسے شوہر بھی دیکھے ہیں، جو اپنی بیویوں کو تڑپتے دیکھ کر بھی اپنی نیند میں خلل نہیں پڑنے دیتے۔ اچھا اب تم جا کر آرام کرو صبح لیب جا کر ٹیسٹ کروا لینا اور بالکل بھی فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب ایک روٹین کی بات ہے۔ تمہیں تھوڑی ویکنس ہے۔ اپنی کیئر کرو گی تو جلدی امپروو ہو جائے گی۔"

غزل اس کی ہدایات پر سر ہلانے لگی۔ مزید وہ کیا کر سکتی تھی۔

"شارب کیا بات ہے، تم آج کل کچھ ڈسٹرب ہو۔"

غزل نے کافی دن نوٹ کرنے کے بعد آخر شارب سے پوچھ ہی لیا تھا، وہ خود سے اسے کچھ نہ بتا رہا تھا، نہ اس پر ظاہر کر رہا تھا۔ اس کے اندر ہی کوئی احساس جاگا تھا، کہ شارب احمد کسی وجہ سے پریشان ہے، وہ اس کی ہر پریشانی اپنے سر لینا چاہتی تھی۔ اس کے ہر دکھ کو اپنے اندر اتارنا چاہتی تھی۔ شارب سے اسے جس قدر چاہت و محبت ملی تھی، بدلے میں اسے اپنی توجہ کم لگنے لگتی تھی۔ اسے اکثر محسوس ہوتا تھا۔ شارب اسے بہت شدت سے چاہتا ہے۔ اس کے لبوں سے "سی" کی آواز بھی اسے بے چین کر دیتی ہے۔ وہ اس کی ذرا سی تکلیف پر اپنا آپ لٹانے پر تیار ہو جاتا تھا اور وہ خود اپنی چاہتوں کو عیاں کرنے سے جھجکتی رہتی تھی۔

"کچھ نہیں یار بس تھوڑی تھکن ہے۔ تم دیکھ ہی رہی ہو میری روٹین بھی ٹف ہو گئی ہے۔ اس ماہ تو مسلسل میں آن ڈیوٹی رہا ہوں۔ تمہیں بھی ٹائم نہیں دے پا رہا۔" شارب نے انگڑائی لیتے ہوئے قدرے مسکرا کر اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"تو مت کرو نا اتنی لمبی ڈیوٹیز، اپنا بزنس دیکھو، پاپا کی طبیعت بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔" غزل نے مشورہ دینے کے ساتھ اسے کافی کا کپ تھمایا، جو اسی کی فرمائش پر کچھ دیر پہلے بنا کر لائی تھی۔

"ہاں پاپا کے لیے بھی مجھے ٹینشن ہے۔" اس نے کافی کا سپ لیتے ہوئے آہستگی سے کہا، پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"غزل تم پاپا کا آفس کیوں نہیں جوائن کر لیتیں۔ تمہارا ٹائم اچھا گزر جائے گا۔"

"م...... میں...... بزنس......؟ شاری یہ مجھ سے کہاں ہوگا۔ تم تو جانتے ہو میرا انٹرسٹ۔ ایک آرٹسٹ بزنس نہیں کر سکتا۔ تم فلائنگ چھوڑ دو۔ آخر تم نے ہی بزنس سنبھالنا ہے۔ پاپا کو بھی اب ریلیکس کرنے دو۔"

شارب نے اطمینان بھری سانس کھینچتے ہوئے کافی کا گھونٹ بھی بھرا۔ غزل کو اپنی طرف سے ہٹانے میں وہ کامیاب ہو گیا تھا۔

"ابھی تو میں بھی فلائنگ نہیں چھوڑ سکتا۔ تم بھی جوائن نہیں کرنا چاہتیں یو ڈونٹ وری، کوئی بندوبست ہو ہی جائے گا۔"

"تم تو جانتے ہونا، میرا ابھی بھی کچھ بھی پینٹ کرنے کو دل چاہتا ہے۔ میں بزنس اور اپنی پینٹنگ کو ایڈجسٹ نہیں کر سکتی۔" وہ شرمندگی سے معذرت کر رہی تھی۔ شارب نے پہلی بار کچھ کرنے کو کہا تھا اور وہ پہلی بار ہی انکار کر رہی تھی۔

"ڈونٹ وری سویٹی، میں نے تو ایسے ہی اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔ آئی تھنک پاپا بھی تمہارا بزنس میں آنا پسند نہ کریں۔ فارگٹ اٹ۔" شارب نے اسے شرمندگی سے نکالنا چاہا۔

"نہیں اگر پاپا کہتے ہیں تو......"

"لیو اٹ یار، تم مجھے پینٹنگ کرتی ہوئی زیادہ اچھی لگتی ہو۔ ویسے بھی ہم ڈیڑھ دو ماہ تک لندن جا رہے ہیں۔"

"رئیلی؟" غزل کی خوشی اس کی آواز میں بھی چھلک رہی تھی۔

"آف کورس۔ ہمارا ہنی مون خاصا لیٹ ہو گیا ہے۔ آپی سے میں نے تمہاری پینٹنگز کی ایگزیبیشن کے انتظام کے بارے میں بھی کہا ہے۔ انہوں نے بخوشی یہ ذمہ داری اٹھائی ہے۔ اس لیے تم بھی اپنی تیاری شروع کر دو۔"

"میرے خدا۔ شاری تم نے مجھے واقعی حیران کر دیا ہے۔ میری پینٹنگز کی وہاں ایگزیبیشن ہو گی۔ مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔ کتنی مشکل سے ہوا ہوگا یہ۔ تم کہیں اس لیے تو اپ سیٹ نہیں تھے؟ کافی زیادہ خرچ ہوگا نا۔"

"شٹ اپ۔ تمہاری خوشی سے زیادہ میرے لیے کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے تمہارا ہے۔ آئندہ اس طرح کی بات مت کرنا اسٹوپڈ گرل۔" شارب نے بگڑتے ہوئے ہلکے سے اس کے گال پر چپت لگائی۔ وہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔

"اے سلی گرل رونے کیوں لگیں۔ زیادہ زور سے تو نہیں لگی؟" وہ آنسو بھری آنکھوں میں تشکر لیے لب بھینچے اسے تکنے لگی ساتھ ہی ساتھ نفی میں گردن بھی ہلانے لگی۔

"شارب تم اتنے اچھے کیوں ہو۔"

"اس لیے کہ تم بہت اچھی ہو، لیکن اگر بات بات پر روؤ گی تو میں اچھا نہیں بہت برا بن جاؤں گا،

انڈر اسٹینڈ۔'' شارب نے اسے معنوی غصے سے دیکھا، تو وہ کھلکھلا دی۔

شارب احمد دہری کشمکش کا شکار تھا۔ غزل کی نئی رپورٹس کا رزلٹ پہلے سے زیادہ ڈاؤن تھا۔ وہ زندگی سے دور ہوتی جا رہی تھی اور وہ اسے روک کر بتانے کی سکت بھی نہیں رکھتا تھا، کہ وہ جس سمت بڑھ رہی ہے ادھر جاتے دیکھنے کا حوصلہ شارب احمد میں نہیں ہے۔ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہا ہے۔ بکھر رہا ہے۔ بظاہر چہرے پر مسکراہٹ سجائے رکھنے اور حوصلہ مند ظاہر کرنے کے باوجود ہر وقت اس کے اندر آنسوؤں کی جھڑی لگی رہتی ہے۔ یہ جھڑی دن بدن اس کے اندر سیلن پیدا کرتی جا رہی ہے اور اس سیلن سے پیدا شدہ ناخوشگواریت اس کے اندر کی دنیا سے باہر پھیلنے کا راستہ ڈھونڈ رہی ہے۔ وہ ہر روز ہر جھروکا بند کرتے کرتے اب ہارنے لگا تھا۔

ڈاکٹر فوزیہ نے اس کے لیے میڈیسن دینے کے طریقہ علاج کو بدل کر اس کے لیے اب انجکشن تجویز کیے تھے اور اس کی زندگی کی طوالت کے لیے بلڈ ٹرانسپلانٹیشن کا مشورہ دیا تھا۔ اس سب کے لیے غزل کو باخبر کرنا ضروری ہو گیا تھا، جس کی ہمت و حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ وہ کیسے غزل کو اس کی طرف آتی موت کا پیغام اپنی زبان سے دے سکتا تھا۔ اس کا بس چلتا، تو اس کے حصے کی موت اپنے نام لکھوا لیتا۔ اس کی ہر اذیت اپنے رگ و پے میں بھر لیتا۔ اپنی ہر سانس اس کے دل میں پرو دیتا، مگر وہ بے بس تھا، اس کے اختیار میں کچھ نہیں تھا، سوائے اپنے درد کو چھپانے کے اور قادرِ مطلق کے سامنے گڑگڑانے کے۔ سو وہ ہر لمحہ ہر پل اسے پکارتا رہتا تھا۔ کسی معجزے کے ہونے کی اُمید اسے پھر سے حوصلہ مند بنا دیتی تھی۔

''غزل تم تیار نہیں ہوئیں ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا۔''

شارب اسے ڈھونڈتا ہوا اپنے کمرے میں اوپر آیا تھا۔ غزل بستر پر بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی، مصروف سے انداز میں انکار کیا۔

''نہیں مجھے نہیں جانا۔''

شارب روم فریج کا دروازہ کھلا چھوڑ کر حیرت سے پلٹا۔

''کیوں..... کیوں نہیں جانا۔ ہری اپ جلدی چینج کرو۔ تمہیں معلوم ہے آج میری فلائٹ بھی ہے۔'' اسے اٹھنے کا کہہ کر وہ دوبارہ فریج کی طرف پلٹا، پھر فریج میں موجود انجکشن باکس سے غزل کے لیے انجکشن نکال کر اپنی جیب میں رکھتے ہوئے اسے پلٹ کر دیکھا، وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''اٹھ جاؤ کیا سوچ رہی ہو۔''

''شاری میں یہ انجکشن نہیں لگواؤں گی۔ تمہیں معلوم ہے نا لاسٹ ویک انجکشن لگوانے کے بعد میری کیا حالت ہوئی تھی، بلکہ ابھی تک گھبراہٹ ہوتی ہے مجھے۔''

''بچوں کی طرح بی ہیو کیوں کر رہی ہو۔ ڈاکٹر فوزیہ نے بتایا تو تھا، کہ کچھ میڈیسنز شروع شروع میں پرابلم دیتی ہیں، لیکن وہ اپنا اثر بھی تیزی سے دکھاتی ہیں۔ تمہیں دو تین بار فیل ہوگا، پھر تم یوزٹو ہو جاؤ گی۔ شکر کرو تمہیں روز روز میڈیسن نہیں کھانی پڑتیں۔ ویسے بھی ایک انجکشن لینا پڑتا ہے بس۔''

''کیوں لینا پڑتا ہے۔ مجھے کیا بیماری ہے۔ اتنے ماہ ہو گئے ہیں مجھے ٹریٹمنٹ لیتے ہوئے۔''

وہ کچھ بدگمان سی ہو گئی۔

''یہ تم ڈاکٹر سے چل کر پوچھ لینا۔'' شارب نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

''میری رپورٹس کہاں ہیں مجھے دکھاؤ۔''

''ڈاکٹر کے پاس ہی ہیں۔''

شارب اس کی ناراضگی کو خاطر میں نہیں لانا چاہتا تھا۔

''شارب ہماری شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔''

''نو دس ماہ تقریباً، تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔''

''اس عرصے میں شادی شدہ زندگی میں کچھ تبدیلیاں آ جاتی ہیں جب کہ ہماری زندگی.....'' وہ یکدم نم دیدہ ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا ہماری زندگی کو اچھی بھلی تو ہے۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھ کر بے چینی سے پوچھنے لگا۔

''معلوم ہے لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کون لوگ؟''

''ہمارے اپنے ہی، پھوپو بھی سمجھ رہی ہیں کہ ہم نے اپنے آرام کے لیے فیملی پلاننگ کی ہے تبھی اتنی دیر..... آج تو وہ مجھ سے کافی سنجیدگی سے باز پرس بھی کر رہی تھیں۔ میں انہیں کیا جواب دیتی۔ تم بتاؤ میری یہ ٹریٹمنٹ کس سلسلے میں ہے؟ کہیں یہ تمہاری پلاننگ تو نہیں ہے کہ.....''

''غ..... ز..... ل..... تم میرے بارے میں ایسا سوچ رہی ہو۔'' بے یقینی اور دکھ کے ملے جلے تاثر سے شارب کی آواز قدرے بلند ہو گئی۔ ''تمہیں یقین ہے، میں ایسا کر سکتا ہوں اور وہ بھی تمہیں بے خبر رکھ کر؟ اس معاملے میں اگر دیر ہوئی ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی پلاننگ ہے۔ میری نہیں، میں تو اس کا بہت بے بس بندہ ہوں، اپنی مرضی سے ایک سانس بھی نہیں لے سکتا تو.....'' شارب کی آواز دکھ سے بوجھل ہو گئی تھی۔ وہ فوراً ہی غزل کے سامنے سے اٹھ گیا۔

''آئی ایم سوری شارب، تمہیں نہیں پتہ میں کس قدر ڈسٹرب ہوئی ہوں، سب کی باتوں سے، آج کل بھی یہی پوچھ رہے ہیں۔ جینی تو ہر بار ملنے پر یہی پوچھتی ہے کہ..... اچھا پلیز تم ٹینس مت ہو میں چل رہی ہوں۔''

شارب کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا، شاید خود پر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غزل سے اس کی تکلیف بھی برداشت نہیں ہو رہی تھی، جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا تو شارب نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

''تم تیار ہو کر نیچے آجاؤ۔ میں پاپا کو دیکھتا ہوں۔ ان کے لیے بھی میں نے آج ڈاکٹر اظہر سے اپائنٹمنٹ لی ہوئی ہے۔''

شارب اس کا کندھا تھپتھپا کر کمرے سے نکل گیا اور غزل پھر سے سوچوں میں الجھی کھڑی رہ گئی۔ شارب کی حد سے بڑھتی فکر و پریشانی اور اپنے ساتھ اس کا محتاط رویہ آج پہلی بار اسے کھٹک رہا تھا۔

پھر اس سے پہلے کے غزل کے ہاتھ کوئی سرا لگتا' زندگی کا رخ ہی پلٹ گیا تھا۔ خوشبوؤں سے مہکتے گل آباد کی فضا میں غموں کی نوحہ گری اتر آئی تھی۔ احمد حسن چند دن ہسپتال میں زیر علاج رہ کر انہیں زندگی کے عظیم دکھ سے آشنا کر کے اپنے اصل مقام کی طرف لوٹ گئے تھے۔ شارب احمد کے لیے تو یہ الیہ سہنا بہت کٹھن تھا۔ زندگی کے ان گنت ماہ و سال جس چھاؤں میں بیٹھے رہنے کی عادت ہو گئی تھی، وہ یکدم اسے بے سایہ چھوڑ کر اپنا ٹھکانہ تہ لحد کر لیں گے' اس کا ادراک تو تھا، مگر یقین و صبر کرنا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

ابھی تو وہ اپنے اور غزل کے درمیان بڑھتے ہجر کے ہر لمحے پر خود کو سنبھالنے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا اور اس سے بھی پہلے پاپا اسے بے آسرا کر گئے تھے۔ اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا، کہ کبھی پاپا بھی اسے چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ وہ تو صرف اپنی محبت کو خود سے دور جاتا سمجھ رہا تھا۔ یہ تو اس کی دنیا ہی اس سے روٹھ گئی تھی۔ اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

شکستہ حال انیلا پھوپو ہی اسے سنبھالنے میں لگی ہوئی تھیں اور وہ بچوں کی طرح بلک رہا تھا۔ مچل رہا تھا۔ غزل خود اس صدمے سے بے حال تھی۔ پاپا اس کے لیے کیا تھے، یہ وہی جانتی تھی، تبھی وہ یکدم گم صم ہو گئی تھی۔ اپنے بابا کی محبت اس سے چھن لی گئی اور پاپا کی شفقت سے محرومی تقدیر کا لکھا تھا، مگر سب اسے اپنی بدنصیبی لگ رہی تھی۔

احمد حسن کی تدفین کے بعد فاتحہ خوانی بھی ہو چکی تھی، مگر شارب سنبھلنے میں نہیں آ رہا تھا۔ غزل کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ بڑھ کر اسے دلاسا دے۔ بہت مشکل سے اسے اس کے کمرے میں بھیجا گیا تھا۔ جہاں بیٹھ کر بھی وہ سگریٹ پھونکنے کے ساتھ آنسو بہا رہا تھا۔ اس کے اندر کوئی طوفان تھا، جو مسلسل اسے بیکراں کیے ہوئے تھا۔ غزل اپنے کمرے میں آئی، تو اس کی حالت دیکھ کر وہ تڑپ اٹھی۔

''شاری! اس طرح نہیں کرو' پاپا کو تکلیف ہو گی۔ ہم سبھی کو ایک دن لوٹ کر جانا ہے۔ اپنے پیاروں کو روک کر رکھنے کا اختیار ہمیں نہیں ہے۔ صبر کرو اللہ تعالیٰ کو صبر ہی پسند ہے۔'' غزل نے اس کے پاس بیٹھ کر اپنے لہجے کو ہموار رکھنے کی کوشش کر کے اسے سمجھایا، تو وہ زخمی نگاہوں سے غزل کو دیکھ کر جیسے پھٹ پڑا۔

''نہیں ہوتا مجھ سے صبر اور کس کس کے لیے صبر کروں میں۔ میں جسے بھی چاہتا ہوں، جسے بھی اپنے جینے کا سامان سمجھنے لگتا ہوں، وہی مجھ سے چھن جاتا ہے۔ میں کیوں اتنا بدنصیب ہوں کہ کوئی بھی میرے لیے ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ پہلے ماما اور اب پاپا مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔ مجھے ان سے اپنا ہر دکھ کہنا ہے، مجھے انہیں بتانا ہے کہ میرے پاس کوئی خوشی نہیں ہے، کچھ نہیں ہے میرے پاس۔'' شارب کسی بچے کی طرح بپھر کر مچل اٹھا تھا۔

''شارب پلیز۔''

غزل بھی اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار رونے لگی تھی۔ شارب کو اس نے اتنا بے ہمت اور کم حوصلہ مند کب دیکھا تھا۔

''شارب میں ہوں نا تمہارے پاس' پھوپو ہیں۔''

''تم..... تم بھی کب تک رہو گی۔ تم بھی چلی جاؤ گی۔ تم بھی تو جا رہی ہو نا مجھ سے دور' تمہیں بھی میرا خیال نہیں ہے۔ تمہیں بھی احساس نہیں ہے کہ میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتا۔ میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا غزل مجھے چھوڑ کر مت جانا۔ اب اگر تم بھی چلی گئیں تو میں بھی.....''

وہ عالم دیوانگی میں تھا۔ غزل اس کی کیفیت سمجھنے کے باوجود ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ شارب کو دلاسہ دینے کے لیے جیسے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ اس کی سوچیں اس نقطے پر آ کر الجھ گئی تھیں کہ شارب کو اس کے کہاں جانے کا خوف ہے اور اس کی طرف سے بے یقینی کیوں ہے۔

وقت ہر زخم کا مرہم رکھتا ہے۔ شارب احمد کے زخم بھی مندمل ہونے شروع ہو گئے تھے۔ چند دنوں میں ہی زندگی کے معمولات شروع ہو گئے اور رسم چہلم کے بعد وہ بہت سے فیصلے کرنے کے بعد کافی حد تک سنبھل گیا تھا۔ اب اسے پھوپو کا خیال رکھنا تھا۔ ان کی محبتوں کا لمحہ لمحہ سنبھالنا تھا۔ پاپا کے بعد پھوپو اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ زندگی سے ان کی دلچسپی مفقود ہو گئی تھی۔

اس نے پائلٹ رہنے کی خواہش ترک کر کے ریزائن کر دیا تھا اور اب پاپا کا بزنس سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شروع میں وہ کچھ بہکا تھا' بعد میں اس نے خود کو پھر سے سنبھال لیا تھا۔ اُمید کے دامن کو تھام کر زندگی کے شب و روز کو مشیت ایزدی کے حکم کے مطابق صبر' شکر اور حوصلہ مندی سے گزار رہا تھا۔

اس کی توجہ پھر سے غزل پر مرکوز تھی۔ وہ ہر حال میں غزل کو زیادہ سے زیادہ زندگی جیتے دیکھنا چاہتا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا، کہ غزل کو پہلے اپنی طرف آنے والی ظالم ساعتوں سے آگاہ کر دیا جاتا۔ پھر اسے جینے کی سعی پر اُکسایا جاتا۔ اتنا تو شارب کو یقین تھا، کہ شارب کی محبت پانے کے لیے غزل موت کو بھی شکست دے سکتی ہے۔ تبھی اس نے غزل کی بلڈ رپورٹ اپنی وارڈ روب میں بظاہر چھپا کر رکھ دی تھی اور ڈاکٹر فوزیہ سے بھی کہہ دیا تھا، کہ وہ غزل کو بریف کر دیں۔

اسے لگا تھا زمین بھی اس کے قدموں تلے نہیں ہے اور آنکھوں سے بصارت بھی چلی گئی ہے۔ زندگی یکدم اندھیروں میں ڈوب گئی ہے۔ سانسیں اس قدر بوجھل، جیسے وہ سانس نہیں کسی زنجیر کو کھینچ رہی ہو اور رگوں میں دوڑتا لہو ٹھہرنے لگا ہو، لیکن اس کی سوچ اس کے ذہن میں تازہ دم تھی۔ جب زمین اس کے قدموں تلے مستحکم تھی' آنکھوں میں بصیرت تھی اور سانسیں مست خرام لہو کی روانی کا پتہ دے رہی تھیں، تو اس پر اپنے اندر پھیلتی زہریلی سچائی کا انکشاف ہوا تھا۔

اس انکشاف پر یقین کرنے میں اسے چند پل لگے تھے اور وہ چند پل اس کے لیے صدیوں کی اذیت سمیٹ لائے تھے اور پھر نہ اس کے حواسوں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیا تھا اور نہ ہی اس کے بے جان

ہوتے وجود نے۔ اس کے لرزتے ہوئے ہاتھوں میں موجود اس کی میڈیکل فائل سے بھی پہلے اس کا وجود زمین پر بکھرا تھا۔ آخری بات جو اس کے ذہن میں آئی تھی، وہ شارب سے شکوہ تھا۔

''تم نے مجھ سے کیوں چھپایا؟''

وہ جب ہوش کی دنیا میں واپس آئی، تو خود کو ڈاکٹر فوزیہ راحیل کے کلینک میں موجود دیکھ کر یکدم تو اسے جھٹکا لگا تھا۔ دھندلی آنکھوں سے اس نے فاصلے پر سر جھکائے پریشان حال شارب احمد کو دیکھا، تو ذہن میں زہریلی سچائی کی اذیت اجاگر ہو کر وجود میں پھیلنے لگی۔

''یا اللہ کیا میرے مقدر میں ادھوری خوشیاں لکھی ہیں۔ کیا میری محبت کی عمر اتنی تھوڑی ہے، کہ میں جی بھر کے اس کی راحتیں بھی نہیں سمیٹ سکتی۔''

بے اختیار ہی اس کے آنسو پلکوں کی اوٹ سے بہنے لگے تھے۔ غزل نے آنکھیں موندھ کر جیسے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ وہ دیکھ نہیں رہی تھی محسوس کر رہی تھی۔ شارب اُٹھ کر اس کے قریب آ گیا تھا، پھر اس کے قریب پہلو میں بیٹھ کر اس کی پیشانی سے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے اس کے گالوں سے اشکوں کی دھار بھی صاف کی تھی۔

''سو سیٹی رود نہیں' انشاء اللہ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

''تم..... تم نے مجھ سے کیوں چھپایا۔ مجھے کیوں نہیں بتایا کہ میں.....'' وہ اس سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔

ذہن پر احساس گراں بار تھا، کہ جیسے اس پل کے بعد شارب کو اس طرح نہ دیکھ پائے گی، نہ محسوس کر سکے گی۔

''خود اذیتیں سہتے رہے اور میں مگن رہی۔ اپنے حال میں مست جھولی بھر بھر تمہاری چاہتیں سمیٹتی رہی۔ بدلے میں' میں نے تمہیں کیا دیا۔''

وہ آنسوؤں کی روانی میں بھی اپنے آپ سے شکوہ کناں تھی۔ فہم و ادراک ملتے ہی شارب کی عظمت کا احساس بھی ہوا تھا، جس نے اسے اس کے ہی درد سے ناآشنا کر کے ساری تکلیف خود سہی تھی۔

''سب کچھ دیا ہے۔ محبت' خوشی اپنا ساتھ' تمہاری ہم نشینی سے ملنے والی راحت میرے لیے دنیا کے خزانوں سے بڑھ کر رہے۔''

شارب نے اس کے کانوں میں امرت رس ٹپکایا۔

''ادھوری محبت' ادھوری خوشیاں' ادھورا ساتھ اور.....''

''شش..... آئندہ ایسے مت کہنا۔ تمہاری اچھی ڈاکٹر کہہ رہی تھی، اگر تم میرے ساتھ جینا چاہتی ہو، تو تمہیں اپنی بیماری کو بھلانا پڑے گا اور ہم جیسا کہیں گے کرنا پڑے گا۔'' شارب نے اس کا چہرہ اس کے دوپٹے سے صاف کیا۔

''اور اب تمہیں خوش رہنا ہے میری خاطر' اپنا ہر دکھ بھلا کر اپنے اس دشمن سے لڑنا ہے۔ بہت حوصلے اور ہمت سے۔ تم اگر مجھ سے محبت کرتی ہو، تو وعدہ کرو' تم اپنے اس دشمن کو ہرا دو گی۔''

''شا..... ر..... ب..... میں.....'' وہ ابھی ابھی تو حقیقت کی بدنما تصویر دیکھ کر پلٹی تھی، اگلے پل ہی کیسے کسی خوشنما منظر کی دلکشی کو اپنی نگاہ میں بسا سکتی تھی۔ پھر سے رونے لگی تھی۔ ڈاکٹر فوزیہ بھی اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''غزل کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔''

''شاری فار گاڈ سیک' مجھے اس طرح مت آزماؤ۔''

''کیوں نہ آزماؤں۔ محبت کے دعوے دار تو کچے گھڑے پر تیر جاتے ہیں۔ صحراؤں کی خاک چھان لیتے ہیں۔ دودھ کی نہریں نکال لیتے ہیں اور تم ایک دشمن جان کو شکست دینے کا وعدہ نہیں کر سکتیں۔ تم مجھے کبھی آزما کر دیکھو۔ کہو گی تو اپنی سانس روک کر تمہارے لیے جینا بھی چھوڑ دوں گا۔''

شارب کی محبت کی شدتیں اسے اپنی بے بسی پر مزید رلا رہی تھیں۔ اس کے اپنے اختیار میں کیا تھا۔ اس کے لیے بھی مرنا تو آسان تھا، مگر جینا بہت مشکل۔ خصوصاً اب تو..... جب اسے خبر ہو گئی تھی، کہ اس کی زندگی کا کوئی دن بھی آخری ہو سکتا ہے۔ اس کے سینے میں آتی جاتی سانسوں کا سلسلہ کبھی بھی موقوف ہو سکتا ہے۔

''غزل دیکھو تمہیں اپنی ول پاور کو اسٹرونگ کرنا ہے۔ تم جس طرح پہلے مست و مگن تھیں، ابھی بھی تمہیں ایسے ہی رہنا ہے۔ انشاء اللہ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ ڈاکٹر فوزیہ کہہ رہی تھیں تم ٹریٹمنٹ لیتی رہو گی، تو امپروومنٹ بھی ہوتی رہے گی۔''

''تمہارے ہزبینڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں غزل' تمہاری کنڈیشن اتنی سیریس نہیں ہے۔ پراپر لی ٹریٹمنٹ سے یہ مرض کنٹرول ہو جاتا ہے۔ میرے پاس بہت سے لوگوں کی مثالیں ہیں۔ جن میں کئی ہستیاں تو ہمارے اپنے ملک سے وابستہ ہیں' تم انہیں دیکھو وہ کتنی بھرپور زندگی گزار رہے ہیں' صرف اپنی ول پاور کی وجہ سے۔ تمہارے پاس تو ڈبل پاور ہے۔ ایک تمہاری لگن، دوسری تمہارے ہزبینڈ کی محبت۔''

ڈاکٹر فوزیہ کے سمجھانے بجھانے کی تاثیر تھی کہ کیا تھا' وہ یکدم سنبھل کر سر ہلانے لگی تھی۔ شارب کے الجھے بکھرے حلیے نے بھی اسے خود کو سنبھالنے کی ترغیب دی تھی۔ جو شخص اس کے لیے جینا چھوڑ سکتا تھا' وہ اپنی کم ہمتی سے اسے بھی زندگی سے دور کر رہی تھی۔ شارب اور ڈاکٹر فوزیہ راحیل کی مثبت رہنمائی نے آخر اسے بھی بہلا ہی لیا تھا۔

انیلا پھوپو کو غزل کی بیماری سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ دونوں نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بھی اس کے لیے ترحم و ہمدردی کا مظاہرہ کرے' سو پھوپو کی تشویش پر انہیں مطمئن کرنے کے لیے شارب کے پاس کئی بہانے تھے۔

غزل نے بھی حتی المقدور خود پر قابو پا رکھا تھا۔ وہ پہلے کی طرح امور معمولات سرانجام دینے کی کوشش کرتی تھی۔ شارب کے سامنے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرتی رہتی، لیکن تنہا ہوتے ہی سوچیں

آکٹوپس کی طرح اسے جکڑنے لگتی تھیں۔ وہ لاکھ پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتی، پھر بھی وہم و وسوسے اس کا دامن کھینچنے لگتے۔ ''شارب کو مجھ سے کیا ملا۔'' وہ ہمیشہ اسی سوچ پر ابھی رہتی تھی۔ شارب کی محبت' توجہ' راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اسے دیکھنا' بے چین کیے رکھتا تھا۔ بے خبری کتنی بڑی نعمت ہے' اس کی افادیت اسے اب شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ انسان کی زندگی کی ویسے تو کوئی حد بھی مقرر نہیں ہے۔ جسد خاکی کو لہو کی حرارت سے گرمانے والا نجانے کب اس آگ کو ٹھنڈا کر دے۔ اس کا تعین تو کبھی ہو ہی نہیں سکا، لیکن کبھی کبھی جسم کے سانچے میں بھری موی زندگی تیزی سے پگھل کر شمع زیست کے بجھنے کا پتہ بھی دے دیتی ہے اور تب انسان قطرہ قطرہ پگھلنے کا جان لیوا شعور بھی پانے لگتا ہے اور اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے پاس شمع زیست کی لو بڑھانے کا اختیار نہیں ہوتا۔

قیام میں بھی کسی راہ پر روانہ تھا
مرا مزاج ازل سے مسافرانہ تھا
پڑا تھا اس کے بھی رخ پر نقاب ناموجود
میری بھی آنکھ پر اک دست غائبانہ تھا

''یہ تم کیا پڑھتی رہتی ہو آج کل۔'' شارب نے پیچھے سے آکر اس کی ڈائری پکڑی تھی اور پھر ڈائری کے صفحے پر پھیلے اشعار پڑھنے کے بعد اسے سرزنش کرنے والے انداز میں ٹوکا تھا۔

''کچھ نہیں' ایسے ہی بس وقت گزاری کے لیے۔ تمہاری ہی تو ڈائری ہے۔'' غزل نے فوراً ہی خود کو سنبھالا تھا۔ ''بائی دی وے' کس کے لیے ڈائری کا یہ صفحہ سجایا گیا تھا۔'' غزل نے اس کے ساتھ جیسے خود کو بھی شاعری کے اثر سے نکالا تھا۔

''غزل' تم سے میں نے کبھی کچھ چھپایا تو نہیں ہے۔ جانتی تو ہو اچھی شاعری نوٹ کرنا میری ہابی رہی ہے۔''

''آج کل تم نے اپنا یہ شوق کیوں چھوڑ رکھا ہے۔''

''یار' یہ شوق بھی اسٹوڈنٹ لائف میں ہی افورڈ ہو سکتے ہیں۔ تب بندے کے پاس صرف اپنے لیے وقت ہوتا ہے۔ آج کل تو میرے پاس اپنے کیا، تمہارے لیے بھی وقت نہیں نکلتا۔ ایک چھٹی ہوتی ہے۔ وہ بھی تھکن اتارنے کی نذر ہو جاتی ہے۔ تم بھی سوچتی ہو گی' یہ بندہ فلائنگ آفیسر ہی ٹھیک تھا۔ کئی کئی دن اکٹھے گزار لیتے تھے۔ اب دو جمع دو پانچ بنانے کے چکروں میں پڑا ہے۔''

شارب نے اپنی جمائی روکتے ہوئے محبت سے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا۔ چھٹی کا دن تھا' وہ ابھی سو کر اٹھا تھا۔ غزل کو ڈائری پڑھتے اور گم صم بیٹھے دیکھ کر اسے تشویش ہوئی تھی' تبھی وہ بھی اسے بہلا رہا تھا۔ دونوں ہی کی کوشش ہوتی تھی کہ ایک دوسرے پر اپنی اندرونی کیفیت ظاہر نہ ہونے دیں۔

''تو تم اتنی محنت کس کے لیے کر رہے ہو' آخر کو۔''

''شٹ اپ' مایوسی کی باتیں نہیں۔'' شارب نے فوراً اس کے قریب بیٹھ کر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا۔

''میں کب مایوسی کی باتیں کر رہی ہوں پہلے میری بات تو سنو۔'' غزل نے اپنے منہ سے اس کا ہاتھ ہٹا کر تھاما پھر یکدم سنجیدگی سے بولی۔

''شاری' ہم حقیقت سے کتنی بھی نظریں چرائیں' وہ بدل تو نہیں جائے گی۔''

''پھر وہی بات۔'' شارب نے اسے ناراضگی سے دیکھا، تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔

''تمہیں یاد ہے نا' اگلے مہینے ہمیں لندن جانا ہے۔ تم ایگزیبیشن کی تیاری کر رہی ہو نا' آج مجھے اپنی ساری پینٹنگز دکھاؤ۔'' شارب نے اسے تھام کر اٹھایا۔

آج کل تو کچھ بنانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ رنگ پھیکے لگنے لگے ہیں۔ منظر گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے میری انگلیاں اپنی مہارت کھو چکی ہیں۔ میرا ذہن بکھر گیا ہے۔ میں کچھ بھی تو یکجا نہیں کر پاتی.....

وہ اس کے ساتھ اپنے اسٹوڈیو کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

شارب نجانے اسے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ وہ اسے کہاں سن رہی تھی' بس اسے گردن موڑے سر اٹھائے دیکھ رہی تھی۔ یہ چہرہ' یہ لہجہ' یہ حلاوت نجانے پھر اس کی سماعت و بصارت کا رزق بن سکے کہ نہیں۔ یہ احساس گراں بار پھر سے اسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔

''شاری۔'' غزل نے بہت کشمکش میں اسے پکارا تھا۔ وہ ابھی آفس سے آکر کچھ دیر آرام کرنے کی خاطر اپنے بستر پر دراز ہوا تھا۔ آنکھوں پر بازو رکھے وہ چت لیٹا تھا۔

''ہاں' کیا بات ہے' بولو۔'' غزل کے لیے اس کے لہجے میں کبھی تھکن و بیزاری نہیں آئی تھی۔ غزل بیڈ کے دوسرے سرے پر بیٹھی تھی اور اسے پکار کر بھی کشمکش میں تھی۔

''غزل' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ اگلے ہی پل بے چینی سے اٹھ بیٹھا۔

''میں ٹھیک ہوں بھئی' دراصل مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے، لیکن ابھی تم تھکے ہوئے ہو رات کو سہی۔'' غزل فوراً ہی اسے مطمئن کرنے کے لیے مسکرا دی۔

''یہ کیا بات ہوئی' پہلے مجھے پکارا' اب تھکن کا خیال آ رہا ہے۔ ادھر آؤ' بتاؤ کیا بات ہے؟'' شارب نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا پھر اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''شارب' تمہیں معلوم ہے' آج یہاں کون آیا تھا؟''

''مجھے کیا پتہ کون آیا تھا۔ میں تو ابھی گھر آ رہا ہوں۔ ایک منٹ' کہیں تمہارے تایا جی کی محبت تو نہیں جاگ گئی؟ غزل' انہیں یہاں آنے سے منع کر دینا۔ تمہیں دکھ دینے والوں کو میں اپنے سامنے

برداشت نہیں کر سکتا۔'' شارب نے سنجیدگی و قطعیت سے کہا۔

''وہ یہاں کیوں آئیں گے شاری' وہ اغراض کے پتلے ہیں۔ انہیں محبتیں بانٹنے کی فرصت نہیں ملتی۔'' غزل گہرے دکھ سے بولی۔ یہی کرب نارسا تو اس کے اندر غم کی فصل بو گیا تھا۔

''پھر کون آیا تھا؟'' شارب نے پھر سے سوال کیا۔

''عینی۔'' غزل کے چہرے پر کچھ نہیں تھا، البتہ لہجے میں نامحسوس سی لرزش تھی۔

''کون عینی؟'' اس کے ذہن سے یہ نام مٹ چکا تھا، اس لیے انجان پنے سے پوچھ رہا تھا۔ غزل نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجنا چاہا۔

''عینی معیز ہ' جینی اور کاشی بھائی کی کزن' اپنی پہلی محبوبہ کو اتنی جلدی بھول گئے۔ وفا کی یہ ادا اچھی نہیں صاحب۔''

اسے یاد دلاتے ہوئے غزل نے شرارت سے کہا، تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

''شٹ اپ' جانتی ہو نا میری پہلی اور آخری محبت تم ہی ہو۔ میری ساری وفائیں تمہارے لیے ہیں۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔'' شارب نے مصنوعی غصہ دکھانے کے بعد بہت لگاوٹ سے کہتے اسے خود سے قریب کیا۔

''جو اپنی پہلی محبوبہ کو بھول سکتا ہے' اس پر دوسری محبوبہ کیسے اعتبار کرے۔'' غزل نے اس کے حصار سے نکلتے ہوئے بظاہر اسے چھیڑا تھا۔

''اف غزل' ماضی کی راکھ مت کریدو۔ اس راکھ میں نہ شعلہ ہے نہ چنگاری۔ نادانی کی عمر میں چمکتی چیز کو سونا سمجھنا' اسے سونا تو نہیں کر دیتا۔ وہ یہاں کرنے کیا آئی تھی؟'' شارب کا سرد و سپاٹ لہجہ اس کی ناگواری ظاہر کر رہا تھا۔

''پاپا کے افسوس کے لیے اور.....''

''تو تم نے اس کی آمد سے کیا سمجھ لیا؟''

''شارب' اسد بھائی نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ وہ بہت پریشان تھی۔ وہ کہتی ہے تمہاری محبت ٹھکرا کر وہ کبھی سکون سے نہیں رہی۔ مجھے تو آج ہی معلوم ہوا، کہ وہ بھی تم سے محبت کرتی ہے۔ اسد زمان نے اسے ٹریپ کیا تھا ورنہ تو.....''

شارب نے غزل کے نارمل تاثرات پر اسے حیرت سے دیکھا۔

''ان سب باتوں کو اب مجھے بتانے کا مقصد' تمہیں معلوم ہے نا مجھے غیر متعلقہ لوگوں کے بارے میں جاننا اور سننا پسند نہیں ہے۔''

''شارب' وہ کہہ رہی تھی کہ.....''

''وہ کچھ بھی کہہ رہی ہے اور تم یقین کر رہی ہو؟ تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے۔ میرا اعتبار نہیں۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں' میری وفا میں کھوٹ ہے' میری محبت میں سچائی نہیں ہے' میرے سارے عہد و پیماں کھوکھلے اور دکھاوا ہیں۔''

شارب کو پہلی بار غزل نے غصے میں اونچا بولتے سنا تھا۔ وہ آنکھوں میں ٹھہری نمی لیے لب بھینچے اس کا غصہ سہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنی غلطی کا اسے احساس تھا۔ شارب کو وہ خود سے بڑھ کر جانتی تھی۔ اس کی وفا میں کہیں کمی نہیں تھی۔ وہ خود ہی آج کل اس کے ادھورے پن کے لیے خود کو مجرم سمجھ رہی تھی اور کسی طرح اس کی زندگی کی تصویر کو مکمل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے خود ہی عینی معیز ہ کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے اسے گل آباد کا رستہ دکھایا تھا۔ اس کے دل و ذہن میں ایک خیال سا آیا تھا، کہ شاید ماضی کی راکھ میں کوئی دبی ہوئی چنگاری نکل آئے اور شارب کو زندگی کا اصل سکون نصیب ہو جائے۔ وہ وسوسوں کے جنگل سے نکل آئے۔

''شارب' مجھے تم پر کوئی بے اعتباری نہیں ہے' بس اپنا اعتبار نہیں رہا مجھے۔ چاہتی ہوں تم اپنی زندگی کسی خوف کے حصار میں رہ کر نہیں پوری آزادی سے بلا خوف و خطر جیو۔'' وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر سسکنے لگی تھی۔

''اسٹوپڈ گرل' میری زندگی تمہارے ساتھ ہے۔ مجھے کسی بات کا کوئی خوف نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے ہمیں ہمیشہ ساتھ ساتھ جینا ہے۔'' شارب نے اسے روتا دیکھ کر اپنا غصہ جھٹکتے ہوئے اسے بانہوں کے حصار میں لیا۔

"شاری....."

انیلا پھوپو نے اس کے اٹھنے کا ارادہ بھانپ کر اسے پکارا۔ ابھی تینوں نے انہی کے کمرے میں اکٹھے چائے پی تھی۔ غزل برتن سمیٹ کر جا چکی تھی۔ شارب بھی ان سے چند ایک باتیں کر کے اٹھنے لگا تھا۔ ان کی آواز پر چونک کر متوجہ ہوا تھا۔

"بچے' تم لوگ آخر کیا سوچ رہے ہو؟"

"کس کے بارے میں پھوپو.....؟" وہ نا سمجھتے ہوئے حیران تھا۔

"اپنے بارے میں۔ ایک سال ہو رہا ہے تمہاری شادی کو' بھائی جان بھی اسی تمنا کو دل میں لیے چلے گئے۔ کیا میں بھی تمہاری کوئی خوشی دیکھے بنا دنیا سے چلی جاؤں گی؟"

انیلا پھوپو بہت دنوں بعد اس سے دل کی بات کہہ پائی تھیں۔ وہ ان کی بات کا مفہوم سمجھ کر سر جھکا کر رہ گیا۔

"پھوپو ہر بات کا وقت مقرر ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم کیا کر سکتے ہو؟ ڈاکٹر کے پاس بیوی کو تو لے جا سکتے ہو کہ نہیں۔ وہ میرے ساتھ تو جاتی نہیں' بہانے کرنے لگتی ہے۔ ویسے بھی آج کل وہ مجھے بجھی بجھی لگنے لگی ہے۔ کوئی مسئلہ ہے تو کہو' مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ گھر کے سونے پن سے جی اکتانے لگا ہے شاید اس کا۔ شادی کے بعد ماں بننا ہی تو عورت کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے' آخر اور کتنی دیر کرو گے؟ بچے' ہر کام اپنے وقت پر اچھا لگتا ہے۔" پھوپو اسے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"پھوپو' میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں' ہر کام اپنے وقت پر ہو جاتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ انہیں تسلی دے کر خود کو بہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ان سے کیسے کہہ دیتا کہ غزل کے صحت یاب ہونے تک کچھ بھی ممکن نہیں ہے اور غزل کا بجھا بجھا رہنا بھی اس کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ آج کل وہ مصروف تھا' تو وہ خود سے لاپروا ہوتی جا رہی تھی۔ شارب کی توجہ پھر سے اس کی طرف تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنی صحت کے لیے اس کے اور ڈاکٹر کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہی ہے' مگر وہ تو دوائیوں سے انجکشن لگوانے ہی نہیں گئی تھی۔

وہ ڈاکٹر فوزیہ سے تصدیق کے بعد اس کے سامنے آیا تھا۔ آج کل وہ اداس و غمگین غزلوں کی کیسٹ سنتے ہوئے ملتی تھی' یا پھر شاعری کی کتابیں پڑھتے ہوئے۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں دونوں ہی کام کر رہی تھی۔ ہاتھ میں فرحت عباس شاہ کی شاعری تھی اور سی ڈی پلیئر میں جگجیت سنگھ کی پرانی غزل چل رہی تھی۔ شارب کافی دیر تک کھڑا سنجیدگی سے اسے گھورتا رہا۔

غزل نے پہلے اس کی آمد کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ کافی دیر تک اس نے کچھ نہ کہا' تو غزل نے سر اٹھایا۔

"کیا ہوا؟ اس طرح کیوں کھڑے ہو؟"

"غزل' میں تمہاری لاپروائی کو کیا سمجھوں؟"

"لاپروائی' کیسی لاپروائی؟ کیا کچھ کھو گیا ہے' کیا کھویا ہے' میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔" وہ فوراً ہی کتاب میز پر الٹ کر کھڑی ہو گئی۔ شارب نے اسے بازو سے پکڑ کر دوبارہ صوفے پر دھکیلا۔

"انجان بننے کی اداکاری مت کرو' غزل' تم اچھی طرح جانتی ہو میرا اشارہ کس طرف ہے۔" شارب جیسے ضبط کرتے ہوئے بولا' پھر اسے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر کہنے لگا۔ "تم دو ہفتے سے ڈاکٹر فوزیہ کے پاس نہیں گئیں۔ تمہیں اندازہ ہے کچھ' ٹریٹمنٹ رک جانے سے تمہاری قوت مدافعت میں کس قدر کمی آ جائے گی۔ تم کرنا کیا چاہتی ہو۔ تمہیں اپنی زندگی سے پیار نہیں ہے کیا' یا مجھ سے اس قدر تنگ آ گئی ہو کہ خود کو ہی سزا دے رہی ہو۔"

"ایسی بات نہیں ہے شاری' وہ دراصل....." شارب کے غصے پر وہ روہانسی ہونے لگی۔

"پلیز.....! پلیز' رونا نہیں ورنہ....." شارب نے بے بسی محسوس کر کے اسے رونے سے روکنے کے لیے ہمیشہ کی۔

"میں نے تم پر اعتماد کر کے تم پر ایک ذمے داری ڈالی تھی' تم وہ بھی پوری نہیں کر سکی ہو۔ کیوں نہیں گئی تھیں تم ڈاکٹر کے پاس؟"

"شارب' اس سب کا کیا فائدہ۔ میں تنگ آ گئی ہوں۔ مجھے جتنا جینا ہے' ایسے ہی جینے دو' مجھے کوئی ٹریٹمنٹ نہیں چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا' میں پانچ چھ ماہ پہلے مر جاؤں گی تو....." وہ مایوسی کے گہرے احساس تلے دبی ہوئی بول رہی تھی۔ آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی اور چہرے پر کرب کے نشان تھے۔

"شٹ اپ۔" شارب نے اسے اپنے مخصوص نرم لہجے میں جھڑکا۔ "میں تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا غزل' میرا خیال تھا کہ تم باخبر ہو جاؤ گی' تو پہلے سے زیادہ بھرپور زندگی گزارو گی' مگر تم تو وقت سے پہلے ہار تسلیم کرنے والوں میں سے نکلیں۔" شارب نے بہت نرمی سے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"میں بھی بھرپور جینا چاہتی ہوں شاری' مگر مجھے یہ احساس جینے کب دیتا ہے' کہ تم میری وجہ سے ادھوری آدھی زندگی جی رہے ہو۔ میری وجہ سے تمہیں تمہاری خوشیاں نہیں مل رہیں۔ یہ گھر میری وجہ سے اب تک سونا اور ویران پڑا ہے۔" وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر اپنے اندر کے کرب کو عیاں کرنے لگی۔ "تم میری زندگی کی گھڑیاں بڑھانے کو اپنے آپ سے لڑ رہے ہیں۔ میں ہاروں نہیں تو کیا کروں۔"

''پگلی' میری خوشی تمہاری حیات سے ہے۔تمہاری جدائی میں کب سہہ سکتا ہوں اور دیکھو تمہاری زندگی پر صرف میرا حق ہے، اس لیے آج کے بعد تمہیں اپنی زندگی سے کھیلنے کی اجازت نہیں ہے۔تم اس احساس کو بھول جاؤ۔تمہارا علاج مکمل ہو جائے، پھر ہمارا گھر سونا نہیں رہے گا۔ہم اپنے حصے کی ساری خوشیاں زندگی سے وصول کریں گے۔تمہیں پتہ ہے آج پھوپو بھی تمہاری حالت پر شکوہ کناں تھیں۔پلیز سویٹی' تم میری خاطر ہی سہی' خود کو رومینٹن پر لے آؤ۔کیا تم چاہو گی کہ تمہارے بارے میں سب کو خبر ہو اور وہ سب ہمدردی کے پردے میں تمہیں اذیت دیتے رہیں۔''

وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔شارب کی محبت ہی تو اسے پھر سے مستحکم کرتی تھی، ورنہ تو ہر ساعت پر سینے میں سانس اٹکنے لگتی تھی۔شارب سے جدائی کا دکھ ہی تو اسے بے کل کیے رکھتا تھا۔

''ٹھیک ہے شاری' تم جیسا کہو گے' میں ویسا ہی کروں گی۔میں ٹریٹمنٹ کے لیے ریگولر جاؤں گی۔لائف کو پہلے کی طرح ہی انجوائے کروں گی، لیکن..... کیا تم میری ایک خواہش پوری کر سکتے ہو؟'' بہت دنوں سے ذہن و دل میں مچلتی بات کو آج وہ زبان تک لانے کی کوشش میں تھی۔

''ایک خواہش؟ میں تمہاری ہر خواہش پوری کر سکتا ہوں سویٹ ہارٹ۔'' شارب نے اسے آمادہ دیکھ کر فرطِ محبت سے کہا۔

''میں اپنے جانے سے پہلے اس گھر میں ایک بچے کو دیکھنا چاہتی ہوں۔''

شارب اسے چونک کر دیکھنے لگا۔

''غزل' ایسی خواہش مت کرو' تم جانتی ہو میں ابھی کوئی رسک نہیں لے سکتا۔پہلے تمہاری ٹریٹمنٹ ہو گئی پھر.....''

''میں جانتی تھی' تم مجھے یہ خوشی نہیں دے سکو گے۔''

''ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ جانو' تمہیں یہ خوشی ضرور ملے گی۔تم کچھ اور امپروومنٹ کر لو پھر' انشاء اللہ! وقت آنے دو' اس گھر میں صرف ایک نہیں' کم از کم چار بچے تو تمہیں ضرور دیکھنے کو ملیں گے۔'' شارب نے مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے کی اور بہلانے کی کوشش کی۔

''وقت..... وقت ہی تو نہیں ہے میرے پاس۔شاری' تم یہ خوشی مجھے دوسری طرح بھی تو دے سکتے ہو۔'' غزل نے خود کو سنبھالتے ہوئے اس کے کندھے سے سر اٹھایا۔

''دوسری طرح؟ تم کسی سے بچہ ایڈاپٹ کرنے کی بات کر رہی ہو؟'' حیرت بھرا استفسار تھا۔

''نہیں' تم مجھے تو ماں بننے کی خوشی سے آشنا نہیں کر سکتے' تمہاری مجبوری میں سمجھ رہی ہوں لیکن تم خود تو اولاد کے سکھ سے آشنا ہو سکتے ہو نا۔''

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی' تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟''

''شاری' تم دوسری شادی کر لو۔یہ..... یہ میری خواہش بھی ہے اور خوشی بھی۔میں تمہیں اپنے سامنے مکمل ہوتا دیکھنا چاہتی ہوں۔تم مینی کو اپنا لو۔''

''تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔جانتی ہو کچھ ہوش ہے' کیا کہہ رہی ہو تم؟''

شارب کو شدید جھٹکا لگا تھا۔غزل کی ذہنی حالت پر شک بھی ہوا تھا اور اس پر شدید غصہ بھی آیا تھا، اس کی بیماری کا احساس نہ ہوتا تو ایک زوردار تھپڑ سے اس کے ہوش ٹھکانے پر لے آتا۔فوراً ہی وہ اس کے قریب سے اٹھا تھا۔

''میں جانتی ہوں میں نے کیا کہا ہے۔اسے میری آخری خواہش سمجھ لو۔''

''شٹ اپ۔تمہیں اگر میں نے اپنا سچا ساتھی سمجھتے ہوئے اپنی کمزوریوں سے آگاہ کیا تھا، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ابھی بھی مجھے ان کمزور لمحوں کی گرفت میں سمجھو۔غزل' میں ان سے تبھی آزاد ہو گیا تھا' تبھی تو تمہاری محبت کی زنجیر پہنی تھی اور تاحیات تم سے وفا نبھانے کی قسم کھا رکھی ہے میں نے۔آئندہ میرے ساتھ اس قسم کی بات مت کرنا' انڈر اسٹینڈ۔'' چاہنے کے باوجود وہ بہت زیادہ سخت لہجے میں اس سے بات نہیں کر سکا تھا۔

''شاری' پلیز' میں تمہاری ذات کی تکمیل نہیں کر سکتی' کوئی اور تو کر سکتا ہے۔اس میں تمہاری مجھ سے وفاداری میں کوئی آنچ نہیں آئے گی۔مجھے اعتبار ہے تم صرف مجھ سے محبت کرتے ہو، لیکن ذرا سوچو میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔میرے بعد بھی تو تم دنیاداری نبھاؤ گے کہ نہیں۔تمہارے سامنے زندگی پڑی ہے، جب کہ میری زندگی تو چراغِ سحری کی طرح ٹمٹما رہی ہے۔مجھے اور جیتے دیکھنا چاہتے ہو تو میری یہ خواہش پوری کر دو۔مینی ٹھوکر کھا کر سنبھلی ہے، تمہاری اچھی ہمسفر رہے گی۔''

''خدا کے لیے غزل' چپ ہو جاؤ۔تمہیں اپنی کم ہوتی زندگی کا ملال ہے۔تمہیں کیا خبر کہ تمہاری عمر سے بھی کم میری حیات ہو۔'' شارب بیڈ پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''خدا نہ کرے۔'' غزل بے اختیار ہی بول اٹھی۔

''مجھے بار بار اذیت دیتی ہو تب کیوں نہیں کہتیں خدا نہ کرے۔تم نے نوشتہ تقدیر تو نہیں پڑھا نا' تم اگر مجھے اسی طرح ستاتی رہیں، تو مجھے یقین ہے میں تم سے پہلے ہی تمہیں ہجر سے آشنا کر دوں گا۔''

''شاری' پلیز' ایسی باتیں مت کرو۔'' وہ شارب کے دل گرفتہ لہجے پر تڑپ اٹھی۔'' میں اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوں۔بس میری اتنی سی خواہش ہے کہ میں تمہیں مکمل دیکھنا چاہتی ہوں۔اس گھر میں خوشیاں بکھرتے دیکھنا میری تمنا ہے' کیوں مجھے محروم تمنا کرتے ہو۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''سنو غزل' میری زندگی میں تم ہو' تم ہی رہو گی۔مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے۔میری زندگی میں بہار آئے گی، تو تمہارے ہی توسط سے آئے گی ورنہ نہیں۔میں کسی اور کی زمین پر اپنی محبت کی فصل نہیں اگا سکتا، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔'' وہ قطعیت سے کہتا کمرے سے نکل گیا۔

غزل وہیں بیٹھی سسکنے لگی۔زندگی اس کے اندر لمحہ لمحہ کم ہو رہی تھی اور اسے شارب کو خوشیاں دینے کا ارمان بھی دم توڑتا محسوس ہو رہا تھا۔وہ سوچنے لگی تھی۔کیسے' کیسے شارب کو آمادہ کرے کیسے اسے سمجھائے کہ اس کی موت ایک اٹل حقیقت ہے۔وہ اس حقیقت کی آگ سے اس کی زندگی متاثر ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔شارب کی اس سے وابستہ خواہشیں اس کی زیست کے ساتھ ہی دم توڑ دیں گی، پھر وہ بے دم ارمانوں کو کیسے زندہ کرے گا۔اس کے اندر پھر سے تلاطم اٹھا تھا۔ذہن فرحت عباس شاہ کی ابھی کچھ دیر

پہلے پڑھی جانے والی نظم کے حروف گردش کر رہے تھے۔

وقت کو گزرنا ہے
موت کو حقیقت اور
زندگی کے سپنے کی
بحث کو پرانی ہے
پھر بھی اک کہانی ہے
اور کہانیاں بھی تو
وقت سے عبارت ہیں
لاکھ روکنا چاہیں
وقت کو گزرنا ہے
ہنستے ہنستے شہروں کو
ایک دن اجڑنا ہے
راحتیں ہوائیں ہیں
چاہتیں صدائیں ہیں
کیا کبھی ہوائیں بھی
دسترس میں رہتی ہیں
کیا کبھی صدائیں بھی
کچھ پلٹ کے کہتی ہیں
پیار بھی نہیں رہنا
اور پیار کا دکھ بھی
آنسوؤں کے دریا کو
ایک دن اترنا ہے
خواہشوں کو مرنا ہے
وقت کو گزرنا ہے

غزل ہاسپٹلائز تھی اور کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا، کہ وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ شارب کی ہمت اور حوصلے کو سراہنے کے باوجود اس کے دوستوں کو اس سے شکوہ تھا، کہ اس نے انہیں اپنی دلجوئی کے قابل بھی نہیں سمجھا۔ پھوپو الگ پریشان تھیں۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے شارب نے اپنا دکھ انہیں نہیں بتایا تھا اور اب بھی خاموش لب سیے اپنے ضبط کو آزما رہا تھا۔ یہ تو وہی جانتا تھا، اس کا رواں رواں غزل کی

حیات کی بھیک مانگ رہا ہے۔ اس کی ہر سانس فریاد کناں ہے۔ ڈاکٹرز نے تو کہا تھا، وہ ابھی کئی سال جی سکتی ہے، اگر اپنے اندر جینے کی امنگ پیدا کرے تو..... مگر غزل تو ابھی سے اسے تنہا کرنے کا ساماں کر رہی تھی، جب کہ وہ تو سمجھتا رہا تھا اس کی محبت غزل کو اپنے ساتھ ساتھ لے کر دور، بہت دور تک جائے گی اور وہ ابھی سے.....

شارب آئی سی یو میں اس کے پاس کھڑا بہت کرب میں تھا۔ اس کی آنکھوں کی نمی، سانسوں کی گرمی، دل کی دھڑکن سبھی غزل کو پکار رہے تھے۔ لوٹ آنے کی منتیں کر رہے تھے۔

غزل، تم اس طرح عہد وفا نہیں توڑ سکتیں۔ تم ساتھ جینے مرنے کی قسمیں نہیں بھلا سکتیں۔ جب تک میں زندہ ہوں، تمہیں بھی جینا پڑے گا ورنہ..... دیکھو لوٹ آؤ اس سے پہلے کہ میرے حوصلے ٹوٹیں، میں بھی جینے کا ارمان چھوڑ دوں۔ تمہیں واپس آنا ہے۔

شارب نے اپنی بے آواز صداؤں کو جیسے اس کی روح میں اتارا تھا۔ وہ اس کی پکار پر آخری حد سے پلٹ آئی تھی۔ شاید ابھی زیست باقی تھی اور صرف اس کی آزمائش مقصود تھی۔ کاتب تقدیر نے ابھی ہجر کا حکم صادر نہیں کیا تھا، ابھی تو وہ آس کے دیے کی مانند پھر سے جھلملانے لگی تھی۔

''کیا اس طرح کوئی کرتا ہے۔'' پہلی بار شارب نے اس کے سامنے اپنا حوصلہ ہارا تھا۔ آنکھوں سے اس کی محبت دو آنسوؤں کی صورت چھلک پڑی تھی۔

غزل ہوش میں آ چکی تھی اور اب کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اسے بھی یقین تھا کہ یہ شارب کی محبت کی طاقت ہی تھی، جس نے اسے موت کے ظالم پنجوں سے چھڑا کر اپنی پناہ میں لیا تھا۔

''میں نے تو تم سے کہا تھا شارب، میں تبھی جی سکوں گی، جب تمہیں مکمل دیکھوں گی۔ کیا تم اب بھی میری خواہش پوری نہیں کرو گے؟''

وہ اتنے اذیت ناک لمحے گزار کر بھی اپنی ضد پر جیسے ڈٹی تھی۔ شارب نے اسے لب بھینچ کر دیکھا۔ وہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھائے گی، اس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی موت و حیات کی اس کشمکش کے بعد اگر وہ اسے سولی چڑھنے کے لیے بھی کہے گی، تو وہ سر تسلیم خم کر دے گا۔

''تم ابھی ان باتوں کو مت سوچو سوہنی، اپنی حالت دیکھو اور.....''

''میری آسودگی اسی میں ہے شاری، تم مجھے جیتے دیکھنا چاہتے ہو اور میں تمہارے آنگن کی بہار دیکھنے کی تمنائی ہوں۔ تم میرے جینے کا سامان کرو، میں اپنے دشمن کو ہرانے کا حوصلہ پیدا کرتی ہوں یا پھر مجھے.....''

''شش، زیادہ نہیں بولو۔ تم ٹھیک ہو کر گھر آ جاؤ، پھر تم جیسا کہو گی ویسا ہی ہوگا، مگر پہلے تمہیں اپنے دشمن کو زیر کر کے اپنی ثابت قدمی کا ثبوت دینا ہے۔ جلدی سے صحت یاب ہو جاؤ، پھر میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔ اپنا ہر عہد نبھاؤں گا۔''

مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلی تھی۔ شارب کی آئندہ زندگی کی آسودگی اطمینان بن کر اس کے اندر اتری تھی۔ اس کے دل و ذہن سے جیسے بہت بڑا بوجھ سرکا تھا۔

اب اسے اپنی لحہ لحہ کم ہوتی زندگی کا کوئی دکھ نہیں رہا تھا اور نہ ہی اپنے اندر اترتی پھیلتی موت کا خوف تھا۔ شارب کی محبت اور توجہ سے وہ پھر سے روبہ صحت تھی۔ سبھی اس کی خبر گیری کو آتے تھے۔ اسے دعائیں دے کر لوٹتے تھے۔ وہ سب کی دعاؤں کے سبب ہی تیزی سے زندگی کی طرف پلٹ رہی تھی۔ ڈاکٹر فوزیہ اس سے ایسی ہی مدافعت کی توقع کرتی تھیں۔

وہ گل آباد میں جیسے نیا جنم لے کر آئی تھی۔ اس کی پذیرائی پہلے سے زیادہ محبت و خلوص سے ہوئی تھی۔ پھوپو پہلے سے زیادہ مہربان اور مشفق تھیں۔ شارب نے تو کبھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا تھا' تبھی تو وہ اتنے اچھے انسان اور بہترین شوہر کی وفاؤں اور اچھائیوں کو اپنی چاہت کے خالی پنجرے میں قید نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ محبت و وفا کی مٹی سے گندھا شخص اپنے پیکر کے کئی عکس گل آباد کے ہر کمرے میں سجا دے۔

****

غزل نے عنیزہ کو شارب کا پروپوزل دیا تھا۔ یہ خبر سبھی کے لیے دھماکہ خیز تھی۔ اس سے بھی زیادہ حیرت ناک عنیزہ کا مان جانا تھا۔ جینی' کاشی' شرمین سبھی باری باری اس خبر کی تصدیق کرنے آئے تھے اور تصدیق کے بعد غزل کی ذہنی حالت پر شک کرنے کے بعد اسے سمجھایا بجھایا بھی تھا۔ پھوپو بھی متفکر تھیں۔ یہ لڑکی نجانے اپنے ساتھ کیا کرنے جا رہی تھی۔ اپنے ہاتھوں اپنی چاہت' محبت' مان مرتبہ کسی دوسرے کو سونپ رہی تھی اور شارب خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ غزل کی من مانی پر اس کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں تھا۔ حتیٰ کہ عنیزہ بھی اس سے ملنے اس کے آفس پہنچ گئی تھی۔ اس کے استفسار پر شارب نے فقط اسے اتنا کہا تھا۔

''تم غزل کی خوشی ہو۔ اگر تم غزل کی خوشی بن کر میری زندگی میں آنا چاہتی ہو، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

عنیزہ شارب کے سپاٹ رویئے سے کشمکش میں پڑ گئی تھی، پھر بھی شارب کے حصول کی تمنا کو وہ دبا نہیں سکی تھی، اسی لیے تو خاموشی سے غزل کے ساتھ تیاریوں میں مصروف تھی۔ غزل عنیزہ کے لیے بھرپور شاپنگ کر رہی تھی۔ اس کے لیے تمام چیزیں اس کی پسند سے خریدی تھیں۔ اس کے لیے شارب کا پرانا والا کمرہ بھی نئے سرے سے سیٹ کروایا تھا۔

شارب خاموشی سے اس کی حرکتیں دیکھتا رہتا تھا۔ اس کا بچوں کی طرح خوش ہونا یا خوش ہونے کی ایکٹنگ کرنا اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا، لیکن وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اندر ہی اندر کوئی آگ تھی، جو اسے سلگا رہی تھی۔ غزل اس سے کیا کروا رہی تھی' جس کے لئے وہ ذہن و دل دونوں سے ہی آمادہ نہیں تھا۔ اس کی روح کی طلب کیا تھی اور وہ اسے کس طرف بھیج رہی تھی۔ اپنی خواہش کے پردے میں اپنے لیے خود ہی سزا کا انتظام کرتی غزل پر اسے غصہ بھی آتا تھا اور رحم بھی۔ کوئی اسے کہنے والا نہیں تھا، کہ تم اپنے ساتھ ہی اچھا نہیں کر رہیں۔ اپنے غلط فیصلے پر پچھتانے سے پہلے ہی سنبھل جاؤ، مگر وہ کس کی سنتی وہ تو مگن

تھی۔ حیرت انگیز طور پر اس کی صحت بھی بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی توجہ سب پر تھی، سوائے شارب کے جو دن بہ دن بجھتا' الجھتا جا رہا تھا۔

غزل کا مقرر کردہ دن بالکل قریب تھا اور اس پر تلوار کی طرح لٹک رہا تھا۔ ذہن و دل کشمکش کے حصار میں تھے اور اسی کشمکش سے نکلنے کا سوچتے سوچتے وہ نڈھال ہو رہا تھا، لیکن کوئی راہ نہ تھی۔ غزل کو سمجھانا عبث تھا۔ اس معاملے پر وہ جیسے کچھ سننے پر راضی ہی نہ تھی۔ غزل کو مطمئن اور خوش باش ہوتے دیکھ کر شارب نے بھی جیسے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس کی زندگی کا مقصد تو غزل ہی کو خوش دیکھنا تھا، اگر یہ خوشی پا کر غزل کی زندگی کے کچھ شب و روز بڑھ جاتے ہیں' وہ زندگی کی طرف لوٹنے لگتی ہے تو ٹھیک ہے' میں یہ کام بھی کر گزروں گا...... شارب نے ٹھنڈی سانس لے کر جیکٹ سے نیا سگریٹ نکال لیا۔

****

پھر چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ شارب نے لب بھینچ کر نکاح نامے پر دستخط کیے اور سب سے پہلی مبارک باد رنگ و نور میں ڈوبی محفل کو تابندگی بخشتی غزل کی جانب سے وصول کی۔ غزل اس دن ٹی پنک شیفون کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ ایک ہلکی سی تھکن کے علاوہ اس کے چہرے پر حزن ملال کی کوئی کیفیت نہ تھی۔

شارب نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ عنیزہ کے بائیں جانب بیٹھی اس کے جوڑے میں لگی بیلے کی کلیاں درست کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو دونوں کی نظریں ملیں۔ شارب کی نظروں میں حسرت تھی۔ غزل نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا اور سیدھی ہو کر فوٹوگرافر کی طرف دیکھنے لگی۔ شارب بھی اس طرف متوجہ ہو گیا۔

دلہن بنی عنیزہ نے کن انکھیوں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔ اس لمحے اسے لگ رہا تھا، اس کا دل گویا کانوں میں دھڑک رہا ہے۔ غزل کا اب تک کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا، مگر کل کیا ہوگا' اس بارے میں اس کے دل میں بہرحال خدشات تو موجود تھے ہی' سو وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آنے والے لمحوں کی منتظر تھی۔ شارب کا حصول اس کی اتنی بڑی تمنا بن گئی تھی، کہ اس گلاب کے ساتھ اگر کچھ کانٹے بھی ملنے تھے، تو اس نے دھیرج سے ان کانٹوں کو چن لینے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

پھر رات گئے جب یہ محفل سمٹی تھی' شارب عنیزہ کو رخصت کرا کے گھر لے آیا تھا۔ غزل نے بڑے شوق اور اطمینان کے ساتھ عنیزہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کے سجے سجائے کمرے میں پہنچایا تھا۔ کمرے میں پھولوں کی اتنی دلفریب مہک رچی تھی کہ شارب بے اختیار غزل سے نظریں چرا گیا اور انٹرکام پر اپنے لیے کافی کا آرڈر دینے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں ملازم کافی لے آیا، تب غزل نے اپنا مگ اٹھایا اور دونوں کو شب بخیر کہتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ کمرہ جہاں قدم قدم پر شارب کے سائے اب بھی موجود تھے۔

اس نے کافی کا مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور ایک تھکی ہوئی سانس لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ سامنے ہی اس

کی اور شارب کی شادی کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ شارب کے چہرے پر ایک آسودہ مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں چمک.....

غزل نے ہاتھ بڑھا کر تصویر اٹھالی۔ کتنی ہی دیر تک اس کی انگلیاں شارب کی مسکراہٹ کو چھونے کی کوشش کرتی رہیں حتیٰ کہ شفاف شیشے نے اس کی پوروں کو سرد کر دیا۔ ساڑھی کے پلو پر گرتے قطروں کو دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہے، لیکن اس نے اپنے آنسو پونچھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اب اسے کوئی ایسا کام کرنا بھی نہیں تھا، جس سے زندگی کا احساس ہوتا۔ رگ و پے میں دوڑتی ٹیسوں کی شدت نے اسے بخوبی یاد دلا دیا تھا، کہ اس نے کتنے دنوں سے اپنی میڈیسن نہیں لی ہیں، لیکن اب اسے پروا بھی نہیں تھی۔ زندگی کا اصل مقصد جیسے پورا ہو گیا تھا۔ تکیہ سیدھا کر کے وہ لیٹ گئی۔ بالکل سیدھی، دایاں ہاتھ تصویر پر تھا، جو اس کے سینے پر دھری تھی۔

اسے لگ رہا تھا سناٹا محض اس کے کمرے میں ہی نہیں، پورے گھر میں پھیلا ہوا ہے۔ کہیں کوئی آواز نہ تھی حتیٰ کہ دل کی دھڑکن بھی ٹھہر ٹھہر کر ابھر رہی تھی۔

ایک لمحے کو اس کا جی چاہا کہ آواز دے کر کسی کو بلائے، کسی کو بتائے کہ کیا بیت رہی ہے اس پر مگر..... کس کو؟ وہ جو اس کے سب سے قریب تھا، اسے تو خود ہی اس نے دوسری منزلوں کی طرف روانہ کر دیا تھا اور اب یہ سفر..... یہ سفر آخرت تو یوں بھی اکیلے ہی طے کرنا تھا۔

اسے لگ رہا تھا اس کا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب رہا ہے۔ کمرے کی آکسیجن کم ہو گئی ہے، اس نے منہ کھول کر گہرا سانس لینا چاہا..... ہمیشہ کی طرح بایاں ہاتھ پھیلا کر شارب کو متوجہ کرنا چاہا، لیکن اس کا ہاتھ خالی پڑے تکیے سے ٹکرایا۔ تکیہ سے کوئی چیز اس کے اندر ٹوٹ گئی۔

گردن موڑ کر اس نے اپنے پہلو میں دیکھا، جہاں اس کے شارب کو ہونا تھا..... ہونا چاہیے تھا..... مگر وہ نہیں تھا..... دایاں ہاتھ اٹھا کر اس نے پھر تصویر کو دیکھنا چاہا، شارب یہاں تھا، مسکراتا ہوا، اس کی طرف دیکھتا ہوا..... مگر سرد شیشے میں بند یہ مسکراہٹ اس کے اندر زندگی کی لہر نہ جگا سکی۔ وہ تصویر کو دیکھتی رہی، دیکھتی رہی حتیٰ کہ منظر دھندلا ہو گیا، تب اس کا ہاتھ تصویر کا بوجھ بھی نہ سہار سکا۔ تصویر اس کے سینے پر گر پڑی، جہاں شارب کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر آہستہ آہستہ پرسکون ہو رہا تھا۔

اس نے آنکھیں موند لیں۔ اب اسے کوئی ملال نہیں تھا، کوئی دکھ نہیں تھا، کہیں درد نہیں تھا، کوئی تکلیف نہ تھی۔ سر سے پیر تک ایک ٹھنڈا سکوت اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ اس کی دھڑکنیں معدوم ہو چکی تھیں۔ اس نے اپنا عہد محبت نبھا دیا تھا۔ شارب کی زندگی میں نئے پھول کھلا دیئے تھے۔ دور کہیں آسمانوں میں اس کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

مسافتیں کٹھن ہیں مگر

''بھابی سنا آپ نے، اماں نے ولید کیلئے لڑکی دیکھ لی ہے۔'' سبزی کاٹتی زینب بھابی کے ہاتھ سے چھری گر گئی۔ یہ خبر ان کیلئے نا صرف حیران کن تھی، بلکہ تشویشناک بھی۔ یہ خبر دینے والی ان کی چھوٹی دیورانی کلثوم تھی، جو چاول چننے کیلئے قریب آ بیٹھی تھیں۔

''کیا تم صحیح کہہ رہی ہو؟'' زینب کو جیسے یقین نہ آیا، تصدیق کیلئے اسے دیکھا۔ ''تمہیں کیسے پتا، اوہ تو کیا کل اماں اسی مقصد کیلئے ولید کے ساتھ نکلی تھیں۔ اتنی رازداری ہم سے برتی جا رہی ہے۔'' وہ جیسے کسی شاک میں تھیں۔

''مجھے بھی بس اچانک ہی معلوم ہوا ہے۔ ورنہ اماں ہمیں کہاں بتانے والی تھیں۔ میں تو خود حیران ہوں، ہم سے ایسی پردہ داری، جیسے ہم ولید کے دشمن ہوں۔ ہم سے مشورہ تک نہیں لیا۔ یہاں تک کہ ساتھ چلنے کیلئے جھوٹے منہ بھی نہ کہا۔ کل میں پوچھتی رہ گئی، کہ اماں اتنی تیاری سے کہاں جا رہی ہیں، مگر انہوں نے بہانہ بنا دیا کہ ولید کے دوست کے گھر جا رہی ہوں۔'' کلثوم نے بھی دل کا غبار نکالا۔ آگے پیچھے دیورانی، جیٹھانی میں بالکل نہ بنتی تھی، مگر جہاں ساس، دیور یا نندوں کا معاملہ آیا۔ سر جوڑ کر شیر و شکر ہو جاتی تھیں۔

''سچ کہتی ہو۔ اماں نے تو ہوا تک نہ لگنے دی، وہ ہمیں اپنا کب سمجھتی ہیں۔ ہمیشہ غیروں والا سلوک کیا۔ دونوں بیٹوں کی دفعہ بھی عین وقت پر دیکھ بھال کر کے سارے معاملات طے کرنے کے بعد خانہ پری کو ہمیں لے گئی تھیں۔ پھر شکایت ہوتی ہے کہ بہویں اپنا نہیں سمجھتیں۔ یہ لوگ اپنے رویے نہیں دیکھتے کہ کیا کر رہے ہیں۔ ارے اب کوئی ان سے پوچھے نا۔'' زینب بھابی سبزی کی ٹوکری ایک طرف رکھ کر نمناک ہو گئیں۔

چھوٹی بھابی نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے ادھر ادھر نگاہ دوڑانے کے بعد سرگوشی کی۔

''ایک بات اور ہے بھابی جان، آصف بھائی اور عاطف کو بھی پتا تھا یہ معاملہ۔ میں تو عاطف سے خوب

لڑی اور کیا بتاؤں بھلا' یہ اوقات ہے ہماری اس گھر میں کہ دیور کی شادی کا معاملہ چل رہا ہے اور ہم سے پردہ داری برتی جا رہی ہے۔ میں نے تو صاف کہہ دیا کہ شادی کی تیاریوں میں مجھ سے کوئی اُمید نہ رکھیں۔''

''کک...... کیا؟ ان کو بھی خبر تھی؟ توبہ خدایا! اتنے گھنے ہیں یہ لوگ۔ دس سال ہو گئے ہیں شادی کو، گھر میں آج تک نہ انہیں سمجھ سکی۔'' زینب بھابی کو تو جیسے پتنگے لگ گئے۔ ''سب پتا ہے مجھے' اماں نے یہ سب چپ چپیتے کیوں کیا ہے۔ میں نے اپنی بہن ارسلہ کیلئے کہا تھا نا۔ ارے میں اپنی بہن زبردستی گلے تو نہیں ڈال رہی تھی' نہ تو نہ سہی ہزاروں رشتے ارسلہ کیلئے' ایک ولید ہی تو نہیں رہ گیا تھا دنیا میں۔''

کلثوم بھابی آگ لگا کر تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ شاید اس لئے بھی کہ اپنے دل میں ایسی کوئی خواہش نہ رکھتی تھیں۔ دوسری بات اہم یہ تھی، کہ رشتے میں بھتیجی ہونے کے سبب وہ ساس سے کچھ قریب بھی تھیں۔ اماں زیادہ تر انہی پر مہربان رہا کرتی تھیں۔

''چھوڑیں بھابی! آپ کیوں اپنا خون جلا رہی ہیں۔ ولید ان کی اولاد ہے، اس کا اچھا برا وہ خود جانیں۔ ویسے بھی اماں نے واضح تو کر دیا تھا کہ وہ ایک گھر سے دو بیٹیاں نہیں لیں گی، اب ہماری بلا سے' جہاں مرضی کریں۔'' کلثوم نے چاولوں کے چندوانے پھلانکتے ہوئے قدرے بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔

''مرضی ان کی سہی، مگر سوچو تو کلثوم آخر ہم بھی تو اسی گھر میں رہتے ہیں' ولید سے ہمارا بھی تو رشتہ ہے۔ بڑی بھابی کے ساتھ تایازاد بھی بھلے تو ہوں۔ تم کچھ نہ کہو' میں تو اماں سے ضرور پوچھوں گی۔''

''میرا تو نام مت لیجئے گا' ورنہ عاطف تو میرا یہاں رہنا دوبھر کر دیں گے۔ جانتی تو ہیں آپ کس قدر فرمانبردار ہیں وہ اماں کے۔''

''مجھے کیا ضرورت کسی کا بھی نام لوں ارے' یوں چہ گوئیاں چھپتی ہیں اور کیا میں اندھی ہوں دیکھ نہیں رہی۔ اماں اور ولید کی میٹنگیں تو مجھے پہلے ہی کھٹکتی تھیں۔ یہی بات ہے تو میں تو چلی جاؤں گی امی کی طرف' اماں کرتی رہیں! کیسی شادی' لے آئیں بہو۔''

''کس کی شادی' کس کی بہو لے آؤں میں۔''

اماں نہ جانے کب پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ کلثوم تو فوراً چونک کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ زینب بھی کچھ دیر کیلئے تو چور سی بن گئیں' پھر اماں کے دوبارہ پوچھنے پر جیسے پھٹ پڑیں۔ فطرتاً وہ کچھ منہ پھٹ بھی تھیں۔

''ولید کی شادی اور کس کی۔ اس گھر میں ہماری حیثیت ہی کیا ہے۔ آپ چپ چپیتے ولید کیلئے لڑکی دیکھ آئیں اور ہمیں بتانا تک گوارا نہ کیا۔''

''آئے ہائے...... تم سے کس نے کہہ دیا؟ اور تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں تمہارے بغیر اتنی بڑی بات اکیلی طے کر آؤں گی۔ نادان سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے۔'' اماں بھی بھڑک اٹھیں اور پھر کچن میں موجود چھوٹی کھانے کی میز کے گرد پڑی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہو گئیں۔

''میں جیسے جانتی نہیں کیا۔'' ان کے ماتھے کی سلوٹ سیدھی نہ ہوئی۔

''وہی تو پوچھ رہی ہوں کیسے جانا تم نے' کس نے بھڑکایا ہے تمہیں۔''

''اس میں بھڑکانے والی کیا بات ہے۔ کل آپ ولید کیلئے لڑکی نہیں دیکھ کر آئیں۔ ہمیں کہا کہ ولید کے دوست کے گھر جا رہی ہیں جبکہ۔'' زینب نے سبزی کی ٹوکری اور چھری دوبارہ اپنی طرف کھسکائی۔

''اوہو تو اس لئے بدگمان ہو رہی ہو۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اکیلے لڑکیاں دیکھتی پھروں۔ سچ پوچھو تو مجھے خود خبر نہیں تھی، کہ ولید مجھے دوست کے گھر لے جانے کے بہانے لڑکی دکھانے لے جا رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ گئی ضرور تھی، لیکن میں نے ابھی ہاں نہیں بھری۔ بھلا ایک نظر دیکھ لینے سے معاملے طے ہوتے ہیں کیا اور پھر تم دونوں سے مشورہ کئے بغیر میں ایسا کوئی قدم اٹھا سکتی ہوں۔'' اماں کی مسکراہٹ اور نرمی نے دونوں بہوؤں کو نا صرف حیران کر دیا، بلکہ کلثوم تو کھل ہی اٹھی۔ زینب نے بھی بے یقینی سے دیکھا۔

''واقعی اماں ابھی آپ نے لڑکی پسند نہیں کی۔''

''تمہیں یقین کیوں نہیں' تم دونوں تو میری دیکھی بھالی تھیں۔ کسی سے کیا مشورہ لیتی۔ خاندان کی بچیاں ہو۔ ایک جیٹھ کی تو دوسری بھائی کی۔

تیسری بھی خاندان سے ہی لانے کا سوچ رہی تھی، مگر وہ ولید اپنی ضد پہ اڑا ہے کہ خاندان میں شادی نہیں کرے گا۔''

''کہ...... یا؟ ولید کی ضد؟'' دونوں بیک وقت بولیں۔

''ہاں...... تو اور کیا۔ میں تو خوب بگڑی' اپنی ناراضگی بھی دکھائی، مگر کہنے لگا پہلے اس کی پسند دیکھ لوں پھر کچھ کہوں۔ راستے میں ہی تو اس نے مجھے بتایا تھا کہ دوست کی بہن کو دکھانے لے جا رہا ہے۔ چلی گئی تھی تو مجبور تھی کیا کرتی۔''

دونوں بہوؤں کے ذہن و دل میں سوال کلبلانے لگ گئے آخر کلثوم سے رہا نہ گیا۔ ''کیسی ہے لڑکی' اماں؟''

اماں نے رخ روشن چھوٹی بہو کی طرف موڑا۔

''میں نے کہاں ٹھیک طرح دیکھی۔ ولید پر مجھے غصہ ہی بہت تھا۔ لو بھلا اس طرح بنا بتائے کسی کے گھر جایا جاتا ہے۔ وہ بھی لڑکی دیکھنے؟ ایسی بوکھلائی' بوکھلائی سفید لباس میں پھر رہی تھی لڑکی جیسے اسکول کالج سے آئی ہو۔ جیسے اس کے بھی ہاتھ پیر پھولے ہوئے ہوں' چائے سامنے رکھ کر دوبارہ شکل بھی نہیں دکھائی۔ لڑکی کے دونوں بھائی ولید کے دوست ہیں۔ بتا رہا تھا کچھ عرصہ پہلے ہی ماں باپ آگے پیچھے رخصت ہوئے ہیں۔ بھائی چاہتے ہیں بہن کو اپنے گھر کا کر دیں، حالانکہ وہ یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔''

''اوہ! یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ تبھی ولید کو گھیرا ہے۔'' زینب بھابی دل میں آئی بات دل میں روک لیں' ایسا کب ممکن تھا۔

''تبھی تو' ولید خاندان کی لڑکیوں میں نقص نکالا کرتا ہے۔ حیثیت میں کیسے ہیں وہ لوگ اماں؟'' زینب کو تو پوری کرید تھی۔

''اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ گھر بھی کافی بڑا ہے اور سلیقہ بھی نظر آتا ہے، جبکہ سنا ہے ماں کو گزرے ہوئے چھ سات سال ہو گئے۔ لڑکی نے ہی سنبھال رکھا ہے گھر۔''

''اماں آپ تو سب ہی کچھ دیکھ آئیں، بلکہ پرکھ بھی آئیں۔ پھر بھی کہتی ہیں دیکھا کچھ نہیں۔''

''ارے..... زینب' تم تو جیسے اُدھار کھائے بیٹھی ہو۔ کہا تو ہے کہ تم دونوں کے بغیر کوئی کام نہیں کروں گی اور پھر ابھی تو میرا دل نہیں مانتا۔ اپنے خاندان میں لڑکیاں موجود ہیں، تو میں باہر کیوں نکلوں۔''

اماں نے جیسے زینب کی دلی مراد پوری کی۔

''ہاں اماں آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ نہ جانے کیسے لوگ ہوں وہ لیکن کیا ولید مان جائے گا۔ آپ کہتی ہیں وہ اپنی ضد پر اڑا ہے۔'' کلثوم نے جیسے انہیں یاد دلایا۔

''مانے گا کیوں نہیں۔ میری مرضی کے بغیر وہ اپنی پسند لا سکتا ہے بھلا۔'' اور یہ بات تو وہ جانتی تھیں، اس گھر میں سکہ اماں کا ہی چلتا تھا۔ آصف' عاطف حتیٰ کہ اماں کا لاڈلا ولید تک ان کے فیصلوں سے انحراف نہیں کیا کرتے تھے۔

***

رات کو کھانے کی میز پر سب ہی کے سامنے ولید کی پسند کا معاملہ زیرِ غور تھا۔ دونوں بھائی تو بنا اعتراض ولید کے حق میں ووٹ دے چکے تھے، کہ آخر وہ ان کا بھی دلارا تھا۔ جبکہ بظاہر بھابیاں خاموش تماشائی تھیں، مگر اندر ہی اندر اماں کی ہمنوا تھیں۔ شام کی میٹنگ میں فیصلہ ہوا تھا کہ اماں کو ولید کیلئے خاندان ہی کی کسی لڑکی کو منتخب کرنا چاہئے۔ ارسلہ نہ سہی کوئی اور کزن سہی، آخر کزنز کی کمی تو نہ تھی۔

''دیکھو ولید' شادی دو خاندانوں کے ملن کی بات ہوتی ہے۔ سچ پوچھو تو میرے دل کو یہ بات نہیں بھا رہی۔ جو لڑکی بھائیوں کی موجودگی میں ان کے دوست کے ساتھ روابط بڑھا رہی ہو' وہ میرے نزدیک صاحب کردار نہیں ہو.....'' اماں کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

''پلیز اماں' وردہ کے بارے میں ایسی بات مت کیجئے۔ اس سے شادی میری خواہش ہے اس کی نہیں۔ وہ اس معاملے سے بالکل بے خبر ہے۔ آپ خوامخواہ اس پر تہمت نہ لگائیں۔'' وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''ارے میں (تہمت) لگا رہی ہوں۔ وہی کہہ رہی جو نظر آ رہا ہے۔ تم ایک غیر لڑکی کیلئے اپنی ماں کی بات ٹھکرا رہے ہو۔ تمہارے بھائیوں نے بھی تو خاندان کی لڑکیوں سے شادی کی ہیں۔ دونوں خوش اور سکھی ہیں۔ سب ہی کے دکھ سکھ سانجھے ہیں۔ میں اب اس عمر میں غیروں میں رشتہ لگا کر اپنا بڑھاپا خراب کر لوں۔'' اماں کا پارہ بھی ایک دم ہائی ہو گیا تھا۔

''تو میں اپنی زندگی خراب کر لوں۔ نہیں کرنی مجھے خاندان میں شادی۔'' وہ بھی اماں کا بیٹا تھا۔ کرسی پیچھے ہٹا کر اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

سب ہی خاموشی سے دیکھے گئے۔

''تو پھر میری بھی سن لو' میں بھی نہیں اس لڑکی کو اس گھر میں لانے کی۔'' اماں کا انداز قطعیت بھرا اور

غصے سے لبریز تھا۔

آج تک کسی نے ان کی بات رد نہیں کی تھی، شوہر کے بعد اپنے بیٹے بیٹیوں کے معاملات انہوں نے تنہا طے کئے تھے اور اپنی منوائی تھی، لیکن اس بار ولید جیسے بغاوت پر اتر آیا تھا۔ دونوں کے درمیان سرد سی جنگ چھڑ گئی تھی۔ گھر کی فضا بھی سرد سی رہنے لگی۔

ولید ہی تھا، جو کسی نہ کسی بات پر ہلہ گلہ کئے رکھتا تھا۔ بھتیجے' بھتیجیوں کے ساتھ بچہ بنا وہ گھر کی رونق بڑھائے رکھتا تھا، مگر اماں سے ناراضگی کے بعد وہ نا صرف سب سے روٹھا ہوا تھا، بلکہ خود سے بھی خفا ہو کر کھانے پینے کی ہڑتال کئے ہوئے تھا۔

اماں کو ایسی صورتحال کا سامنا پہلی بار کرنا پڑا تھا۔ دل میں بے شک اس کی محبت ہمکتی رہتی تھی، مگر اپنے غصے اور حق بجانب ہونے کا زعم انہیں پتھر بنائے ہوئے تھا۔ دو سرا دونوں بہوؤں کی کوشش تھی کہ اماں ولید کی ضد توڑ کر اپنی منوا کر رہیں۔ ایک ہفتہ تو انہوں نے خاموشی سے گزار دیا تھا۔ آخر چھٹی والے دن بھی جب ولید نے گھر سے باہر جانے کیلئے قدم بڑھائے، تو وہ جیسے پھٹ پڑیں۔

''یہ تماشا اور کتنے دن چلے گا لڑکے۔'' غصے میں وہ بیٹوں کو لڑکے ہی کہا کرتی تھیں۔ بیٹا کہنا یا نام لینا ان کے موڈ کے سازگار ہونے کی نشاندہی کیا کرتا تھا۔

''کیسا تماشا' اب میں نے کیا کیا ہے؟'' ولید نے سرد مہری سے جواب دیا۔ اسے بھی شدید غم تھا کہ اماں نے اس کی جائز خواہش کو کس بری طرح رد کیا تھا۔

''عجب وطیرہ اپنائے ہوئے ہو۔ کوئی ادب' لحاظ تمیز باقی رہی ہے کہ نہیں۔ اس لڑکی کا ایسا جادو چلا ہے تم پر کہ ماں کا احترام بھی بھول گئے ہو تم۔ سوچتی ہوں وہ اس گھر میں آ کر کیا کچھ نہ بھلا دے گی تمہیں۔''

''پلیز اماں میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اس معاملے میں وردہ پر کوئی الزام نہ رکھیں۔ میں نے آپ سے کوئی ناجائز خواہش نہیں کی۔ یہ میرا حق ہے۔ زندگی مجھے گزارنی ہے، تو زندگی کا ساتھی میری پسند کا ہونے میں کیا گناہ ہے۔ آپ کو تو اپنا فرض پورا کرنا ہے نا۔'' وہ بھی آخر پھٹ ہی پڑا۔

ٹی وی لاؤنج میں اماں کیلئے چائے لاتی کلثوم بھابی ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔ نہ جانے اماں جواباً کیا کہنے والی تھیں۔

''ارے..... تیرا مطلب ہے میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں نے ساری زندگی تم لوگوں کی خوشیوں کیلئے اپنا آپ مارے رکھا اور آج تم مجھے یہ صلہ دے رہے ہو۔ ایسا ہے تو جاؤ خود کو کر لو اپنی آرزو پوری' بیاہ لاؤ اپنی پسند مگر یاد رکھنا۔ ساری زندگی پھر میری شکل نہ دیکھنا۔'' اماں نے جذباتی انداز میں اس کی طرف سے نا صرف رخ پھیر لیا، بلکہ اٹھ کر چل دیں۔ ولید بھی اس وقت غصے میں تھا۔ گھر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

ولید کو نہ جانے کیا ہوا تھا۔ ایسا ضدی تو وہ کبھی نہیں رہا تھا۔ اماں سے کبھی کبھی فرمائش لاڈ اٹھوائے ضرور تھے، مگر ہٹ دھرمی سے نہیں، بلکہ خوش دلی سے۔ اماں رات تک اماں اپنے کمرے میں بند رہیں، جبکہ ولید کا کہیں اتا پتا نہ تھا۔ بہوویں بیٹے اماں کے آگے پیچھے پریشان تھے اور وہ خوب اپنی بھڑاس نکال

رہی تھیں۔

ولید صبح کا نکلا رات تک گھر نہ لوٹا، تو ان کے غصے میں تشویش شامل ہوگئی۔

''عاطف پتا کرو اس نانجار کا۔ وہیں ہوگا اس چڑیل کے گھر۔ شرم وغیرہ تو جیسے ختم ہی ہوگئی ہے لوگوں میں۔ جوان لڑکوں کو ورغلا کر گھر اور ماں سے باغی کردیتے ہیں۔ بلاؤ اسے' میں آج فیصلہ کر کے رہوں گی۔'' وہ ایک بار پھر غضبناک ہوگئیں۔

''اماں آپ خوامخواہ غصہ کر رہی ہیں۔ وہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں نبیل اور راحیل کو۔ شریف لوگ ہیں۔ میرا تو خیال ہے ابھی انہیں ولید کے ارادے اور نیت کا علم بھی نہیں ہے ورنہ۔'' عاطف نے اماں کے غصے کے باوجود بے بدبے لہجے سے اپنی بات بیان کی۔

''لو اب تم بھی اس کے حمایتی بن گئے۔ ایسے ہی تو وہ اتنا شتنا نہیں رہا۔ ادھر کا آسرا نہ ہوتا، تو یہ طور طریقے ہوتے اس کے۔ فون کرو اور بلاؤ اسے۔'' اماں کے سامنے مزید بولنے کی جرأت کسی میں نہیں تھی۔

عاطف نے خاموشی سے اپنے سیل سے ولید کا نمبر ملایا، مگر جواباً نو رسپونڈنگ کا ریکارڈڈ میسج موصول ہو رہا تھا۔ کافی دیر کی کوشش کے بعد بھی ولید سے رابطہ نہیں ہوا، تو عاطف بھی پریشان ہوگیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ولید اپنے کسی بھائی سے بھی رابطے میں نہ رہے، جبکہ اس سے کوئی بات ہوئے پندرہ سولہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ مجبوراً اس نے اس کے دوست نبیل کے گھر کا نمبر ملایا' جہاں سے جواب سننے کے بعد عاطف مزید پریشان ہوگیا۔

''کیا ہوا۔ وہیں ہے نا' میں نہ کہتی تھی۔ چپ کیوں ہو۔ نکاح پڑھوا دیا ہے انہوں نے اپنی بہن کا اس سے۔''

''ایسی بات نہیں ہے اماں' وہ جس دن آپ کے ساتھ گیا تھا، اس کے بعد سے ان سے نہیں ملا۔'' عاطف نے دھیمے لہجے میں قدرے زچ ہو کر جواب دیا۔

''منع کر دیا ہوگا اس نے۔ جھوٹ بول رہے ہوں گے وہ' جاؤ دیکھو وہیں ہوگا۔ اتنی رات تک اور کہاں ہو سکتا ہے۔''

''اماں' اس کے اور دوست بھی تو ہیں۔ کہیں اور بھی جا سکتا ہے۔ بھائی جان آپ سے دن میں رابطہ ہوا ہے اس کا؟''

آصف بھائی جواباً نفی میں گردن ہلائی۔

''اچھا اماں پریشان نہ ہوں۔ میں اس کے باقی دوستوں سے معلوم کرتا ہوں۔'' عاطف اپنا موبائل لے کر کمرے سے نکل گئے اور پیچھے پیچھے آصف بھائی بھی۔ قدم باہر کی جانب بڑھا دیے۔

''کیا بات ہے عاطف۔ تم نبیل سے بات کر کے پریشان ہوگئے ہو۔ کیا اماں کا کہا سچ ہے وہ نکاح.....''

''بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ گھر سے باہر جانے والی راہداری کی طرف بڑھتے ہوئے

بولے۔

''پھر کیا بات ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟ ہاسپٹل.....''

''کیا؟ کیا مطلب۔ کیا ہوا ہے اسے۔'' آصف ایک دم بوکھلا اٹھے تھے۔

''صبح گھر سے نکلتے ہوئے اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ نبیل بتا رہا تھا، اس نے گھر والوں کو پریشان نہ کرنے کیلئے کہا تھا۔ اس لئے اطلاع نہیں دی گئی۔ وہ اپنا موبائل بھی گھر ہی کہیں چھوڑ گیا تھا، ورنہ ہم باخبر ہو جاتے۔ آپ چل رہے ہیں یا میں چلا جاؤں۔'' عاطف نے اصل بات انہیں بتائی تو وہ بھی پریشان ہو اٹھے۔

''بھئی میں بھی چلتا ہوں۔ حد کرتی ہیں اماں بھی۔ بیٹا چاہے جان گنوا دے، مگر انہیں خاندان کی پڑی ہے۔'' آصف ایک دم جھلا کر بولے۔

انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ تینوں خواتین ان کے پیچھے چلی آئی تھیں۔

''کہاں جا رہے ہو تم دونوں آدھی رات کو۔'' اماں نے قدرے نرمی سے پوچھا۔

''ہاسپٹل میں پڑا ہے آپ کا لاڈلا' دیکھنے جا رہے ہیں' کس حال میں ہے۔ خدارا! ماں' آپ ہی اپنی ضد چھوڑ دیں۔ کیوں بیٹا گنوانا چاہتی ہیں۔ اسے سوا اپنی جان کی پروا نہیں ہے، مگر آپ۔'' عاطف نے ڈرامائی انداز میں اماں کو گھیرنے کی کوشش کی۔ نبیل نے بتا دیا تھا کہ وہ زیادہ زخمی نہیں ہوا۔ ہڈی پسلی سلامت ہے۔ کچھ دیر میں گھر آ جائے گا۔

''کیا کیا ہے اس نے۔ ارے ٹھیک تو ہے وہ۔'' اماں کا تنکا ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ آخر وہ ان کی اولاد تھا۔

''کرنا کیا ہے اس نے' بیزار ہے زندگی سے' تب ہی تو بائیک کہیں مار دی۔ ہوش مندی میں وہ ایسی حماقت کرتا کیا۔'' آصف بھائی نے بھی جھلاتے ہوئے رائے کا اظہار کیا۔

''عاطف زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔ ہم بھی چلیں ساتھ۔'' کلثوم کا دل بھی پسیجا۔

کچھ بھی تھا ولید نے ہمیشہ انہیں بھابیوں والا مان اور عزت بہت دی تھی اور پھر ان کے بچوں سے محبت تو تھی ہی بے مثال۔

''کیا کرو گے تم لوگ۔ ہم جا رہے ہیں نا۔ چلو عاطف۔'' دونوں بھائی گھر سے نکلے۔

ادھر اماں کے غصے کے غبارے میں ممتا کی پن چبھ گئی۔ وہ ولید کیلئے آنسو بہانے لگیں۔ دعائیں مانگنے لگیں۔

''تم دونوں ہی مجھے روک لیتیں۔ سمجھا دیتیں۔ ارے کیسے میرا دل نکال لیا ہے' اس لڑکے نے۔ زندگی نے پہلے ہی ان کے ابا کو وقت سے پہلے جدا کر دیا تھا اور اب یہ اولاد کا دکھ۔ اسی دن کیلئے پالا تھا میں نے کہ اپنا آپ موت کے حوالے کر دو۔''

''اماں..... اماں صبر کریں۔ وہ ٹھیک ہے۔ گئے ہیں نا وہ لینے۔'' کلثوم نے بڑھ کر انہیں تسلی دی۔

''مجھے بھی لے جاتے نا۔ پتا نہیں کس حال میں ہے میرا بچہ۔ زینب آصف کو فون کرو۔ مجھے

بتائے۔سندس کو بھی بتا دو بھائی کا۔ بھائی کیلئے دعا کرے۔'' اماں کو بے چینی لگ گئی تھی۔

''اماں خدا کیلئے۔کیوں پریشان ہو رہی ہیں اور اچھا...... اچھا میں فون کرتی ہوں۔'' زینب سے ان کی گریہ زاری دیکھی نہ گئی،تو وہ فون کی طرف بڑھ گئی۔

***

رات کے دو بجے وہ بھائیوں کے سہارے گھر میں داخل ہوا،تو اماں کو لگا ان کی جان مٹھی میں آ گئی۔بائیک سے گرنے کی وجہ سے ایک ٹانگ اور بازو پر زبردست خراشیں آئی تھیں۔ماتھے کی چوٹ گہری تھی'چھ سات ٹانکے لگے تھے۔اسے دیکھ کر اماں کا دل ہول گیا۔دونوں بیٹوں سے اونچا لمبا' تنومند ان کا بیٹا چند چوٹوں سے ہی کیسا کمزور محسوس ہو رہا تھا۔اماں کو نہ جانے کیا ہوا۔ان کی محبت کا تقاضا تھا۔وہ بڑھ کر اس سے لپٹ کر رو دیں۔

''اس دن کیلئے تمہیں پالا تھا کہ مجھے اس طرح ستاؤ۔ساری زندگی تم لوگوں کی خوشی کیلئے زندہ رہی ہوں۔اب بھی تمہاری خوشی پوری کر دوں گی۔بس آئندہ اس طرح مت کرنا۔'' اماں کی باتیں وانداز سب ہی کو حیران کر رہا تھا اور ولید تو ویسے بھی کچھ سمجھ نہ پا رہا تھا۔اپنے بستر پر نیم دراز وہ ناسمجھی سے سب ہی کے چہرے دیکھ رہا تھا۔اماں میں یہ انقلاب حیران کن ہی تو تھا۔

جتنے دن پھر وہ بستر پر رہا' اماں اسی کے کمرے میں اس کے ساتھ رہیں۔اس سے ملنے نبیل' راحیل کے علاوہ اس کے دوست بھی آتے رہے۔اماں نے ولید کی پسند کو بہو بنانے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ولید کے تو من کی مراد پوری ہو رہی تھی۔

جسے ایک نظر دیکھ کر اسے پانے کی خواہش جاگی تھی۔وہ خواہش تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی۔ محبت کے حصول کا احساس اس کیلئے جان افزا تھا،تب ہی وہ جلد از جلد صحت یابی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

***

ولید کے صحت یاب ہوتے ہی اماں نے باقاعدہ رشتہ لے جانے کا مژدہ سنایا،تو کلثوم اور زینب ایک بار پھر متحیر ہو گئیں۔وہ تو سمجھ رہی تھیں اماں نے ولید کو وقتی بہلا وا دیا ہے،مگر اماں تو پورے اہتمام سے اس کی پسند لانے کا انتظام کر رہی تھیں اور پھر اماں سمیت ان کی بہویں اور بیٹے ور دہ حسین کیلئے اپنا دامن پھیلائے اس کے بھائیوں کے پاس پہنچ گئے۔

ان دونوں بھائیوں کو اطلاع تو تھی،مگر ان کی آمد کا مقصد معلوم نہ تھا۔اماں کے سوال پر دونوں ہی حیران ان کی صورت تکتے رہ گئے۔

''ہمارے ہاں تو ایسے معاملات بزرگوں میں ہی طے پاتے ہیں،مگر اب زمانے کی تبدیلی کا فائدہ اٹھا کر بچے اپنے معاملات خود نمٹانے لگے ہیں۔یہ ولید کی خواہش ہے اور ظاہر ہے ہمیں اس کی خوشی چاہئے۔اب تم دونوں ہی بہن کے ذمہ دار اور سرپرست ہو،تو تم سے اس معاملے میں بات چیت کر رہے ہیں۔''

اماں کا انداز ورویہ بہت الجھا دینے والا تھا۔کافی سرد مہری سے وہ وہاں بیٹھی تھیں۔آصف اور

عاطف ان کی باتیں سن کر شرمندہ نظر آ رہے تھے،جبکہ دونوں بہویں کھانے کے لوازمات سے پورا انصاف کرتے ہوئے خوبصورت سجاوٹ سے مزید ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''خالہ جان'ہمیں علم نہیں تھا کہ آپ اس مقصد کے تحت آ رہے ہیں،ورنہ ہم اپنے بزرگوں کو بھی ضرور بلاتے۔برابر میں ہی تایا جان کا گھر ہے اور کچھ فاصلے پر ہی خالہ اور ماموں بھی رہتے ہیں۔ٹھیک ہے ہم ان سے مشورہ کرنے کے بعد ہی آپ سے اس معاملے میں بات چیت کر سکیں گے۔پلیز آپ اس بات کا برا مت مانیے گا۔''

نبیل نے بڑے سبھاؤ سے بات کی تھی،حالانکہ اماں کا انداز اسے ہی نہیں راحیل کو بھی اچھا نہیں لگا تھا،لیکن دوست کی ماں اور بھائی بھابیاں آئے تھے۔وہ کسی بدسلوکی کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اماں کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح سوچنے کی مہلت مانگیں گے۔ان کا تو خیال تھا کہ وہ جیسے ہی بات زبان سے نکالیں گی،وہ لوگ فوراً ہاں کر دیں گے۔ادھر سے کافی دن تک کوئی جواب نہ آیا،تو ان کے ساتھ زینب اور کلثوم کو بھی بے چینی لگ گئی۔

''اماں آپ نے پتا تو کروانا تھا کہ آخر ان کے ارادے کیا ہیں۔آپ نے تو انگوٹھی اور جوڑا تک بنوا لیا ہے۔جبکہ ادھر سے کوئی ہاں یا ناں کا جواب تک نہیں آیا۔''

''ہاں سوچ تو میں بھی یہی رہی ہوں۔ولید تم سے کچھ کہا ہے انہوں نے۔'' اماں نے کمرے میں داخل ہوتے ولید کو مخاطب کیا۔

''نہیں اماں' میرا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہوا ہے۔آپ سے کیا کہا تھا۔'' وہ ابھی آفس سے آ کر بیٹھا تھا۔

''ارے بتایا تو تھا بچے کہ اپنے بڑوں سے مشورہ کر کے بتانے کا کہہ رہے تھے۔اب نہ جانے ان کے بڑوں کا کیا مشورہ ہے۔کم از کم ہمیں تو شش و پنج سے نکالیں۔تم فون کر کے پوچھو تو۔''

''اماں میں......!'' ولید کو ان کی بات سن کر حیرت ہوئی۔

''آپ خود پوچھ لیں نا' آپ کو میں نے نمبر دیا تو تھا۔''

''میں کیوں فون کرلوں' انہیں بتانا چاہئے تھا کہ ان کی طرف سے انکار ہے۔'' اماں نے قدرے چڑتے ہوئے جواب دیا۔

''اماں انہوں نے انکار تو نہیں کیا۔''

''اقرار بھی تو نہیں کیا۔ارے ان کی بہن اور تم جب دل سے راضی ہو تو۔'' اماں کا تلخ رویہ ولید کو ایک بار پھر پریشان کر گیا۔

''میں پتا کرتا ہوں۔'' وہ اماں کو کچھ کہتے کہتے بات بدل کر کمرے سے نکل گیا۔اماں چار دن کے انتظار سے اکتا گئی تھیں،جبکہ وہ سمجھ سکتا تھا کہ اماں کا رویہ دیکھ کر اپنی بہن کی زندگی کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ کن کن سوچوں کا شکار ہو رہے ہوں گے۔اس لئے وہ فون کرنے کے بجائے سید ھا نبیل کے گھر چلا آیا۔

***

نبیل نے قدرے جھجکتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا، جسے ولید نے صاف محسوس کیا اور پھر ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے ولید نے جتا بھی دیا۔

''یار آئی تھنک میں کسی غلط موقع پر آ گیا ہوں۔ تم کہیں جا رہے تھے۔''

''نہ..... نہیں یار میں تو ابھی آفس سے آ رہا ہوں۔ تم بیٹھو میں اندر چائے کیلئے کہہ کر آتا ہوں۔''

نبیل اسے تنہا چھوڑ کر ڈرائنگ روم سے چلا گیا اور وہ اپنی لایعنی سوچوں میں گھر گیا۔

وردہ کو اس نے یہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ نبیل کے ساتھ بیٹھا تھا، تب ہی کوئی بہار کے خوشگوار جھونکے کی مانند اندر چلا آیا تھا۔

''نبیل بھائی آپ ہی مجھے خالہ کی طرف چھوڑ آیئے نا۔ راحیل بھائی کا تو کہیں پتا نہیں ہے اور ردا ہے کہ فون پر فون کھڑکائے جا رہی ہے۔ سب کزنز پہنچ چکی ہیں سوائے میرے۔'' گہرے فیروزی رنگ کے دیدہ زیب شلوار سوٹ میں ملبوس بڑے سے دوپٹے کو سر اور جسم سے لپیٹے وہ نہایت دلکش اور معصوم لگ رہی تھی۔ گلابی لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل نے اس کے معصوم حسن کو دہکا دیا تھا۔

دراز قد وردہ کو اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اسے علم تو تھا کہ نبیل اور راحیل کی ایک بہن بھی ہے، مگر سامنا پہلی بار ہوا تھا۔ اسے بھی شاید نبیل کے ساتھ کسی اور کی توقع نہیں تھی، تب ہی بلا جھجک وہاں چلی آئی تھی اور پھر چند قدم کے فاصلے پر ہی جھجک کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''اچھا میں چھوڑ دیتا ہوں تمہیں۔'' نبیل کی آواز نے اسے محویت سے چونکا دیا تھا اور وہ بھی مڑ گئی تھی۔

''یار..... سوری، ایکچوئلی خالہ کے گھر آج فنکشن ہے نا کزن کی منگنی کا تو میں بس چھوڑ کر ابھی آ جاتا ہوں۔'' نبیل اس سے معذرت کر رہا تھا اور وہ کچھ سن ہی کب رہا تھا۔ اس کی نگاہ اور سوچ تو کہیں اور محو تھی وہ بس سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

پہلی بار کسی کیلئے دل میں گداز محسوس ہوا تھا۔ کسی کو پانے کی تمنا جاگی تھی۔ کسی کو ہم سفر بنانے کی خواہش اس کے دل میں مچلی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ اماں کے اصولوں سے ٹکرانا آسان نہیں ہوگا، مگر اسے اپنی چاہت پر اعتماد تھا، کہ آخر وہ اپنی چاہت پانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اپنی چاہت کا اندازہ اس نے وردہ کو نہیں ہونے دیا تھا، نہ ہی اپنے دوستوں کو احساس ہونے دیا تھا۔ وہ وردہ کو بہت عزت اور پورے مان کے ساتھ اپنانے کی تمنا رکھتا تھا۔ تب ہی آج یہاں موجود تھا۔

کچھ دیر بعد نبیل کی آمد ہوئی، تو وہ اپنے خیالوں سے چونکا۔ آج وردہ کے بجائے نبیل خود چائے کی ٹرالی گھسیٹ کر لا رہا تھا۔ نبیل چائے سرو کرتے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا، جن سے آج اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ کچھ دیر تک تو ضبط کرتا رہا، پھر آخر خود ہی عرض مدعا کیا۔

''یار وہ کچھ روز قبل اماں اور گھر والے آئے تھے۔ اپنے منہ سے خود پوچھنا کچھ مناسب تو نہیں لگتا، مگر دیکھو ہماری دوستی بھی ہے اس لئے۔'' ولید سے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''ہاں یار ہماری دوستی ہے تب ہی مجھے اور راحیل کو کچھ بھی کہتے ہوئے شرمندگی ہو رہی ہے۔ پلیز

ولید تم مائنڈ مت کرنا، وردہ کے حوالے سے ہم نے کچھ اور سوچ رکھا ہے۔ ابھی اس کا فائنل بھی رہتا ہے تو ہم ایسے کسی سلسلے کو شروع کر کے اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے۔'' نبیل نے اس بار بھی جھجکتے ہوئے اسے جواب دیا، تو وہ حیرت سے تکے گیا، پھر قدرے سنبھل کر گویا ہوا۔

''چند ماہ میں فائنل تو ہو جائے گا۔ ابھی صرف کوئی رسم۔''

''کہاں ہے نا یار ابھی ہم وردہ کو ایسی کسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ ویسے بھی ہماری بہن بہت معصوم ہے ولید، دنیاداری سے کوسوں دور۔ جبکہ اس دن خالہ جان کا بھی بیہیویئر۔ تمہاری والدہ ہیں، پلیز مائنڈ مت کرنا، ہمیں کچھ مناسب نہیں لگا۔'' نبیل نے آخر جھجکتے جھجکتے دل کی بات کہہ دی، ویسے بھی اس معاملے کو وہ لوگ طول دے کر اپنی دوستی خراب نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''اماں نے کیا کہا تھا۔'' ولید کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اماں کسی اور کو اپنے رویے کا احساس دلائیں گی۔

''چھوڑو یار۔ بزرگوں کی اپنی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں تم چائے پیو۔'' نبیل نے اسے احساس شرمندگی سے نکالنے کی کوشش کی۔

''نبیل میں نہیں جانتا۔ اماں نے یہاں کس انداز میں بات کی۔ ریئلی وہ خوشی سے اس سلسلے میں آئی تھیں۔ بہرحال میں تم سے اماں کی کہی بات کیلئے معافی مانگتا ہوں۔''

''اب تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو۔ تم جانتے ہو وردہ کے حوالے سے ہم دونوں بھائی کس قدر حساس ہیں۔ خالہ جان کا انداز بالکل بیگانہ سا تھا۔ وہ تمہاری خوشی کیلئے ضرور آئی تھیں، مگر ان کی مجبوری بھی صاف ظاہر تھی۔ یار بہنوں بیٹیوں کے رشتے چاہتوں کے ساتھ طے پائیں تو بہن بھائیوں اور والدین کو ان کی طرف سے اطمینان حاصل رہتا ہے۔ تم ہمارے دوست ہو، بھائی کی طرح ہو۔ اپنی بہن کا مستقبل تم سے منسوب کر کے ہمیں وہ اطمینان مل سکتا تھا، وہ کہیں اور سے شاید حاصل نہ ہو پاتا، مگر اب.....'' نبیل نے اپنا مطمح نظر واضح کر دیا۔ ولید اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ چہرے پر تاریکی سی لہرا گئی۔ جس خوشی کا حصول اتنا سہل لگا کرتا تھا۔ آج وہ خوشی اس سے بہت دور، اس کی پہنچ سے باہر نظر آ رہی تھی۔

''اب کیا؟ نبیل یار مجھ پر اعتماد رکھو، وردہ کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اماں کچھ جذباتی ضرور ہیں، مگر ان کے دل میں کسی کیلئے غصہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا۔ دراصل ہمارے گھر میں ہمیشہ اماں کے فیصلے مانے گئے ہیں۔ میری شادی کے حوالے سے میرا خود اپنی خواہش کا اظہار کرنا انہیں کھلا ہے۔ تبھی وہ اس طرح بی ہیو کر گئیں۔ حالانکہ وہ یہاں اپنی مرضی سے آئی تھیں۔ پلیز تم لوگ ایک بار ضرور سوچ لو۔ شاید بحیثیت بھائی تمہیں میرا اظہار ناگوار لگے، لیکن سچائی یہی ہے کہ میں وردہ کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کروں گا۔ بے شک تم مجھے آزما لو۔ مجھے ساری عمر بھی انتظار کرنا پڑا تو میں.....'' ولید نے اس بار کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔

اس دوران راحیل بھی چلا آیا تھا۔ وہ بھی ولید کی باتیں سن چکا تھا۔ انہیں ولید کی ذات کے حوالے سے کوئی خدشہ کوئی بدگمانی نہ تھی۔ بس اماں کے رویے نے انہیں پریشان کیا تھا۔ اب ولید کی چاہت و

اصرار دیکھ کر انہیں اپنے فیصلے میں ترمیم کی گنجائش نکالنا پڑی۔

''ولید چاہتے تو ہم بھی یہی ہیں کہ ہماری بہن کو گرم ہوا بھی چھو کر نہ گزرے۔ تم پر ہمیں اعتماد ہے اور تم سے بڑھ کر بھی ہمیں کوئی نہیں ہے۔ ٹھیک ہے تم خالہ جان کو پھر بھجوا دینا۔ ہم تایا جان اور خالہ اور ماموں کی موجودگی میں بات چیت کرلیں گے۔'' آخر راحیل نے فیصلہ سنا دیا۔

ولید کو لگا تھا، آج زندگی بہت دور سے جاتے جاتے پلٹ آئی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے مایوسیوں میں گھرا اس کا دل جیسے امیدوں کے اجالوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ اس کے من کی مراد پوری ہو رہی تھی، وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ دوستوں سے گلے مل کر اس نے بھرپور تشکر کا اظہار کیا اور اپنے وعدے بھی دہرائے۔

***

زندگی اس طرح اچانک بدل جائے گی۔ وردہ حسین نے سوچا بھی نہیں تھا۔ چاہت کے پھول اس کے من آنگن میں کھل کر اس کی زیست مہکا دیں گے۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اس کی زندگی تو بڑی سیدھی سادی سی گزر رہی تھی۔ پہلے ابو اور پھر امی کے بعد تو یہ بھائی ہی اس کے کل کائنات تھے۔ ان کی خوشی اسے ہمیشہ سے عزیز رہی تھی۔ بھائیوں کی عزت کا پاس اس نے ہمیشہ رکھا تھا۔ تبھی یونیورسٹی تک پہنچ کر بھی نہ اس کی نگاہ بھٹکی تھی اور نہ ہی کوئی عمل قابل اعتراض رہا تھا۔ وہ اپنی ذات کو اپنے بنائے خول میں بند کئے دنیا کے سامنے آتی تھی۔ تب ہی کوئی غلط نگاہ بھی اس پر نہ اٹھی تھی۔ نہ جانے کیسے ولید ضیا اس کے گرد کھڑی ساری فصیلیں توڑتا اس کے گھر تک ہی نہیں دل تک بھی رسائی پا گیا تھا۔ یا پھر شاید یہ اس بندھن کا اعجاز تھا، جو نکاح کی صورت ان میں بندھ چکا تھا۔

ولید کی چاہت کی یہ کوئی حکمت عملی تھی، کہ اس نے اماں کے ارادوں کو متزلزل کر دیا تھا۔ اماں کا ارادہ تو صرف منگنی کا تھا، جبکہ ولید نے بہ اصرار نکاح کیلئے سب ہی کو مجبور کر دیا تھا۔ رخصتی وردہ کے ایم اے فائنل کے بعد طے پائی تھی۔ تب ہی آج وردہ حسین نئے احساسات کے ساتھ نئی دنیا میں خود کو محسوس کر رہی تھی۔

ولید کا کبھی کبھی کا سامنا اور اکثر فون پر چاہت کا اظہار اسے نئے اعتماد سے روشناس کروا رہا تھا۔ زندگی کے اس رخ کے بارے میں تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

کوئی اچانک دل سے اس قدر قریب آ کر زندگی کا مالک بن بیٹھتا ہے۔ اپنے گھر کے خواب اس کی آنکھوں میں سجانے والا اسے اپنے ہمقدم رکھنے کے عہد و پیماں باندھنا' سیدھا اس کے دل سے روح میں اتر گیا تھا اور پھر اس کی تربیت بھی تو اسی نہج پر کی گئی تھی، کہ اس کی زندگی میں محبت پانے کی تمنا رکھنے والا' اس کے دل میں سمانے کی چاہت رکھنے والا' جائز اور شرعی رستے سے اس کے قریب آئے گا تو وہ اس کی پذیرائی کرے گی۔

شادی سے پہلے کی چاہت و محبت اس کے نزدیک نہ صرف دھوکا اور فریب تھی، بلکہ گناہ بھی تھی۔ اسے خود پر بڑا مان تھا کہ اس نے کبھی خود کو وقتی جذباتیت کا شکار نہیں ہونے دیا۔ تب ہی وہ مطمئن سی اپنی

زندگی کے منظروں میں چاہت کے رنگ بکھرتے دیکھ رہی تھی۔

***

وردہ کا فائنل ہو گیا تھا اور دونوں طرف ہی شادی کی تیاریاں بھی شروع تھیں۔ وردہ کی خالہ اور باقی کزنز اس کی شادی پر نا صرف مصروف تھیں، بلکہ اسے آئندہ کیلئے مفید مشوروں سے بھی نوازتی رہتی تھیں۔ خالہ تو بالکل اس کی امی کی طرح سسرال سے وابستہ ذمے داریوں کو اسے باور کرواتی رہتی تھیں۔

وہ خود بھی اس معاملے میں سمجھدار تھی۔ جانتی تھی۔ بحیثیت چھوٹی بہو اپنے سسرال میں اس پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوں گی۔ جنہیں خوش اسلوبی سے نبھانا اس کے فرائض میں شامل ہوگا۔

وہ اپنی انہی چاہتوں کو بانٹنے کا ارادہ لئے آخر رخصت ہو کر اپنے پیا سنگ اس کے گھر میں آ سمائی تھی۔ دل میں ارمانوں کی برأت اتری تھی۔ پہلو میں بہاریں مسکرا رہی تھیں، پھر بھی نہ جانے کیوں وردہ کو کسی انجانے خوف نے بھی گھیر رکھا تھا۔ وجہ شاید اماں کا سرد رویہ ہی تھا۔

نکاح کے بعد سے اب تک اس نے کبھی ان کی آنکھوں میں وہ چاہت و محبت نہیں دیکھی تھی، جس کی وہ تمنائی تھی۔ اب رخصتی کے موقع پر بھی وہ بڑے ٹھنڈے سبھاؤ، مگر سپاٹ رویئے کے ساتھ اس کے بھائیوں کے ساتھ بات چیت کرتی سنائی دی تھیں۔ رخصتی کے بعد بھی اس کی پذیرائی میں اماں کی گرمجوشی معدوم سی تھی۔ جسے وردہ شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ آخر اس پر عقدہ کھل ہی گیا تھا۔

وردہ اپنے کمرے میں ولید ضیا کی آمد کی منتظر بیٹھی تھی۔ آہٹ پر سمٹ کر اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، ولید کی بھرپور چاہت و محبت کے اعتماد کے باوجود آج اس نے اندر نئے لوگوں اور نئے ماحول میں ہم آہنگ ہونے کے حوالے سے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔

''دیکھو لڑکی! ولید کے کمرے میں آنے سے پہلے میں تمہیں کچھ باتیں سمجھانا چاہتی ہوں۔'' اماں نے داخل ہوتے ہی اسے جس طرح مخاطب کیا تھا۔ ان کا سپاٹ انداز اس کے رونگٹے کھڑے کر دینے کیلئے کافی تھا۔ چند گھنٹے پہلے دلہن بن کر آنے والی بہو کا استقبال اس طرح کرنا اسے حیران بھی کر رہا تھا۔

''دیکھو! تمہیں یہ بات تو معلوم ہو گئی ہوگی، کہ تم ولید کی پسند بن کر اس گھر میں آئی ہو۔ بیٹے کی ضد ماننا میری مجبوری بن گئی تھی، لیکن تم میری مجبوری سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کرنا۔ اس گھر میں وہی ہوتا ہے، جو میں چاہتی ہوں۔ میری دونوں بہوویں میری اپنی ہیں۔ اس لئے وہ مجھے سمجھتی ہیں۔

انہیں اس گھر کے قاعدے قانون سمجھانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی، لیکن تم چونکہ باہر سے آئی ہو تو ایک دفعہ سمجھا دینا میں نے اپنا فرض سمجھا ہے۔ آئے دن منہ اٹھا کر میکے دوڑے جانا یا پھر بہانے بہانے سے میکے والوں کو جمع کر رکھنا مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ باقی تم خود سمجھدار ہو اچھی طرح سمجھ گئی ہوگی، کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں اور ہاں ایک بات اور ہمارے خاندان میں گھر کے معاملات مردوں تک نہیں پہنچائے جاتے۔ یہ بات بھی پلو سے باندھ لو۔'' اماں نے تو اسے نہ جانے کیا کیا سنایا تھا، مگر وہ تو جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔

شادی کی پہلی رات دلہن کو جس اپنائیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ پہلے مقام پر ہی باہر والی بنا کر

اس سے چھین لی گئی تھی۔ اماں کا سرد سپاٹ رویہ اس کے اندر نئے اندیشے بو گیا تھا، کہ آخر اس گھر میں اس کا مقام کیسے متعین ہوگا۔

اسے خبر ہی نہ ہوئی ولید کب کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم کچھ ہراساں سی بیٹھی تھی۔ ولید نے اس کے قریب بیٹھ کر شرارتی انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''محترمہ آج تو اجازت ہے نا مجھے آپ کا دیدار کرنے کی۔'' اس کی آواز اسے حواسوں میں لے آئی تھی۔ وہ چونک کر اپنے آپ میں سمٹ گئی۔

''جواب تو دو اب اور صبر نہیں ہوتا۔ سنا ہے آسمان کا چاند اس گھونگھٹ میں آ چھپا ہے۔'' تعریف کا انداز بالکل نیا تھا۔ وردہ اپنے بوجھل احساسات سنبھالتے ہوئے شرم سے مزید جھک گئی۔

''ایسے نہیں مانو گی۔'' پھر ولید نے خود ہی اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔

''ماشاء اللہ میری ساعتوں نے صحیح سنا تھا کہ.....'' ولید کے چہرے پر بچی خوشیوں کے رنگ بکھرے تھے اور لہجے میں چاہت کی خوشبو کا رچاؤ وردہ کو سنبھلنے میں مدد دے رہے تھے۔

کچھ بھی تھا، اسے اس بہت اپنے کیلئے اپنے وسوسوں اور خدشوں کو فراموش کرنا ہی تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اماں کے رویے کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرے گی۔ آخر اسے اب ساری عمر یہیں رہنا تھا، تو اماں کے دل میں جگہ بنانے کی محنت و کوشش تو کرنا ہی تھی۔ سو اس نے سب کچھ فراموش کر کے زندگی کے نئے سفر کا آغاز اپنی چاہتوں کے ساتھ کر لیا تھا۔

***

''اماں آپ نے سنا ولید اور وردہ ہنی مون کیلئے مری' سوات' کاغان وغیرہ جا رہے ہیں' کہہ رہی تھی، اس کے بھائیوں نے تمام انتظامات کر دیئے ہیں۔'' کلثوم نے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی خبریں سنتی اماں کے قریب بیٹھتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں اطلاع دی۔

حالانکہ یہ بات تو سب ہی کے علم میں تھی اور شادی کے اگلے دن ہی سے طے شدہ تھی، کہ وہ دونوں قریبی عزیزوں کی دی گئی دعوتوں کے بعد اس پروگرام پر عملدرآمد کریں گے۔ ان کی شادی کو دوسرا ہفتہ مکمل ہو چکا تھا اور قریبی عزیزوں کے گھر دعوتیں بھی ہو چکی تھیں۔

''کیا واقعی' کب جا رہے ہیں؟'' اماں بھی حیران ہوئیں، حالانکہ ولید گزشتہ شب انہیں نا صرف بتا چکا تھا، بلکہ اجازت بھی لے چکا تھا۔

''شاید کل' ویک اینڈ ہے نا اماں' یقیناً کل ہی نکلیں گے۔ میں حیران ہوں اماں آپ کو بتایا نہیں انہوں نے۔'' کلثوم بھابی نے بڑی چالاکی سے پوچھا۔

''شاید بتایا تو تھا ولید نے، مگر کب جانا ہے یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ آتا ہے تو پوچھتی ہوں۔'' اماں بھی صاف مکر گئیں۔

کمرے کے اندر آتی وردہ کو ان کی بات سن کر شاک لگا۔ اس کے سامنے تو کل ولید نے جانے کی بات کی تھی اور آج اماں۔ اس کے آگے پیچھے ولید کی چاہت کا دم بھرنے والی کلثوم بھابی کا انداز بھی اسے

چونکا گیا۔

''اماں ٹی وی میں خبریں دیکھ رہی ہیں نا وہاں علاقے میں حالات کچھ اچھے نہیں ہیں۔ میں تو کہتی ہوں ولید سے کہیں' اپنا پروگرام پھر کبھی پر اٹھا دے۔ سچی پوچھیں تو میرا دل نہیں مانتا۔'' کلثوم بھابی نے اسے دیکھتے ہی اپنا لہجہ انداز بدلا تھا۔ اماں نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

''ٹھیک کہتی ہو حالات تو واقعی وہاں کے اچھے نہیں دکھ رہے، مگر ولید سنے گا میری۔ شادی کے بعد تو سمجھو میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے گنوا ہی دیا۔'' شادی کے اول روز سے اماں کا یہ انداز انی بن کر اس کے دل میں کھب گیا تھا۔

اماں کی یہ باتیں وہ کئی بار سن چکی تھی۔ اماں نے کبھی اس کی چاہت کا جواب محبت سے نہیں دیا تھا۔ حتیٰ کہ اسے مخاطب بھی بڑی بیگانگی سے ''لڑکی'' کہہ کر کیا کرتی تھیں۔ اسے حسرت رہتی تھی کہ وہ اپنی دونوں بہوؤں کی طرح اسے بھی بیٹی کہہ کر پکاریں۔ شفقت سے پہلو میں بٹھا کر حوصلہ بڑھائیں، یا پھر کم از کم اسے نام سے ہی پکار لیا کریں' مگر انہوں نے اپنے اور اس کے درمیان جو دیوار قائم کر لی تھی، وہ وردہ کو اس کے مقام کا احساس مسلسل دلا رہی تھی۔

اماں سے اس کا فاصلہ ولید بھی محسوس کرنے لگا تھا، مگر وہ اسے بتانے سے قاصر تھی، کہ وجہ کیا ہے۔

''اماں جان آپ منع کر دیں گی تو ہم نہیں جائیں گے۔''

''میں کون ہوتی ہوں منع کرنے والی۔ اپنا نفع نقصان تم لوگوں کو نظر نہیں آتا اور پھر تمہارے بھائیوں کے پاس سمجھ بوجھ نہیں ہے، جو اسے موت کے منہ میں بھجوانے کے انتظامات کروا رہے ہیں۔ ساری دنیا کو خبر ہے، کیا کچھ ہو رہا ہے وہاں پر، مگر نہیں جی' اپنی امارات کا زعم دکھانا بھی تو ضروری ہے۔''

''اماں جان حالات کافی بہتر ہو گئے ہیں وہاں پر۔ بھائی جان نے معلوم کرنے کے بعد ہی بکنگ کروائی تھی، لیکن اگر.....'' اس نے بالکل بے ضرر انداز میں بات کی تھی، مگر اماں کو نہ جانے کیا ہوا تھا فوراً ہی بھڑک اٹھیں۔

''تو تم چلی جاؤ وہاں۔ میں تو اپنے بیٹے کو نہیں جانے دوں گی۔ کل کلاں کو کچھ ہو گیا تو ساری عمر تو میں روؤں گی، تمہارا کیا ہے تمہارے بھائی تمہیں کسی اور کے پلے باندھ دیں گے۔''

اماں کی بات اس کے دل میں جا کر لگی تھی۔ دل کا درد آنکھوں میں جھلملانے لگا تھا۔ اس کا رشتہ بھی تو ان کے بیٹے سے تھا، مگر وہ پھر سے اسے غیر بنا گئی تھیں۔ اسی لمحے ولید بھی باہر سے آ گیا تھا۔ اماں اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی تھیں۔

''کان کھول کر سن لو ولید' تم نے شادی کے معاملے میں اپنی من مانی کر لی ہے، مگر اب میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گی۔'' ولید حیران سا کبھی اماں کو دیکھ رہا تھا، کبھی مجرم بنی وردہ کو' جو سر جھکائے اماں کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیا ہوا اماں' کوئی بات ہوئی ہے۔ وردہ تم نے اماں سے کچھ کہا ہے۔'' اس کے انداز سے ولید نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا، کہ وردہ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے، اس نے فوراً ہی نفی میں گردن ہلائی۔

''لڑکے بیوی سے کیا پوچھ رہے ہو مجھ سے پوچھو' تم نے اپنے سالوں کے کہنے پر بنا سوچے سمجھے جو پروگرام بنالیا ہے اس کے نتیجے کا اندازہ ہے تمہیں۔ ملک کے حالات دیکھو' ہر طرف خون خرابہ مچا ہے' ایسے میں تم لوگوں کو سیر سپاٹوں کی سوجھ رہی ہے۔ کچھ ہوگیا تو میرے سوا کس کو رونا ہے۔'' اماں نے اچانک ہی لہجہ بدلا تھا۔ ولید معاملہ سمجھ کر ان کے قریب جا بیٹھا۔

''افوہ اماں آپ تو خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ وہاں پر روز ہزاروں لوگ جاتے ہیں اور پھر وہاں مقامی لوگ بھی تو ہیں۔ اماں اب حالات سازگار ہیں وہاں' آپ فکر مت کریں۔ آٹھ دن کی تو بات ہے۔'' ولید نے اپنے طور پر انہیں سمجھانے کی کوشش کی' مگر اماں کی سوئی اٹک گئی تھی۔

''بس تم منع کردو انہیں۔ میں نہیں بھیجنے کی تمہیں۔''

''اماں پلیز نبیل نے ہوٹلز میں بکنگ کروادی ہے۔ میں اب کیسے منع کردوں کہ.....'' ولید خود یہ سنہری دن اپنی زندگی کی یادوں میں محفوظ کرنے کو بے تاب تھا۔ ابھی تو نئی زندگی کا آغاز تھا اور من چاہے ہم سفر کا ساتھ میسر آیا تھا۔ وہ یہ موقع کیسے گنوا دیتا' مگر اماں تھیں کہ بولے جا رہی تھیں۔

''تم نہیں کر سکتے تو میں منع کر دیتی ہوں۔ انہیں خود بھی عقل ہونی چاہئے تھی۔ خیر بس جو میں نے کہہ دیا ہے' تو تم نہیں جاؤ گے۔ ویسے بھی بہت ہوگئے سیر سپاٹے' خوب دعوتیں کھا چکے۔ اب بیوی سے کہو گھر کی ذمہ داریاں بھی سمجھے۔ زینب کو کئی دن سے بخار نے جکڑ رکھا ہے۔ کلثوم کیسے سنبھالے سارے گھر کو۔ کل کھیر پکواتی ہوں۔ اللہ کا نام لے اور شروع کرے۔ پھر چلے جانا' جب حالات درست ہوں گے۔''

اماں کا حیران کن رویہ وردہ کو گنگ کر گیا۔

وہ کیا کہتی' کیا بتاتی کہ شادی کے تیسرے دن سے ہی تو وہ صبح کے ناشتے کے اور شام کی چائے بنانے کے علاوہ برتنوں کے ڈھیر دھونے میں مصروف رہی ہے۔ کسی جٹھانی نے اسے مروتاً بھی بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ کچھ اس کی اپنی فطرت میں بھی خالی بیٹھنا نہیں تھا۔ سو وہ تو مکلاوے کی رسم کے بعد ہی صبح کچن میں آموجود ہوئی تھی۔ ولید بھی اندرونی طور پر تو اماں کے رویے سے پریشان ہوا تھا مگر اپنے اظہار سے وہ وردہ کو پریشان نہیں کر سکتا تھا۔ سو کمرے میں آتے ہی اسے تسلی دینے لگا۔

''سوری یار..... دیکھو یہ اماں کی محبت ہے۔ پھر میڈیا والے اتنا کچھ دکھا کر عوام کو ہراساں کر دیتے ہیں۔ تب ہی وہ خوفزدہ ہوگئی ہیں۔ ویل جیسے ہی موقع ملے گا ہم اپنی زندگی کا یہ خواب ضرور پورا کریں گے۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ کر تسلی دینے لگا۔

وردہ نے اپنے آنسو اندر اتارتے ہوئے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے کچھ کہا تو نہیں اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ.....''

''موڈ تو آف ہوگیا ہے نا تمہارا۔'' ولید نے اس کی خاموشی کو جتایا۔

''میرا موڈ کب آف ہے۔ میں تو خود آپ سے کہنے والی تھی کہ اگر اماں کو کوئی اندیشہ ہے تو ہم اپنا پروگرام کینسل کر دیتے ہیں۔'' اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال کر صفائی دی۔

''ریئلی' بڑا خیال ہے اماں کا۔ کچھ اماں کے بیٹے کا بھی خیال کرو۔ ذرا حلیہ تو بدلو اپنا۔ نبیل کو بھی تو

جا کر ایکسکیوز کرنا ہے نا' ورنہ وہ لوگ تو ہمیں کل ہی آف کرنے آجائیں گے۔'' ولید نے اس کے سادہ سے حلیہ کو تنقید بھری نظروں سے دیکھا۔

اب وہ کیا بتاتی کہ اماں اسے گھر میں رہنے کے طور طریقوں پر کئی بار سنا چکی تھیں۔ دو تین بار وہ اس کے شام کو باقاعدہ تیار ہو کر باہر آنے پر اسے اچھی خاصی سنا چکی تھیں بلکہ اپنے زمانے کے قصے سنا دیئے تھے وہ کیسے اپنے دیوروں' بھابیوں کے سامنے سر ڈھانپے اپنے آپ میں سمٹی رہتی تھیں۔ جبکہ آج کل کی لڑکیاں تو والدین کے ہاں سے ہی بے حیائی کی تربیت لے کر آتی ہیں۔

''آپ ہوآئیں بھائی کے پاس' میں نہیں جا رہی۔''

''کیوں یار۔ میں اکیلا کیوں چلا جاؤں۔ تم چلو اٹھو تیار ہو۔ آج ڈنر بھی باہر کرتے ہیں۔'' ولید نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آج میرا دل نہیں چاہ رہا۔ آپ چلے جائیں یا پھر بھائی جان کو فون پر بتا دیں۔'' وہ اس کے قریب سے اٹھ کر کشن وغیرہ ترتیب سے رکھنے لگی۔ دل کو سنبھالنے کیلئے مصروف ہونا ضروری تھا۔

''ویری ویل' سو میٹ ہارٹ ویری ویل..... کیا ہوا ہے تمہارے دل کو، شادی کو پندرہ دن ہوئے ہیں اور محترمہ کو شوہر کی صحت کی فکر و قدر ہی نہیں ہے۔ مصروف ہوگیا نا تو ترستی رہو گی ان فرصتوں کو بلکہ گلزار کا گیت گنگنایا کرو گی۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے۔

ولید شرارت سے کہتا اس کی طرف بڑھا پھر اسے بانہوں کے حصار میں لیا تو وہ کسمسا اٹھی۔

''مجھے بہت قدر ہے آپ کی محبت کی مگر اماں کی بھی فکر کیجئے۔ وہ روز روز میکے جانے پر ناراض ہوتی ہیں۔''

''نہیں یار' وہ تمہارے میکے جانے سے ناراض کیوں ہوں گی اور پھر تم روز تو نہیں جاتی ہو۔'' ولید کو اس کا انداز کھٹکا تھا۔ ویسے بھی وہ وردہ کی آنکھوں میں اماں کے حوالے سے خوف دیکھ رہا تھا۔ ''آئی فیل دیٹ وردہ' تم اماں سے خوفزدہ رہتی ہو۔ کچھ کہا ہے انہوں نے تم سے۔''

وردہ کیا کہتی' اماں نے پہلی شب ہی اس کی زبان بند کرادی تھی۔ وہ اپنے دل کی بات اپنے خدشے ان کے رویے کہتی بھی تو کیسے۔ اس کی بانہوں سے نکلتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں گویا ہوئی۔

''نہ..... نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایکچوئلی میرے لئے سب کچھ نیا ہے تو میں کچھ نروس ہو جاتی ہوں بلکہ کوشش کرتی ہوں کہ میرا کوئی عمل اماں جان کو برا نہ لگے۔'' اس نے اپنے طور پر اسے مطمئن کیا۔

''ٹھیک ہے تم اپنا عمل جاری رکھو۔ فی الحال تو چلو۔ کل سے تو تم بھی باقاعدہ پریکٹیکل ہونے والی ہو پھر تمہیں بھی کہاں ایسی فرصت ہوگی۔''

وہ اسے ناراض بھی نہیں کرنا چاہتی تھی سو نا چار اس کے حکم پر تیار ہونے چل دی اور پھر ڈریسنگ ایریا میں داخل ہونے سے قبل اسے رسانیت سے کہا۔

''میں جب تک تیار ہو کر آتی ہوں آپ تب تک اماں جان سے اجازت لے لیجئے۔'' ولید نے سر

کی جنبش سے اسے اطمینان دلایا۔

***

اگلے دن کھیر پکوانے کی رسم ادا کروا کر اماں نے جیسے کچن اسے ہی سونپ دیا تھا۔ صبح سے شام ہو جاتی وہ سارا وقت کچن میں ہی گزارتی۔ اماں ہر روز ایک نیا مینو اس کے حوالے کرتیں اور پھر وہ ہوتی اور اماں کی فرمائشی ڈشز کی تیاریاں۔ اس دوران دونوں جٹھانیاں مرونا بھی کچن میں نہیں جھانکتی تھیں۔ البتہ دونوں کے پانچوں بچے ضرور وقفے وقفے سے اپنی فرمائشیں لئے اسے تنگ کرنے آموجود ہوتے' کسی کو کھانے کے وقت فرنچ فرائز کی طلب ہوتی' کسی کو فریج سے فیڈر نکال کر دینا پڑتا' کسی کو چھوٹی چچی پر لاڈ آ رہا ہے اور گلے میں بانہیں ڈال کر جھولنے کی کوشش ہوتی' کسی کو کھانا بھی چچی کے ہاتھ سے کھانا ہوتا تھا۔ زینب بھابی کی آٹھ نو سالہ بیٹی تو کچھ دنوں سے اپنا بیگ اٹھائے دوپہر کو اس کے کمرے میں آ دھمکتی۔

''اچھی چاچی میرا ٹیسٹ آج کل بیمار ہے نا تو پلیز آپ مجھے پڑھا دیں۔ مما کہہ رہی تھیں آپ کو ہماری ساری بکس آتی ہیں۔ یونو ہماری مما اور بڑی چاچی تو کچھ بھی نہیں آتا۔'' ہادیہ کی چالاکی میں معصومیت بھی تھی۔

وہ سمجھ رہی تھی کہ اماں بھابیوں کو اس کا دوپہر میں یہ کچھ وقت کا آرام بھی گوارا نہیں ہے سو نا چار اسے ہادیہ کو پڑھانے کی ذمہ داری لینی پڑی جس کا نتیجہ جلد ہی نکل آیا۔ چند روز بعد ہی اماں نے حکم نامہ جاری کر دیا۔

''سنو لڑکی' جب تم ہادیہ کو پڑھا رہی ہو تو باقی بچوں کو بھی باہر بھجوانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے ویسے بھی وہ ماسٹر پسند نہیں۔ روز روز چھٹیاں کرتا ہے اور پیسے مفت کے لے جاتا ہے۔ آج سے کلثوم اور زینب کے باقی بچے بھی تم ہی پڑھا دو تو ان کی پڑھائی کا حرج تو نہ ہوگا ماسٹر کی چھٹیوں سے۔'' اماں بات کسی بھی انداز میں کرتی ہوں' اسے ان کے لہجے میں اپنا پن کبھی نہیں ملتا تھا۔

شادی کو چوتھا مہینہ گزر رہا تھا اور اس دوران اس نے اپنی سی پوری کوشش کی تھی کہ وہ اماں کے قریب ہو جائے' خود کو ان کے من پسند سانچے میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کے باوجود وہ اب تک ان کی ستائش کی حقدار نہ بن سکی تھی' حتیٰ کہ اب تو اس کی مصروفیات سے ولید بھی اکتانے لگا تھا۔

صبح کو وہ اٹھتا تو وردہ غائب ہوتی۔ شام کو آتا تو بھی وہ کچن میں مصروف نظر آتی۔ کہیں باہر جانے کی بات کرتا تو بچوں کو پڑھانے کے بعد پر ٹال جاتی۔ رات کو بھی تھکن سے ایسی بے حال ہوتی کہ باتیں کرتے کرتے سو جاتی، جو اس کا موڈ مزید خراب کر دیتا۔

اس کی طبیعت میں چڑچڑاہٹ بھی شامل ہو رہی تھی۔ جو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں تھی۔ کیونکہ اس کی چڑچڑاہٹ کا شکار صرف وردہ بن رہی تھی۔ کبھی وہ اسے قوت پرنہ اٹھانے پر جھڑک دیتا۔ کبھی کسی من پسند شرٹ کی عدم دستیابی اسے اس پر چلانے پر مجبور کر دیتی۔ وہ کیا کرتی ولید کے کام کرتے ہوئے اکثر اماں کو اپنا کوئی نہ کوئی کام یاد آ جاتا۔

کبھی ان کے سر میں درد شروع ہو جاتا' کبھی چائے کی طلب ستاتی' کبھی ٹانگیں دبوانے وہ اسے

گھنٹوں اپنے پاس بٹھائے رکھتیں۔ ولید بھی اگرچہ سب ہی کچھ دیکھ اور سمجھ رہا تھا لیکن اس کا غصہ وردہ کے سوا کسی اور پر نہیں چل سکتا تھا۔

وردہ اب بھی رات کو کچن سمیٹ کر اماں کے بلاوے پر ان کے سر میں مالش کرنے کیلئے موجود تھی۔ تب ہی ہادیہ دوڑی چلی آئی۔

''وردہ چچی آپ کو چاچو بلا رہے ہیں۔ جلدی سے آئیں' نبیل چاچو آئے ہیں۔ پتا ہے چاچی وہ آج بھی ہم سب بچوں کیلئے چاکلیٹس اور کیک لے کر آئے ہیں۔'' ہادیہ اسے پیغام دے کر پھر بھاگ گئی تھی۔

وردہ اماں کے سر میں مالش کیلئے تیل کی بوتل لئے کشمکش میں کھڑی تھی کہ اب فوراً چلی جائے یا پھر اماں کی مالش شروع کر دے۔ اماں بھی جیسے ان سنی کئے بیٹھی تھیں۔ وردہ نے کچھ لمحے انتظار کیا کہ شاید اماں اسے جانے کیلئے کہیں مگر ان کی خاموشی برقرار تھی۔ سو اس نے مجبوراً ان کے سر میں مالش شروع کر دی۔ پانچ سات منٹ گزرے ہوں گے کہ کلثوم بھابی کا چار سالہ سعد چلا آیا۔

''چاچی جان آجاؤ نا' چاچو بلا رہے ہیں۔''

''آتی ہوں بیٹا۔'' اس نے جلدی جلدی ہاتھ چلائے۔

''ہائے لڑکی! تم نے تو میرا سر ہی گھما دیا۔ بھائی آیا ہے' کوئی وزیر مشیر تو نہیں۔ ایسی بے دلی سے سر میں مالش کرنا ہو تو مت کیا کرو۔ جاؤ جا کر استقبال کرو بھائی کا۔ پہلی بار آیا ہے نا وہ۔''

اماں کی بات اندر آتے نبیل اور ولید نے واضح طور پر سنی تھی۔ وردہ ولید کے ساتھ بھائی کو دیکھ کر جیسے چور سی بن گئی۔

''السلام علیکم خالہ جان! طبیعت کیسی ہے؟''

نبیل نے بالکل بھی ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ ان کی بات سن چکا ہے۔

''وعلیکم السلام' طبیعت بس ایسی ہی ہے۔ بیٹھو تم بہن سے ملنے آئے ہو گے؟'' ان کا انداز بالکل سرد و سپاٹ تھا۔

ولید کو بھی شرمندگی نے گھیر لیا۔ اماں کا رویہ صرف اس کے سسرال والوں سے ایسا ہوا کرتا تھا۔ ورنہ اپنے باقی سمدھیوں سے تو وہ خوب گرمجوشی سے ملا کرتی تھیں۔ خوب آؤ بھگت کیا کرتیں۔

''جی ادھر سے گزر رہا تھا تو سوچا خیریت معلوم کر لوں۔ وردہ بھی کئی ہفتوں سے نہیں ملنے آئی۔ کیا بات ہے گڑیا بھائیوں کو بھلا دیا ہے کیا؟''

''نہیں بھائی جان' میں بھول سکتی ہوں آپ کو' بس مصروف ہوتی ہوں تو اس لئے..... ویک اینڈ پر آؤں گی ضرور۔'' اس نے اپنی مسکراہٹ میں اپنی کیفیت چھپائی۔

''ہاں ضرور آنا' ہم انتظار کریں گے۔ خالہ اور رد ابھی تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' نبیل بیٹھ کر فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

''یار! کچھ دیر اور بیٹھ جاؤ کم از کم چائے کا ایک کپ تو پی لو' وردہ جاؤ چائے لے کر آؤ۔''

''نہیں وردہ' چائے پھر سہی' بس تم سب کی خیریت معلوم کرنی تھی' انشاء اللہ ویک اینڈ پر مل کر بیٹھتے ہیں۔''

ولید کیلئے اسے روکنا محال ہو رہا تھا۔ اماں کا لہجہ اور بات نیوز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ نبیل نجانے کیا سوچتا ہوگا کہ ان کی بہن کے ساتھ یہاں اچھا برتاؤ نہیں کیا جاتا ہوگا۔

ولید نبیل کو رخصت کر کے سیدھا اماں کے کمرے میں چلا آیا۔ وردہ اماں کے بالوں کی چٹیا گوندھ رہی تھی۔

''تمہیں ذرا تمیز نہیں ہے۔ کب سے بلا رہا تھا میں تمہیں۔ نبیل کیا سوچتا ہوگا کہ ہم لوگ تمہیں اپنے بھائیوں سے ملنے نہیں دیتے' کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم..... تم نے اسے چائے کیلئے بھی نہیں روکا۔ پہلے کبھی ایسا ہوا ہے ہمارے گھر میں۔'' وہ اماں کے کمرے میں آتے ہی شروع تھا۔

اماں کا غصہ وہ وردہ پر نکال رہا تھا اور وہ حیرت سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ بنا قصور کے اسے سنایا جا رہا تھا۔

''میں آ رہی تھی۔ وہ بس اماں کی مالش۔'' آنسوؤں کے گولے نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی اور اس کی ادھوری بات اماں کو بھڑکانے کیلئے کافی تھی۔

''ہاں..... ہاں بس یہی کہنا چاہتی ہوں کہ میں نے تمہیں روکا تھا۔ ایسا ہی ناگوار گزرتا ہے نا تمہیں میرا کوئی کام کرنا تو لڑکی صاف انکار کر دیا کرو۔ ایسے احسان مت کیا کرو۔ خدا کا خوف نہیں ہے۔ ساس کا ذرا سا کام بوجھ لگنے لگا ہے۔ ارے ہم نے تو پورے پورے کنبے کی ذمہ داریاں اٹھا رکھی تھیں اور مجال ہے کبھی کسی کو شکایت کا موقع دیا ہو۔ سب ہی کچھ ہنسی خوشی کیا۔ یہاں منہ سوج جاتے ہیں یا پھر ٹسوے بہنے لگتے ہیں۔ خبردار جو آئندہ میرا کوئی کام کیا ہو۔ ابھی میرے ہاتھ پیر سلامت ہیں۔ دفع ہو جاؤ۔'' اماں بھڑک چکی تھیں اب انہیں خاموش کروانا مشکل تھا۔

''اماں میں اس سے باز پرس کر رہا ہوں نا' پلیز آپ تو خاموش رہیں۔'' ولید نے قدرے زچ ہو کر انہیں ٹوکا جس پر وہ مزید برافیختہ ہو گئیں۔

''بس بس لڑکے' جانتی ہوں تمہاری پوچھ گچھ۔ تمہاری شہ پہ ہی تو وہ آج جتا رہی ہے کہ میری خدمت گزاری میں وہ اپنے بھائی سے ملنے کی سعادت بھی کھو دیتی ہے۔''

''اماں جان میں نے تو ایسا کبھی نہیں کہا' مجھے تو خوشی ہے کہ میں آپ کی خدمت کر.....''

''خدمت..... خدمت..... کیا کام سنوارتی ہو تم میرے' ذرا سا کچن سنبھال لیا ہے تو بڑا کارنامہ کیا ہے؟ ہر لڑکی سسرال میں آ کر یہ سب کرتی ہے۔ میری بیٹیاں دیکھو دور دیس میں بسی ہیں۔ بھائیوں کو کبھی خیال نہیں آتا کہ جا کر مل آئیں یہاں آئے دن چاہتیں اڈلتی ہیں۔'' اماں کو خاموش کروانا محال تھا۔

اماں کا شور سن کر آصف اور عاطف بھی بمعہ اپنی بیویوں کے آ گئے۔

''کیا ہوا اماں؟ کوئی بات ہوئی ہے؟'' آصف نے اپنی فطری نرمی سے پوچھا۔

''بات..... ارے بات کیا یہاں تو فساد کھڑا ہے۔ آئے دن میاں کے کان بھرے جاتے ہیں کہ تم

لوگوں کی ماں کی وجہ سے اس کے بھائیوں کا استقبال نہیں ہو پاتا۔ اس کے بھائیوں کو یہاں کوئی چائے پانی کا نہیں پوچھتا۔ ارے غلطی میری ہے نا' باہر کی لائی اس لڑکی کو اپنا گھر بار سونپ کر اپنی جگ ہنسائی کرا رہی ہوں۔ پہلے دن سے ٹھکانے پر رکھتی تو ٹھیک تھا۔ سب ہی کہتے تھے غیروں میں سے بھولا رہی ہو ذرا سنبھل کے رہنا۔ گھر چکنیوں میں بگھر جاتے ہیں۔ میں انہیں کیا بتاتی کہ میرا برتن ہی خراب ہے جو دودھ کو دہی بنا دینے پر تلا ہے۔ تم سب ہی نے دیکھا تھا۔'' اماں کو تو نہ جانے کیا ہوا تھا۔ وردہ تو جو حیران پریشان تھی، سو تھی ولید بھی کم حیرت زدہ نہ تھا۔ ذرا سی بات پر اماں نے کیا واویلا مچایا تھا۔ رات کے دس بجے تمام گھر والوں کے سامنے وہ تماشہ بنا کھڑا تھا۔ ذرا سا احتجاج اسے کیا کچھ سہنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''دیکھا تھا نا سب نے کس طرح اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا اس لڑکی کو اس گھر میں لانے کیلئے۔ آج یہی لڑکی اسے سکھا کر میرے خلاف کھڑا کر رہی ہے۔'' اماں نان اسٹاپ بولتے ہوئے بالکل نہیں سوچ رہی تھیں کہ وہ کیا کیا کہہ رہی ہیں۔ ان کی تیغ صفت باتوں کی زد میں صرف وردہ ہی نہیں ولید بھی تھا۔ جو اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

آصف اور عاطف کو اماں کی فطرت کا اندازہ تھا اور وہ دونوں کئی دنوں سے نوٹ بھی کر رہے تھے کہ سارے گھر کی ذمے داری وردہ کے کندھوں پر ڈال کر نا صرف اماں بلکہ ان کی بیویاں بھی خوب مزے میں تھیں۔ گھر میں صرف صفائی کرنے والی ماسی یا پھر ہفتہ وار کپڑوں کی دھلائی کیلئے ایک لڑکی آتی تھی۔ اس کے علاوہ گھر سے وابستہ تمام ذمے داریاں وردہ کے کندھوں پر ڈال کر اس کی آزمائش جاری تھی۔ اماں کی باتیں سن کر معاملہ کچھ کچھ تو ان کی سمجھ میں آ رہا تھا مگر احتجاج کرنے کی یا کسی قسم کی ہمدردی جتانے کی ہمت ان میں نہیں تھی بس ولید کو ہی سمجھانے والے انداز میں بولے۔

''یار نادان تو نہیں ہو' کیوں اماں کو پریشان کر رہے ہو۔ وردہ اگر اماں کا کوئی کام کر رہی تھی تو تم زینب یا کلثوم سے چائے بنانے کا کہہ دیتے' اس طرح.....''

''بات یہ نہیں ہے بھائی جان۔'' ولید نے اپنے اوپر ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''بات کچھ بھی ہے۔ آئندہ گھر میں ایسا کوئی تماشہ نہیں ہونا چاہئے۔ جاؤ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ وردہ بیٹا تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔'' آصف نے اپنے طور پر معاملہ ٹھنڈا کیا۔

ولید تو فوراً ہی کمرے سے چلا گیا۔ جب کہ وردہ کو تو ابھی اماں کے کمرے میں گرم دودھ پہنچانے کی ذمے داری بھی نبھانی تھی۔ سو وہ اپنے آپ پر ضبط کے کڑے پہرے بٹھا کر اماں کیلئے دودھ گرم کر لائی۔ اماں کے شکوے شکایتیں جاری تھیں۔

''جب سے یہ اس گھر میں آئی ہے۔ میرے گھر کا سکون برباد ہو گیا ہے۔ کیسا فرمانبردار تھا میرا بچہ۔ آج اس کیلئے کیسا دوبدو ہو رہا تھا۔ ارے اس سے کہو نہیں چاہئے، اس کے ہاتھ سے کچھ بھی۔ کلثوم' زینب اگر تم لوگوں پر میں بھاری ہوں تو مجھے بتا دو' میں خود اٹھ کر اپنے لئے کچھ نہ کچھ کر لیا کروں گی مگر اس لڑکی کے ہاتھ کا کچھ نہیں لوں گی۔'' اماں نے اسے دیکھ کر پھر واویلا مچایا۔

''اماں آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ پہلے بھی تو ہم دونوں ہی کرتے تھے اب بھی کر لیا کریں گے۔

آپ پریشان نہ ہوں۔'' کلثوم نے موقع کا فائدہ اٹھایا۔ وردہ اپنے آنسو روکتی وہاں سے نکل آئی۔

ذرا سی بات کا بتنگڑ بن گیا تھا۔ خود کو سنبھال کر ولید کیلئے دودھ لے کر کمرے میں آئی تو ایک بار پردہ اس پر اپنا غبار نکالنے کو تیار بیٹھا تھا۔

''مجھے علم ہوتا کہ تم سے شادی کے بعد یہ سب سننا پڑے گا تو میں تم سے شادی ہی نہ کرتا۔ عذاب بن گئی ہے میری زندگی۔''

''پلیز آہستہ بولیے' باہر آواز جائے گی تو.....'' وردہ نے ضبط سے گزرتے ہوئے جیسے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''تو.....تو کیا ہوگا۔ جو ہوتا ہے ہو جائے۔ ویسے بھی اماں سمیت اس گھر میں سب ہی کے کان اور آنکھیں بند ہیں۔ کسی کو کچھ سنائی دکھائی نہیں دیتا۔'' وہ معمول سے زیادہ آواز میں چلا کر بول رہا تھا۔ اپنا غبار کسی طرح تو نکالنا ہی تھا۔

''خدا کیلئے ولید' اماں جان پہلے ہی بہت ناراض ہیں اور سب بھی میری ذات سے۔''

''تو غلط کیا ہے؟ تم ہی تو سارے فساد کی جڑ ہو۔ خوش کون ہے تم سے یہاں' نہ میں' نہ اماں نہ کوئی اور۔'' ولید نے نہایت تنفر سے کہا تو وردہ کو یک دم جھٹکا لگا۔ اب تک وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ بس وقتی غصے میں بول رہا ہے مگر وہ تو برملا اپنی نفرت ظاہر کر رہا تھا۔

''جس دن سے میری زندگی میں آئی ہو' سب سے کٹ کر رہ گیا ہوں میں۔ نہ گھر میں سکون ہے اور نہ ہی کہیں اور.....اماں الگ ناراض رہنے لگی ہیں۔ بتاؤ کیا ملا ہے مجھے تمہارے زندگی میں آنے سے۔ ایک دن کا سکون بھی نصیب نہیں ہوا مجھے تو۔ صبح شکایتیں' شام کو الزام۔ جہنم سے بدتر ہو گئی ہے میری زندگی۔'' وردہ گہرے صدمے کے زیر اثر اسے سن رہی تھی۔

ایک پل میں اس کی چاہت کا خمار اترا تھا۔ اس کیلئے دنیا سے ٹکرانے والا آج ذرا سی آزمائش پر اپنے ظرف کو ظاہر کر گیا تھا۔ اپنی ماں کی ذرا سی بے رخی برداشت نہیں ہو رہی تھی اور وہ جو اول دن سے بنا حیثیت کے سب ہی کے آگے پیچھے پھرتے ہوئے اپنا آپ ان میں ضم کرنے کی سعی میں مبتلا تھی اس کی تڑپ کا اندازہ تھا نہ ہی اذیت کا۔ وہ ایک دم سسک اٹھی۔

''میں نے کیا کیا ہے ولید۔ سب کو خوش رکھنے کی کوشش تو کرتی ہوں۔ اماں جان جیسا کہتی ہیں ویسا ہی کرتی ہوں' پھر بھی میں سب ہی کیلئے غیر ہوں تو میرا کیا قصور ہے۔ میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میرے لئے اماں جان سے ضد باندھیں یا اپنی روایات توڑ دیں۔ آپ نے اپنی مرضی سے مجھ سے شادی کی ہے۔ میں زبردستی تو یہاں نہیں آئی جو مجھے' صرف مجھے مجرم سمجھا جاتا ہے۔'' اس کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا۔ ''مجھے بار بار جتایا جاتا ہے کہ میں اس گھر کا فرد بننے کے لائق نہیں ہوں' اماں جان' اماں جان! تو مجھے اب تک دل سے قبول ہی نہیں کر سکتیں وہ تو مجھے غیر ہی سمجھتی ہیں اور اب آپ.....آپ بھی' آپ بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ پھر میں یہاں کیا کر رہی ہوں۔'' وردہ نے روتے روتے شکایت کی تو وہ مزید بھڑک اٹھا۔

''تو دفع ہو جاؤ یہاں سے مت رہو' کون چاہتا ہے تم یہاں رہو۔ چلی جاؤ اپنے بھائیوں کے گھر۔ میری زندگی میں بھی سکون آنے دو۔'' ولید کے لہجے میں مروت و محبت بالکل مفقود تھی۔ وردہ کو ایک اور جھٹکا لگا۔

محبت کا دعویٰ اتنا بودا ہوتا ہے، اسے آج معلوم ہو رہا تھا۔

عورت کی حیثیت بالکل کھلونے جیسی ہوتی ہے۔ وہ کس آسانی سے اس کی انا سے کھیل رہا تھا۔

''کل تم مجھے یہاں نظر نہ آؤ' انڈر اسٹینڈ۔'' کمرے کی لائٹ آف کر کے اس نے اس کا تکیہ اس پر اچھال دیا۔ صاف اشارہ تھا کہ وہ اسے اپنے قریب بھی برداشت نہیں کرنا چاہتا۔

وہ اپنے قدموں میں پڑے تکیے کو اٹھاتے ہوئے پھر سے سسک پڑی۔ اپنی اوقات کا احساس شدت سے ہوا تھا۔ اپنا دکھ وہ کس سے کہتی' کسے بتاتی کوئی بھی تو ہمدرد و غمگسار نہ تھا۔ بھائیوں کو بتانے کا مقصد تھا انہیں بے سکون کر دینا جبکہ وہ تو ہمیشہ انہیں اپنے حوالے سے مطمئن کرتی آئی تھی۔ وہ تو شاید ولید کیلئے کوئی غلط بات سن بھی نہیں سکتے تھے۔ اپنے دوست پر انہیں بہت مان تھا۔

ساری رات اس نے روتے سسکتے گزاری اور ولید کٹھور بنا سویا رہا۔ نتیجتاً اس کی سرد بیگانگی کا شکار ہو کر وہ بخار میں پھنکتی رہی۔

***

اگلی صبح گھر میں عجیب ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ بچے اسکول کیلئے لنچ لے جانے سے محروم ہو کر شور مچا رہے تھے۔ زینب اور کلثوم بچوں کو تیار کر کے ان کیلئے ناشتہ بنانے میں ہی ہلکان ہوئی جا رہی تھیں۔ سعد کو اپنی ماں کا بنایا انڈہ پسند نہیں آ رہا تھا۔

''یہ کیا بنا دیا مما آپ نے' اچھی چچی تو ایسا نہیں بناتیں۔'' ہادیہ کو بنا سکے ڈبل روٹی کے پیس بے مزا کر گئے تھے۔

''ممی.....ٹوسٹ کر کے بٹر لگانا تھا نا' آپ کو پتا ہے میں نہیں ایسے کھاتی۔ آپ خود کھالیں۔ میں وردہ چچی کو بلاتی ہوں' میرے لئے وہ مزے کا ناشتہ بناتی ہیں۔'' وہ فوراً ہی کرسی چھوڑ کر بھاگی' اسے راستے میں دادی نے پکڑا۔

''کہاں جا رہی ہو۔ آرام سے بیٹھو' چاچی کی چہیتی' ماں نے جو بنایا ہے کھاؤ۔'' دادی کی ڈپٹ پر اس نے برا سا منہ بنا کر ماں کو دیکھا۔ زینب نے خاموشی کا اشارہ کیا۔

''میں نے یہ نہیں کھانا' بس آنے والی ہے میں جا رہی ہوں۔'' وہ دوبارہ وہاں سے نکلی' اماں کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''اماں آپ کی چائے بس لانے ہی والی تھی۔ بچوں نے ناک میں وہ دم کیا ہے کہ.....'' کلثوم نے ڈھیلے سے انداز میں معذرت کی۔

جب سے وردہ نے گھر کا اور کچن کا نظام سنبھالا تھا یہ دونوں تو جیسے اماں کو بھول ہی گئی تھیں۔ اماں کے کھانے پینے سے لے کر ان کے کپڑوں کی دھلائی اور کمرے کی صفائی وغیرہ کے علاوہ بیماری وغیرہ کے

دنوں میں بھی دیکھ بھال کا ذمہ وردہ کا ہی تھا۔

صبح نماز سے فارغ ہو کر اماں کو چائے اور بسکٹ کھانے کی عادت تھی۔ آج وردہ کو منع کر کے وہ اس سے محروم ہو کر نا چار خود ہی کچن میں آ گئی تھیں۔ یہاں دونوں بہوویں اپنے اپنے بچوں میں الجھی ہوئی تھیں۔ اماں کا خیال انہیں کیا آتا۔

''وہ مہارانی ابھی آئی نہیں کمرے سے باہر۔'' اماں نے قدرے تلخی سے استفسار کیا۔

''دیکھ لیں' آپ کے سامنے ہے۔'' کلثوم نے بسکٹ کا جار اور چائے کا کپ سامنے رکھا۔ اماں کو ٹرے کے بغیر کپ اور پلیٹ کے بغیر بسکٹ دینے کا انداز بھایا تو نہیں مگر کیا کرتیں ان بڑی بہوؤں میں ایسا سلیقہ قرینہ تو شروع سے ناپید تھا۔ وردہ کی نفاست وسلیقے کی وہ دل سے قائل تو تھیں مگر اظہار کبھی نہ کیا تھا۔ ایک صبح کچن سے اس کی غیر حاضری کچن کی حالت ابتر بنا گئی تھی۔

''نخرہ دیکھو' ایک تو چوراوپر سے چتر' اماں سے معافی تلافی کے بجائے اب تک کمرے سے ہی نہیں نکلی۔ سمجھتی ہے اس کے بغیر ہمارے کام نہیں چلیں گے۔ سارا کچن الٹ پلٹ کر رکھا ہے سمجھ ہی نہیں آتی کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔ اچھا بھلا سینڈوچ میکر سامنے پڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں کہاں چھپا چھوڑا ہے۔'' زینب نے اپنی جھنجلاہٹ میں بھڑاس نکالی۔

آج اس کے بچے بنا ناشتے کے اسکول جا رہے تھے اور وجہ وردہ ہی تھی جو اب تک اٹھ کر آئی نہیں تھی۔ اچھا بڑا کچن تھا۔ وردہ نے تمام الیکٹرونکس اپلائنسز ایک کیبنٹ میں سیٹ کی تھیں۔ ضرورت پڑنے پر وہیں سے نکالا کرتی تھی۔

''یہ تم دونوں کی کمزوری ہے۔ اپنا گھر اس کے حوالے کر دیا۔ وہ اپنے حساب سے ہی رکھے گی گھر کو اور اسی بات کو تو رونا ہے۔ کل کو میرے بچے کو بھڑکا کر لے جائے گی مجھ سے دور اور میں تڑپتی رہ جاؤں گی۔'' اماں آبدیدہ ہو کر بولیں۔

''اماں اب ایسا بھی اندھیر نہیں ہے۔ ولید آپ کو چھوڑ کر جا سکتا ہے؟ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے' وہ تو خود اس سے بیزار ہے۔ دونوں میں جھٹ پٹ رہتی ہے' رات بھی خوب شور تھا ان کے کمرے میں۔ وہ شاید وردہ کو گھر سے بھی جانے کیلئے کہہ رہا تھا۔'' کلثوم نے نیا انکشاف کیا تھا۔ گویا وہ رات ان کے کمرے کے باہر سن گن لینے کو موجود تھی۔

''کیا..... واقعی.....؟'' اماں نے بے یقینی سے پوچھا۔

''تو اور کیا اماں' میں نے خود سنا ہے۔'' کلثوم نے وثوق و دھڑلے سے اعتراف کیا۔

''تب ہی میں کہوں آج باہر کیوں نہیں آئی۔ دیکھو ذرا ولید کہیں چھوڑ تو نہیں آیا۔'' اماں نے اپنے تاثرات سنبھالتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔

''اماں میں اب کیا جا کر دیکھوں ابھی ولید اٹھ کر آئے گا تو پتا چل جائے گا۔ ورنہ میرے پوچھنے پر وہ کہیں بدگمان نہ ہو جائے۔'' کلثوم نے اپنا دامن بچایا۔ اماں بھی ولید کی کمرے سے برآمدگی تک صبر کرنے پر مجبور تھیں۔

***

رات کو بدمزگی کے بعد دیر تک جلنے کڑھنے کے نتیجے میں ولید کی آنکھ معمول سے کافی دیر بعد کھلی تھی۔ نظر گھڑی پر پڑی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کچھ بھی تھا وردہ اپنی گھریلو مصروفیات کے باوجود اسے وقت پر جگا کر تیار ہونے میں مدد ضرور دیتی تھی مگر آج ساڑھے آٹھ سے بھی زیادہ وقت ہو رہا تھا۔ ناگواری سے کمبل ایک طرف ہٹاتے ہوئے اس کی نگاہ صوفے پر پڑی بے سدھ وردہ پر ٹھہر گئی۔ حیرت سے وہ غائب دماغی سے اسے تکے گیا۔ شادی کے بعد یہ پہلا دن تھا کہ وہ اپنے کمرے میں اس وقت تک موجود تھی اور سوئی ہوئی تھی۔ ایک دم اسے اپنے ناروا رویے کا احساس ہوا تھا۔ رات غصے میں وہ حد سے ہی گزر گیا تھا۔ وہ کسی خیال کے تحت اس کے قریب گیا اور نہ جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ بخار سے جل رہی تھی۔

رات بھر ٹھنڈ میں پڑے رہنے کے ساتھ اس کے رویوں کی یخ بستہ بیگانگی نے جیسے اسے منجمد کر دیا تھا۔

پشیمانی کی لہر وقتی طور پر اس کے دل و دماغ میں لہرائی مگر اگلے ہی پل اسے اپنے آفس کا خیال آیا۔ آج اس کی اہم میٹنگ بھی تھی۔ دس بجے تک اسے لازماً آفس پہنچنا تھا' سو کھڑے کھڑے بہ عجلت اسے پکارا۔

''ور..... وہ..... اٹھو مجھے آفس کیلئے دیر ہو رہی ہے۔'' اسے کہہ کر وہ جلدی میں واش روم میں گھس گیا۔ دس بارہ منٹ میں فریش ہو کر نکلا تو وردہ ہنوز غنودگی میں تھی' وہ ایک دم عجیب سی مجرمانہ کیفیت میں گھر گیا۔ اس کے قریب تکتے ہوئے اس کے گال تھپتھپا کر جیسے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

''وردہ' یار اٹھو۔ رئیلی میں لیٹ ہو رہا ہوں۔ آج بنا ناشتے کے جاؤں کیا؟'' وہ اس وقت بھول رہا تھا کہ رات اپنی تلخ نوائی سے کس قدر اذیت دے چکا ہے۔ اب اس کی نرمی محض ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے کمس اور نرم آواز پر وردہ نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ کوشش کے باوجود وہ اٹھ کر بیٹھ نہ سکی۔ جسم سے جان جیسے نکل چکی تھی۔

''کم از کم اپنا کمبل تو لے کر سونا چاہئے تھا۔ اب بیمار پڑ گئی ہو تو کیئر کون کرے گا۔ اب میں تو تمہارے سرہانے بیٹھے رہنے سے رہا۔'' وردہ کو اس لمحے وہ اماں کی کاپی لگا۔ جنہیں کسی کی دل آزادی کی پروا ہوتی تھی نہ خیال' جواب تو اس کے پاس بہت اچھا تھا مگر فی الحال بولنا دشوار تھا۔

''اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے تو بیڈ پر چل کر لیٹو' شام کو آؤں گا تو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں گا۔'' وہ فوراً اٹھ کر اپنی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

نہ معذرت نہ تلافی' زخم لگا کر مرہم لگانے کا بھی سلیقہ نہ تھا اس شخص کو۔ وردہ نہ کڑھتے ہوئے سوچا۔ وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو اماں اس کی منتظر بیٹھی تھیں۔

''یہ کیا طریقہ ہے۔ بھائی کبھی کے نکل گئے ہیں اور تم اب کمرے سے نکل کر آ رہے ہو اور کہاں ہے وہ تمہاری ہوتی سوتی۔ ذرا خیال نہیں ہے اسے گھر کے طور طریقوں کا۔ ہزاروں باتیں ہو جاتی ہیں گھروں میں' کوئی اس طرح ضد باندھ کے نہیں پڑا رہتا۔ یہ تربیت ہے اس کی۔ تب ہی تو میں کہتی تھی

غیر خاندان کی لڑکی ہمارے گھر کیلئے وبال بن جائے گی مگر تم اپنی سی کر کے رہے۔ اب نتیجہ سارا گھر بھگت رہا ہے۔'' اماں اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

ولید حیرت سے انہیں سن رہا تھا۔ کانوں میں وردہ کی بازگشت بھی تھی۔ ''اماں نے مجھے اب تک دل سے قبول نہیں کیا۔ مجھے سب غیر سمجھتے ہیں تو میں کیا کروں' گویا وہ اپنی جگہ درست تھی محسوس تو وہ بھی کر رہا تھا کہ وردہ کو بہو کا مقام دل سے نہیں دیا گیا تھا۔ وہ پھر سے عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔ وہ مجرم تھا اور سزا صرف وردہ کو دی جا رہی تھی۔

''اماں وردہ کو بخار ہے۔ میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا ہوں۔'' اس کے دل میں اچانک ایک خیال آیا تھا۔ اس نے جیسے اماں کو اطلاع دی اور واپس کمرے کی طرف مڑ گیا۔ کچھ دیر بعد وردہ کو بمشکل اٹھا کر کمرے سے باہر لا رہا تھا۔ اماں ہکا بکا سی اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

وردہ نیم غنودہ سی اس کے ساتھ کھنچی جا رہی تھی اور پھر ڈاکٹر کے پاس سے اس کے چیک اپ اور میڈیسن لینے کے بعد وہ اسے گھر چھوڑنے کے بجائے نیبل کی طرف چھوڑ گیا۔

وردہ اس کے عمل پر حیران و پریشان ہو گئی۔ اس کی ذرا سی بیماری پر اسے میکے میں لا چھوڑنا باعث تشویش تھا۔ وہ اندر ہی اندر سہمی جا رہی تھی۔

اس کی آمد کی خبر سن کر فوراً ہی خالہ اور ردا چلی آئیں۔ خالہ کو اس کی حالت زار پر تشویش ہو رہی تھی مگر اس کے پاس سوائے چپ کے، کچھ بھی نہ تھا۔

***

ولید معمول سے بہت دیر سے گھر میں داخل ہوا تو اماں کو اپنا منتظر پایا۔

''کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں ہے وہ جسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ عجیب طور طریقے نکالے ہیں تم لوگوں نے۔ نہ خیر نہ خبر۔ نہ اجازت نہ اطلاع۔ جب دل چاہا منہ اٹھا کے چلے گئے۔ جب دل چاہا منہ اٹھا کے آ گئے۔ میں صاف کہے دیتی ہوں میرے گھر میں یہ رنگ ڈھنگ نہیں چلیں گے۔'' اماں اسے دیکھتے ہی پھر شروع تھیں۔

دن بھر عجیب سی کشمکش میں گزرا تھا۔ اس پر گھر کا نظام بھی درہم برہم ہوا تھا۔ وردہ کی ذمہ داریاں دونوں بہوؤں سے اٹھائی نہیں جا رہی تھیں۔ جس کے نتیجے میں بے وقت اور تاخیر سے کھانا پینا میسر تھا۔

''اماں وردہ کو میں نے اس کے بھائیوں کے گھر چھوڑ دیا ہے۔''

''ہا..... ئیں' کیا کہہ رہے ہو؟'' اماں کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

''دیکھیں نا اماں میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ میں سے کوئی بھی ٹینشن میں رہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے گھر میں سب ہی ٹینشن رہتے ہیں بلکہ میں خود بھی ٹینشن میں رہنے لگا ہوں۔ پلیز اماں میری وجہ سے آپ کو جو تکلیف ہوئی ہے آپ مجھے معاف کر دینا۔ وردہ کو اب میں واپس اس گھر میں نہیں لاؤں گا۔ آپ بالکل ریلیکس ہو کر رہیں۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔'' خلاف توقع وہ بہت نرمی سے بات کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور اماں حیرت میں تھیں کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔

***

تیسرا دن تھا۔ ولید نے پلٹ کر خیریت نہیں لی تھی۔ وردہ کا بخار قدرے کم ہو چکا تھا مگر نقاہت ہنوز باقی تھی۔ اٹھ کر چلنا پھرنا دشوار ہو رہا تھا۔ ردا مسلسل اس کی تیمارداری کو اس کے پاس موجود تھی۔

''ولید بھائی ایسے غیر ذمے دار لگتے تو نہیں' سچ سچ بتاؤ وردہ کوئی بات تو نہیں ہوئی۔ کوئی اس طرح بیماری میں بھائیوں کے گھر چھوڑ جاتا ہے۔ تمہاری سسرال تو ماشاء اللہ بھری پڑی ہے۔ سب ہی تمہاری دیکھ بھال کر سکتے تھے۔ وہاں سے بھی کسی نے آ کر تمہارا حال نہیں پوچھا۔ کم از کم ایک فون تو کر سکتے تھے وہ لوگ بھی۔'' ردا نے دل میں ابھرتے تمام سوالات کو زبان دے ڈالی۔

''وہ..... بھا..... بیاں تو گھر پر تھیں نہیں' اپنے اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ اماں اکیلی تھیں اس لئے ولید مجھے یہاں چھوڑ گئے۔ تم وہاں تو میری تیمارداری کیلئے نہ آتیں نا۔'' اپنا بھرم تو رکھنا تھا۔ بمشکل بولتے ہوئے اس نے ردا کو مطمئن کیا۔ ورنہ بے چین تو وہ بھی تھی۔

''باقی سب کی تو مجبوری تھی مگر یہ ولید بھائی کس حساب میں غائب ہیں۔ ذرا تم ہی خیر خبر لے لو ان کی۔'' ردا کو اس کی حالت دیکھ کر کھٹک سی لگ گئی تھی۔ اس نے خود ہی فون نمبر ملا کر ریسیور اس کی جانب بڑھا دیا۔

''لو بات کرو۔'' وردہ کشمکش میں تھی کہ کیا بات کرے اور کیا کہے۔ وہ خود کٹھور بنا ہوا تھا۔ وہ اس کی سنگدلی سے ہی اندر باہر سے چور چور ہو رہی تھی۔ وہ ادھر سے ہیلو ہیلو کر رہا تھا۔

''بات نہیں کرنی تھی تو فون کیوں کیا ہے؟''

''وہ..... وہ..... ردا پوچھ رہی تھی۔ آپ آئے نہیں۔'' اس نے بات بھی کی تو کیا۔ ردا نے سر ہلاتے ہوئے اپنا ماتھا پکڑ لیا۔

''اچھا میں آتا ہوں آج۔'' مختصر بات کر کے اس نے فوراً سلسلہ منقطع کر دیا۔

چھن سے ان کے اندر پھر کچھ ٹوٹ گیا۔ ایسا دل شکن اور بیگانہ انداز اس کی برداشت ختم کر رہا تھا۔ ردا سامنے بیٹھی تھی اسے ضبط سے کام لینا تھا۔

''کتنے ان رومینٹک ہوتم ہز بینڈ' وائف۔ ایک منٹ بھی بات نہیں کی تم نے ان سے۔''

''وہ آج آ رہے ہیں' اس لئے میں نے لمبی بات نہیں کی اور ردا آفس ٹائمنگ میں انہیں فون کرنا پسند نہیں ہے۔ تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پلیز اب مجھے کچھ ریسٹ کرنے دو' بول بول کر گلا درد کرنے لگا ہے۔'' اس نے اپنے سابقہ لب و لہجے کو برقرار رکھا۔ دل تو رونے کو چاہ رہا تھا۔

''ہاں ایسا کہو اپنے پیاجی کی آمد کا سن کر میری ضرورت ختم ہو گئی ہے۔ ٹھیک ہے تم ریسٹ کرو تاکہ شام کو ہمارے جی جو کو فریش نظر آؤ تب تک میں ان کی خاطر مدارت کا بندوبست کر لوں۔'' ردا اسے ہلکی سی تھپکی دے کر کمرے سے نکل گئی اور وہ جو کب سے ضبط کے بندھن باندھ رہی تھی وہ بندھن یک دم کھل گئے۔

***

وہ وردہ کی طرف جانے کیلئے تیار ہو کر کمرے سے نکلا ہی تھا کہ دروازے پر ہادیہ' سعد' عزیر اور نمرہ نے اس کا راستہ روکا۔

''چاچو! آپ چاچی کے گھر جا رہے ہیں نا' پلیز ہمیں بھی لے چلیں۔'' ہادیہ نے سب ہی کی نمائندگی کی۔

''سوری بچو! ابھی تو میں ادھر نہیں جا رہا۔ جب جاؤں گا تو لے جاؤں گا۔'' اماں کو آتے دیکھ کر ولید نے جھوٹ بولا۔

''چاچو ہمیں جانا ہے نا' ہمیں ان سے پڑھنا بھی ہے۔ وہ کیوں چلی گئی ہیں۔'' سعد نے ٹھہر ٹھہر کر بات مکمل کی۔ اس سے پہلے وہ آدھی بات کہتا تھا آدھی نہیں' وردہ نے اس کی عادت ختم کروائی تھی۔ ''جانو' ابھی وہ بیمار ہیں۔''

''ایسی بھی کیا بیمار ہے جو اپنا گھر بار ہی بھلا دیا ہے اس نے' یہاں بچوں کی پڑھائی کا بھی حرج ہو رہا ہے۔ اس کے بھروسے ہم نے اس ماسٹر کو جواب دے دیا تھا۔ اب بتاؤ بچے کس سے پڑھیں۔'' اماں نے فوراً ہی اس کی بات کاٹی۔

''اماں بچوں کیلئے ٹیوٹر رکھ لیں پھر سے اور رہی بات اپنے گھر بار کی تو اسے یہاں سے اپنے پن کا احساس ہی کب ملا ہے جو وہ خیال کرے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی ولید کے لہجے میں اتر آئی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا لڑکے۔ سارا گھر تو سونپ دیا تھا اسے۔ کبھی پلٹ کر دیکھا بھی نہیں' سیاہ کرے یا سفید اور تم کہتے ہو اپنا پن نہیں ملا اور کیسے احساس دلایا جائے۔ واہ بھئی واہ خوب چال چل رہی ہے وہ۔ سب سمجھ رہی ہوں میں کان کھول کر سن لو ولید' میرے جیتے جی میرے گھر کے دو گھر کئے نا تو میرا مرا منہ دیکھو گے تم۔'' اماں نے جذباتی طور پر زیر کرنے کیلئے پینترا پھینکا تو وہ گڑبڑا سا گیا۔ ایسا وہ سوچ تو رہا تھا مگر کوئی انتہائی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اماں نے جانے کیسے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔

''اماں آپ وردہ کو پہلے دن سے غلط سمجھ رہی ہیں۔ اس نے مجھ سے ایسی کوئی ڈیمانڈ نہیں کی لیکن اماں سوچیں ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ نہ آپ اس کی موجودگی سے خوش ہیں اور نہ غیر موجودگی سے۔ کیا کروں میں بتائیں مجھے' چھوڑ دوں اسے۔ پھر تو گھر کا سکون لوٹ آئے گا ناں۔''

ولید بھی جذباتی پن کا شکار ہو گیا۔ دو کشتیوں کا سوار کشمکش میں رہتا ہے۔ وہ بھی الجھن میں مبتلا تھا۔ اماں کا رویہ دیکھتا تو سوچتا وردہ کو ہمیشہ کیلئے خود سے دور کر کے کم از کم اس کی زندگی تو پرسکون کر دے۔ وردہ کی اس گھر کیلئے چاہت و لگن دیکھتا تو سب ہی سے ٹکرانے کا جذبہ مچلنے لگتا۔ سب ہی اس کی غیر موجودگی کو فراموش کئے تھکن ومست تھے سوائے اماں کے۔ وہ بھی اس کی کوتاہیاں جتانے کو موجود رہتی تھیں۔

''تم ہوش میں تو ہو ولید۔ جانتے ہو کیا کہہ گئے ہو۔'' آصف بھائی نے آ کر جیسے اسے جھنجوڑ دیا۔ سب ہی ان دونوں کی آوازیں سن کر آ گئے تھے۔ بچے الگ پریشان سے کھڑے ان کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

''کسی کی بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں شادی کو اور تم کیا

کرنے کی ٹھانے ہوئے۔ لاحول ولاقوۃ'' عاطف نے قدرے برہمی سے کہا۔

''پھر بتائیں میں کیا کروں۔ اماں کیلئے وردہ ناقابل برداشت ہستی ہے۔ وہ اسے اپنے گھر کیلئے وبال سمجھتی ہیں ایسے میں' میں کیا کروں۔ اسے چھوڑ دوں گا تو کم از کم اماں کے گلے شکوے تو ختم ہو جائیں گے۔'' وہ دلی رنج کے ساتھ بول رہا تھا۔

''اماں' یہ سب کیا ہو رہا ہے ہمارے گھر میں؟''

آصف بھائی نے قدرے افسوس سے پوچھا تو اماں بھی زور و شور سے رونے لگیں۔

''ہاں...... ہاں میں ہی دشمن ہوں سب کی۔ میں نے ہی اس کی بیوی کو نکالا ہے۔ بیماری کا بہانہ کر کے وہ یہاں سے چلتی بنی اور اسے بھڑکا کر میرے سر پر سوار کر دیا۔ جاؤ لڑکے جاؤ۔ تمہیں تمہارا سسرال مبارک' جو سبز باغ تم نے دیکھ لئے ہیں ان میں گھومو پھرو۔ بوڑھی ماں کا کیا ہے۔ دو دن کی زندگی باقی ہے۔ کاٹ ہی لوں گی جیسے کٹے گی۔'' اماں نے رخ پھیرا اور واپسی کیلئے قدم اٹھائے۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچیں۔

ولید بے بسی سے بھائیوں کو دیکھنے کے بعد بولا۔ ''بھائی جی آپ خود بتائیں میں کیا کروں۔ شادی کے بعد سے میرے ساتھ اماں کا رویہ ایسا ہی رہا ہے۔ انہیں وردہ اگر پسند ہی نہیں تھی تو شادی کیلئے رضامندی دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں اب تک خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ کچھ بھی ہو' اماں نے میری خوشی کو اپنی خوشی سے پورا کیا ہے مگر اماں کا رویہ ایک دن بھی وردہ کے ساتھ اچھا نہیں رہا۔ یہ میں نے بہت بار محسوس کر کے دیکھا ہے اور اس رات تو نبیل کی آمد پر اماں نے جو ہنگامہ اٹھایا تھا وہ آپ سب نے بھی دیکھا تھا۔ ایسی صورت میں' میں کیا کروں؟''

''بیٹا ایسے جذبات میں تو مسئلے حل نہیں ہوتے۔ زندگی بھر کے معاملات چٹکیوں میں نہیں اڑائے جاتے۔ تم صبر و تحمل سے کام لو۔ اماں بھی آخر سمجھ ہی جائیں گی۔ ان کا غصہ تو چند پل کا ہوتا ہے۔ تم کیوں اپنا گھر خراب کر رہے ہو۔ جاؤ وردہ کو واپس لے کر آؤ۔ اسے کس بات کی سزا دے رہے ہو۔ اماں کے بعد اپنے دوستوں کو بھی ناراض کرو گے کیا۔ وردہ بہت سمجھدار بچی ہے۔ اماں کو جلد ہی منا لے گی۔ جو بھی ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔'' آصف بھائی اسے تحمل و بردباری سے سمجھا رہے تھے مگر وہ جان چکا تھا اماں کو منانا یا سمجھانا اتنا آسان نہیں ہے۔ وردہ نے کبھی اس سے شکوہ نہیں کیا تھا مگر وہ محسوس کر چکا تھا اور یقیناً اس کے احساس نے ہی تو اماں کو بھڑکا دیا تھا۔ وہ دل پر جبر کر کے وہاں سے نکل آیا۔

***

''اماں آپ کیوں اپنے بیٹے کو گنوانا چاہتی ہیں۔ جس قسم کے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ایسی صورت میں تو وہ واقعی یہاں سے چلا جائے گا یا پھر غصے میں اپنی زندگی تباہ کر لے گا۔ پھر آپ سے اس کا دکھ دیکھا جائے گا؟ آپ برداشت کر لیں گی اس کی اجاڑ ویران زندگی؟'' آصف اب اماں کے کمرے میں موجود انہیں سمجھانے کی کوشش میں تھے۔

''بھائی جی ٹھیک کہہ رہے ہیں اماں' ولید کتنا جذباتی ہے یہ تو آپ بھی جانتی ہیں۔ آپ کو اس سے

جو شکایتیں ہیں اسے پیار سے سمجھائیں وہ سمجھ جائے گا اگر وردہ کے حوالے سے آپ ابھی تک ناراض ہیں تو یہ صحیح بات تو نہیں ہے۔ آپ کی مرضی سے یہ تعلق قائم ہوا تھا۔ آپ اسے غیر کیوں سمجھتی ہیں وہ بھی تو اس گھر کا فرد ہے۔ کتنی اپنائیت و چاہت سے وہ گھر کے کام کرتی ہے۔ ہم سب ہی محسوس کرتے ہیں۔'' عاطف بھی اس کی حمایت میں بولا۔

اماں نے خشمگیں نظروں سے پہلے بیٹوں کو دیکھا اور پھر بہوؤں کو مخاطب کیا۔ ''لو سن لو۔ دونوں کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ سب چونچلے ہیں۔ مجھے کیا، جو چاہو کرو۔ میں نے نہ اسے نکالا تھا اور نہ آنے سے روکا ہے۔ بس صاف بات میری سن لو میرا دل اس لڑکی کی طرف بے بالکل کھٹا ہو گیا ہے۔ وہ آئے تو اس سے کہو نہ مجھ سے کلام کرے اور نہ ہی میرا کوئی کام کرے۔ غضب خدا کا ایک ذرا سا میرا کام کر کے کیسے سمجھوں کو میرے پیچھے لگا دیا۔'' اماں نے سر تک چادر تانی اور لیٹ گئیں۔

بہوویں بیٹے بے بسی سے کچھ دیر بیٹھے رہے اور پھر کمرے سے نکل گئے۔ زینب تو دل ہی دل میں خوش تھی جبکہ کلثوم کو نئی فکر لاحق تھی کہ وردہ کی موجودگی میں بھی اسے ہی اماں کیلئے بھاگ دوڑ کرنا پڑے گی۔

***

''یار میں تو سمجھ رہا تھا کہ تمہاری اور وردہ کی ناراضگی چل رہی ہے جو تم اسے یہاں چھوڑ کر بھول گئے ہو۔'' راحیل نے اسے دیکھتے ہی مذاق میں احساس دلایا تو وہ مزید شرمندہ ہو گیا۔

''نہیں ایسی بات نہیں تھی۔'' اس سے جواب دینا مشکل ہو رہا تھا۔

''راحیل بھائی میں نے ہی یہاں آنے کی ضد کی تھی۔ میں ہی بخار کی وجہ سے عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ میں پریشان ہو گئی تھی۔'' وردہ نے ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے اس کا دفاع۔

''بری بات ہے وردہ' شادی کے بعد سسرال میں ایسے رویئے ناپسندیدہ بنا دیتے ہیں۔ وہ غیر تو نہیں ہیں۔ تمہاری دیکھ بھال کر سکتے تھے۔ تم نے ناحق ولید کو پریشان کیا۔'' نبیل نے بڑے سجاؤ سے بہن کو سرزنش کی۔ ولید مزید گڑ گیا۔

''سوری بھائی آئندہ غلطی نہیں ہو گی۔'' وہ آرام سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''ہمیں تم سے یہی امید ہے ڈیئر سسٹر' پھر آج واپس جا رہی ہو۔'' راحیل نے اسی انداز میں استفسار کیا۔

''جی بھائی' اب نیکسٹ ویک اینڈ پر ہی آؤں گی۔ نبیل بھائی کیلئے لڑکی بھی تو فائنل کرنی ہے۔'' وہ اپنے رویے سے بالکل احساس نہیں ہونے دے رہی تھی کہ ولید نے اس کے ساتھ کوئی غلط برتاؤ کیا ہے۔ پھر اسے گھر میں کوئی پریشانی ہے۔

''نبیل کیلئے لڑکی دیکھ لی ہے؟'' آخر اسے بھی نارمل رویہ اپنانا پڑا۔

'جی..... خالہ اور تائی جان نے تو پسند کر لی ہے اب ہم دیکھ کر کوئی رسم کر دیں گے۔ ٹھیک ہے بھائی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نبیل سے تائید مانگی' اسی لمحے رداکھانا میز پر رکھ دیئے جانے کے اعلان کے ساتھ داخل ہوئی۔

کھانے کے بعد وہ اس کے ہمراہ واپس آ رہی تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ولید نے قدرے شرمندگی سے معذرت کی۔

''پلیز وردہ سوری فار می۔ میں اس دن بنا سوچے سمجھے تم پر اپنا غصہ نکالتا رہا۔ اماں جان کی عادت کا علم رکھتے ہوئے بھی مجھے نہ جانے اس دن کیا ہو گیا تھا۔ ایکچوئلی میں اپنی اور تمہاری روٹین سے بہت اپ سیٹ تھا۔ تمہارے پاس میرے لئے اب ٹائم ہی نہیں ہوتا۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔''

''میں نے کوئی شکایت تو نہیں کی۔ میں سمجھتی ہوں کہ ایسا کیوں ہوا مگر میں بھی اتنی ہی بے بس ہوں جتنے کہ آپ۔ اماں جان کو خوش رکھنے کی مری ہر کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ نہ جانے کیوں۔ بہر حال زندگی میں اتار چڑھاؤ تو آتے ہی رہتے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں میں آئندہ محتاط رہوں گی تاکہ کسی کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔'' وردہ کی بھرائی آواز اس کے اندر مچلتی سسکیوں کی غماز تھی۔

شکوے شکایت کرنا اس کا ظرف نہیں تھا اور پھر محبت کا مان تو ٹوٹ ہی گیا تھا اب تو بس فرض تھا جسے نبھانا تھا۔ ولید سے بھی بات کرنا دشوار ہو رہی تھی۔ سو باقی سفر خاموشی سے کٹا۔

وہ گھر میں داخل ہوئے تو سب ہی اپنے اپنے کمروں میں بند ہو چکے تھے۔

***

اگلی صبح وہ اپنے معمول کے مطابق اٹھ کر کچن میں آئی تو زینب اور کلثوم مندھی مندھی آنکھوں سے ناشتہ بنانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

''السلام علیکم!''

''ارے تم آ گئی ہو وعلیکم اسلام۔'' کلثوم تو ایسے چونکی جیسے نیند سے جاگی ہو۔ ''طبیعت ٹھیک ہے؟ آرام کرنا تھا ابھی۔'' رسمی انداز میں جواب دے کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''اچھا ہوا تم آ گئی ہو۔ تمہارے بغیر تو ہمارے بچے اداس ہو گئے۔ سعد' فہد نے تو وہ شور اٹھا رکھا تھا تمہارے پاس جانے کا کہ بس..... آج نہ آتیں تو ہم بچوں کے ساتھ آ جاتے لینے۔''

چار دن میں یہ کایا کلپ ہوئی تھی' وردہ حیرت سے دیکھے گئی۔ ایسی باتیں گزشتہ پانچ ماہ میں کبھی نہ جتائی گئی تھیں۔

''باتیں بعد میں کرنا پہلے اماں کو تو چائے پہنچا کر آؤ ورنہ تم سے بھی ناراضگی پکی۔'' زینب کو کلثوم کا انداز اپنائیت بھایا نہیں تھا۔

''بھابی جان! میں اماں جان کیلئے چائے بنا کر لے جاتی ہوں۔'' وردہ نے فوراً خدمات پیش کیں۔

''دیکھ لو تمہاری اپنی ذمہ داری ہے۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' زینب نے مبہم انداز میں دامن بچایا۔

وردہ نہ سمجھتے ہوئے چائے بنانے میں مصروف ہو گئی۔ اماں کے کمرے میں پہنچی تو اماں نے اسے دیکھتے ہی رخ پھیر لیا۔ سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔

''سنو لڑکی! آئندہ میرے کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میرے لئے یہ مشقت

اٹھانے کی۔ جو تمہیں باندھ کر لایا ہے نا اسی کی خدمتیں کرو' اسے رجھاؤ' میری اپنی ہیں یہاں' بوجھ نہیں ہوں میں ان پر۔ جاؤ یہاں سے۔'' اماں نے اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا نہ معافی تلافی کی۔

وہ آنسو بھری آنکھوں اور بوجھل دل لئے کچن میں آئی تو وہاں صرف کلثوم ہی موجود تھی۔

''نہیں لی نا اماں نے چائے' میں دے کر آتی ہوں' تم پریشان نہ ہو' اماں کا غصہ وقتی ہوتا ہے۔ میں ابھی آتی ہوں' تم بس ذرا بچوں کیلئے ناشتہ بنالو۔'' کلثوم نے اپنا مطلب نکالا۔ تین دن میں بچوں نے ان کا جو حال برا کیا تھا اس سے بچنے کیلئے آسان راہ یہ تھی کہ وردہ سے ہمدردی جتائی جاتی۔

پھر ایسا ہوا کہ گھر کا نظام دوبارہ سے معمول پر آ گیا۔ بچے بھی خوش تھے کہ اچھی چاچی کے ہاتھ کے مزے مزے کے کھانے دوبارہ کھانے کو مل رہے تھے اور سکول کے کام بھی ہو رہے تھے۔ بھابیاں بھی سکھ میں تھیں۔

***

بظاہر سبھی کچھ معمول پر تھا۔ بس اماں کی بے رخی کم نہیں ہوئی تھی۔ وردہ اپنے کمرے اور کچن تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک دو بار آصف نے وردہ کو کھانے کے وقت موجود نہ پا کر آواز دی تھی تو اماں اس کی آمد پر اٹھ کر چلی گئی تھیں، جس پر وہ مزید محتاط ہو گئی تھی۔

اپنی وجہ سے وہ گھر کی فضا خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ولید کو بھی اس نے محبت سے سمجھا دیا تھا کہ وہ اس کی خاطر اماں کو تکلیف نہ دے اور وہ بھی سوچ رہا تھا کہ اماں جلد ہی اپنے غصے کو ختم کر دیں گی مگر دوسرا ہفتہ تھا اماں نے اپنا انداز وردہ کیلئے ذرا نہ بدلا تھا۔

وردہ کی موجودگی انہیں کسی طرح گوارا نہ تھی۔ سارے گھر کی ذمہ داری اٹھانے کے باوجود اس کی حیثیت کسی ملازمہ کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس دوران وہ نبیل کیلئے لڑکی بھی پسند و منتخب کر چکے تھے۔ اماں نے اس موقع پر بھی اپنی بے رخی کو رخصت نہ کیا تھا۔ نہ ہی مبارکباد دی تھی اور نہ مٹھائی کھائی تھی۔ وردہ بڑے مان وارمان کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''اماں جان! یہ مٹھائی بھائی کے سسرال سے آئی ہے اور یہ آپ کیلئے سوٹ بھی ادھر سے آیا ہے پلیز یہ تو رکھ لیں۔''

''سنو لڑکی! یہ چیزیں یہاں سے اٹھاؤ اور میرے کمرے سے نکل جاؤ۔ بھوکی نہیں ہوں میں تمہارے میکے کی مٹھائی یا جوڑے کی۔ آئندہ یہاں قدم رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا سمجھیں۔'' اماں کا پر جلال انداز وردہ کو سہما گیا۔

''ا.....ما.....ں..... یہ میں تو.....'' اپنی صفائی کیلئے جیسے اس کے پاس لفظ نہیں تھے۔

''کیسے سمجھو گی تم۔ کیوں دکھانے آ جاتی ہو اپنی منحوس شکل۔ جب سے آئی ہو' میرے گھر کا سکون ہی رخصت ہو گیا ہے۔'' اماں کا تحقیر آمیز لب ولہجہ اس کے دل ہی نہیں روح کو بھی چھلنی کر گیا تھا۔

وہ اپنے آنسو روکتی وہاں سے نکلی تو دروازے میں صدمے سے گنگ کھڑے ولید سے ہی ٹکرا گئی۔ اماں کی بدگمانی اس قدر بڑھ چکی تھی اسے اندازہ ہی نہیں تھا۔ وردہ اس سے بچ کر سیدھی اپنے کمرے میں

پہنچی اور پھر اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔ آنسوؤں کی جھڑی نے اس کے اندر باہر جل تھل کر دیا تھا۔ اماں کی نفرت بلاسبب تھی تبھی تو سہنا دشوار ہو رہا تھا۔

***

اماں نے آہٹ پر غصے سے پلٹ کر دیکھا تو ولید کو کھڑے پا کر لمحہ بھر کو ساکت رہ گئیں۔

''اماں آپ بہت زیادتی کر رہی ہیں۔''

''آ گئے ہو بیوی کے حمایتی بن کر۔ بھیج دیا ہے اس نے تمہیں سکھا کر کہ جاؤ اور اپنی ماں سے دو بدو ہو جاؤ۔'' اگلے ہی پل وہ ولید سے بھی اسی انداز میں مخاطب تھیں۔

''اماں آپ کا رویہ صاف نظر آ رہا ہے' کسی کے سکھانے یا بتانے کی نوبت تو جب آتی ہے جب کسی کو کچھ نہیں نہ آ رہا ہو۔ آخر آپ چاہتی کیا ہیں۔ کس بات کی سزا دے رہی ہیں آپ مجھے اور وردہ کو۔ آپ کی اجازت اور خوشی سے وہ اس گھر میں آئی تھی۔ میں اسے بھگا کر نہیں لایا تھا۔ بیوی ہے وہ میری مگر آپ نے تو اسے گھر کی ملازمہ سے بھی کم تر سمجھ لیا ہے۔'' وہ بھی غم و غصے سے جیسے پھٹ پڑا۔

آوازیں سن کر عاطف' واصف' زینب اور کلثوم بھی چلے آئے تھے۔ معاملہ تو پہلی نگاہ میں ہی سمجھ آ گیا تھا۔ مٹھائی کا ڈبہ اور سوٹ ولید کے قدموں میں پڑے تھے اور وہ خود دروازے میں جما کھڑا غصے میں جیسے دہک رہا تھا۔ بے بسی سے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے ہوا تھا۔

واصف بھائی نے اندر آتے ہی بیوی کو اشارہ کیا کہ چیزیں اٹھائے زینب نے بحالت مجبوری حکم کی تعمیل کی۔

''اماں آخر کیا مسئلہ ہے؟ وردہ یا ولید سے آپ کو جو بھی شکایت ہے آپ اسے کھل کر بتائیں۔ یہ روز روز کے جھگڑے اچھے تو نہیں لگتے۔'' واصف کا نرم و حمایتی لہجہ انہیں مزید سیخ پا کر گیا۔

''یوں کہو کہ میرا بولنا کسی کو اچھا نہیں لگتا۔ آج یہ اپنی بیوی کا حمایتی بن کر کھڑا ہوا ہے۔ کل کو تم دونوں آ جانا میرا سر پھاڑنے۔ میری تو کوئی وقعت و اوقات ہی نہیں رہ گئی۔ اسی دن کیلئے اولاد کی پرورش کی جاتی ہے کہ وہ دو دن کی آئی ہوئی پرائی لڑکی کیلئے ماں کی توہین کرنے کھڑے ہو جائیں۔'' اماں چبکوں پیکوں سے رونے لگیں۔

''اماں آپ کی توہین کون کر سکتا ہے۔ ہم میں سے کسی کو اتنی جرأت نہیں ہے آپ کا مقام سب سے بلند ہے۔'' عاطف نے آگے بڑھ کر انہیں بستر پر بٹھایا۔

''مگر اس چھوٹے کی نظر میں تو اسی کی چہیتی افضل ہے۔ اس میسنی جادوگرنی نے اسے ایسا قابو کیا ہے کہ اسے صرف وہ ہی نظر آتی ہے ماں کو اس نے بھلا ہی دیا ہے۔ دیکھو اس کے تیور جیسے ابھی مجھے نگل جائے گا۔ ایسا تھا یہ شادی سے پہلے بتاؤ زینب کلثوم انہیں۔ اب تو دنوں یہ مجھے اپنی شکل بھی نہیں دکھاتا اور وہ چلتر باز سارے گھر میں دندناتی پھرتی ہے۔ مجھے جلانے کیلئے میرے گھر پر قابض ہو رہی ہے۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ میری محبت' میری ممتا سے بھول گئی ہے۔ آج یہ مجھے یہ بتا رہا ہے کہ میں اس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں۔ یہ احساس اسے دلانے والی اگر یہاں رہی تو پھر میں یہاں سے چلی جاؤں

گی۔"

"اماں جان یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اس طرح کیسے؟ وردہ کا کوئی قصور کوئی غلطی بھی تو ہو۔" ولید اپنی حیرت سے نکل کر یک دم جیسے ہوش میں آ کر بولا ہو۔

"ٹھیک ہے پھر اسے یہاں رکھو میں صبح چلی جاؤں گی۔ کہیں نہ کہیں ٹھکانہ بن جائے گا میرا ابھی۔" اماں کا غصہ نقطہ عروج پر تھا۔

"بھائی آپ سمجھائیں نا اماں کو۔ میں..... وردہ کو اس طرح چھوڑنے کا اسٹیپ کیسے لے سکتا ہوں۔"

"تو مت چھوڑو ماں کو چھوڑ دو۔ تم سے تو مجھے امید بھی یہی ہے۔" وہ جیسے چیخ اٹھی تھیں۔

"اماں آپ اس وقت غصے میں ہیں آپ کو احساس نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ آپ آرام سے سو جائیں صبح اس مسئلے کا حل سوچیں گے پلیز آپ غصہ نہ کریں۔" واصف نے بڑھ کر انہیں تھامنا چاہا۔

"خبردار! مجھے سمجھانے کی کوئی کوشش نہ کرے۔ میں ماں ہوں تم سب کی کوئی آئی نہیں ہوں کہ سب کے سب مجھے چٹکیوں میں اڑانے لگو گے۔ کان کھول کر سن لو میرا فیصلہ اٹل ہے۔ کل صبح اگر وہ مجھے اس گھر میں نظر آئی تو پھر میرا قدم اس گھر سے باہر جانے سے کوئی نہیں روکے گا۔"

زینب' کلثوم' عاطف' واصف ہکا بکا اماں کا چہرہ تک رہے تھے۔ معاملہ اس قدر بگڑ چکا تھا کسی کو توقع نہیں تھی۔ اماں کا وردہ کی ذات سے جڑا معمولی سا اختلاف عداوت بن گیا تھا۔ ولید صدمے سے گنگ ہو گیا تھا۔ کہنے سننے کی گنجائش اماں نے نہیں چھوڑی تھی۔ اماں کی سنگدلی سے کلثوم تک کا دل دہل گیا تھا۔

"اماں جان آپ....."

"مجھے کسی کی کوئی بات نہیں سننی' سب چلے جاؤ' یہاں سے نکل جاؤ سب۔" اماں کی دھاڑ پر سب ہی کے قدم کمرے سے باہر جانے کیلئے متحرک ہوئے۔ سب ہی اپنے کمروں میں چلے گئے' سوائے ولید کے۔ اس کے قدم اپنے کمرے کے بجائے گھر سے باہر کی طرف اٹھ رہے تھے۔

عجیب ہلچل اس کے اندر مچی ہوئی تھی۔ زندگی اسے ایک انوکھے موڑ پر لے آئی تھی جہاں سے گزرنے کا اس نے تصور کبھی نہیں کیا تھا۔ اس کی چاہت کا سفر اتنا مختصر ہوگا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر اماں کا غصہ ان کی ضد آج اسے بہت کچھ سوچنے بلکہ کر گزرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اماں نے اسے جس شرط سے باندھا تھا۔ ناچار اسے ہارنا ہی تھا۔ جیتنے کی امنگ رکھنے کے باوجود اسے اپنی تباہی کا گڑھا خود ہی کھودنا تھا اور اپنے سارے ارمان' خواہشیں' اپنے وعدے' ارادے اسی گڑھے میں دفنانے تھے۔ کتنا کڑا امتحان تھا یہ اس کا' اپنے ہاتھوں اپنی ہی دنیا میں آگ لگانے کا حوصلہ پیدا کر رہا تھا۔

***

روتے سسکتے ہوئے اسنے نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔ بنا قصور کے سہنے والی سزا اس کیلئے عذاب تھی۔ آج تو اماں نے حد ہی کر دی تھی۔ اس قدر نفرت و حقارت کا مظاہرہ اس کی روح کو چھید گیا

تھا۔ اس پر مستزاد کسی نے پلٹ کر تسلی کے دو بول بھی نہ کہے تھے حتیٰ کہ ولید بھی نہ جانے اب تک کہاں تھا۔

وہ تو بہت ارمان لے کر اس گھر میں آئی تھی۔ اپنائیت و چاہت کے بندھن سے سب ہی کو باندھنے۔ سب کے دلوں میں محبت کے پھول کھلانے کا عزم خاک میں مل گیا تھا۔ سب ہی کا بن جانے کی چاہ میں وہ کسی قدر ذلیل و خوار ہو رہی تھی اور جس کیلئے وہ یہ سب سہہ رہی تھی وہ بھی تو اس کا نہ بن سکا تھا۔ ایک پل میں وہ بھی بیگانہ ہو جاتا تھا۔

اس کے دل میں ہلچل مچی تھی اور روح کی تڑپ کسی طرح بھی کم نہ ہو رہی تھی۔ حلق میں کانٹے اڑے ہوئے تھے اور آنکھوں میں جیسے کسی نے مرچیں سی بھر دی تھیں اس کی آنکھیں مسلسل جیسے لہو بہا رہی تھیں۔

پیاس کی شدت سے گھبرا کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلا۔ ابھی دو گھونٹ ہی بھرے تھے کہ نظروں کے سامنے تھکا ماندہ سا ولید آ گیا۔ وہ کسی ہارے ہوئے جواری کا سا لگ رہا تھا۔

وردہ ٹھٹک کر اسے تکے گئی۔ گلاس لبوں سے ذرا دور اس کے ہاتھ میں ساکت رہ گیا تھا۔ وہ جیسے کچھ اخذ کرنا چاہ رہی تھی۔ ولید اس سے نظریں چراتا ہاتھ روم میں جا گھسا۔

وردہ کے بے حس وجود میں جیسے حرکت پیدا ہوئی' اس کی چھٹی حس نے جیسے اسے کوئی اشارہ دیا۔ کچھ ہونے والا تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی اور وہ اپنی جگہ سہمی سی بیٹھی تھی۔ ولید کے رویے سے تو وہ پہلے ہی شاکی تھی مزید خائف ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد منہ پر تولیہ ڈالے ہوئے ولید باتھ روم سے برآمد ہوا۔

"تم اپنا ضروری سامان سمیٹ لو پھر میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" ولید نے بلا تمہید حکم صادر کیا۔ لہجے میں بسی ٹھنڈک وردہ کی ریڑھ کی ہڈی میں اتر گئی۔

"کہ..... کہاں..... کیوں..... کیا ہوا؟" عجیب بے ترتیب لہجہ و سوال تھے۔ ولید اس سے بچ کر بیڈ کے دوسری طرف جا بیٹھا۔ اب وردہ کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔

"کیا اور کیوں کا کیا جواب دوں۔ بس سمجھو کہ یہاں تمہارا کوئی مقام نہیں ہے اور تمہیں بنا حیثیت و مقام کے یہاں رکھنا مجھے گوارا نہیں۔ لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے گھر چلی جاؤ اور....."

"یہ..... کیا کہہ رہے ہیں ولید۔ میں کیوں یہاں سے جاؤں۔ یہ..... میرا گھر نہیں ہے؟" وہ ایک دم اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"نہیں۔" ولید کا قطعیت بھرا انداز اسے مزید صدمے دے رہا تھا۔

"نہ..... نہیں.....؟ ولید کیا ہوا ہے۔ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ میں نے اماں سے کچھ نہیں کہا۔ میرا یقین کریں وہ تو خود ہی نہ جانے کیوں خفا ہیں اور انہوں نے تو مٹھائی تک زمین پر پھینک دی تھی۔ میرا یقین کریں ولید میں..... میں....." وہ پھر سے اشکبار تھی۔

"بس کہہ دیا ہے نا تم یہاں نہیں رہ سکتی ہو۔ یہ گھر تمہارا نہیں ہے۔ یہ گھر اماں کا ہے اور وہ تمہیں

یہاں نہیں دیکھنا چاہتیں۔ اگر تم صبح تک یہاں سے نہ گئیں تو اماں یہاں سے چلی جائیں گی۔ اب بتاؤ میں کیا کروں' اپنی ماں کو ناراض کروں یا.....'' وہ بے بسی سے جیسے چیخ اٹھا اور بیڈ سے اٹھ کر صوفے پر جا بیٹھا۔

''م..... میں کہاں جاؤں؟ کیا کہوں گی بھائیوں سے خدا کیلئے ولید اس طرح نہ کریں۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ گڑگڑاتے ہوئے اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ اس کے گھٹنوں کو تھام کر بڑی لجاجت سے بول رہی تھی۔ ولید خود بھی ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ جھٹک کر اٹھنے کی کوشش تو اس نے اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

''آپ اس طرح میرے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں ولید۔ آپ نے شادی کی ہے مجھ سے۔ آپ نے تو مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ مجھے اسی طرح لوگوں کی نظروں میں گرنے دیں گے؟ خدا کیلئے ولید اماں جان سے کہیں۔ میری خطائیں معاف کر دیں۔ مجھے یہاں سے مت نکالیں۔ میں کچھ نہیں مانگوں گی۔ ساری زندگی ان کی چاکری کرتی رہوں گی مگر خدارا مجھے اس طرح ذلیل ہونے کیلئے تو نہ چھوڑیں۔'' ولید کا جی چاہا کہ اسے اٹھا کر سینے میں چھپا لے۔

اگر وہ قصوروار ہوتی تو وہ خود ہی سزا دے ڈالتا مگر بنا قصور اسے سزا دینا اس کے اپنے ضمیر پر بوجھ بڑھا رہا تھا۔

''میں خود بے بس ہوں وردہ۔ اس وقت مجھے کوئی راہ نہیں سوجھ رہی۔ دیکھو وہ میری ماں ہیں۔ میں ان کی ضد اور غصے سے واقف ہوں اگر انہوں نے کہہ دیا ہے تو وہ اپنی بات کر گزریں گی۔ وہ اس عمر میں میری وجہ سے دربدر ہوں یہ بات مجھے بھی گوارا نہیں ہے لہٰذا.....''

''اور..... میں..... میں بے شک دربدر ہو جاؤں؟ یہ بات آپ کیلئے بہت آسان ہے نا۔ واقعی میری کیا وقعت ہے آپ کی نظر میں۔ ایک عام سی عورت ہی تو ہوں۔ پاؤں کی جوتی جیسی حیثیت ہوتی ہے عورت کی۔ جسے کہیں بھی اتارا اور پہنا جا سکتا ہے۔ آپ ٹھیک کر رہے ہیں ولید صاحب۔ ماں کو خوش کرنا آپ کا اولین فریضہ ہے چاہے آپ کو کسی کا قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔'' وہ اس لمحے ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہو کر بول رہی تھی۔

''میری مجبوری سمجھو وردہ۔ اماں انتہا تک جا سکتی ہیں۔ وہ بے حد غصے میں ہیں۔ میری وجہ سے ان کی ذات کو کوئی نقصان ہوا تو بتاؤ پھر کیا ہوگا۔ پلیز کچھ وقت کیلئے تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میں خود بھی کشمکش سے تنگ آ گیا ہوں۔ میں تمہیں ہمیشہ کیلئے تو خود سے دور نہیں کر رہا۔ بلیوی تمہارے بنا تو میں بھی جینے کا تصور نہیں کر سکتا۔ بس کچھ ٹائم دے دو۔'' ولید نے ایک دم اس کے ہاتھ تھام کر اسے اپنے سینے میں پناہ دی اور پھر نئی آس کا امرت اس کے کانوں میں ٹپکانے لگا۔

''میں بھی آپ کے بنا نہیں رہ سکتی۔ ابھی تو ہماری زندگی شروع ہوئی تھی۔ ابھی تو ہم نے اپنے خوابوں کی تعبیر بھی نہیں پائی۔ ابھی تو میں نے آپ کے ساتھ سکھ کے چار دن بھی نہیں دیکھے اور آپ..... آپ مجھے دکھوں کے حوالے کر رہے ہیں۔ کس حیثیت سے میں رہوں گی بھائیوں کے گھر؟ کیا بہانے

تراشوں گی کہ کیوں گھر بدر کی گئی ہوں؟ کیا جرم ہے میرا؟ کیوں سزا دی جا رہی ہے؟ اماں کو اگر میں پسند نہیں تھی تو آپ کی شادی ہی نہ کرتیں مجھ سے۔ اس طرح مجھے مجرم تو نہ بناتیں۔ خدا کا خوف کھائیں۔'' وہ روتے روتے اپنے جذبات عیاں کر رہی تھی۔

اس کی فریاد ولید کا دل دہلا رہی تھی مگر دل سے زیادہ اسے اس وقت اماں جان کی دھمکیوں نے بے بس و مجبور کیا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا اگر آج شب کی تاریکی میں اس نے اپنے دل کی دنیا کو تاراج نہ کیا تو کل صبح کے اجالے اس سے اس کی جنت چھین لیں گے' اس کی عاقبت تاریک کر دیں گے۔ سو اسی لئے ان دیکھی جنت کی خواہش میں وہ اپنے دل کی دنیا کو اپنے ہاتھوں فنا کرنے پر مجبور ہو رہا تھا۔

''مجھے بتاؤ' میں کیا کروں؟ میری وجہ سے اماں کے قدم گھر سے باہر چلے گئے تو سارا خاندان مجھ پر تھوکے گا۔ طعنے دے گا مجھے کہ میں نے بیوی کیلئے ماں کو در بدر پھرنے کیلئے چھوڑ دیا۔ اگر اماں صبح چلی گئیں نا' تو پھر میرے پاس سوائے موت کے کوئی راستہ نہیں رہے گا۔'' وردہ کے آنسو ایک دم اس کی آنکھوں میں ٹھہر گئے۔

ولید کا اس قدر بے بس لہجہ و کمزور انداز۔ اماں کی ضد ماننے اور منوانے کیلئے وہ خود پر' اپنی محبت پر' جبر کر سکتا تھا۔ اسے بیوی پر ظلم کرنا گوارا تھا مگر اماں کی ضد توڑنا نہیں۔ وردہ ایک دم اس سے دور ہو گئی۔

یہ وہ ولید تو نہیں تھا، جو اسے اپنی محبت کی ڈور سے باندھ کر لایا تھا۔ جس کی چاہت کی گرمی نے اسے جینے کی آرزو دی تھی' جس نے اسے نئے خوابوں کا جہاں دکھایا تھا جس کی رفاقت میں اسے گھنی چھاؤں کا احساس ملتا تھا' جس کے ساتھ سے اسے ہمیشہ تقویت ملتی تھی۔ آج وہ ولید نہ جانے کہاں کھو گیا تھا۔ یہ جو اس کے سامنے تھا۔ نہایت کمزور' بے بس اور مجبور سا انسان تھا' جسے اپنی بات کہنے کا بھی نہ اختیار تھا نہ حق یا پھر وہ خود اپنا حق' اپنا اختیار استعمال نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

ولید پر اسے اس وقت کسی اجنبی کا گمان ہو رہا تھا۔ وہ ولید کو وحشت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے قدم پیچھے ہٹنے لگی پھر جیسے وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں بولتے بولتے اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں مجھے یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ یہاں میرا کوئی نہیں ہے۔ مجھے دھوکا ہوا تھا یا پھر میری خوش گمانی تھی میں سب ہی کو اپنا سمجھتی تھی' مگر میرا تو کوئی نہیں ہے۔ کوئی بھی تو نہیں ہے۔ یہ..... یہ گھر..... اس گھر کے مکین سب ہی میرے لئے غیر اور اجنبی ہیں۔ میری محبت کسی کو بھی اپنا نہیں بنا سکی' حتیٰ کہ آپ کو بھی نہیں۔ پھر میرے لئے آپ دنیا والوں کو' اپنی ماں کو کیوں خفا کریں۔ میں ہوں کون؟ ایک غیر' پرائی عورت۔ آپ کی اماں نے ٹھیک کیا مجھے اپنا نہیں دیا۔ پہلے دن سے مجھے میری اوقات یاد دلا دی تھی مگر آپ نے مجھے دھوکے میں رکھا۔ اپنا بنانے کی لگن دے کر مجھ سے میرا ہر خواب چھین کر مجھے کیا دیا؟ احساسِ جرم اور بے خواب راتیں۔ ارے میں آپ سے کیوں شکوہ کر رہی ہوں۔ شکوے تو اپنوں سے کئے جاتے ہیں جبکہ.....'' وردہ روتے روتے سسکنے لگی تھی۔

اس کے لفظ ولید کی سماعتیں ہی نہیں دل و جگر بھی زخمی کر رہے تھے۔ وہ اس کی وحشت پر خود بھی پریشان تھا اور اندر ہی اندر خود کو کوس بھی رہا تھا مگر کوئی اور صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اٹھ کر اسے کندھوں

سے تھام کر بے بسی سے گویا ہوا۔

''فار گاڈ سیک وردہ۔ مجھے اس طرح میری نظروں میں مت گراؤ۔ خود کو میری جگہ پر رکھ کر سوچو۔ دیکھو ابھی حالات میرے بس میں نہیں ہیں۔ میں جلد ہی کوئی حل نکال کر تمہیں واپس لے آؤں گا۔ ہم پھر سے ساتھ ساتھ جئیں گے۔ بس ابھی میری مجبوری سمجھ لو تو تمہارا مجھ پر یہ ایک اور احسان ہوگا۔ میں جانتا ہوں' مجھے احساس ہے یہاں تمہارے ساتھ کسی نے بھی اچھا رویہ نہیں رکھا۔ اب آئندہ تم یہاں تب ہی آؤ گی جب اماں دل سے بہو مان کر تمہارا اصل مقام تمہیں دیں گی۔ میں اماں کو مجبور کردوں گا کہ وہ تمہیں خود جا کر لے کر آئیں لیکن ابھی مجھے ان کی مانی ہوگی۔ صرف چند روز میری جان' بس چند روز۔ مجھے تمہاری محبت کی قسم' اگر اس گھر میں تم نہیں رہ سکتی ہو تو رہوں گا میں بھی نہیں' یہاں یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

اس کے کندھے چھوڑ کر اس کے بکھرے بال سمیٹ کر اس کے دوپٹے کے پلو سے اس کے آنسو صاف کرنے کے بعد اس کے سر پر دوپٹہ جماتے ہوئے' اس کا ہاتھ تھام کر دوسرے ہاتھ میں اس کے سامان کا بیگ لیتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ جیسے گھسٹتی ہوئی اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ آنکھیں ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں کہ شاید کوئی پکار' کوئی صدا اسے روک لے' کوئی ہاتھ بڑھ کر اسے تھام لے' کوئی تو ہو جو اس کا غم سمجھ کر اس کا ہمدرد بن جائے مگر نہ کسی صدا نے پکارا' نہ ہی کسی ہاتھ نے بڑھ کر اس کا رستہ روکا' نہ ہی کوئی ہمدرد سامنے آیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے خواب نگر سے نکل کر سنگلاخ زمین پر پٹخ دی گئی۔

گاڑی بے شک اس کے جانے پہچانے رستوں سے گزر رہی تھی مگر اجنبیت کا شدید احساس لمحہ لمحہ اس کی وحشت بڑھا رہا تھا۔ ہزاروں سوال اس کے ذہن میں ہلچل مچا رہے تھے۔ رشتہ داروں کی باتیں۔ بھائیوں کی شرمندگی سے بجھے چہرے بار بار اس کے تصور میں چلے آتے تھے۔ وہ ان سے جا کر کیا کہے گی' کیسے انہیں مطمئن کرے گی اور کتنے دن تک جھوٹ بول سکے گی۔ آخر تو حقیقت کھل ہی جانی تھی۔ اس کے بعد سب کی نظروں میں اپنے لئے ترحم و ہمدردی یا پھر طنز کے تیر سہنا' دیکھنا کس قدر دشوار ترین عمل تھا۔ اس کی سسکیوں سے گاڑی کے اندر اچھا خاصا شور سا تھا۔ جو ولید کو بے چین کر رہا تھا۔

موسم کی اداسی نے جیسے اس کی روح کو جکڑ لیا تھا۔ عجیب دوراہے پر اسے زندگی لے آئی تھی۔ ایک طرف دل تھا' محبت تھی' اس کی زندگی کی ہمسفر تھی اور دوسری طرف ماں تھی' جس کی ضد اور ممتا کا تقاضا اسی محبت سے انحراف تھا۔

اس نے کبھی خود کو اس قدر لاچار محسوس نہیں کیا تھا۔ بہت سے اختیارات رکھنے کے باوجود جس طرح وہ بے بس ہوا تھا یہ وہی جانتا تھا۔ اپنی کیفیات سے گھبرا کر وہ وردہ کو مخاطب کر بیٹھا۔

''پلیز وردہ اب رونا بند کرو۔ میں کہہ رہا ہوں ناں چند روز بعد میں تمہیں لے جاؤں گا۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ تمہاری ایسی حالت دیکھ کر نبیل اور راحیل پریشان ہو جائیں گے اور پھر میں ان سے جو کہوں گا وہ انہیں مطمئن نہیں کر پائے گا۔ پلیز اپنے ساتھ مجھے بھی اس کشمکش سے نکل جانے دو۔'' ولید نے اسٹیئرنگ سے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے خود سے قریب کر کے جیسے دلاسہ دیا۔ وردہ نے نہ چاہتے ہو۔ یہ بھی

خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

***

رات کے تیسرے پہر نبیل' بہن اور بہنوئی نما دوست کو دروازے پر کھڑے دیکھ کر نا صرف ٹھٹک گیا بلکہ پریشان بھی ہو گیا۔ رات کو ہی تو دونوں یہاں سے گئے تھے اور ابھی صرف چند گھنٹے ہی گزرے تھے۔ نبیل اور راحیل نے وردہ کو رکنے کیلئے بھی کہا تھا مگر وہ مصروفیات کا بہانہ بنا کر چلی گئی تھی' اب چند گھنٹے بعد سامان کے ساتھ متورم آنکھیں لئے لوٹی تھی تو انہوں نے پریشان تو ہونا ہی تھا۔

''کیا ہوا؟ خیریت؟'' نبیل کا فکرمندی سے بھرا استفسار وردہ کی دھڑکنیں تیز کر گیا۔

''ہاں خیریت ہی ہے۔ ایکچوئلی' ہم یہاں سے گئے تو بھائی جی نے میرے لئے کراچی جانے کے انتظام کر رکھے تھے۔ وہاں کسی پارٹی سے بزنس ڈیل ہے۔ صبح چھ بجے میری فلائٹ ہے تو میں نے سوچا کہ وردہ کچھ دن یہاں رہ جائے۔ یہ آنا نہیں چاہ رہی تھی مگر میں زبردستی لے آیا ہوں تاکہ میرے آنے تک یہ تمہاری شادی کی شاپنگ وغیرہ کر لے۔ میں نے ٹھیک کیا نا۔'' ولید نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا تھا۔ وردہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس جھوٹ کا حصہ بننے پر مجبور تھی۔

''یار میری موجودگی میں یہ اتنا نائم نہیں دے سکتی۔ اس لئے۔'' ولید نے گاڑی سے اس کے سامان کا بیگ نکال کر مزید وضاحت دی۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر اندر تو آؤ۔ رئیلی میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا۔'' نبیل نے فوراً اظہار کر دیا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' تین چار روز میں لوٹ آؤں گا تو اسے لے جاؤں گا فی الحال مجھے جانا ہے۔ اوکے۔ وردہ اپنا خیال رکھنا۔ ڈونٹ وری میں فون کرتا رہوں گا۔ پریشان نہیں ہونا۔'' اس کا کندھا' سہلا کر وہ دوبارہ گاڑی میں بیٹھ کر فوراً ہی واپس ہو لیا۔ وردہ نے ڈبڈباتی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ نبیل نے اس کا بیگ تھام کر اسے بھی اپنے بازو میں سمیٹا اور پھر اندر کی جانب بڑھنے لگا۔

''واقعی معاملہ یہی ہے جو ولید نے بتایا' کوئی اور مسئلہ تو نہیں ہے؟'' بھائی کے محبت بھرے استفسار سے وہ یک دم ٹھٹک کر رک گئی۔ آنسو آنکھوں میں ہی ٹھہر گئے۔ اس کے وجود کی لرزش شاید اس کا بھرم کھول رہی تھی۔ اس نے بہ وقت تمام لب بھینچ کر پہلے نفی میں سر ہلایا پھر بمشکل بول پائی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بھائی۔ وہ بس مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ رات ہی تو یہاں سے گئی تھی مگر پھر ولید نے فیصلہ کیا کہ میں ان کی غیر موجودگی میں یہاں ہی رہوں۔''

''یہ تو اچھا کیا نا ولید نے' رات ہی ہم تو کہہ رہے تھے کہ تم چند روز یہاں ٹھہر جاؤ۔ یہاں بھی تو تمہاری ضرورت ہے۔ اوکے اب تم اپنے روم میں ریسٹ کرو۔ صبح باتیں ہوں گی۔'' نبیل اس کے کمرے میں اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ بھائی کے کمرے سے جاتے ہی اس نے کمرہ مقفل کیا اور پھر تکیے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اب تو اسے اسی طرح گھٹ گھٹ کر رونا تھا۔ ولید بھی کافی دیر تک سڑکوں پر ادھر ادھر گاڑی دوڑاتا رہا جب تھک کر ہار گیا تو واپسی کا قصد کیا۔ ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ اب اماں کے گھر میں نہیں رہنا۔ اس کی سوچیں مفلوج ہو رہی تھیں یہ سوچ سوچ کر کہ آخر اماں کو وردہ سے ایسا

کیا اختلاف یا پرخاش تھی۔ جو وہ ان کیلئے ناقابل برداشت بن گئی تھی۔ ایک لمحے کیلئے بھی اماں کو اپنے بیٹے کی خوشی کا خیال نہیں آیا تھا۔ اماں نے کیسے اسے گھیر کر بے بس کیا تھا۔

***

''توبہ ہے۔ عجیب مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ اماں نے تو اب پھر صبح صبح اٹھنے کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ اوپر سے بچوں کے نخرے بھی سہنے پڑیں گے۔ خود تو چلی گئی ہے ہمارے بچوں کی عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ بتاؤ بھلا سب کی فرمائشیں کیسے پوری کروں۔'' زینب بھابی کی جھنجھلاہٹ دیکھنے لائق تھی۔

کیبنٹ سے چیزیں نکال نکال کر کاؤنٹر پر پٹختے ہوئے وہ بڑبڑاتی بھی جارہی تھیں۔ آج چھٹی تھی اور بچوں نے پوریاں کھانے کی فرمائش کی تھی۔ ظاہر ہے پوری کے ساتھ حلوہ اور چنے بھی بنانے ضروری تھے۔ چنے تو وردہ ابال کر فریج میں رکھا ہی کرتی تھی انہیں اب بنانا بھی دشوار لگ رہا تھا۔

''ہاں مسئلہ تو ہے پھر سے روٹین ڈسٹرب ہوگئی۔ اتنی صبح اٹھ کر اب اماں کی چائے پہنچانے کی ڈیوٹی بھی میرے سر لگی ہے۔ اماں نے بھی ناولید کے ساتھ واقعی زیادتی کی ہے۔ منہ اندھیرے ہی چھوڑ آیا ہے بیوی بے چاری کو۔ کہہ رہا تھا دوپہر تک مجھے کوئی نہ اٹھائے۔ سچ پوچھیں' مجھے تو اس پر رحم بھی بڑا آیا۔ پسند کی شادی کا اچھا خمیازہ بھگت رہا ہے بے چارہ۔'' کلثوم نے اماں کی چائے بنانے کیلئے پانی کیتلی میں ڈالا۔

''رات بھر میں ہی مرجھا سا گیا ہے۔ نہ جانے کس دل سے چھوڑ کر آیا ہے بیوی کو۔'' کلثوم کے لہجے میں دیور کیلئے ہمدردی کے ساتھ کچھ کچھ محبت بھی تھی۔

''بھئی اب ایسے کاموں کے خمیازے تو بھگتنے ہی پڑتے ہیں۔ جانتا تو تھا کہ اماں غیر خاندان کی لڑکی کو اپنا نہیں سکتیں۔ اماں نے اس کی خاطر سارے خاندان سے باتیں بھی تو سنی ہیں۔'' زینب نے تنفر سے کہا۔ دل میں تو وہ بھی اب تک ولید سے بلکہ وردہ سے کبیدگی رکھتی تھیں۔ کیونکہ ولید نے ان کی بہن کیلئے بھی انکار کیا تھا۔

''وہ وقت تو گزر گیا تھا۔ بھابی' اب اماں اس کی پسند لے ہی آئی تھیں تو یہ کیا کہ اسے ٹکنے ہی نہیں دیا۔ پچھلی رات کے اماں کے رویے نے مجھے تو نا صرف حیران بلکہ خوفزدہ بھی کردیا ہے۔ سوچتی ہوں اگر اماں کبھی ہم سے بگڑ گئیں تو ہمارا بھی وردہ والا ہی حشر نہ ہو۔ ولید جیسا اماں کے آگے مجبور ہوگیا تو ہمارے شوہر تو اماں کے حد سے زیادہ فرمانبردار ہیں۔ وہ تو ایک منٹ نہیں لگائیں گے ہمیں باہر کرنے میں۔'' کلثوم نے اپنے جذبات کا اظہار کیا وہ واقعی رات سے پریشان تھی۔

''اب ایسا بھی اندھیر نہیں ہے۔ ہمارے بچے ہیں' ہمارا پلڑا بھاری ہے۔ ایسے کیسے وردہ کی طرح نکال کھڑا کریں گے۔ ہمارا خاندان ہمارے ساتھ ہے۔'' زینب کا انداز ویسا ہی تھا۔

''کمزور تو وردہ بھی نہیں تھی بھابی۔ بس ولید نے اسے کمزور کردیا ہوگا۔ ورنہ جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ بھی کوئی خوشخبری دینے والی تھی۔'' کلثوم نے پھر سے ہمدردی کا اظہار کیا۔

''تمہارے اندازے سچے ہوتے تو کیا ولید اسے چھوڑ کر آتا۔ ڈٹ نہ جاتا اماں کے سامنے اپنی

اولاد کیلئے۔ اچھا اب تم وردہ کی ہمدردی چھوڑو اور اماں کو چائے دے کر آؤ' ایسا نہ ہو کہ اب نزلہ تم پر گرے۔'' زینب قدرے چڑ کر بولی تو کلثوم بھی کچھ خفگی سے گویا ہوئی۔

''ہمدردی سے زیادہ مجھے اس غریب پر ترس آرہا ہے بھابی۔ وہ تو اپنی طاقت کا شاید علم ہی نہیں رکھتی تھی۔ عنقریب ہی آپ سن لینا کہ میرا اندازہ صحیح تھا یا غلط' آخر کچھ تجربہ مجھے بھی ہے۔ بہرحال میرے تو بچوں سے اس نے بہت محبت کی ہے مجھے اس کا احساس نہیں ہوگا تو پھر میں تو بے حس ہوئی نا اور پھر ابھی کون سا ولید نے اسے بالکل ہی زندگی سے نکال دیا ہے۔ ایک دو ہفتوں میں وہ واپس بھی آسکتی ہے۔ اس کا بھی تو گھر ہے یہ۔''

کلثوم کی بات کو زینب نے ناگواری سے سنا اور پھر رخ پھیر کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ کلثوم بھی اماں کی چائے لے کر کچن سے نکل گئی۔

***

دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ ولید نے بڑی مشکل سے خود کو سونے پر آمادہ کیا تھا۔ اب اماں نے آکر اسے پھر سے جگا دیا تھا۔

''کیا بات ہے۔ ناشتے کیلئے آج باہر نہیں آئے' چھٹی کا مطلب یہ تو نہیں کہ سو کر ہی سارا دن گزار دو۔''

ولید نے اپنی سلگتی دکھتی آنکھیں بمشکل وا کیں۔ اماں اس کے سرہانے بیٹھی تھیں اور ایسے مخاطب تھیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے یا پھر گزشتہ رات کا سارا واقعہ خواب تھا۔

''میرے سر میں درد ہے۔ مجھے ابھی سونے دیں پلیز۔'' ولید نے فوراً ہی اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

''ٹھیک ہے سوتے رہنا مگر پہلے میری بات سنو۔''

''اب کیا ہے۔ کوئی اور حکم ہے جو میرے لئے.....'' وہ کہتے کہتے ایک دم خاموش ہوگیا۔ اسے احساس ہوگیا تھا کہ اب کسی قسم کے ردعمل کا کوئی فائدہ نہیں۔ انہوں نے جو منوانا تھا منوالیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ابھی بھی انہیں کچھ خدشے تھے جن کا سدباب وہ کرنے آئی تھیں۔

''تم اسے واپس لانے کی آس تو نہیں دے کر آئے؟ سنو ولید اگر تم اس لڑکی کی طرف پلٹ کر گئے تو پھر میری زندگی کا وہ آخری دن ہوگا۔''

ولید کی آنکھیں ایک دم پوری کھل گئیں۔ اس نے بازو ہٹا کر دیکھا یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ اماں واقعی اس کے سرہانے بیٹھی تھیں اور ایک اور تیر اس کے دل میں اتار رہی تھیں۔

''تمہیں آج مجھ سے یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ میرے جیتے جی تم اس کی طرف رخ نہیں کرو گے۔''

''اماں..... اماں آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں۔ آخر وردہ کا قصور کیا ہے؟ میں رات سے یہ ہی سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں کہ میں بتا خطا کے اسے کیسے سزا دے سکتا ہوں۔ آپ مجھے پہلے ہی منع کردیتیں میں اس سے شادی ہی نہ کرتا۔'' وہ اٹھ کر بیٹھا اور پھر بے بسی سے بولنے لگا۔ آواز میں اپنے ہی دکھ کا بوجھل

پن تھا۔

''قصور! اس کا قصور پوچھتے ہو؟ ارے اس لڑکی نے مجھ سے میرا فرمانبردار بیٹا چھین لیا۔ شادی سے پہلے جو بیٹا آدھی رات تک میرے پاؤں دبایا کرتا تھا' جو صبح اٹھتے ہی میرے کمرے میں حاضری دینے آیا کرتا تھا۔ وہ بیٹا ایک لڑکی کی جھوٹی محبت میں ایسا دیوانہ ہوا کہ پھر ماں کو ہی بھول گیا۔ اس ماں کو جس نے اپنی ساری زندگی اپنے بچوں پر لٹا دی اب وہی ماں اپنی ہی اولاد کے ہاتھوں ذلیل ہونے لگی تھی۔ اس لڑکی کیلئے میرے بیٹے میرے سامنے آواز اٹھانے لگے تھے۔ اسے صحیح اور مجھے غلط بتانے لگے تھے۔ میرے ہی گھر میں غیروں کی اجارہ داری بڑھنے لگی تھی۔ یہ میری برداشت سے باہر تھا اور رہے گا۔ میں نے تمہاری ضد مانی تھی مگر یہ نہیں چاہا تھا کہ تم غیروں کیلئے اپنی ماں کے قصور گنوانے لگو۔ اس کی زیادتیاں اور ظلم ثابت کرنے لگو۔ میں ماں ہوں۔ زندگی بھر بھی تم میرا احسان نہیں اتار سکتے۔ تم تو میرے دودھ کی اک بوند کا قرض نہیں چکا سکتے۔ ایک لڑکی کی خاطر تم.....'' اماں بولتے بولتے لرزنے لگیں تو وہ پہلے تو چپ کر کے دیکھتا رہا مگر جب ان کی حالت مزید تشویشناک ہونے لگی تو وہ گھبرا گیا۔

''اماں..... کیا ہوا ہے۔ کلثوم بھابی..... دیکھیے اماں کو کیا ہوا ہے۔ اماں میں چھوڑ دوں گا اسے۔ آپ آنکھیں کھولیں۔'' ولید نے فوراً ہی اپنے بستر پر انہیں لٹایا اور پھر باہر دوڑ لگائی۔ اس کی آواز پر سبھی آ گئے۔

اماں کی حالت واقعی بہتر نہ تھی۔ انہوں نے بھی رات سے کچھ نہ کھایا تھا اور پھر ان کا بی پی بھی ہائی رہتا تھا۔ فوراً ہی انہیں ہسپتال لے جایا گیا۔ جہاں انہیں فوراً داخل کر لیا گیا۔ سب پریشان تھے کہ اب ایسا کیا ہوا کہ اپنی بات منوانے کے بعد بھی اماں کی حالت تشویشناک ہو گئی تھی۔

انہیں ہلکا سا دل کا دورہ پڑا تھا اور اس وقت وہ کارڈیو (ICU) میں تھیں اور بیٹے بہوویں باہر غمزدہ سے کھڑے تھے۔ اماں کی تکلیف سبھی کیلئے ناقابل برداشت تھی۔

''ولید تم نے اماں سے کچھ کہا تھا جو۔'' عاطف نے ولید کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بھائی میں نے اماں سے کیا کہنا تھا بلکہ میں نے تو ان کے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ چھوڑ آیا ہوں میں وردہ کو۔''

''پھر اماں کو کیا ہوا؟ تم نے ضرور کچھ کہا ہوگا۔ چھوڑ آئے ہو تو ایک دو دن صبر کرتے۔ تم نے پھر سے بحث مباحثہ کیا ہوگا' تب ہی ان کی طبیعت بگڑی ہے۔ تم جانتے تو ہو ان کی فطرت میں جذباتیت زیادہ ہے پھر بھی۔'' عاطف نے پھر سے اسے الزام دیا۔

''میں نے اماں سے کچھ نہیں کہا بھائی۔ وہ تو خود میرے روم میں نئے مطالبے کے ساتھ آئی تھیں کہ..... میں وردہ کو..... چھوڑ دوں۔ چھوڑ تو دیا اور کیسے میں ان کی بات مانوں۔ نہیں آئے گی اب وہ میری زندگی میں۔ اماں سے کہہ دیں' میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ وہ جو چاہتی ہیں میں وہی کروں گا۔'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔

پھر وہ وہاں رکا نہیں تیز تیز قدموں سے وہاں سے نکل کر کاریڈور کے بیرونی حصے میں آ کھڑا ہوا۔

وقت کا تقاضا تھا کہ وہ یہیں رہے۔ خواہش کے باوجود وہ کہیں فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

دل پر جبر کر کے برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹیک لگائی تب ہی پیچھے سے آصف بھائی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔

''کیا ہو گیا ہے بیٹا۔ تم بھی اماں کی طرح جذباتیت کا شکار ہو رہے ہو۔ ان کی تو عمر کا تقاضا ہے تم ہی کچھ سمجھداری کا ثبوت دو۔ زندگی کے فیصلے اس طرح جذباتی ہو کر نہیں کیے جاتے۔ اماں نے وقتی غصے میں کہہ دیا اور تم عمل کرنے پر تیار ہو گئے؟''

''اور..... کیا کرتا بھائی جی۔ آپ نے دیکھا تھا ناں اماں کا رد عمل اور ضد۔ اگر میں وردہ کو رات چھوڑ کر نہ آتا تو وہ صبح چلی جاتیں۔ آپ واقف ہیں ناں اماں اپنی بات کر گزرتیں۔ پھر بھی سب ہی مجھے ہی الزام دیتے۔''

''اماں کا رد عمل واقعی سمجھ نہیں آیا۔ وردہ کیلئے ایسا انتہائی فیصلہ نہ جانے کیوں وہ کروانا چاہ رہی ہیں۔ بہرحال تم پریشان نہیں ہو۔ اماں کی طبیعت بہتر ہوتی ہے تو میں ان سے بات کروں گا۔ کسی کی بیٹی' بہن پر ایسا ظلم کرنا انسانیت نہیں ہے۔ تم اچھی طرح سن لو' وردہ سے کچھ نہیں کہو گے۔'' آصف بھائی نے بہت محبت و رسانیت سے اسے سمجھایا تھا۔ ان کی ڈھارس کے باوجود اس کا دل بہت بیقرار تھا۔

***

''ارے تم ابھی تک بستر میں ہو؟ یار! دو دن بہت نہیں ہوتے شوہر کی جدائی کا غم منانے کیلئے۔'' ردا نے آتے ہی اس کے منہ سے کمبل کھینچا۔ وردہ بھائیوں کے آفس جاتے ہی بستر میں پھر سے آ گھسی تھی۔

تیسرا دن تھا ولید نے پلٹ کر خیر خبر نہیں لی تھی' اس پر اس کا موبائل بھی آف تھا۔ خود کو سنبھالتے سنبھالتے وہ حوصلہ کھونے لگی تھی۔ طبیعت میں عجیب سی بے زاری و اضمحلال بھرتا جا رہا تھا۔ دسویں تھے کہ اسے چین نہیں لینے دے رہے تھے۔ وہ اپنا بھرم رکھ رکھ کر تھکنے لگی تھی۔ ردا سے بار بار جھوٹ بولنا اسے کھل رہا تھا مگر وہ بے بس و مجبور تھی۔

''ردا پلیز میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وردہ نے کمبل دوبارہ کھینچ کر اپنا چہرہ چھپایا۔

''مطلب آج بھی شاپنگ کیلئے نہیں جانا؟ تو میری بہن مجھے پہلے ہی بتا دیتا ناں۔ میں فضول میں بھاگ چلی آئی۔ ہائی داوے تمہاری طبیعت کتنے دن میں سیٹ ہو گی۔ ایک دو دن میں تمہارے میاں صاحب کی واپسی ہو جائے گی اور تم چلتی بنو گی اور میں یہاں تنہا اکیلی بازاروں کے چکر لگانے کیلئے رہ جاؤں گی۔ شرافت سے اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔'' ردا نے ایک بار پھر اس کا کمبل کھینچا تو وہ خود کو سنبھالتی اٹھ بیٹھی۔

''آج نہیں کل چلیں گے۔''

''تو آج کیا کریں گے۔ امی بھی ناراض ہو رہی تھیں۔ تین دن سے بازار جانے کیلئے گھر سے نکلتی ہو اور شام کو خالی ہاتھ دیکھ کر امی کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔ بی بی صرف دو ماہ رہ گئے ہیں۔ میری رخصتی اور نبیل بھائی کی شادی میں' دو دو شادیوں کی تیاری آسان کام نہیں ہے۔ پلیز اٹھو ورنہ۔'' ردا نے اسے پکڑ کر اٹھا

دیا۔ دو دن سے اسے ٹال رہی تھی۔ اب ناچار اس کے ساتھ جانا پڑا۔

آخر کام تو اس کے بھائی کا بھی تھا۔ بری کی تیاری اسے ہی کرنا تھی۔ بے شک دل بے کل تھا مگر بھائیوں کی محبت کے سامنے اپنا دل اور اس کا غم کیا معنی رکھتے تھے۔

***

اماں ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی تھیں۔ گزشتہ پانچ دن سبھی نے بڑی پریشانی دیکھی تھی۔ سب ہی باری باری اماں کے پاس موجود رہے تھے جبکہ ولید کو تو انہوں نے ہوش آنے کے بعد سے اپنے پاس سے ہلنے تک نہیں دیا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے اس سے ایک بار پھر پکا اقرار لیا تھا۔ جواب میں وہ صرف خاموش رہ گیا تھا۔ اماں کیلئے اس کی موجودگی اور خاموشی ہی کافی تھی۔ تب ہی ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی اور پانچویں دن انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ ان شرائط پر کہ انہیں پریشانی سے بچایا جائے۔ کس کی مجال تھی کہ اب انہیں پریشان کرتا' سب ہی اس حوالے سے محتاط ہو گئے تھے۔

اماں کی بیٹیاں بھی آ گئی تھیں۔ دونوں ہی اماں سے مختلف مزاج کی تھیں۔ وردہ کو اس طرح گھر سے نکال دینے پر دونوں نے ہی افسوس کا اظہار کیا تھا مگر بھائی کو سوائے تسلی دینے کے مزید کچھ کر نہیں سکتی تھیں کہ آخر ماں سب ہی کو پیاری تھی۔

ولید سے بڑی اور بہنوں میں چھوٹی سندس سنگاپور سیٹل تھی۔ ایک ہفتے کیلئے آئی تھی۔ بھائی کو پریشان حال دیکھ کر اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کر دی جسے خلاف توقع اماں نے فوراً منظور کر لیا۔

''ٹھیک کہتی ہے سندس کچھ دن یہاں سے دور رہو گے تو تمہاری طبیعت اور دھیان دونوں ہی بہتر ہو جائیں گے۔ میری بیماری کی وجہ سے میرا بچہ کیسا کملا سا گیا ہے۔''

''سوری اماں! میں نہیں جا سکتا۔ یہاں آفس میں میری ضرورت ہے۔ میں پہلے ہی کتنے دن سے غیر حاضر ہوں۔'' ولید نے بے دلی سے جواب دیا۔ جانتا تھا اماں اسے یہاں سے کیوں بھیجنا چاہتی ہیں تاکہ وہ وردہ سے رابطہ بھی نہ رکھ سکے۔ حالانکہ وہ یہاں رہ کر بھی کون سا اس سے رابطہ و تعلق رکھے ہوئے تھا۔

''آفس کی تم فکر نہ کرو تمہارے بھائی پہلے بھی کاروبار سنبھالے ہوئے تھے۔ اب بھی سنبھال لیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا آصف۔'' اماں نے فیصلہ سناتے ہوئے بڑے بیٹے سے تائید چاہی تو وہ انکار کیسے کرتے۔

ان کی نظر میں بھی ولید کا یہاں سے جانا ہی بہتر تھا۔ خواہ کچھ دن کیلئے ہی سہی۔ اماں کے خدشات اسے دور بھیج کر ختم ہو سکتے تھے تو ان کی صحت کیلئے ایسا کرنا ضروری تھا۔

اماں کی صحت کی اس وقت سب ہی کو فکر تھی کوئی بھی ولید کے جذبات و احساسات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا اور نہ ہی کسی کو مظلوم وردہ کا خیال تھا۔ سب ہی کو صرف اپنی خوشی عزیز تھی۔

اس نے باری باری سب ہی کے چہرے دیکھے سب ہی کے چہروں پر اس کیلئے ایک التجا رقم تھی۔

اماں کی زندگی کیلئے اسے خود پر جبر کرنا ہی تھا۔ وہ اماں کی موت اپنے ذمے نہیں لینا چاہتا تھا۔ سو سر جھکانا ہی پڑا۔

***

''وردہ' ولید کا کوئی دوسرا نمبر ہے' تمہارے پاس۔ کل سے ٹرائی کر رہا ہوں مگر اس کا سیل آف جا رہا ہے۔ آئی تھنک وہ کوئی دوسری سم یوز کر رہا ہے۔'' ناشتے کی میز پر نبیل کے استفسار نے وردہ کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی۔ کیا بتاتی کہ رابطہ تو اس سے بھی کوئی نہ تھا۔

''نہیں بھائی' دوسرا نمبر تو نہیں ہے۔ مجھ سے تو رات ہی بات ہوئی ہے۔ دو تین دن میں آ جائیں گے۔ آپ کو کوئی کام تھا۔'' ورنہ نے بہ مشکل بات بنائی۔ حالانکہ اس کا لہجہ اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ راحیل ناشتہ کرتے کرتے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''کام تو کوئی نہیں تھا۔ بس فکر تھی۔ کہہ رہا تھا کہ تین چار روز میں آ جاؤں گا مگر ہفتہ ہو گیا ہے نا اسے گئے۔ تم بھی پریشان سی رہتی ہو۔'' نبیل نے وضاحت دی۔

''میں تو بس ایسے ہی' آپ فکر نہ کریں۔ راحیل بھائی آج آپ ذرا جلدی آ جانا' پیاری سی بھابی کی طرف جانا ہے۔ ان کے کپڑوں کا ناپ لے آئیں۔ بوتیک پر دینا ہے' جیولر کو بھی چوڑیوں کا ناپ پہنچانا ہے۔'' وردہ نے موضوع بدلا۔

''چھ بجے تک آ جاؤں؟'' راحیل نے چائے کا کپ سامنے رکھا۔

''چھ نہیں پانچ بجے تک پلیز۔ ردا کو بھی کچھ چیزیں لینی ہیں۔'' وردہ نے دوبارہ کچن میں جاتے ہوئے تاکید کی۔

اصل مقصد تو بھائیوں کی نظروں سے بچنا اور ان کا دھیان بٹانا تھا۔

''وردہ تمہارے سسرال والے ناراض تو نہیں ہیں تمہارے یہاں آنے اور اتنے دن رہنے سے۔'' وردہ دوبارہ آ کر بیٹھی تو راحیل نے پوچھا۔

''نہ..... نہیں بھائی' اماں جان نے ہی تو بھیجا ہے تب ہی ولید چھوڑ کر گئے ہیں' ان کے حکم کے بغیر تو وہاں کوئی کام نہیں کرتا۔'' وردہ نے سچائی کی تلخی کو اپنے لہجے کی مصنوعی بشاشت سے چھپایا۔

''اچھی بات ہے۔ گھر میں بزرگوں کا ہی حکم چلنا چاہئے۔ اس طرح ماحول سازگار رہتا ہے۔ ورنہ تو سب ہی اپنی من مانی کرنے لگیں۔'' نبیل نے اپنے سلجھے سجھاؤ سے بات کی تو وردہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

کیا کہتی کہ کبھی کبھی بزرگوں کی حکمرانی جینا بھی دوبھر کر دیتی ہے۔ وہ جس طرح گھر بدر کی گئی تھی تو یہ اماں کی حکمرانی ہی کی بدولت ہوا تھا۔ ورنہ کیا ولید اسے اس طرح چھوڑ جاتا اور اتنے دن تک بے خبر رہتا۔ نہ جانے کیوں وہ پلٹ کر نہیں آیا تھا اور نہ ہی فون پر رابطہ رکھا تھا۔ اماں جان کے ہاتھوں وہ اس قدر تو مجبور نہیں رہ سکتا تھا کہ اسے فون بھی نہ کر سکے۔

اس کا دل پھر سے بھر آیا تھا۔ آنکھوں میں نمی بڑھنے لگی تھی جسے اس نے سر جھکا کر چھپانے کی کوشش کی' اگر اس کے بھائی اس کا غم جان جاتے تو نہ جانے کیا کر گزرتے۔

***

''بھائی جی! کس بات کی سزا مل رہی ہے مجھے۔ اماں کو میرا گھر برباد کر کے خوشی ملنی تھی تو میرا گھر بنے ہی کیوں دیا تھا۔ اس وقت ہی اپنی ضد اور فیصلے پر قائم رہتیں تو کم از کم وردہ تو آج سکون سے جی رہی ہوتی۔'' ولید آصف کے سامنے جیسے رو ہی پڑا تھا۔ اماں اسے سندس کے ساتھ بھیجنے پر مصر تھیں۔ اب آفس میں آ کر آصف کے سامنے بیٹھ کر رونا اسے زیب نہیں دیتا تھا مگر اس کی مجبوری اسے ماحول سے بھی بیگانہ کیے ہوئے تھی۔

''دیکھو بیٹا! میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ سمجھداری سے کام لو ہم سبھی جانتے ہیں کہ اماں تمہیں یہاں سے دور کیوں کر رہی ہیں مگر ذرا غور کرو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ یہاں رہ کر تم وردہ سے رابطہ نہیں کر پا رہے۔ ظاہر ہے اماں تمہیں واچ کر رہی ہیں اس لئے لیکن سوچو یہاں سے نکل کر تمہیں وردہ سے رابطہ کا موقع مل جائے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ تم اماں کے کسی جذباتی فیصلے پر اپنی زندگی قربان کر دو۔ وردہ میری بیٹی کی طرح ہے اور بہت سلجھی ہوئی بچی ہے۔ اس نے چند ماہ میں ہی اپنی محبت سے اپنی جگہ بنا لی تھی یہ اور بات ہے کہ اماں اول دن سے اسے بہو نہیں مان سکیں۔ بہر حال رشتے ناطے دوریوں سے یا وقتی جدائی سے ختم نہیں ہو جاتے۔ تم وردہ سے جا کر ملو اسے اپنی مجبوری بتاؤ۔ تم سندس کے ساتھ نکلو پھر میں وہیں تمہیں سیٹل کروا دیتا ہوں۔ تم وردہ کو وہیں بلوا لینا۔'' آصف بھائی نے اسے رسانیت سے سمجھایا۔

''مگر اماں..... تو وعدے قسمیں لے رہی ہیں۔ انہوں نے مجھے قسم دی ہے کہ میں وردہ کی صورت بھی نہ دیکھوں۔ بھائی جی آپ اماں کو جانتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح پتا کر لیں گی اور پھر.....''

''کچھ نہیں ہو گا ولی۔ اماں تو بس۔ اچھا تم وردہ سے بات کرو۔ وہاں وہ کس اذیت میں ہو گی۔ کچھ احساس ہے۔'' آصف بھائی نے اسے قدرے ڈپٹ کر چپ کروایا۔

''احساس؟ احساس ہے تو چاہتا ہوں کہ اسے روز مر روز مرنے کی اذیت سے نجات دے دوں مگر وہ تو ایسے بھی مر جائے گی۔'' اس کی پُرنم آواز پر آصف بھائی نے اسے ملامت کی۔

''کیا بے وقوفی ہے ولید۔ ایسا کمزور نہیں سمجھتا تھا میں تمہیں' مرد کو تو بہت کچھ دیکھنا اور سہنا پڑتا ہے۔ زندگی کو سازگار بنانے کیلئے مرد کو ہی حکمت عملی سے کام لینا پڑتا ہے۔ اماں کا رتبہ اور مقام اپنی جگہ ہے' ان کا احترام سب سے افضل ہے مگر کچھ حقوق بیوی بچوں کے حوالے سے بھی لاگو ہوتے ہیں۔ رشتوں میں توازن برقرار رکھنے سے ہی جینا سہل ہوتا ہے۔ اماں کی فرمانبرداری ایک حد تک جائز ہے۔ کسی بے گناہ پر ظلم کر کے والدین کو خوش کرنے کے بارے میں کہیں نہیں لکھا۔ اب جاؤ اور وردہ کو تمام صورتحال سے آگاہ کرو۔ وہ یقیناً تمہاری مجبوری سمجھ پائے گی یا پھر اس سے رائے لو کہ ان حالات میں وہ تمہارے ساتھ ہے یا۔'' آصف بھائی ناصحانہ انداز اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔ وہاں سے اٹھ تو آیا تھا مگر خدشے تھے کہ دل سے لپٹے ہوئے دھڑک رہے تھے۔

آٹھ دن ہو گئے تھے وردہ سے بے تعلق ہوئے۔ وہ نہ جانے اس کے بارے میں کیا کیا سوچتی ہو گی' یہ خیال جان لیوا تھا۔ اپنی صفائی پیش کرنے کا نہ حوصلہ تھا اور نہ اس کے پاس لفظ تھے۔ محبت اور وفا کے

دعوے ہمیشہ اس نے کئے تھے اور اب وہی اپنے عہد نہیں نبھا رہا تھا۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں بھولا تو نہیں تھا مگر ساتھ نبھانے کا حوصلہ جیسے اماں کی ذات کے پیچھے کہیں دبک سا گیا تھا۔

اماں کی دھمکیاں اسے اندر سے کمزور ہی نہیں خوفزدہ بھی کر رہی تھیں۔ ابھی بھی اس کے اندر یہ ہراس کہ اگر اماں کو علم ہو گیا تو نہ جانے ان کا ردعمل کیا ہو۔ پہلے ہی اس کی وجہ سے اماں کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور اگر اس کے اس اقدام نے اماں کو مزید کوئی صدمہ دیا تو کہیں وہ انہیں کھو ہی نہ دے۔ اس کے قدم نبیل کے گھر سے واپس پلٹ ہی رہے تھے کہ وردہ نے اسے پکار لیا۔

وہ راحیل کے ساتھ کہیں باہر سے آئی تھی۔ اسے دیکھ کر متعجب بھی تھی۔ وہ واپس لوٹ رہا تھا۔ کیوں؟ یہ سوال ابھی اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

''ولید.....؟ آپ واپس جا رہے تھے۔'' بجھا بجھا سا ولید اور اس کا کشمکش سے دھواں دھواں ہوتا چہرہ وردہ کے اندر خطرے کی گھنٹی بجا گیا۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

''ارے' تم واپس آ گئے؟ وردہ تم نے تو بتایا ہی نہیں کہ ولید واپس آ گیا ہے۔'' راحیل گرمجوشی سے اس کی طرف بڑھا اور پھر مصافحہ کر کے اسے اندر لے کر بڑھا۔

''بھائی مجھے خود معلوم نہیں تھا۔'' وردہ سامان لے کر ان سے پہلے اندر بڑھ گئی۔ دل کی عجیب حالت تھی۔ شکوے شکایتیں سب ہی بھول گئے تھے۔ اسے تو ولید کا انداز ہی بڑا کھل رہا تھا۔ خاموش اور سرد سا۔

''آئی تھنک سرپرائز دینا چاہ رہے ہو گے وردہ کو؟ تبھی تمہارا سیل بھی آف تھا۔ اتنے دن سے۔ یار آئندہ کبھی آؤٹ آف سٹی جاؤ تو اپنا وہاں کا کنٹیکٹ نمبر ضرور دے کر جانا۔ نبیل بھائی بھی فکرمند تھے۔ ویل پلیز بیٹھو' میں ابھی فریش ہو کر آتا ہوں۔'' ڈرائنگ روم میں اسے چھوڑ کر راحیل نے وردہ کو آواز دی۔

''وردہ چائے کے بعد کھانے کا کوئی انتظام ہے یا میں بازار سے لے آؤں۔'' راحیل نے جوس لاتی وردہ سے پوچھا تو اس کے جواب دینے سے پہلے ولید بول اٹھا۔ لہجے میں کشمکش تھی۔

''میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا۔ آئی مین کہ.....''

''وردہ کو لینے آئے ہو۔ پھر بھی کھانا تو کھانا ہی پڑے گا۔ وردہ میں بازار سے کچھ لے آؤں؟'' راحیل نے بہنوئی کو محبت سے ٹریٹ کیا۔

''بھائی کھانا تو بازار جانے سے پہلے بنا کر گئی تھی۔ آپ فریش ہو جائیں تو پھر چائے بنا لاتی ہوں۔''

''پلیز کچھ نہیں چاہئے۔ تم ابھی میرے ساتھ چلو' میں تمہیں کچھ دیر میں چھوڑ جاتا ہوں۔'' راحیل کے وہاں سے جاتے ہی ولید نے اسے روکا۔

''کہ.....کیا مطلب آپ مجھے لینے نہیں آئے۔ اماں جان نے.....'' اس کی آواز ہی نہیں وجود بھی کپکپا رہا تھا۔ بات ادھوری چھوڑ کر وہ خود کو سنبھالتی فوراً صوفے پر ٹک گئی۔

''وردہ اماں کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ان کی کنڈیشن بہتر نہیں ہے۔ اس لئے میں تم سے کنٹیکٹ بھی

نہیں کرسکا' دیکھو۔'' ولید نے ابتداء کی۔

''میں..... میں یہاں سب سے کیا کہوں۔ انہیں تو کچھ خبر نہیں ہے ولید۔ میں نے اپنا بھرم رکھا ہے۔ میں کیسے یہاں.....'' وردہ کا رنگ متغیر ہونے لگا۔

''پلیز وردہ اچھا اٹھو میرے ساتھ چلو۔ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ یہاں مناسب نہیں ہے۔'' ولید نے اس کے قریب جا کر اس کا بازو تھاما۔ وہ نا صرف ٹھنڈی ہو رہی تھی بلکہ لرز بھی رہی تھی۔ اسی دم راحیل بھی آ گیا۔

''تم ابھی تک کھڑے ہو۔ بیٹھو ناں۔''

''نہیں وہ۔ ایکچوئلی میں وردہ کو باہر لے جا رہا ہوں تم مائنڈ مت کرنا' ہم کچھ دیر میں لوٹ آئیں گے۔''

''یار میں مائنڈ کیوں کروں گا۔ تمہاری وائف ہے جہاں مرضی لے جاؤ مگر پہلے کھانا.....'' راحیل نے اسی اپنائیت سے کہا۔

''نہیں ابھی بھوک نہیں ہے۔ میں کچھ دیر میں وردہ کو واپس چھوڑ جاتا ہوں۔'' راحیل نے ایک دم چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''اٹ میٹرز وردہ ابھی یہیں رہے گی۔ اینی پرابلم؟'' وردہ سر اٹھائے ولید کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ رہی تھی۔

''کوئی جھگڑا وغیرہ۔ تمہارے اور وردہ کے درمیان۔'' راحیل کے لہجے میں فکر و پریشانی اتر آئی۔

''نہ..... نہیں..... را..... حیل ایسی کوئی بات نہیں۔ ایکچوئلی ایک اور آفس برانچ کراچی بنانے کی تیاری ہو رہی ہے' اسی وجہ سے میں مصروف ہوں۔ ممکن ہے کہ وہیں سیٹل ہونا پڑے تو میں چاہ رہا تھا تب تک وردہ نبیل کی شادی کی ساری تیاری کرے۔ وہاں شفٹ ہونے کے بعد اس کا یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔'' ولید نے بمشکل جھوٹ بول کر بات پوری کی۔ وردہ لب بھینچے اسے دیکھ رہی تھی' سن رہی تھی۔ کس قدر مشکل ہو رہا تھا۔ اس کا دل بے قابو ہو رہا تھا۔ ذہن میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایک دم ہی پھٹ پڑی۔

''کہ..... کیوں جھوٹ بول رہے ہیں آپ ولید۔ ان سے کب تک چھپا سکوں گی۔ کب تک یہ بھرم رہ سکے گا۔ راحیل بھائی' سب جھوٹ ہے۔ یہاں میں نبیل بھائی کی شادی کی تیاری کیلئے نہیں آئی بلکہ اپنی غرض کیلئے آئی ہوں۔ مجھے اس گھر سے نکال دیا گیا ہے۔'' وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ضبط کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ جھوٹ بولتے بولتے اس کے ضمیر کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ جب واپسی کا امکان ہی نظر نہیں آ رہا تھا تو وہ کب تک بھرم رکھ سکتی تھی۔

''کہ..... کیا؟ کہہ رہی ہو گڑیا گھر سے نکال دیا۔ کیوں؟'' نبیل بھی اسی وقت گھر میں داخل ہوا تھا۔ وردہ کی بات سن چکا تھا۔ عجیب محسوسات کے ساتھ آگے بڑھا۔

''اماں جان نے مجھے ابھی تک بہو نہیں مانا۔ ان کیلئے میں اب تک غیر ہوں۔ اس میں ولید کا کوئی

قصور نہیں ہے بھائی۔ شاید میری قسمت خراب ہے جو۔'' وہ زار زار رونے لگی۔

ولید شرمندگی سے گڑا وہیں کا وہیں کھڑا تھا۔ بولے تو کیا بولے۔ کہے تو کیا کہے۔ ایک دراڑ آج اس کے دوستی کے آئینے میں پڑ گئی تھی اور اس کا بھرم بھی آج ہی چکنا چور ہو گیا تھا۔

''تم نے ہم سے اب تک چھپایا؟'' نبیل اب تک بے یقین تھا۔

''اماں کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ان کی طبیعت بہتر ہو گی تو میں وردہ کو لے جاؤں گا۔ پلیز نبیل' راحیل ٹرائے ٹو انڈر سٹینڈ۔''

''ہم اب کیا سمجھیں' ہماری بہن اس قدر پریشان تھی اور ہم اپنی خوشیوں میں مگن تھے۔ لعنت ہے مجھ پر۔'' نبیل غم و غصے کی کیفیت میں بولا اٹھا۔

''تو ہم سے جھوٹ پہ جھوٹ بولتے رہے اور ہم سمجھ ہی نہ سکے۔ وردہ نے کبھی ظاہر ہی نہیں ہونے دیا کہ.....''

وردہ روتے روتے ایک دم بے ہوش ہو گئی تھی۔ طبیعت تو اس کی کافی دن سے مضمحل تھی۔ راحیل اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔ فوراً اس کی طرف لپکا۔

''بھائی دیکھیں وردہ کو کیا ہوا؟'' نبیل ہی نہیں ولید بھی اسی کی طرف لپکے۔ وردہ صوفے پر بے سدھ پڑی تھی۔ اس کا سر آگے کو ڈھلک گیا تھا۔

وہ سب کچھ فراموش کر کے اسے ہسپتال لے کر دوڑے۔ وہاں جو ڈاکٹر نے بتایا وہ خوش کن بھی تھا اور فکر انگیز بھی۔ خوش کن اس لحاظ سے کہ وہ تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی اور فکر انگیز اس لئے کہ موجودہ صورتحال میں اسے خوش رکھنا کٹھن عمل تھا جبکہ ڈاکٹر نے اس کی صحت کے بارے میں اور آئندہ درپیش مسائل کے حوالے سے تشویش کا اظہار کیا تھا۔

ولید ایک نئی کشمکش میں تھا۔ گھر سے فون پہ فون آ رہے تھے۔ اسے لوٹنا تھا یا ٹھہرنا یہ طے کرنا اس سے مشکل ہو رہا تھا۔

وردہ ہوش میں تھی اور اس کی کشمکش سمجھ رہی تھی۔

''آ..... آپ جائیے۔ میرے نصیب میں جو کٹھن وقت ہے وہ میں کاٹ لوں گی۔ آپ میرے لئے خود کو مجبور مت سمجھیں' اماں مجھے سمجھ نہیں سکیں۔ میں تو ان کی بیٹی بن جانا چاہتی تھی مگر وہ مجھے بہو بھی نہ مان سکیں۔ ٹھیک ہے جب وہ چاہیں آپ تب آئیے گا۔'' بہت حوصلے سے وہ بول رہی تھی۔ ماں بننے کی خبر نے اسے جو تقویت دی تھی شاید یہ اسی کا کمال تھا۔

راحیل اور نبیل فاصلے پر کھڑے اسے دیکھ اور سن رہے تھے۔ نبیل کو وہ کچھ دیر پہلے اس معاملے میں خاموش رہنے کا کہہ چکی تھی۔ تب ہی وہ افسوس سے دیکھ رہا تھا۔

''اماں چاہیں یا نہ چاہیں۔ میں تمہیں لے جاؤں گا۔ بلیوی بس اماں کی طبیعت سنبھل جائے اور میں باہر سیٹل ہونے کا سارا بندوبست کر لوں۔ پھر دیکھنا میں ایک دن بھی تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ بس تھوڑا انتظار۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر نئے وعدے کر رہا تھا۔ دل و جذبات میں نیا تغیر پیدا ہوا تھا۔ وردہ

کی محبت ایک نئے رشتے کے احساس کے ساتھ مزید بڑھ گئی تھی۔ وردہ بھی اس کے وعدوں میں پھر سے بندھ رہی تھی۔ امید روشن تھی۔ ان کے کچے رشتے کو مضبوط کرنے والا اب ان کے درمیان تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب اسے ولید سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔

ولید چلا گیا تھا اور وہ نئے احساس' نئی امید' نئی لگن کے ساتھ بھائیوں کے ساتھ گھر واپس آ گئی تھی۔

***

''کہاں تھے تم ولید؟ فون بھی نہیں اٹھا رہے تھے۔ کہیں تم.....؟'' اماں اس کے انتظار میں جاگ رہی ہوں گی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی انہیں اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ دل کی سرشاری ایک پل میں ہی سہم گئی تھی۔

''اماں..... آپ خوامخواہ وہم میں پڑ جاتی ہیں۔ آپ بے فکر رہیں آپ کی خواہش اور مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔ وہ اب یہاں کبھی نہیں آئے گی۔' ولید نے بجھے دل اور سرد لہجے میں انہیں اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

''ہاں یہی اچھا ہوگا ورنہ۔ اچھا اس منحوس کا ذکر چھوڑو اور سنو صبح جلدی اٹھ جانا۔ سندس کو ایمبیسی جانا ہے' تمہارا ویزہ آ گیا ہے۔ اس کی سنگاپور طارق سے بات ہوئی تھی۔ وہ خوش ہے تمہارے وہاں آنے سے۔''

''اٹھ جاؤں گا۔ آپ جا کر آرام کریں۔''

''تمہاری فکر میں جاگ رہی تھی بچے۔ ماں کی ممتا کی قدر رہی نہیں ہے اولاد کو۔ دودھ رکھ دیا ہے تمہارے سرہانے پی کر سونا۔'' انہوں نے جاتے جاتے اسے تنبیہ کی۔

وہ انہیں جاتے ہوئے خالی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے اماں ایسا کیوں کر رہی تھیں۔ ان کا رویہ بالکل اجنبی سا تھا۔

اس کی زندگی رخ بدل رہی تھی اور وہ بے بس ہوا جا رہا تھا۔ کہاں وہ اسے پڑھائی کیلئے دوسرے شہر بھیجنے پر کبھی تیار نہ تھیں اور آج..... اسے خود سے دور..... پرائے دیس بھیج رہی تھیں۔ صرف وردہ کے سائے سے بھی بچانے کیلئے۔

وہ کوئی غیر عورت نہیں تھی اور نہ ہی بدکردار یا خراب اطوار کہ جسے برداشت کرنا مشکل ہو۔ اس کی صرف ایک خامی اس کا قصور بن گئی تھی کہ وہ اماں کی پسند نہیں تھی۔ برادری سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ یہ کوئی بہت بڑا جرم نہیں تھا، جسے معاف نہ کیا جا سکتا لیکن اماں نے اسے معاف تو کیا کرنا تھا الٹا اس کیلئے سزا سنا دی تھی۔ ایک دوسرے سے دوری کی سزا' انہیں علم تھا یہ عذاب جان لیوا ہے۔ تبھی وہ اسے تڑپا کر سکون لے رہی تھیں۔

***

اور پھر وہ اپنے دل کو مار کر اماں کی خوشی کیلئے ایک نئی دنیا' نئے جہاں میں چلا آیا تھا۔ رنگ و

روشنیوں کے ملک میں بھی اسے اپنے لئے اندھیرا ہی محسوس ہو رہا تھا۔

وردہ کی سسکیاں اس کے کانوں میں اب تک گونج رہی تھیں۔

نبیل اور راحیل کی ملامتیں اسے چین نہیں لینے دے رہی تھیں۔ جبکہ اماں کی دھمکیاں دور بیٹھے بھی اسے محصور کئے ہوئے تھیں۔

سندس اور اس کا شوہر طارق محسوس کر رہے تھے کہ وہ یہاں آ کر خوش نہیں ہے مگر وہ کیا کرتے' اماں نے انہیں بھی جذباتی طور پر گھیر کر ولید کو اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور کیا تھا۔

''ولید تم اس طرح پریشان رہو گے تو یہاں آنے کا مقصد تو ختم ہو جائے گا۔ میں تمہاری پریشانی دیکھ کر تمہیں یہاں لائی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ جذباتی کشمکش میں تم کوئی غلط قدم نہ اٹھا لو۔ آصف بھائی بھی نہیں چاہتے تھے کہ اماں کی وجہ سے تم اپنا گھر خراب کرو۔ اماں آہستہ آہستہ سمجھ جائیں گی پھر حالات بہتر ہو جائیں گے۔ انجوائے کرو یا پھر طارق کے ساتھ ان کے آفس چلے جایا کرو' تمہیں ایکسپیرینس بھی ہو جائے گا۔'' سندس آخر اس کی خاموشی سے تنگ آ کر بولی ہی اٹھی۔ یہاں آ کر وہ مزید خاموش ہو گیا تھا۔

''آپی گھر تو خراب ہو گیا اور کس طرح گھر خراب ہوتے ہیں۔ اماں نے معمولی سے اختلاف کو انا کا مسئلہ بنا لیا اور وہ بھی شادی کے بعد۔ پہلے وہ یہ سب کہتیں تو میں سمجھ جاتا مگر اب ان کی ڈیمانڈ کیسے پوری کروں۔ وردہ پریگننٹ ہے اور.....''

''وہاٹ؟'' سندس کو سن کر ایک دم جھٹکا لگا۔ ''اماں کو علم ہے؟ تم نے وہاں کیوں نہیں بتایا؟ کیسے چھوڑ کر آ گئے ہو تم اسے۔'' سندس واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

''مجھے کسی نے موقع ہی کب دیا اور پھر اماں کی طبیعت نے سب ہی کو پریشان کر دیا تھا۔ انہیں وردہ سے نہ جانے کیا خوف ہے حالانکہ وردہ نے کبھی کوئی شکوہ شکایت نہیں کی تھی۔ ہمیشہ اماں نے زیادتی کی' ایک بار نہیں کئی بار۔ صرف اماں کی وجہ سے میں نے اسے اس کے بھائیوں کے گھر چھوڑا ہے۔ وہ چاہتی تو مجھ سے الگ گھر کا مطالبہ کر سکتی تھی مگر اس نے اس بار بھی مجھے اماں کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع دیا۔ میں کیا کروں آپی۔ اماں کو میری وجہ سے کچھ ہو جائے یہ مجھے گوارا نہیں۔'' سندس کے ہمدردانہ رویے نے اسے دل کا غبار نکالنے کا موقع دے دیا۔

''تو پھر پریشانی کیا ہے۔ تمہیں اماں کی خوشی عزیز ہے تو چھوڑ دو وردہ کو۔ اسے کس جرم کی سزا میں لوگوں کی الٹی سیدھی سننے کیلئے چھوڑا ہے۔'' سندس کو اس کی بے بسی پر غصہ آ گیا۔

''کیا بات ہے، بہن بھائی میں کوئی گرما گرم بحث چل رہی ہے؟'' طارق اپنے بچوں کے ساتھ آؤٹنگ سے واپس آیا تو لاؤنج میں دونوں کو بیٹھا دیکھ کر ادھر ہی چلا آیا۔ سندس' بھائی کی وجہ سے اپنے بچوں کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ حالانکہ ویک اینڈ پر وہ سب مل کر باہر جاتے تھے۔

''بحث کیا؟ اس کے تو مسئلے ہی عجیب ہیں۔ اماں کو بھی خوش رکھنا ہے اور اپنی زندگی بھی تباہ کرنی ہے۔ طارق آپ ہی اسے سمجھائیں۔ اماں کی انا کیلئے اپنی زندگی خراب نہ کرے۔'' سندس نے اپنے شوہر

کو جیسے ہار کر بتایا۔ اب تک اس نے اپنے شوہر کو یہ مسئلہ سرسری طور پر بتایا تھا۔

''مسئلہ کیا ہے مجھے کچھ پتا بھی تو چلے۔ ولید بھی جس دن سے آیا ہے چپ چپ ہے۔ میں سمجھ رہا تھا۔ شاید کوئی فنانشلی پرابلم ہے۔ بزنس ٹھیک نہیں جا رہا؟ مگر اب تمہاری باتیں اور ہی کچھ سمجھا رہی ہیں۔ کیا ہوا ولید تم بھائیوں کی طرح ہو۔ مجھے اپنی پرابلم بتا سکتے ہو۔ مے بی میں تمہاری ہیلپ کر دوں۔''

''طارق الحمدللہ بھائیوں کا بزنس تو بالکل سیٹ ہے۔ اس حوالے سے کوئی پرابلم نہیں ہے بس اماں نے ہی کچھ پرابلمز کری ایٹ کی ہیں۔ جن کا حل نہیں مل رہا اسے۔'' سندس نے بڑے تحمل سے بتایا۔

''اماں جی نے کیا کیا؟.....وہ تو بیمار ہی نا۔''

''ایکچوئلی طارق! اماں ولید کی بیوی سے خائف ہیں۔ نہ جانے کیوں وہ اب تک اسے ایکسیپٹ ہی نہیں کر سکیں۔''

''مگر انہوں نے ولید کی شادی تو خود اپنی مرضی سے کی تھی نا۔'' طارق کو معاملہ جیسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''وردہ ولید کی پسند ہے۔ نہ جانے اس وقت اماں کیسے مان گئی تھیں بعد میں ان کا بی ہیو وردہ کے ساتھ اچھا نہیں رہا۔ مجھے بتاتے ہوئے شرم آ رہی ہے کہ اماں نے ایسا روایتی رویہ اپنایا ہوا ہے اور صرف وردہ کے ساتھ۔ اسے گھر میں سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانے پینے تک کی اجازت نہیں تھی۔ باوجود اس کے کہ وہی سارے گھر کا کام نمٹاتی تھی۔'' سندس نے شرمندگی سے بتایا۔

''یہ تو واقعی زیادتی ہے کسی کے ساتھ ایسا بی ہیو رکھنا کتنا انسلٹنگ ہوگا۔ اماں جی کلثوم اور زینب بھابی کے ساتھ تو بہت محبت سے کام لیتی ہیں۔ ولید تم نے کبھی نوٹس نہیں لیا کہ اماں ایسا کیوں کرتی ہیں؟'' طارق نے خاموش بیٹھے ولید کو مخاطب کیا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہاری بیوی اماں جی کو ٹیز کرتی ہو۔ اس کا انداز، رویہ اماں جی کو اپنی انسلٹ فیل ہوتا ہو۔ تب ہی وہ اس انتہا پر ہیں۔''

''ایسی بات نہیں ہے طارق بھائی۔ وردہ اماں کا بے حد احترام کرتی ہے۔ اس نے کبھی مجھ سے بھی اماں کی شکایت نہیں کی۔ اماں کا رویہ تو میرے سامنے بھی کبھی اس کے ساتھ اچھا نہیں رہا۔ ہمیشہ اماں ہی اس سے شادی رہی ہیں کہ وہ ایک غیر خاندان کی پرائی عورت ہے۔ اماں نے اسے اپنے ساتھ رہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ بالکل اجنبیوں کی طرح ٹریٹ کرتی ہیں اماں اسے۔'' ولید نے بہنوئی کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

''یہ تو پھر تمہاری غلطی ہوئی۔ تم نے اپنی بیوی کو صحیح مقام ہی نہیں دلوایا۔ یہ تمہاری ذمہ داری تھی کہ تم پہلے ہی احتجاج کرتے۔ یقیناً تمہاری خاموشی اور کمزوری نے اماں جی کو اس انتہا پر پہنچایا ہے۔ تم نے تو ابھی بھی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ تم صرف اماں جی کی خاطر اپنی بیوی کو چھوڑ کر آ گئے ہو کہ اماں جی اس سے خوش نہیں ہیں۔ یہ باتیں شادی سے پہلے سوچنے والی تھیں کہ وہ غیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس مقام پر اس طرح کسی کی زندگی خراب کرنا میرے نزدیک انسانیت نہیں ہے۔''

''طارق بھائی میں کیا کرتا۔ اماں نے گھر چھوڑ دینے کی دھمکی دے دی تھی۔ اماں کی ضد انتہائی ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ گھر نہ چھوڑ جائیں۔ میری وجہ سے وہ کہیں چلی جاتیں۔ پھر بھی سبھی مجھے ملامت کرتے۔''

''اماں جی نے کیا کہا تھا کہ اپنی بیوی کو گھر سے نکال دو؟'' طارق جیسے ابھی بھی بے یقین تھا۔ اماں کی شخصیت کا یہ پہلو ان کے سامنے کبھی عیاں نہیں ہوا تھا نا اسی لئے انہیں شاک لگا تھا۔

''جـــی۔'' ولید بمشکل بول سکا۔ اپنے زخم کریدنا آسان نہیں تھا۔ ''اماں نے کہا تھا کہ وہ اپنے گھر میں وردہ کو برداشت نہیں کر سکتیں۔''

''تو تم اسے اس کے بھائیوں کے گھر چھوڑ آئے؟ بی بہادری کا کام کیا ہے۔ اماں جی تمہاری بیوی کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کرتیں تو تم اپنی بیوی کیلئے الگ گھر بنا سکتے تھے۔ اس کیلئے تم پر کوئی پریشر کوئی الزام نہیں آ سکتا۔ یہ تمہارا فرض ہے اور تم فنانشلی طور پر بھی ایسے کر سکتے ہو۔ دیکھو میں پھر کہوں گا کہ اس سارے معاملے میں غلطی تمہاری زیادہ ہے۔ اماں جی کو شادی کے وقت معلوم تھا کہ لڑکی اپنے خاندان، ذات برادری کی نہیں ہے۔ شادی کے بعد اس بات کا ایشو بنانا سوائے بدمزگی کے کچھ پیدا نہیں کرتا۔ مجھے تو سارے معاملے میں تمہاری غلطی نظر آ رہی ہے۔ جب تمہیں نظر آ رہا ہے کہ تمہاری بیوی کی غلطی نہیں ہے تو تم اسے کس بات کی سزا دے کر آئے ہو۔ وہ کیا سمجھے گی تمہارے اس فرار سے کہ مستقبل قریب میں تم اس کے ساتھ کیا کرنے والے ہو۔'' طارق کی ملامت اسے بہت کچھ سمجھا رہی تھی مگر احساس بے بسی ابھی بھی اس پر حاوی تھا۔

''بھائی اماں کی حالت نے مجھے ہی نہیں سب کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ میں کیا کرتا۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ اماں کو کچھ ہو جاتا تو ساری زندگی عذاب میں گزرتی کہ میری وجہ سے.....''

''کیسی ایموشنل بات کر رہے ہو۔ آر یو ایجوکیٹڈ؟ بحیثیت مسلمان یہ ہمارے ایمان کی تکمیل کا لازمی جزو ہے کہ جو کچھ بھی ہونا ہے یا ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف سے تقدیر میں لکھا ہے۔ کسی کی موت اور زندگی ہمارے کسی عمل کی وجہ سے واقع نہیں ہو سکتی۔ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اس کا وقت مقرر ہے۔ ہم کسی کو ایک سیکنڈ کی سانس بھی مہیا نہیں کر سکتے، اگر اللہ کو منظور نہ ہو۔ دیکھو اگر اماں جی کی تابعداری اور عقیدت تم پر فرض ہے تو اپنی بیوی بچوں کے حقوق پورے کرنا بھی تم پر لاگو ہوتے ہیں۔ بہرحال تم نے وردہ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم جا کر اس کا ازالہ کرو۔ اماں جی کو ہم سب سمجھائیں گے بلکہ احساس دلائیں گے کہ وہ اپنی انا کی خاطر تم سے کوئی غلط بات نہ منوائیں۔'' طارق نے اسے بہت اچھے طریقے سے سمجھایا۔

یہی کچھ آصف بھائی نے بھی اپنے انداز میں باور کرایا تھا مگر وہاں اماں کی موجودگی کی وجہ سے اس کی سوچیں مرتکز نہیں تھیں۔ اماں کا ہار بار تقاضا کرنا، اسے اپنی ممتا کے حصار میں جکڑنا بے بس کر دیتا تھا۔ تب ہی وہ وردہ سے بھی بے رخی برت آیا تھا۔ وہ اس سے ملا نہیں تھا بس فون پر رابطہ کیا تھا۔ اس کی سسکیاں، اس کا شکوہ بن کر اب تک اس کے کانوں میں گونجتی تھیں۔

***

''بھائی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ شادی کی ڈیٹ کیوں بدل دیں۔ سب تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ادھر بھی سب کچھ تقریباً تیار ہے پھر کیوں؟'' شام کی چائے پر تینوں بہن بھائی اور ردا اور خالہ اکٹھے ہوئے تھے بلکہ نبیل نے تایا تائی کو بھی بلوایا تھا تاکہ اپنا فیصلہ سنائے کہ وہ ابھی شادی نہیں کر رہا اور لڑکی والوں سے معذرت کر لی جائے۔ وردہ نے یہ سنتے ہی احتجاج کیا تھا۔

''وردہ جب تک تمہاری لائف سیٹ نہیں ہو جاتی' میں اپنی شادی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔ ولید نے کچھ اچھا نہیں کیا ہمارے ساتھ۔ اس طرح چھوڑ کر بھاگا ہے جیسے ہم نے زبردستی اسے.....''

نبیل اس دن سے پچھاوؤں میں گھرا تھا۔ وردہ کو دیکھ کر اس کا دل بھر آتا تھا۔ خاموش خاموش کاموں میں الجھی ہوئی اپنی بہن کا دکھ اسے بے چین رکھتا تھا۔

''بھائی! ولید بتا کر گئے ہیں۔ یہاں اماں جان انہیں پریشرائز کر رہی تھیں کہ..... اچھا پلیز آپ اس طرح نہ سوچیں' انشاء اللہ میری لائف سیٹ ہو جائے گی۔ ولید اگر خود نہ آئے تو مجھے بلا لیں گے۔ آپ شادی کی فکس ڈیٹ کو بالکل آگے نہ کریں۔'' وردہ نے قدرے تحمل سے شوہر کا دفاع کیا اور بھائی کو سمجھایا۔

''وردہ ٹھیک کہہ رہی ہے نبیل۔ شادی کی ڈیٹ فکس ہے۔ ڈیٹ بڑھانے کی بات پر سب ہی ہم سے وجہ پوچھیں گے۔ ہم کیا کہیں گے کہ بیٹی گھر آ بیٹھی ہے اس لئے ہم..... لوگ الٹی سیدھی باتیں بنائیں گے۔ جو کام ہو رہا ہے اسے ہونے دو ہم لوگوں کو' اپنی ذات کو تماشہ بنوانے کا موقع کیوں دیں۔'' خالہ امی نے نبیل کو رسانیت سے سمجھایا۔

''مگر میں کس طرح خوش رہ سکتا ہوں۔ جبکہ.....'' وہ جذباتی ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سب ہی اس کی کیفیت سمجھ رہے تھے۔ وردہ نے بڑھ کر بھائی کا بازو تھاما۔

''بھائی آپ کے فیصلے سے میں بھی خوش نہیں رہوں گی۔ مجھے ہر پل یہ بات ستائے گی کہ میری وجہ سے آپ کی شادی رک گئی اور میں زویا بھابی کو بھی فیس نہیں کر پاؤں گی۔ آپ میری خوشی کیلئے اپنی شادی ڈیلے کر رہے ہیں لیکن نادانستہ آپ مجھے دکھ دے رہے ہیں۔ مجھے احساس دلا رہے ہیں کہ میں آپ کی خوشیوں میں رکاوٹ ہوں۔'' وردہ ایک دم سسک اٹھی تو نبیل کے ساتھ باقی سب بھی پریشان ہو گئے۔

''ارے وردہ' تم نے ایسا کیوں سوچا۔ تم سے تو ہماری زندگی کی خوشیاں سلامت ہیں' تم اس گھر کی رونق' اس گھر کی روشنی ہو۔ خبردار کبھی دوبارہ ایسی بات کہی۔'' نبیل نے پیار سے ڈپٹتے ہوئے اسے گلے لگایا۔ ''ٹھیک ہے تمہاری خوشی اسی میں ہے تو لیکن تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ تم اس فنکشن میں پورے دل کے ساتھ شامل ہو گی۔ میں تمہیں آج کے بعد نہ روتے ہوئے دیکھوں اور نہ ہی اداس۔''

وردہ نے آنسو پونچھتے ہوئے بھائی کا مان رکھنے کیلئے سر ہلایا۔

***

آیا تو وہ زیادہ عرصے کیلئے تھا مگر دوسرے ہفتے ہی اس کا دل اوب گیا۔ گھر کی یاد شدت سے ستانے لگی تھی بلکہ وردہ کا احساس اسے تڑپانے لگا تھا۔ طارق کی باتوں نے اس کے ذہن میں پڑی بہت سی گرہیں کھول دی تھیں۔ حالانکہ یہ سب وہ خود بھی جانتا تھا مگر اماں کی تسلط پسندی نے اسے صحیح اور غلط کے درمیان کے فرق کو پہچاننے سے روک رکھا تھا۔ ان سے دور آ کر اسے فیصلہ کرنے کا قرینہ آ گیا تھا۔ بہن بہنوئی کے صائب مشوروں پر عمل کا عزم لے کر وہ پندرہویں دن گھر لوٹ آیا تھا۔ اماں کے ساتھ سب ہی اسے دیکھ کر حیران تھے۔

''ارے..... بچے اتنی جلدی لوٹ آئے؟ کیا ہوا دل نہیں لگا وہاں؟'' اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اماں نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا۔

''اپنوں کے بغیر دل کہاں لگتا ہے۔ ویسے بھی میں جن حالات میں گیا تھا وہ مجھے خوش رہنے دے سکتے تھے؟ آپ تو یہاں ٹھیک رہیں نا۔ سب اپنے تھے۔ میرے ہونے نہ ہونے سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اماں کو خوش باش دیکھ کر شکوہ لبوں پر آ گیا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری خوشی کیلئے تمہیں خود سے دور کیا اور تم..... تم کیا جانو ممتا کی آگ۔ ارے اولاد کیلئے ماں پل پل تڑپتی ہے۔ ایک بچہ بھی آنکھ سے اوجھل ہو جائے تو پاگلوں کی طرح ماری ماری پھرتی ہے۔ خیر یہ باتیں چھوڑو اور آرام کرو۔ تم سے صبح باتیں ہوں گی۔''

''کیسی باتیں۔'' ولیدان کے انداز پر ٹھٹک گیا۔

''کہہ رہی ہوں نا جاؤ آرام کرو۔ کلثوم ولید کیلئے دودھ کمرے میں رکھ دینا۔''

اماں نے حکم دیا کلثوم کے ماتھے پر بل تو آ گئے تھے مگر کچھ بولنے کی جرأت فی الحال نہ تھی۔ ولید نے بھی اس وقت وہاں سے اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔

وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تو حیران رہ گیا۔ اس کے کمرے کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ وردہ کے جہیز کا سامان کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں تھم تھم کر چلنے لگیں' اس کی سانس حلق میں اٹکنے لگی۔ اس نے عجیب نظروں سے اطراف میں دیکھا۔ اس کا کمرہ شادی سے پہلے والا دکھائی دے رہا تھا۔ اماں اس کے ساتھ کیا کر چکی تھیں۔ وہ حیران ہو رہا تھا۔

''کہیں وردہ کے گھر سامان تو نہیں بھجوا دیا گیا۔'' یہ خیال اس کے ذہن میں لہرایا۔ تبھی کلثوم دودھ کا مگ لئے اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''بھابی..... یہ سب.....'' اس نے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس سے بات کرنا دشوار ہو رہی تھی۔

''اماں نے یہاں سے سمیٹ کر اوپر کمروں میں بند کروا دیا ہے وردہ کا سامان۔ کہہ رہی تھیں تمہاری واپسی پر ادھر بھجوا دیں گی۔''

''کیا مطلب۔'' وہ ناسمجھی سے استفسار کرنے لگا۔

''مطلب تو اماں جانیں یا تم جانو۔ جو ظلم کما رہے ہو۔ دودھ پی لینا ورنہ صبح میری شامل آ جائے

گی۔'' کلثوم وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہری۔

اماں کے نادر شاہی احکامات سے وہ عاجز آئی ہوئی تھی۔ وردہ کا سارا سامان اسی کے ساتھ مل کر تو اماں نے کمرے سے ہٹوایا تھا۔

ولید سے بھی اس کمرے میں ٹھہرنا دوبھر ہو گیا تھا۔ عجیب سی وحشت برس رہی تھی۔ وہ باہر آ کر لاؤنج کے صوفے پر لیٹ گیا۔ اس کا فیصلہ اور عزم مزید پختہ ہو رہے تھے۔ وہ جو سوچ رہا تھا اس پر عملدرآمد کرنے پر اسے اب کوئی ملال نہیں تھا۔ صبح اٹھ کر اس نے اماں سے کوئی سوال نہیں کیا بلکہ خود ہی اماں کی مشکل حل کر دی۔

''اماں! ایک دو روز میں کچھ لوگ آئیں گے۔ آپ ان سے وردہ کے جہیز کا سامان اٹھوا دیجیے گا۔''

''کیا؟ واقعی..... دیکھا زینب میں نہ کہتی تھی میرے بچے کو میرے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس جادوگرنی نے نہ جانے کیا منتر پھونک کر قابو کر رکھا تھا۔ اس کے اثر سے نکلا ہے تو دیکھو ماں کی اہمیت کا احساس بھی ہو رہا ہے۔'' اماں سے اپنی خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔

ولید نے قدرے افسوس سے انہیں دیکھا اور پھر وہ وہاں سے نکل کر آفس آ گیا اور دونوں بھائیوں کو ایک جگہ بٹھا کر اپنا فیصلہ سنایا۔

''تم نے اچھی طرح سوچ سمجھ لیا ہے۔ دیکھو تمہارا یہ فیصلہ اماں کیلئے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔'' عاطف نے اس کا ارادہ جان کر زبان کھولی۔

''بھائی میں کوئی جرم نہیں کر رہا نہ ہی خلاف شرع کوئی عمل۔ بلکہ اماں کی خاطر اب تک میں نے اپنے فرائض سے چشم پوشی کر رکھی ہے۔ آپ لوگ خود گواہ ہیں اماں نے مجھے شرطوں میں باندھ کر فیصلے کرنے پر مجبور کیا ہے۔ بخدا میں کبھی بھی اماں سے آپ سب سے الگ ہو کر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر موجودہ صورتحال کا تقاضا یہی ہے کہ میں وردہ کے ساتھ الگ گھر لے کر رہوں۔'' ولید کے پراعتماد انداز پر دونوں بھائیوں نے پہلے اسے اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

''تم نے اماں سے اس سلسلے میں بات کر لی ہے۔'' آصف بھائی نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''اماں سے کیا بات کروں۔ شاید آپ لوگوں کے علم میں نہیں ہے۔ اماں اپنے طور پر وردہ کو میری زندگی سے نکال ہی چکی ہیں۔ اس کا سارا سامان اماں نے میرے کمرے سے نکلوا کر بند کروا دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اماں کو وردہ کی واپسی کسی طرح بھی منظور نہیں۔ بھائی اماں کی خاطر میں وردہ کو تو شاید چھوڑ ہی دیتا مگر اپنی اولاد کو پیدا ہونے سے پہلے ہی باپ کے سائے سے محروم کر دوں۔ کیا یہ صحیح ہوگا؟ وہ کس بات کی سزا جھیلے گا۔'' دونوں بھائیوں نے ایک بار پھر چونک کر اسے دیکھا۔ اس بات سے تو وہ لاعلم تھے۔

''میں..... میں باپ کی شفقت سے محرومی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ کس طرح شخصیت کو ادھورا بنا دیتا ہے یہ احساس محرومی۔ میں نے بھی تو ابا کو کم عمری میں کھویا تھا۔ آپ سب کی محبتوں کے باوجود میں اب تک ان کی محبت مس کرتا ہوں۔ یہ احساس میں اپنی اولاد کو نہیں دے سکتا۔ اس لئے میں

نے الگ گھر میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پلیز آپ اس معاملے میں میری مدد کریں بھائی۔'' ولید بولتے بولتے روہانسا ہو گیا تو آصف بھائی اٹھ کر اس کے قریب گئے اور پھر اسے گلے لگا کر تھپتھپایا۔

''تم ہمارے بچوں کی طرح ہو پگلے، ہمیں بھی تمہاری خوشی عزیز ہے۔ تم نے جو فیصلہ کیا ہے بالکل درست ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض یا ناراضگی نہیں ہے۔ رہی بات اماں کی ناراضگی کی تو وقت کے ساتھ ساتھ انہیں بھی احساس ہو جائے گا کہ وہ اولاد پر اپنی ضد سے فیصلے نہیں ٹھونس سکتیں۔'' آصف بھائی کے وجود نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ اپنے عزم و ارادے کی تکمیل کیلئے چند دن ہی لگے تھے۔ نئی دنیا میں ایک چھوٹے سے اپنے گھر کی تعمیر کرنے میں بے شک وہ گھر کرائے کا تھا مگر اسے ایک اطمینان تھا کہ یہ گھر وردہ کو بھرپور تحفظ کا احساس دے گا۔

***

اماں بے حد خوش تھیں۔ ولید نے وردہ کا تمام سامان ان کے گھر سے نکلوا دیا تھا۔ ایک سوئی تک نہیں رکھی تھی۔ اماں کی یہ بہت بڑی جیت تھی۔ آخر کار انہوں نے اپنی ہی منوائی تھی۔ وہ دوبارہ سے ولید کی شادی کا ارمان لئے خاندان کی لڑکیوں کا جائزہ لیتی پھر رہی تھیں۔

اپنی لگن میں وہ ولید کی مصروفیت و غیر موجودگی کو جیسے فراموش کیے ہوئے تھیں کہ وہ صبح سے رات تک کہاں جاتا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ انہوں نے وردہ کو اپنے گھر کی دنیا سے الگ کر کے سمجھ لیا تھا کہ اب ان کی سلطنت میں وردہ کی واپسی ممکن نہیں ہوگی۔ وہ بھول گئی کہ وردہ ان کے بیٹے کے دل کی دنیا میں اپنی محبت کا جھنڈا پہلے ہی گاڑ چکی تھی۔ اب تو اس نے ولید کو مکمل طور پر فتح کر لیا تھا۔

ولید اسے لینے آیا تھا۔ وردہ کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ پچھلے تین ماہ کے حالات اور ولید کا رویہ اس کی بے یقینی کی وجہ تھی۔ ولید نے پلٹ کر اس کی خیر خبر لی تھی اور نہ ہی اس سے رابطہ رکھا تھا۔ وہ وقت اس نے جس اذیت میں گزارا تھا یہ وہی جانتی تھی یا پھر خدا کی ذات۔ اپنا بھرم رکھتے رکھتے وہ اب تھکنے لگی تھی۔ کسی سے بھی دل کا حال کہنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ سب ہی اس کا دکھ جانتے تھے۔ اسی لئے ولید کی واپسی پر بھائیوں نے باوجود غصے کے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کی معذرتیں انہیں غصہ دلا رہی تھیں مگر پھر بہن کا خیال کر کے انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ بہن کا مستقبل اسی سے وابستہ تھا۔

''مجھے واقعی کچھ دیر ہو گئی ہے مگر رئیلی وردہ کو میں ایک پل کیلئے بھی نہیں بھولا تھا۔ اماں کی طبیعت نہ بگڑتی تو میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکا ہوتا۔ بہرحال آئندہ مجھ سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

وردہ اپنا سامان سمیٹنے گئی ہوئی تھی۔ نبیل اور راحیل کے سامنے اس نے دوبارہ سے اعتراف کرتے ہوئے اپنے ارادے اور فیصلے سے آگاہ کیا۔

''دیکھو ولید! اب تک جو بھی ہوا ہم اسے بھلا دیں گے مگر آئندہ ہماری بہن کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ہم اس کا دکھ برداشت نہیں کر سکتے۔ تم اس وقت بڑے بڑے دعوے نہ کرتے تو ہم تمہاری شادی وردہ کے ساتھ کبھی نہ کرتے۔'' نبیل نے سنجیدگی سے اپنی بات کہی۔

''یار حالات پر اختیار ہوتا تو تمہیں آج یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہہ رہا ہوں نا' وردہ کو آئندہ کوئی دکھ

نہیں ملے گا۔ میں وردہ کیلئے الگ گھر لے چکا ہوں اور.....'' اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ کیونکہ وردہ اپنا سامان لئے آ گئی تھی۔

''بھائی آپ پریشان نہ ہونا۔ میں آتی رہوں گی۔'' نم لہجے سے خدا حافظ کہتی وہ دونوں بھائیوں کے گلے لگی۔

وہ واپس تو جا رہی تھی مگر دل جیسے ابھی بھی مطمئن نہیں تھا۔ عجیب سا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اماں نے جس طرح اسے گھر سے نکالا تھا۔ وہ بھلانے والی بات نہیں تھی اور اب اس کی واپسی پر نہ جانے ان کا ردعمل کیا ہوتا۔ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔ ولید خاموشی سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ولید نے اسے مخاطب کیا۔

''ناراض ہو مجھ سے'' ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں اس کا سرد ہاتھ تھاما تھا۔

''ناراض ہوتی تو آپ کے ساتھ نہیں آتی۔'' آہ بھرتے ہوئے اس نے دھیمے لہجے میں جواب دے کر اس کی طرف دیکھا۔

''پھر خاموش کیوں ہو؟''

''آپ بھی تو چپ تھے۔'' اس کے سوال پر شکوہ پھسلا تھا۔

''میں تو وضاحتیں دے چکا ہوں۔ تمہارے کچھ بولنے کا منتظر تھا کہ تم نے مجھے معاف کیا یا.....'' ولید نے سامنے سے نظر ہٹا کر دیکھا۔

''آپ نے ایسا کیا ہی کیا ہے۔'' اس کا لہجہ پھر بھیگنے لگا۔ درد پھر سے جاگ اٹھا تھا۔ وہ لمحے وہ یادیں کرب ناک تھیں۔

''اس کا مطلب ہے مجھے معاف نہیں کیا۔ دیکھو وردہ وہ وقت میرے لئے بھی بہت کٹھن تھا۔ میں کتنا مجبور تھا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک طرف تم تھیں شریک حیات اور دوسری طرف اماں۔ کسی ایک کو بھی چھوڑنا آسان نہیں تھا۔ مجھے لگتا تھا اماں کی نافرمانی کرنے سے سب ہی کے ساتھ اللہ بھی مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ تم نے وہ سب نہیں دیکھا وردہ۔ اماں کو جب ہارٹ اٹیک ہوا تو سبھی مجھے الزام دینے لگے تھے۔ پھر اماں کا رویہ۔ میں بہت الجھ گیا تھا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کروں۔ تب ہی میں سندس آپی کے ساتھ چلا گیا تھا۔ میں جا کر خوش نہیں تھا مگر یہاں رہ کر بھی مجھے راحت نہیں تھی۔ اماں نے جیسے میرے گرد پہرے لگا رکھا تھا۔ اپنی بیماری سے فائدہ اٹھا کر وہ مجھ سے اقرار لے چکی تھی کہ میں تمہیں ان کے گھر نہیں لے کر آؤں گا بلکہ.....''

''تو.....تو.....اب اماں نے کیسے.....'' اس کی بات درمیان سے کاٹ کر وردہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''میں تمہیں ان کے گھر نہیں لے جا رہا۔'' ولید نے دھیمے لہجے میں بات کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا' وہ حیرت سے اسی کی جانب تک رہی تھی۔

''پھر کہاں.....ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے راستے پر نظر دوڑائی یہ سڑک اس طرف تو نہیں جاتی تھی جہاں وہ بیاہ کر گئی تھی۔

چند منٹ بعد ہی ولید نے اپنی کار ایک بڑے گیٹ کے اندر داخل کی۔ خوبصورت اپارٹمنٹس کی اسکیم تھی۔ پارکنگ میں کار پارک کرتے ہوئے ولید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ابھی کوئی سوال نہیں کرنا۔ آؤ اپنے گھر چلو۔'' وردہ کی حیرت برقرار تھی دل کی دھڑکنیں مزید تیز ہو رہی تھیں۔ انہونی کا احساس اسے ستا رہا تھا۔ ذہن مسلسل کہہ رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

''ولید ہم اپنے گھر نہیں جا رہے۔ یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں۔ اماں تو.....''

''شی.....ی.....ی.....کہا ہے نا ابھی کچھ نہیں کہو' آؤ۔'' ولید اس کیلئے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ اس کا دماغ بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔ ولید کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ فرسٹ فلور پر پہنچ کر ولید نے اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا۔

''ویلکم ٹو ہوم۔'' وہ گنگ سی بس قدم بڑھا رہی تھی۔ تین کمروں اور لاؤنج کا یہ اپارٹمنٹ اسی کے سامان سے سجا ہوا تھا۔

''یہ گھر تمہارا ہے وردہ۔ یہاں سے تمہیں کوئی نہیں نکال سکتا۔'' ولید نے اسے کندھے سے تھام کر اپنے اعتماد کی طاقت اس میں منتقل کرنا چاہی۔

''مگر ولید میں ایسا نہیں چاہتی۔ میں سب کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ اماں سے الگ رہنا یا آپ کو ان سے جدا کرنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ کم از کم مجھ سے پوچھتے تو سہی۔ اماں تو مزید مجھ سے بدگمان ہو گئی ہوں گی۔ انہیں یہی خدشہ تھا کہ میں آپ کو ان سے چھین کر لے جاؤں گی۔ ان کا خوف' ان کے خدشے آپ کے اقدام سے سچ ہو گئے۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ ایک دم رونے لگی۔ احساس کی شدت اس کے اندر ہلچل مچا گئی تھی۔

''وردہ پلیز۔ لسن می۔'' ولید نے اسے چپ کروانے کی کوشش کی۔

''میں نے مجبوری میں یہ قدم اٹھایا ہے۔ اماں تمہیں میری زندگی سے نکال دینے کے درپے تھیں۔ وہ تمہیں صرف اپنے گھر سے ہی نہیں۔ ہمیشہ کیلئے میری اور اپنی زندگی سے نکال دینا چاہتی ہیں۔ ایسے میں مجھے کیا کرنا چاہئے تھا؟'' ولید نے اسے بیڈ پر بٹھا کر خود بھی اس کے سامنے نشست سنبھالی۔ ''میں نے بہت چاہا کہ وہ کسی طرح اپنے ارادہ بدل لیں مگر وہ کسی طرح بھی اپنے مؤقف سے ہٹنے کو تیار نہیں۔ الٹا وہ مجھے پریشرائز کر رہی ہیں کہ میں تمہیں چھوڑ دوں۔''

''یہی تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اماں ایسا کیوں چاہتی ہیں۔ میری کیا خطا ہے۔ مائیں تو اپنی اولاد کی خوشیوں پر خود کو قربان کر دیتی ہیں مگر اماں تو.....'' وہ کہتی کہتی چپ ہو گئی۔

''ہاں مگر وہ مجھ سے اپنے حق کے عوض قربانی مانگ رہی ہیں۔ بہرحال تم پریشان نہیں ہونا' اماں اگر بخوشی راضی ہوتیں تو میں انہیں چھوڑنے کا اسٹیپ کبھی نہیں لیتا۔ ان کے فیصلے کا ہی یہ ردعمل ہے۔''

''پھر بھی ولید میں انہیں منانے کی کوشش کرنا چاہتی ہوں۔ آپ ایک بار مجھے ان کے پاس لے کر

چلیں۔ بخدا میں ان کے سائے تلے زیادہ مطمئن رہتی ہوں۔'' وردہ نے اس کا ہاتھ تھام کر پورے خلوص سے کہا۔

ولید کو اس کے کہے پر اعتبار تھا مگر اماں کے سامنے وردہ کو لے جانے کا رسک وہ نہیں لے سکتا تھا۔

'' وردہ میں اماں کو تم سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ ویسے بھی میں اب انہیں تمہارے حوالے سے ٹینشن نہیں دینا چاہتا۔ وہ ایسے ہی مگن اور خوش ہیں تو ٹھیک ہے۔ دیکھو میں نے انہی کی شرط پوری کی ہے۔ وہی چاہتی تھیں نا کہ تم ان کے گھر سے چلی جاؤ' تو ان کی خواہش پوری ہوگئی ہے۔ تم اب اپنے گھر میں ہو۔ یہاں تمہیں کوئی خوف' کوئی ڈر محسوس نہیں ہونا چاہئے۔ رہی ان کے سائے تلے رہنے کی بات تو اگر وہ چاہیں گی تو ضرور ہم ان کے پاس چلے جائیں گے مگر ابھی حالات سازگار ہونے کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ اچھا بس ان باتوں کو چھوڑو۔ ہمارے پاس اپنی بھی تو بہت سی باتیں ہیں۔ یار میں نے اپنی لائف کا وہ یادگار دن اور لمحہ ایسے ہی گنوا دیا۔ باپ بننے کی خوشی کو میں محسوس نہیں کر سکا۔ کس قدر ڈپریس تھا میں اس دن۔ ویل اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے لئے بھی اب سب سے اہم اپنا گھر ہے اور تمہیں بھی اس اسی حوالے سے سوچنا ہے' او کے۔'' ولید نے اس کا ہاتھ تھام کر بھرپور تحفظ کا احساس دیا۔ وہ تشکر سے رونے لگی۔ اس کے آنسوؤں میں تمام بدگمانیاں بہنے لگی تھیں۔ گئے وقت کا مان ٹوٹتے ٹوٹتے بچا تھا۔ کچھ بھی تھا ولید نے اس کی چاہت کی لاج رکھ لی تھی۔ اس کی محبتوں کا صلہ اسے مل رہا تھا اور اسے کیا چاہئے تھا۔ بس ایک ہلکا سا ملال ضرور تھا۔ اماں کی ضد و انا نے خود ہی اپنے بچوں سے دوری اور فاصلے بڑھا لئے تھے۔ وہ چاہ کر بھی ان کے قریب نہیں جا سکتی تھی اور اب یقیناً ولید بھی یہ کرب سہنے جا رہا تھا۔

***

'' کہاں تھے تم رات بھر؟ نہ ہی فون اٹھا رہے تھے اور نہ ہی کوئی خیر خبر دی تھی۔ کہیں بھی تمہارا ٹھکانہ نہیں تھا۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ مجھے ہول اٹھنے لگے ہیں، میرا دل پہلے ہی کمزور ہے۔ اس پر ملک کے حالات۔'' اگلی صبح آفس جانے سے پہلے وہ اماں کے گھر چلا آیا تھا۔ اماں اپنے کمرے کے بجائے لاؤنج میں موجود اس کی منتظر بیٹھی تھیں۔ سامنے ٹی وی چل رہا تھا۔ اماں کی فکر اسے کچھ مصنوعی سی محسوس ہو رہی تھی۔

'' اماں اب میں بچہ نہیں ہوں۔ میری فکر نہ کیا کریں۔'' وہ ان کے پاس ٹھہرنا نہیں چاہ رہا تھا' اس لئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

'' ٹھہرو کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ پہلے میری بات سنو۔'' انہوں نے زبردستی اسے روکا تو وہ پلٹ کر ان کے سامنے آ بیٹھا۔

'' میں تمہاری ماں ہوں' مجھے تمہاری فکر نہیں ہوگی تو کس کو ہوگی۔ تمہیں اس طرح پریشان دیکھتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ نادیہ کیلئے تمہاری بات چلاؤں۔ بڑی نیک سگھڑ بچی ہے اور پھر تمہاری خالہ کی بیٹی ہے۔ بدبخت اس کے سسرال والوں نے تو اس کی قدر نہ کی۔ سال بھر میں بے چاری بچی کا بھرکس نکال کر رکھ دیا۔ عدیلہ (اماں کی بہن) بڑی پریشان ہے بیٹی کے واسطے۔ بھاوجوں نے

بچی کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ میں نے عدیلہ سے کہا ہے تم سے بات کر کے سلسلہ بڑھاؤں گی۔ تم بتاؤ کیا رائے ہے۔ نیکی ہے یہ بچے' ہر کسی کو یہ موقع نہیں ملتا۔ بن باپ کی بچی بھاوجوں کی ستائی ہوئی ساری زندگی خدمت کرے گی۔''

'' آپ کا مطلب ہے اس نیکی کیلئے میں وردہ کو چھوڑ دوں؟ ایک طلاق یافتہ لڑکی کو اپنانے کیلئے اپنی بیوی کو بنا قصور کے طلاق دے دوں؟ یہ نیکی ہے کہ گناہ۔ معاف کیجئے گا اماں آپ کی توقعات میں پوری نہیں کر سکتا۔ آپ نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو آپ کے گھر سے نکال دوں سو میں نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ یہ حق و اختیار آپ کو حاصل تھا۔ یہ گھر آپ کا ہے لیکن میری زندگی سے وردہ کو نکالنے کا نہ آپ کو کوئی حق ہے نہ اختیار۔ مجھے اپنی بیوی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اس نے میری خاطر بہت کچھ سہا ہے۔ اس لئے میں نے اس کے ساتھ الگ گھر میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ اپنے گھر میں خوش رہیے۔ میں اپنے گھر میں خوش رہوں گا۔ نہ آپ کو ٹینشن ہوگی اور نہ ہی مجھے کوئی پریشانی۔'' ولید نے بہت حوصلے سے اپنی بات کہی تھی۔

اماں لق دق اسے سن رہی تھیں۔ دیکھ رہی تھیں۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں وردہ کا سایہ بھی اب ان کے گھر پر نہیں پڑے گا مگر یہاں تو سلسلہ ہی اور تھا۔ بیٹے نے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی تھی اور اپنی دنیا الگ بسا لی تھی۔ ان کا تو خیال تھا وردہ سے چند دن دور رکھ کر انہوں نے ان میں ہمیشہ کی جدائی ڈال دی ہے مگر وہ تو انہی سے دور ہو گیا تھا۔ وہ جیسے اپنے ہی داؤ میں آ گئی تھیں۔ زینب' کلثوم کچن میں کھڑی سب باتیں سن رہی تھیں۔ حیرت تو انہیں بھی تھی کہ ولید کس طرح اماں کی پکڑ سے نکلا تھا۔ ولید اماں کو اسی طرح چھوڑ کر گھر سے نکل آیا تھا۔

اسے خبر تھی کہ اس کے پیچھے اماں کی بددعاؤں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ وردہ پر الزامات کا طوفان گھر کے در و دیوار سے بھی روکا نہ جائے گا مگر وہ کیا کرتا' ان باتوں کو دیکھتا اور سوچتا تو اپنی ہی زندگی مشکل ترین بن جاتی۔ اسے جب اطمینان تھا کہ وہ غلط نہیں ہے تو پھر وہ کس کی پروا کرتا۔ اماں اپنی ضد سے مجبور ہو کر انتہا تک جا سکتی تھیں تو کیا وہ اپنی جائز خوشیوں کیلئے ان سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔

***

آج ولید کو اماں کے گھر سے نکلے پانچ سال ہو گئے ہیں۔ ان پانچ سالوں میں بہت سے نشیب و فراز بھی آئے۔ تینوں بھائیوں کا آج اپنا اپنا کاروبار' اپنا اپنا گھر ہے اور وہ گھر جو اماں کا تھا وہاں آج صرف سناٹا گونجتا ہے یا پھر وحشت بھری تنہائیاں۔

ولید نے بہت کوشش کی تھی کہ اماں اسے معاف کر دیں مگر انہوں نے اپنی ضد کی خاطر اس سے اپنا رشتہ و تعلق دونوں توڑ لئے تھے۔ حتیٰ کہ اماں نے اس کے پہلے بیٹے کی پیدائش کی خبر پر بھی اسے بددعاؤں سے نوازا تھا۔ اماں کی بددعائیں اس کیلئے دعائیں ثابت ہو رہی تھیں۔ دو بیٹوں ایک بیٹی کے وجود سے اس کا گھر اس کی جنت مہکتی چہکتی رہتی تھی اور گزشتہ سال سے اماں بھی اس کی جنت کا حصہ بن چکی ہیں۔ اماں کی ذہنی کیفیت معتدل نہ ہونے کے سبب اماں کی بہوؤں نے انہیں سنبھالنے سے انکار کر دیا تھا۔

کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ کہیں اماں اپنے جنون میں انہیں یا ان کے بچوں کو نقصان نہ پہنچا دیں۔ آج وہی پرائی عورت غیر خاندان کی لڑکی ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتی ہے۔ ان کی جھڑکیں' ان کی گالیاں' طعنے کوسنے سبھی کچھ ہنستے ہنستے برداشت کرتی ہے' حتیٰ کہ ان کی جنونیت و وحشت کا بھی شکار بنتی ہے۔

اماں نے ولید یا اس کے بچے کو کبھی جھڑکا بھی نہیں۔ اس کا بڑا بیٹا اکثر اس سے پوچھتا ہے۔

''ماما دادی جان ہمیشہ آپ کو مارتی ہیں۔ آپ پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتیں۔ آپ ان کے پاس نہ جایا کریں۔ زرینہ (ملازمہ) کو کہا کریں' وہ ان کے کام کرے یا پھر پاپا سے کہیں وہ انہیں تایا جان کے گھر بھجوا دیں۔ وہ انہیں ہمارے گھر کیوں لے کر آئے ہیں۔''

''نہیں میری جان ہم انہیں کہیں نہیں بھیجیں گے' اگر میں بیمار ہوگی تو آپ مجھے بھی کہیں بھیج دو گے۔''

''نہیں ماما۔ آپ تو میری ماما ہیں۔ میں' سنی' وانیہ آپ کے بنا نہیں رہ سکتے۔ ماما میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔'' معصوم سے امن نے فوری طور پر جواب دیا۔

اماں اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی ان کی گفتگو آج بھی سن رہی تھیں۔ وردہ کے ماتھے پر چوٹ لگی تھی۔ جس سے خون بہہ رہا تھا اور یہ زخم اماں کا دیا ہوا تھا۔ وردہ اپنا ماتھا صاف کرتے ہوئے رسانیت سے بولی۔ ''تو بیٹا انہیں بھی کہیں نہیں بھیج سکتے۔ یہ آپ کے پاپا کی ماما ہیں۔ پاپا ان کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جس طرح تم سب میرے بغیر نہیں رہ سکتے' یہ گھر ان کا ہے۔ آئندہ ایسی بات نہیں کرنا ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔''

''نہیں ماما میں آئندہ ایسا نہیں کہوں گا۔ دادی جان پلیز آپ ماما کو کچھ نہ کہا کریں۔'' امن نے انہیں کھڑے دیکھ کر التجا کی۔

''ڈائن..... جادوگرنی..... قبضہ جما لیا ہے میرے گھر پر۔ نکل جا میرے گھر سے' میرے بیٹوں کو ورغلاتی ہے۔ مجھ سے دور کرے گی، میرے بچوں کو۔ سوکن لاؤں گی میں تیری' دیکھ لینا۔ میں اپنے ولید کا دوبارہ گھر بساؤں گی اور تو خون کے آنسو روئے گی۔'' اماں کی چیخ و پکار اسی طرح جاری رہتی ہے۔

ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ ان کا ذہن ایک نقطے پر ٹھہر گیا ہے۔ ان کی سوچیں اسی نقطے کے گرد چکراتی رہتی ہیں۔ جب ولید نے گھر چھوڑا تھا تو وہ اسی طرح چیخی چلائی تھیں۔ رفتہ رفتہ ان کی کیفیت جنون میں بدلنے لگی تھی۔ وہ اپنے قریب آنے والوں پر چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکا کرتی تھیں۔ گزشتہ ایک سال سے ان کی حالت میں یہ سدھار آیا تھا کہ اب صرف وردہ ان کے نشانے پر تھی۔ وردہ کو ان کے کسی بھی رد عمل کا دکھ یا ملال نہیں ہے۔ وہ اسی بات پر آسودہ اور مطمئن ہے کہ اماں اس کے ساتھ ہیں۔ اس کیلئے ان کا ساتھ غنیمت ہی نہیں نعمت بھی ہے اور اپنے صبر اور رویے سے وہ ثابت بھی کر چکی ہے کہ ولید کا انتخاب غلط نہیں تھا۔

***